ایس ایس جی
تاریخ کے آئینے میں
لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خان

ایس ایس جی

تاریخ کے آئینے میں

لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خان

لاہور بک سٹی

95-Y بلاک، فیز-III، ڈی ایچ اے، لاہور

042-37199871, 0331-1410087-0336-4633908

واحد تقسیم کار:

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔

فون: 37232336'37352332 فیکس: 37223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب : ایس ایس جی
(تاریخ کے آئینے میں)

مصنف : لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خان

ناشر : لاہور بک سٹی، لاہور

مطبع : آر۔آر پرنٹرز، لاہور

سن اشاعت : دسمبر 2022ء

قیمت : -/2000روپے

ملنے کے پتے

علم و عرفان پبلشرز الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی	کتاب گھر * اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی * جناح سپر مارکیٹ F-7 مرکز، اسلام آباد
فرید پبلشرز اُردو بازار، کراچی 0345-2360378	ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
بیکن بکس گلگشت کالونی، ملتان	رشید نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی
لاہور کتاب میلہ کالج روڈ، ڈسکہ 052-6611192 , 03000700313	سٹی بک پوائنٹ اُردو بازار، کراچی
لاہور بک سٹی Y-95 بلاک، فیز iii، ڈی ایچ اے لاہور	اٹلس بک بنک مین مارکیٹ گلبرک، لاہور

اِنتساب

ایس ایس جی کے اُن شہیدوں کے نام
جو خاکِ وطن کے تحفظ میں آسودۂ خاک ہو گئے
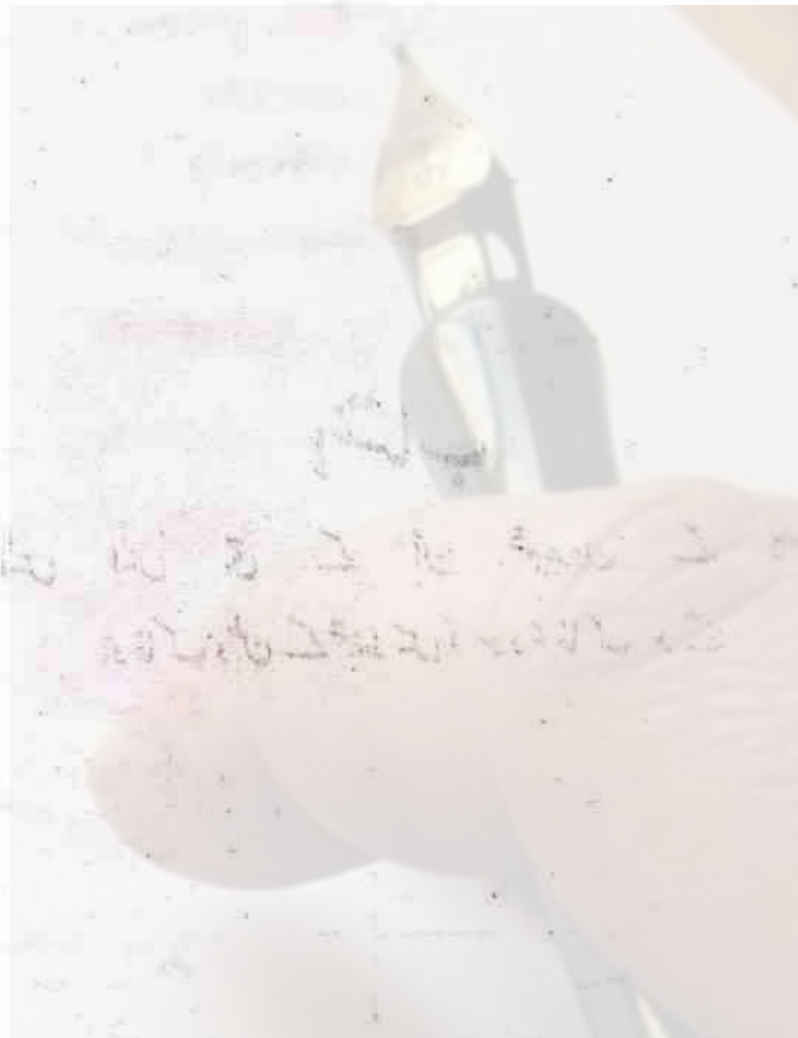
دیباچہ طبع ثانی

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 2004ء میں شائع ہوا تھا اور اس کی افتتاحی تقریب 5 مارچ 2005ء کو جی ایچ کیو آڈیٹوریم میں اس وقت کے آرمی جنرل پرویز مشرف کے ہاتھوں انجام پائی تھی جو اس گروپ کے کرنل انچیف بھی تھے۔ اس تقریب میں GHQ کے تقریباً تمام آفیسرز اور ایس ایس جی کے متعدد حاضر سروس اور ریٹائرڈ سینئر آفیسرز شریک ہوئے۔

اس کو ایس ایس جی ہیڈکوارٹرز چراٹ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ اب یہ ہیڈکوارٹر چراٹ سے تربیلا منتقل ہو چکا ہے اور گزشتہ 18 برسوں (2004ء تا 2022ء) میں بقول کسے پل کے نیچے سے بہت سا پانی بھی بہہ چکا ہے۔

اس سے پہلے انگریزی یا اردو زبان میں اس سپیشل سروس گروپ پر کوئی کتاب مارکیٹ میں نہیں تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جاتا تاکہ پاکستان سے باہر کی دنیا میں بھی اس کو پذیرائی ملتی لیکن بوجوہ ایسا نہ ہوا اور اس کا دائرۂ تفہیم و توزیع صرف ان قارئین تک محدود رہا جن کے ہاتھوں میں یہ کتاب پہنچائی گئی۔ پاکستان کی عام پبلک اس طرح کی تحریروں میں غایت دلچسپی رکھتی ہے لیکن کسی بک سٹال تک اس کتاب کو نہ پہنچایا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ ایسا کرنے میں کیا محدودات (Limitations) حائل تھیں۔ اول اول مجھے بہت سے لوگوں کے فون آتے رہے۔ ان کا سوال یہی ہوتا تھا کہ یہ کتاب کہاں سے مل سکتی ہے۔ میں ان کو ایس ایس جی ہیڈکوارٹر چراٹ سے رابطہ کرنے کا کہتا رہا۔ لیکن ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ وہاں بھی اس کی کوئی فاضل کاپی برائے فروخت موجود نہیں۔

میں نے پتہ کروایا کہ اس کتاب کی تقسیم عام کرنے میں کوئی سیکیورٹی ممانعت تو نہیں۔ معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرے 2004ء سے لے کر اب تک کے برسوں میں اس مایہء ناز سروس گروپ کے کارہائے نمایاں اتنے کثیر اور قابلِ ہزار تحسین ہیں کہ ان پر ایک نئی کتاب لکھی جا سکتی

ہے جس کا حجم موجودہ ایڈیشن سے بھی زیادہ ضخیم ہو جائے گا۔ موجودہ ایس ایس جی ہیڈ کوارٹرز سے درخواست ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں اور ان عسکری کارناموں سے پاکستانی عوام کو آگہی بہم پہنچائیں جو ایس ایس جی نے گزشتہ 18 برسوں میں سرانجام دیئے۔

اس ایڈیشن میں، میں نے متن کو جوں کا توں رہنے دیا۔ البتہ بعض تصاویر کو رنگین کی بجائے بلیک اینڈ وائٹ کر دیا ہے تا کہ کتاب کی قیمت کم کی جا سکے اور یہ زیادہ سے زیادہ قارئین تک رسائی پا سکے۔

اگر قارئین کو دورانِ مطالعہ اس ایڈیشن میں کہیں پروف کی غلطی نظر آئے تو از راہِ کرم مجھے مطلع کریں۔ اس متن کی سکیورٹی کلیئرنس متعلقہ اربابِ اختیار سے لے کر ہی اس کا اولین ایڈیشن شائع کیا گیا تھا۔

اکتوبر 2022ء   لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خان

83۔ بی۔ عسکری ون، سرفراز رفیق روڈ، لاہور کینٹ
0321-8848785
042-36675501

فہرست

فہرست تصاویر و نقشہ جات

حرفِ آغاز

افواجِ پاکستان نے وطن عزیز کے قیام سے لے کر اب تک ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ ہماری بہادر افواج نے ملک کو درپیش ہر اندرونی اور بیرونی خطرے کا ہمیشہ جرأت اور دلیری کے ساتھ سامنا کیا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے افواجِ پاکستان کو اپنی پیشہ ورانہ مہارت کی بدولت اقوامِ عالم میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ ہم نے اس مقام کو مزید بلندیوں تک لے جانا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ ہمارا ہر آنے والا دن انشاءاللہ گزرے ہوئے دن سے زیادہ روشن اور زیادہ تابناک ہوگا۔

سپیشل سروس گروپ، پاک فوج کا ایک مایہ ناز حصہ ہے۔ اس گروپ کے جری آفیسرز، جے سی اوز اور جانبازوں نے گروپ کی تاسیس سے لے کر عصرِ حاضر تک اپنی پیشہ ورانہ مہارت، دلیری اور خدمت ملک و قوم کی بے مثال روایات قائم کی ہیں۔ ان عظیم خدمات کا دائرہ نہ صرف میدانِ جنگ کے آپریشنز پر محیط ہے بلکہ زمانۂ امن میں بھی دہشت گردی، ہائی جیکنگ اور خطرناک ڈاکوؤں کی سرکوبی کی ایک لازوال تاریخ رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں ریلیف آپریشنز، اقوامِ متحدہ کی امن فوج کے تحت بروئے کار لائے جانے والے آپریشنز اور ملک و قوم کی اہم شخصیات (VIPs) کی حفاظت اور سیکورٹی بھی اس کے احاطۂ کار میں شمار ہوتی ہے۔ ایس ایس جی کی فقید المثال کارکردگی اور اس کے جانبازوں کی عظیم الشان قربانیوں کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ حکومتِ پاکستان نے پاک آرمی کے اس گروپ کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں اسے ایک ہلالِ جرات، 27 ستارۂ جرات، 16 ستارہ بسالت، 68 تمغہ بسالت

اور 204 چیف آف آرمی سٹاف امتیازی اسناد عطا کر رکھی ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ یہ اعداد وشمار، جرأت وہمت، ایثار وقربانی اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں تن من کی بازی لگا دینے میں، ایس ایس جی کو افواجِ پاکستان میں ایک ممتاز مقام کا حامل ٹھہراتے ہیں۔

مجھے خود بھی تقریباً سات برس تک ایس ایس جی سے وابستہ رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں، اس میں پاکستان آرمی کا بالعموم اور ایس ایس جی کا بالخصوص بہت نمایاں کردار ہے اور میں اس مایہ ناز تنظیم کے کرنل انچیف ہونے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتا ہوں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایس ایس جی کی تاریخ کو جو قابلِ فخر کامیابیوں اور قربانیوں کا ایک حسین امتزاج ہے بہت پہلے قلم بند کیا جاتا تا کہ ہماری آنے والی نسلیں ان کو مشعلِ راہ بناتیں۔ لیکن بوجوہ ایسا نہیں ہوسکا۔ اس کی ایک بڑی وجہ شاید اس گروپ کی ہمہ گیر اور ہمہ وقت پروفیشنل مصروفیات ہوں۔ بہر حال دیر آید درست آید! کے مصداق، یہ سعادت، اب ایس ایس جی کی موجودہ قیادت اور کرنل (ریٹائرڈ) غلام جیلانی خان کے حصے میں آئی ہے جس کے لیے وہ لائق تحسین ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب قارئین بالخصوص ملٹری ہسٹری کے طالب علموں کے لیے دلچسپ اور معلومات افزا ہوگی۔ اس کتاب سے ہماری عسکری تاریخ کے بہت سے ایسے گوشے بے نقاب ہوں گے جو ابھی تک، بوجوہ منظر عام پر نہ آسکے۔ اس کتاب کی اشاعت سے ان بے شمار سپاہیوں کا لہو بھی اہل وطن سے خراجِ عقیدت وصول کرے گا جو ابھی تک گمنام تھے۔ مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ وطنِ عزیز پاکستان کا ہر ہر جوان، شجاعت اور سرفروشی کی یہ داستان پڑھ کر اپنے سینے میں ایک جیتی جاگتی حرارت محسوس کرے گا اور خدمت قوم ووطن کے جذبات کو اس سے فروغ حاصل ہوگا۔

میری دُعا ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر پاک آرمی کے اس خصوصی دستے کو آج کے جیوسٹریٹجک حالات کے تناظر میں دفاعِ وطن کے مقدس فریضے کی بجا آوری میں نصرت وکامرانی سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

پاکستان زندہ باد
ایس ایس جی پائندہ باد

جنرل
چیف آف آرمی سٹاف اور کرنل انچیف ایس ایس جی
(پرویز مشرف)

5 اپریل 2004ء
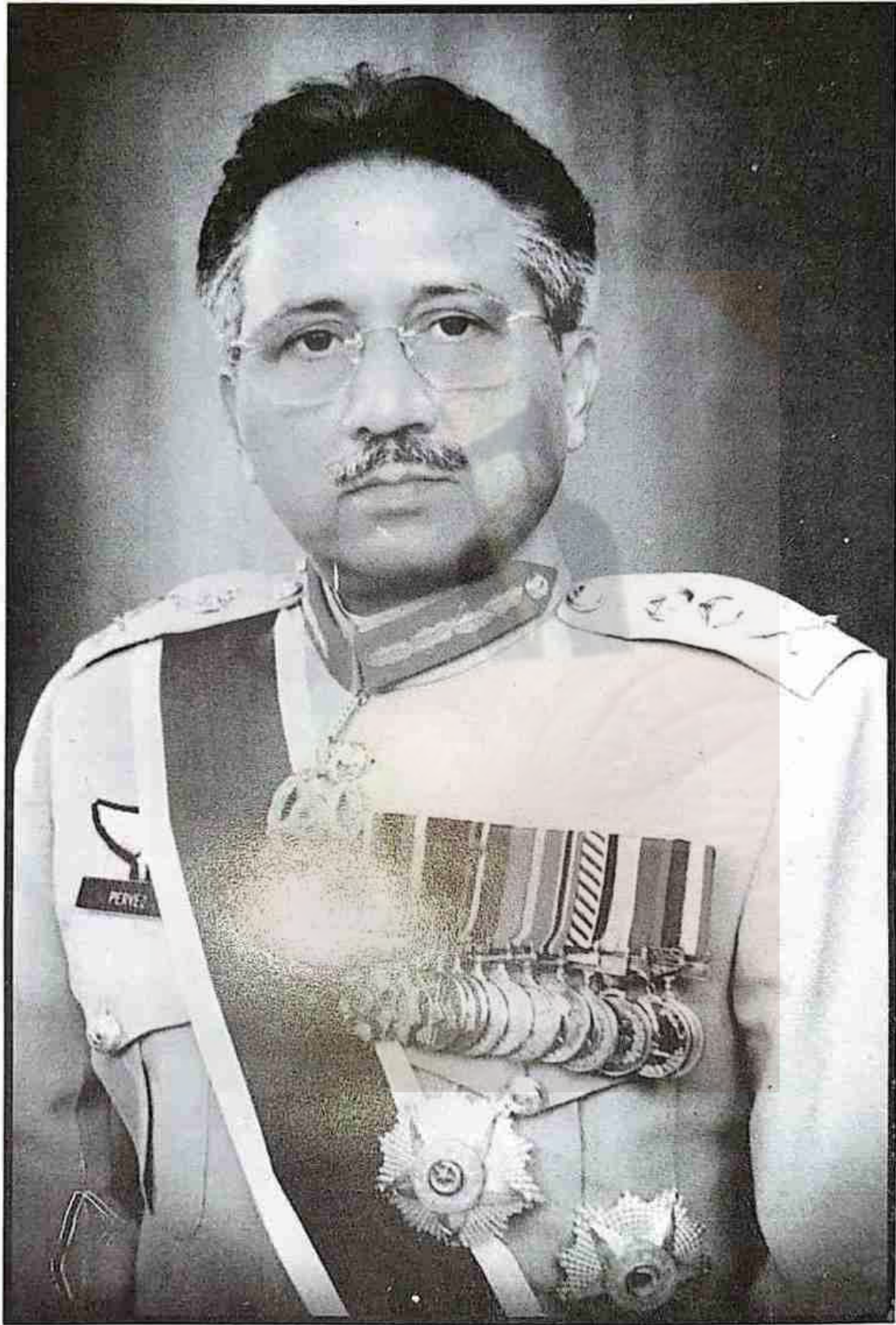
جنرل پرویز مشرف، چیف آف آرمی سٹاف اور کرنل انچیف ایس ایس جی

لیفٹیننٹ کرنل (بعد میں میجر جنرل) ابوبکر عثمان مٹھا (تمغۂ پاکستان) ایس ایس جی کے بانی کمانڈنگ آفیسر

بریگیڈیئر طارق محمود (ٹی ایم) .... ایک لیجنڈ

میجر جنرل امیر فیصل علوی، جنرل آفیسر کمانڈنگ ایس ایس جی

تعارف

مجھے سپیشل سروس گروپ کی اس تاریخ کا تعارف لکھتے ہوئے بے انتہا خوشی ہورہی ہے کہ جس میں پاکستان آرمی کے اس مایۂ ناز گروپ کے کارناموں کی ایک جامع تفصیل بیان کردی گئی ہے۔ ایس ایس جی اپنی تشکیل کے روزِ اول ہی سے آزمائشوں اور ابتلاؤں کے ایک مسلسل دور سے گزرتا رہا ہے اور اس حوالے سے نہ صرف پاکستان آرمی بلکہ پوری قوم کی توجہ کا مرکز ومحور رہا ہے۔ تاہم جہاں ایک طرف اس کے دامن میں تحسین وآفرین کے بہت سے پھول سمٹے ہوئے ہیں، وہاں اس کی جھولی میں تنقید اور نکتہ چینی کے بعض کانٹے بھی موجود ہیں۔ باایں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ کا زمانہ ہو یا امن کا، اس فورس کو قومی سلامتی کے بہت سے آپریشنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف ان آپریشنوں کی تفصیل بیان کرتی ہے بلکہ اس کے آغاز اور اس کی ٹریننگ کے بارے میں بھی پورے پسِ منظر کی بیش قیمت معلومات فراہم کرتی ہے۔ پاک آرمی کے اس گروپ کے بارے میں ہماری معلومات ہمیشہ ہی سے نامکمل رہی ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ تفصیلات کسی دستاویزی شہادت کی عدم موجودگی کے باعث افراط وتفریط کے پردے میں پوشیدہ رہیں۔ یہ کتاب ایس ایس جی کے گزشتہ پچاس برسوں پر محیط دلوں کو گرمانے والے کارناموں کا نہایت تفصیل سے احاطہ کرتی ہے۔ کرنل غلام جیلانی خان نے گزشتہ نصف صدی پر پھیلی ہوئی ایس ایس جی کی متنوع تاریخ کو گویا ایک ایسی دوربین کے ذریعے ہمیں دکھایا ہے کہ جس میں ایک ایک منظر نہایت

روشن اور واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ ان رنگا رنگ مناظر کی تصویر کشی میں فاضل مصنف کا زورِ تخیل اور ان کی تحقیقی کاوش حد درجہ قابلِ داد ہے۔

ایس ایس جی کے دلیر اور جری آفیسرز، عہدیدار اور جوان دنیا بھر کی سپیشل فورسز میں کسی بھی پروفیشنل حوالے سے دوسرے نمبر پر شمار نہیں ہوتے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تصنیف ان جانبازوں کے ہاتھوں انجام پانے والے مشکل، پیچیدہ اور متنوع آپریشنوں کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر ایک ایسا پر جوش، گہرا اور پر شکوہ تاثر پیدا کرے گی، جو ہر لحاظ سے شاندار ہوگا۔ مجھے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب جہاں ہمارے پیشرو حضرات کے لئے بے انتہا وقیع اور دلچسپ ہوگی وہاں ایک عام قاری کے لئے بھی اس میں معلومات اور دلچسپی کا وافر مواد موجود ہوگا۔

ایس ایس جی اپنے ہیروز کے سینوں پر بغیر سوچے سمجھے بہادری کے تمغے اور میڈل نہیں سجاتی بلکہ ان کے حصول کے لئے ان کے ہر ایکشن کو باقاعدہ ایک مشکل اور تجزیاتی عمل سے گزارا جاتا ہے جس میں دستاویزی شواہد اور دوسرے کئی پیشہ ورانہ پہلو پیش پیش ہوتے ہیں۔ سپیشل سروس گروپ نے آج تک جرأت وشجاعت کے جو ایوارڈ حاصل کئے ہیں وہ تعداد میں پاکستان آرمی کے ہر بریگیڈ اور ڈویژنل لیول کی فارمیشن سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس لئے بھی ضروری سمجھا گیا کہ اس جواں ہمت گروپ کی ایسی تاریخ قلمبند کی جائے جس میں ہمارے پیشرو شہیدوں اور غازیوں کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کیا جائے اور ایس ایس جی میں انڈکٹ ہونے کے بعد جن محترم ہستیوں نے قربانیوں کی لازوال مثالیں قائم کیں اور جرأتوں کی بے مثال داستانیں رقم کیں، ان کی عظمتوں کو سلام پیش کیا جائے .... یہ اوراق اسی خیال اور اسی جذبے کے ترجمان ہیں!

میں ایک بار پھر فاضل مصنف کو ان کی عالمانہ اور تاریخ ساز کاوش پر دل کی گہرائیوں سے خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ ان کی یہ تصنیف پاک فوج کی تاریخ کے اوراق میں ایک نہایت شاندار اور چونکا دینے والے باب کا اضافہ کرے گی۔ میں اس موقع پر ایس ایس جی کے بعض نامی گرامی حضرات مثلاً کرنل ایس جی مہدی، بریگیڈیئر خواجہ نسیم اقبال، بریگیڈیئر سلیم ضیاء، بریگیڈیئر شمیم یٰسین منٹو، لیفٹیننٹ جنرل نشاط احمد، میجر جنرل حکیم ارشد قریشی

اور بہت سے دوسرے حضرات کا بطور خاص شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کے مسودے کو پریس میں جانے سے پہلے بار بار اور بڑے غور وخوض سے پڑھا اور اس کے مندرجات کی تصحیح اور درستگی کی توثیق کی۔

میں اپنے پیش رو بریگیڈیئر ہارون اسلم کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس گراں قدر تصنیف کی تحریر وتدوین کا آغاز کیا۔

ایس ایس جی کے شہدا میں ہر بارہ جوانوں کے مقابلے میں ایک آفیسر کی شہادت کا تناسب اس گروپ میں آفیسرز کی پیشہ ورانہ کارکردگی کے معیار کا شاہد ہے۔ یہ گروپ ایک ایسی فورس ہے جو اس مقولے پر ایمان رکھتی ہے کہ آفیسرز ہمیشہ ہراول میں رہ کر کمانڈ کرتے ہیں۔

اس کتاب میں جہاں بہت سے شہیدوں کے نام آئے ہیں، وہاں ایس ایس جی کے لاتعداد ایسے گمنام شہدا بھی ہیں جن کا تذکرہ بوجوہ نہیں کیا جا سکا اور کسی نے ان کی بہادرانہ کارکردگی کا نظارہ بھی نہیں کیا لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ شہید ہو کر امر ہو گئے۔ اور جن کی شہادت نے اس گروپ کی پیشہ ورانہ کارکردگی کو چار چاند لگائے۔ میں ایسے تمام ناسرائیدہ ہیروز (un-sung heroes) کی ارواحِ مقدسہ کو بھی سلام پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ایس ایس جی پاک فوج کے ایک جنرل آفیسر کے زیر کمانڈ ہے اور راقم السطور کو اس مایہ ناز گروپ کے پہلے جی او سی (جنرل آفیسر کمانڈنگ) ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ میں جنرل پرویز مشرف، کرنل انچیف ایس ایس جی اور صدر جمہوریہ پاکستان کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے اس ایلیٹ گروپ کے سائز اور اس کی اہلیت وصلاحیت میں اضافہ کرنے کے لئے بہت سے گرانقدر اقدامات کئے۔ یہ گروپ ان کے خلوص اور ان کی فیاضی کا ہمیشہ ممنونِ احسان رہے گا۔

چراٹ
یکم جنوری 2004ء

میجر جنرل
جنرل آفیسر کمانڈنگ ایس ایس جی
(امیر فیصل علوی)

پیش لفظ

سپیشل فورسز دنیا کی تمام جدید افواج کا جزو لازم شمار ہوتی ہیں۔ ٹیکنالوجی جوں جوں ترقی کر رہی ہے، ان فورسز کا رول مزید اہم ہوتا اور ان کا حجم مزید پھیلتا جا رہا ہے۔ بیسویں صدی کی دونوں عظیم جنگوں میں ان فورسز نے دشمن کے خلاف آپریٹ کرتے ہوئے بہت سے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے اور جنگ کے مجموعی نتائج پر اثر ڈالا۔

سپیشل سروس گروپ، پاک آرمی کا ایک مایہ ناز کمانڈو گروپ ہے جو قیام پاکستان کے تقریباً آٹھ برس بعد تشکیل دیا گیا۔ ان پاکستانی کمانڈوز کی کوئی تاریخ (اردو میں) ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ اس کی ایک وجہ شائد اس گروپ کی نوعمری اور دوسری وجہ شائد خود اردو زبان کی تنگ دامنی ہو۔ جدید عسکری موضوعات کو اردو میں تحریر کرنا ابھی تک ہماری روایات کا حصہ نہیں بنا۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اردو کا قاری عسکری معاملات و موضوعات کی اس ڈویلپ منٹ سے آشنا نہیں جو گزشتہ تین سو برسوں سے دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں معمول کا ایک موضوع شمار کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے اردو زبان میں صرف دو موضوعات ایسے تھے جن پر سارا ''زورِ کلام'' صرف کیا جاتا رہا۔ میری مراد ادب اور مذہب سے ہے۔ باقی موضوعات سے بالعموم اغماض برتا گیا۔ یہ چشم پوشی ارادتاً تھی یا سہواً، یہاں اس کی تفصیل مقصود نہیں۔ بتانا یہ ضروری ہے کہ اور تو اور 1947ء کے بعد سے لے کر اب تک پاکستان اور بھارت کے مابین جو تین جنگیں (1948ء، 1965ء اور 1971ء) اور تین جھڑپیں

(رن آف کچھ، سیاچن اور کارگل) ہوئیں، ان کی کوئی پیشہ ورانہ تاریخ بھی ہنوز اُردو نہیں لکھی گئی۔ سپیشل سروس گروپ چونکہ ایک سپیشل گروپ تھا اور اس نے جتنے بھی آپریشن کیے، وہ بھی سپیشل تھے۔ مزید برآں ان لوگوں کے طریقِ کار، ہتھیار، ساز وسامان اور ٹیکٹکس بھی سب کی سب سپیشل تھیں لہٰذا پردۂ راز میں رکھی گئی تھیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس کی تاریخ کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہ ہونے کا سبب یہی ہو!

بعض حلقوں کا اصرار ہوسکتا ہے کہ اردو کا عام قاری جنگ و جدل کی تاریخ، اس کی نزاکتوں، جدید ہتھیاروں کی ایجاد و تولید اور ان کے ارتقائی عمل سے تقریباً بے بہرہ ہے، اس لئے سپیشل سروس جیسی سپیشلسٹ عسکری تنظیم کی جانب سے بروئے عمل لائے جانے والے آپریشنوں کی تفہیم سے بھی شائد قاصر ہوگا۔ جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ اردو کے قاری کو آج تک کسی نے جدید عسکری موضوعات پر کوئی معلوماتی اور قابلِ خواندگی پیشہ ورانہ تحریر لکھ کر پیش ہی نہیں کی تو اس کی عدم دلچسپی یا افہام و تفہیم کی نارسائی اور ناتمامی کا شکوہ کیسا؟ انہی حضرات کا استدلال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اردو کا قاری جیوملٹری اور جیوسٹریٹجک موضوعات و مضامین سے بھی شائد زیادہ رغبت نہیں رکھتا، اس قسم کے سارے موضوعات اس کے لئے ثقیل ہوتے ہیں اور وہ صرف ان زود ہضم موضوعات ہی کا دلدادہ ہے، جن کا ذکر میں نے اوپر کیا، یعنی شعروشاعری، افسانہ، ناول، داستان طرازی یا پھر مذہبی مسائل اور ان سے متعلق تحریریں وغیرہ۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اردو زبان کا آج کا قاری ہر قسم کے موضوعات کو سمجھنے کا شعور رکھتا ہے اور جہاں تک عسکری تواریخ و تحاریر سے اس کی عدم دلچسپی کا تعلق ہے تو یہ عسکری موضوعات پر لکھنے والے مصنفوں کا فرض ہے کہ وہ اسے فکشن کی دنیا سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لائیں اور افسانوی داستانوں کی بجائے حقیقی جنگی آپریشنوں، معروضی تبصروں اور تجزیوں کا عادی بنائیں۔ اگر آج وہ ان تحریروں اور تجزیوں کو ثقیل سمجھتا ہے تو آنے والے کل میں آہستہ آہستہ یہ بوجھل پن دور ہوسکتا ہے۔ کوئی بھی موضوع بجائے خود مشکل یا آسان نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی پیشہ ورانہ اصطلاح یا ترکیب ثقیل یا سبک ہوتی ہے، یہ صرف اور صرف استعمال اور عدم استعمال کا مسئلہ ہے۔ اس لئے سپیشل سروس گروپ کی یہ تاریخ لکھتے ہوئے میں نے جہاں جہاں ضروری سمجھا جیوملٹری، جیوسٹریٹجک اور جیو پولیٹیکل

پس منظر بھی قارئین کی خدمت میں اس توقع کے ساتھ پیش کیا ہے کہ وہ ان موضوعات کو سمجھنے اور انہیں ہضم کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کریں گے۔

جہاں تک انگریزی اصطلاحوں اور تراکیب کا تعلق ہے تو میں نے ان کے اردو مترادفات استعمال کرنے کی بجائے بیشتر کو اردو میں املاء کر دیا ہے۔ مثلاً ریکی کو قراولی نہیں لکھا، ریکی ہی رہنے دیا ہے اور انٹیلی جنس کو استخبارات کی بجائے انٹیلی جنس ہی لکھ دیا ہے۔ یہ اصطلاحیں اب ہماری روزمرہ عسکری بول چال کا حصہ بن گئی ہیں اور اگر کوئی نامانوس اور اجنبی اصطلاح متن میں آئی بھی ہے تو اس کی وہیں متن ہی میں وضاحت اور تشریح کر دی گئی ہے۔

سپیشل سروس گروپ کی تاریخ لکھنا دو وجوہات کی بناء پر مشکل تھا۔ ایک یہ کہ کوئی بھی ایسا آپریشن جو پیشہ ورانہ اعتبار سے اہمیت کا حامل ہو اور اس میں حصہ لینے والے کردار ابھی زندہ ہوں تو مصنف کے لئے مشکلات کا پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اپنے اپنے نظریات، آراء، دعوے اور جوابی دعوے ہوتے ہیں۔ ایک فریق کسی کامیابی یا ناکامی کے اسباب جس کھاتے میں ڈالتا ہے، دوسرے فریق کے لئے وہ قابل قبول نہیں ہوتا!

سپیشل سروس گروپ 1956ء میں معرض وجود میں آیا۔ اس اعتبار سے اس کو 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں، 1984ء کی سیاچن جھڑپ اور 1999ء کی کارگل جھڑپ کے علاوہ اندرون ملک اور دشمن کی صفوں کے عقب میں آپریٹ کرنے کے لئے استعمال (Employ) کیا گیا۔ ان کی تفصیلات کو ایک متوازن تحریر میں ڈھالنا اور ان کا معروضی تجزیہ پیش کرنا کسی بھی مصنف کے لئے ایک چیلنج سے کم نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس گروپ کی تشکیل سے لے کر آپریشن جبرالٹر تک کا ریکارڈ دستیاب نہیں۔ اغلب خیال یہ ہے کہ یہ ریکارڈ رازداری یا کسی اور بناء پر تلف کر دیا گیا۔ اس لئے حصول معلومات کے لئے ان کرداروں کی قوتِ حافظہ اور یادداشتوں پر انحصار کرنا پڑا، جنہوں نے خود ان آپریشنوں میں حصہ لیا تھا اور جو خوش قسمتی سے حیات تھے (خدا ان کی عمر دراز عطا کرے!)۔ پچاس سال پہلے کے واقعات کی تفاصیل بعض حافظوں میں تو محفوظ رہیں لیکن بعض سے محو یا آگے پیچھے ہو گئیں۔ اس لئے ان واقعات و تفاصیل کو چیک اور کراس چیک کرنا اور ان کی صحت اور عدم صحت کے باب میں تگ و دو کرنا اور کوئی قطعی حکم لگانا کارے دارد تھا۔ میں ان ہر دو

مشکل مقامات سے آسان گزر آنے کے لئے ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس سلسلے میں میری مدد کی۔

اس کتاب کو تحریر کرتے ہوئے ایک تو میں نے سپیشل سروس گروپ کے بہت سے ریٹائرڈ سینئر آفیسرز سے انٹرویو کر کے ان سے معلومات حاصل کیں اور دوسرے ان کتب و رسائل سے استفادہ کیا جو پاک بھارت جنگوں کے بارے میں لکھی گئیں۔ ان میں بہت سے بھارتی مصنفین کی کتب بھی شامل ہیں۔

فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے قاری کو معلوم ہوگا کہ میں نے بالعموم زمانی ترتیب (Chronological Sequence) کو برقرار رکھا ہے، لیکن ایسا کرتے ہوئے میں نے ماہ و سال سے چمٹنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ مثلاً اگر کسی مدت کے دوران کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا تو خواہ مخواہ اس دورانیہ (Duration) کی خانہ پری کیلئے ایسے واقعات قلمبند کرنے سے گریز کیا ہے جو یونٹوں اور رجمنٹوں میں معمول کے واقعات شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً ٹریننگ ایک جاری و ساری عمل ہے اور ہر سال کورسز وغیرہ چلائے جاتے ہیں، جنگی مشقیں بھی کی جاتی ہیں اور گزشتہ برس کی پیشہ ورانہ کمزوریوں کو آئندہ برس کے ٹریننگ پروگراموں میں دور کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ ایس ایس جی میں بھی ایسا ہوتا رہا، اس لئے ان کا بار بار اعادہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ علاوہ ازیں معمول کی دوسری سرگرمیوں کی تکرار بھی قاری کے لئے کسی دلچسپی کا باعث نہیں سمجھی گئی۔

اس گروپ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بعض ذیلی موضوعات اور واقعات تفصیل طلب تھے۔ یہ تفصیل اگر متن (Text) میں دی جاتی تو اصل موضوع سے قاری کی توجہ ہٹ جانے کا اندیشہ تھا، لیکن ان کو چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا، اس لئے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی گئی، یہ تفصیلات ایک الگ باب میں کتاب کے آخر میں دے دی گئی ہیں (دیکھئے چوبیسواں باب)۔ امید ہے ''حواشی'' کا یہ باب قارئین کیلئے اضافی دلچسپی اور افزائش معلومات کا باعث ہوگا۔

سپیشل سروس گروپ کے افسروں، عہدیداروں اور جوانوں نے جو شاندار کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان کا تذکرہ تو اس کتاب کا حصہ ہے ہی لیکن جن آپریشنوں

میں بظاہر کامیابی حاصل نہ ہو سکی، ان کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ کامیابیاں اور ناکامیاں عسکری آپریشنوں کا لازمی جزو ہوتی ہیں۔ جہاں کامیابی کسی سولجر کیلئے فخر و مباہات کا باعث بنتی ہے، وہاں ناکامی بھی اس کے لئے سبق آموز ہوتی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اردو زبان کے اس گھسے پٹے انداز کی پیروی نہ کی جائے، جس میں ہر مسلم سپاہی کو ہیرو اور ہر مسلم کمانڈر کو سپر ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس میں نے آپریشنوں کی معروضی تفصیلات دینے کے بعد انسانی کرداروں کو جاندار بنانے کی کوشش کی ہے اور ان کو تمام بشری خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

انگریزی زبان میں تو رجمنٹل تواریخ لکھنے کی ایک دیرینہ روایت موجود ہے، لیکن اردو میں ہنوز ایسا نہیں ہو سکا۔ اگر اسے خودستائی تصور نہ کیا جائے تو مجھے یہ کہنے میں کچھ باک نہیں کہ اس موضوع پر اردو زبان میں اس اسلوب میں لکھی جانے والی یہ شاید پہلی رجمنٹل ہسٹری ہے۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس مایہ ناز عسکری گروپ کی بعض نامور شخصیات سے میری ملاقاتیں ہوئیں۔ اس گروپ کے بانی کمانڈنگ آفیسر جنرل مٹھا (مرحوم) کی اہلیہ محترمہ مسز اندو مٹھا سے میں نے سیر حاصل گفتگو کی اور ان کے نامور شوہر کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں، نیز اس گروپ کے اولین ایام کے مختلف گوشوں پر ان کی معلومات سے استفادہ کیا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔ میں جنرل نشاط احمد، جنرل حکیم ارشد قریشی، جنرل وحید ارشد گجیال، بریگیڈئیر سلیم ضیاء، بریگیڈئیر خواجہ نسیم اقبال، بریگیڈئیر ہمایوں ملک، بریگیڈئیر نصراللہ خان اور بریگیڈئیر محمد اقبال کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر مجھے انٹرویو کرنے کا موقع دیا اور بعض حضرات نے تو ایک سے زائد مرتبہ یہ زحمت برداشت کی۔ بعض سینئر آفیسرز نے ازراہ مہربانی اس پراجیکٹ کے لئے کئی کئی طویل نشستوں کا اہتمام کیا اور مختلف آپریشنوں اور متعدد واقعات پر نقد و نظر کر کے مجھے بیش قیمت بیک گراؤنڈ اور سپورٹنگ معلومات مہیا کیں، جن کی روشنی میں، میں اس مواد کو موجودہ صورت میں آپ تک پہنچانے کے قابل ہوا۔

بہت سے حضرات نے جو مختلف معرکوں کے اہم کردار تھے اور جن سے بوجوہ میری بالمشافہ ملاقات نہ ہو سکی، انہوں نے ٹیلی فون پر میرے سوالوں کے جواب دیئے، میں ان کا بھی

سپاس گزار ہوں۔ یہ کتاب ان تمام حضرات کی معاونت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔

میجر جنرل امیر فیصل علوی جنرل آفیسر کمانڈنگ ایس ایس جی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود انٹرویو کے لئے وقت نکالا اور کتاب کو موجودہ شکل میں ڈھالنے کے جملہ انتظامات کئے۔

بریگیڈیئر شمیم یٰسین منٹو کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے اولین سات ابواب کی ترتیب میں میری مدد کی۔

ہیڈکوارٹر ایس ایس جی کے سابق کمانڈر، بریگیڈیئر ہارون اسلم کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے ایک خط کے جواب میں اس کتاب کی شروعات کا ڈول ڈالا۔ لیفٹیننٹ کرنل احمد رضا، بریگیڈیئر طلا محمد اور لیفٹیننٹ کرنل وسیم ایوب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے بطور رابطہ آفسر، اس کتاب کی تکمیل میں گرانقدر مدد دی۔

اس کتاب کی کمپوزنگ رفیق احمد صاحب نے کی۔ میں ان کا بھی ممنون ہوں۔

میری اہلیہ مسز ثریا جیلانی نے اپنی شدید بیماری کے باوجود اس پراجیکٹ کی تکمیل میں جس ناقابلِ فراموش ایثار کا ثبوت دیا اور مجھے دورانِ تحریر مطلوبہ فرصت و فراغت مہیا کئے رکھی، اس کے لئے میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ اور آخر میں اپنے بیٹے میجر سہیل عامر خان (فرنٹیئر فورس رجمنٹ) کا ممنون ہوں کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے کا آئیڈیا دیا بلکہ بعد میں آغاز سے اختتام تک تمام مراحل میں میری مدد کی۔

میں نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ اس کتاب کو ایک عام قاری کیلئے دلچسپ اور قابلِ فہم بناؤں، لیکن اس کے باوجود کوئی خامی یا کوئی واقعاتی غلطی رہ گئی ہو تو اس کیلئے پیشگی معذرت پیش خدمت ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ازراہِ مہربانی مجھے اپنی آراء اور اپنے تبصروں سے مطلع کریں تا کہ نقشِ ثانی، نقشِ اوّل سے بہتر ہو سکے۔

83۔بی عسکری ون سرفراز رفیقی روڈ لاہور کینٹ — لیفٹیننٹ کرنل (ر)

15 دسمبر 2004ء — غلام جیلانی خان

پہلا باب

پس منظر

دوسری عالمی جنگ یکم ستمبر 1939ء کو شروع ہو کر اگست 1945ء کو ختم ہوئی۔ یورپ میں جرمن فورسز نے تو 30 اپریل 1945ء کو ہٹلر کی خودکشی کے بعد ہتھیار ڈال دیئے تھے، لیکن جاپان اس کے بعد بھی تنہا اتحادیوں کے خلاف لڑتا رہا۔ اگست 1945ء کو جب امریکہ نے دو جاپانی شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تو شہنشاہ ہیروہیٹو نے جنگ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس جنگ میں روس، اتحادیوں میں شامل تھا، لیکن جونہی یہ جنگ ختم ہوئی روس اور باقی اتحادیوں (امریکہ، فرانس، برطانیہ وغیرہ) کے راستے الگ ہو گئے۔ جنگ کے بعد امریکہ ایک بڑی قوت بن کر ابھرا اور برٹش امپائر کہ جہاں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، ایک تیسرے درجے کی قوت بن کر رہ گئی۔ بہت جلد اسے اپنے تمام مقبوضات کو آزاد کرنا پڑا۔ 1917ء میں روس کی شہنشاہیت ختم ہو کر وہاں اشتراکی نظام حکومت قائم ہو چکا تھا جو اس سرمایہ داری نظام سے براہ راست متصادم تھا، جو امریکہ اور دوسرے اتحادی ممالک میں ایک عرصے سے مروج چلا آ رہا تھا۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد ان دونوں نظام ہائے حکومت نے اپنی اپنی بالادستی قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ سوویت یونین کے مشرقی ہمسایوں میں شمالی کوریا اور چین بھی شامل تھے۔ وہاں بھی سوویت یونین کی طرح سوشلسٹ نظام پھلنے پھولنے لگا۔ پھر 1950ء میں شمالی کوریا نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے روند ڈالا۔ اس جنگ میں چین

نے شمالی کوریا اور امریکا نے جنوبی کوریا کا ساتھ دیا۔

اب امریکہ کے کان کھڑے ہوئے۔اس کے لاکھوں ٹروپس جزیرہ نمائے کوریا کے بالکل نزدیک واقع جزائر جاپان میں موجود تھے۔امریکی ارباب اقتدار کا تجزیہ یہ تھا کہ سوویت یونین اب چین اور کوریا کے ساتھ مل کر جنوب کی طرف یلغار کرے گا اور پورے ایسٹ ایشیا اور ساؤتھ ایشیا (یعنی برصغیر) پر اپنا تسلط قائم کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔اسے خدشہ پیدا ہوا کہ اگر سوویت یونین ان ممالک میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس کو گرم پانیوں تک رسائی مل گئی تو پھر مشرق وسطیٰ میں تیل کے وہ مفادات کہ جن پر مغربی یورپ، جاپان اور امریکہ کی معیشت کا دارومدار تھا (اور ہے)، سرخ خطرے کی زد میں آجائیں گے۔کوریا کی جنگ 1953ء میں ختم ہوگئی تو اس کے خاتمے کے بعد یہ خطرہ اور بھی بڑھ گیا۔اس جنگ کا نتیجہ اگرچہ تعطل کی صورت میں برآمد ہوا لیکن اس میں امریکہ کو اپنی افواج کے 54000 ٹروپس سے ہاتھ دھونا پڑے۔امریکہ کے لئے یہ نقصانات ہوشربا تھے۔اس کے ارباب حکومت نے سوچا کہ کل کلاں اگر سوویت یونین کے سینکڑوں ڈویژن جنوب کی طرف بڑھ کر افغانستان اور پاکستان کو روندتے ہوئے بحیرہ عرب تک چلے آئے تو ان کو روکنے والا بظاہر کوئی نہ ہوگا۔علاوہ ازیں 1949ء میں سوویت یونین نے بھی جوہری دھماکہ کرنے کے بعد جوہری ہتھیار بنانا شروع کر دیئے تھے اور امریکہ کی وہ برتری جو اسے جاپان پر ایٹمی حملے کے بعد حاصل ہوئی تھی، ختم ہوکر رہ گئی تھی۔

یہی وہ نازک صورت حال تھی جس کے سدباب کے لئے امریکہ نے ایک سٹرٹیجی بنائی اور سرخ خطرے کی روک تھام کے لئے سوویت یونین کی ممکنہ پیش قدمی کی راہوں کو بلاک کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔سیٹو (SEATO) اور سینٹو (CENTO) کے معاہدے وجود میں آئے اور ترکی سے پاکستان تک ایک ہلالی حصار کھینچا گیا۔پاکستان ایک نوزائیدہ مملکت تھی اور تقسیم ہندوستان کے بعد جو فوج اور جو عسکری سازوسامان (Equipment) پاکستان کے حصے میں آیا تھا، وہ اس قابل نہ تھا کہ سوویت پیش قدمی کی راہ میں کوئی قابل ذکر رکاوٹ بن سکتا، چنانچہ امریکہ نے فیصلہ کیا کہ پاکستان کی اقتصادی اور فوجی مدد کی جائے اور اس کی افواج، خاص طور پر گراؤنڈ اور ایئر فورس کو مضبوط بنایا جائے تاکہ یہ فورسز سوویت یلغار کے سامنے، کسی حد تک ہی سہی، اولین بند

باندھ سکیں۔ یہ امریکن ایڈ پاکستان کو 1954ء میں ملنی شروع ہوئی۔ سپیشل سروس گروپ (جو اس کتاب کا موضوع ہے اور جسے آئندہ صفحات میں بطور مخفف ایس ایس جی (SSG) بھی کہا جائے گا) کا تصور انہی ایام اور انہی وجوہات کی پیداوار ہے!

1954-55ء امریکہ میں صدر آئزن ہاور کا زمانہ تھا جو دوسری عالمی جنگ میں اتحادی فورسز کے سپریم کمانڈر رہتے۔ جان فاسٹر ڈلاس وزیر خارجہ تھے، سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی (CIA) کی دلچسپی بھی اس خطے میں قابل فہم تھی۔ ان ایام میں سوویت یونین کے خلاف پاکستان تقریباً ایک فرنٹ لائن سٹیٹ تھا۔ افغانستان کی حکومت اگر مکمل سوویت نواز نہ تھی تو سوویت یونین کی دشمن بھی نہ تھی، اس لئے اگر روسی فوجوں کو بحیرہ عرب اور بحر ہند تک آنے کی راہ میں کوئی ملک حائل ہو سکتا تھا تو وہ پاکستان ہی تھا۔ ان دنوں مشرقی پاکستان بھی ہمارے ساتھ تھا۔ تاہم امریکی سٹریٹجی کے منظر نامے میں صرف مغربی پاکستان ہی فٹ (Fit) ہوتا تھا اور کراچی کی بندرگاہ سوویت افواج کے لئے بحر ہند میں اترنے کے لئے اولین سپرنگ بورڈ تھی۔ آئزن ہاور اور ڈلاس فوجی پس منظر رکھنے کی وجہ سے خوب جانتے تھے کہ پاکستان آرمی اگرچہ برٹش ٹرینڈ تھی، لیکن وہ سوویت افواج کی کثرت تعداد کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ چنانچہ ایک ایسی تنظیم کی ضرورت محسوس کی گئی جو روسیوں کے مغربی پاکستان پر تسلط حاصل کرنے کی صورت میں یہاں کے پہاڑوں، جنگلوں، ریگستانوں اور میدانوں پر قابض سوویت افواج کے عقب میں تخریب کارانہ کارروائیاں کر سکے اور ان کے کسی طویل قیام کے راستے میں رکاوٹیں ڈال سکے۔ یہ تنظیم گوریلا وارفیئر کے ایک ایسے مرکزے (Nucleus) کے طور پر پلان کی جانی تھی جو Stay Behind آپریشنوں کو بروئے عمل لائے۔ یوں سی آئی اے کے آفیسرز پاکستان آنے جانے لگے اور ان ممکنہ پناہ گاہوں کی تلاش کرنے لگے جو بوقت ضرورت اس نئی تنظیم کے کارکنوں اور آپریٹروں کے لئے جائے پناہ کے طور پر استعمال کی جا سکیں اور آس پاس کے علاقوں کے سرکردہ اور بااثر افراد کی آشیر باد اور تحفظ بھی ان آپریٹروں کو حاصل ہو۔ دوسری عالمی جنگ کے چھ سالہ دور میں اس قسم کی خفیہ کارروائیاں اتحادیوں اور محوریوں دونوں نے کی تھیں اور نہایت وسیع پیمانے پر کی تھیں۔

اس نئی تنظیم کا ایک کام اور بھی تھا۔ اس دور میں میزائل تو ہنوز ایجاد نہیں ہوئے تھے، البتہ B-29 قسم کے لانگ رینج بمبار طیارے امریکہ میں وسیع پیمانے پر تیار ہو رہے تھے۔ جاپان کے

خلاف ایٹم بم گرانے کے لئے بھی بی - 29 ہی استعمال کئے گئے تھے اور ان سے بھی پہلے جرمنی اور جاپان کے متعدد شہروں پر لاکھوں ٹن بم اور دوسرے ایکسپلوسو ز انہی طویل فاصلوں تک مار کرنے والے طیاروں کے ذریعے پھینکے گئے۔ یہ طیارے امریکہ کی ''سٹرٹیجک بمبار کمانڈ'' کا حصہ کہلاتے تھے۔ مزید برآں یوٹو (U-2) اور ایس آر 71 (SR-71) قسم کے نہایت بلندی پر اڑنے والے اور انتہائی تیز رفتار ریکی طیارے بھی امریکی ایئر فورس کے استعمال میں تھے۔ دوسری طرف سوویت یونین نے ابھی تک کوئی ایسا طیارہ شکن نظام ڈویلپ نہیں کیا تھا جو ان امریکی طیاروں کو مار گراتا۔ بایں ہمہ امریکہ، سوویت یونین کی طرف سے ممکنہ جوابی کارروائی سے بالکل ہی بے فکر نہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ سوویت افواج پاکستان کے راستے بحر ہند تک آنے کی کوشش کریں گی۔ اس کی پلاننگ یہ تھی کہ جب تک سوویت افواج پاکستان کی سرزمین پر قابض نہیں ہوتیں، تب تک پاکستان کے فضائی اڈوں کو سوویت یونین کی فضائی جاسوسی کے لئے استعمال کیا جائے اور جب یہ افواج پاکستان پر قابض ہو جائیں تو پھر آس پاس کے دوست ممالک سے ان جاسوس اور بمبار طیاروں کو آپریٹ کیا جائے۔ ان جاسوسی کرنے والے طیاروں کے کسی کیریئر سے ٹیک آف اور آپریٹ کرنے کی ٹیکنالوجی ہنوز دریافت نہیں ہوئی تھی۔ منصوبہ یہ تھا کہ اگر کوئی امریکی بمبار یا یوٹو طیارہ، سوویت طیارہ شکن ہتھیاروں سے ہٹ (Hit) ہو جائے تو اس کا پائلٹ مغربی پاکستان میں کسی جگہ بحفاظت بیل آؤٹ کر سکے............ اس امریکی پائلٹ کو بچانے کے لئے یہ نئی تنظیم بہت مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔

بطور خلاصہ اس قسم کی صورت حال میں اس نئی خفیہ تنظیم کا مشن یہ تھا:

1- قابض سوویت افواج کے عقب میں سبوتاژ کارروائیاں کرنا۔

2- مغربی پاکستان کے طول و عرض میں گوریلا فورس کیلئے موزوں پناہ گاہوں وغیرہ کی نشان دہی کرنا اور سوویت قیام کو زیادہ دیر تک مشکل بنانا۔

3- عقبی علاقوں میں رہ کر آپریٹ کرنے والی ایک خود مختارانہ فورس (Stay Behind Force) کے طور پر کام کرنا۔ مقامی آبادیوں سے گوریلا فورس تیار کرنا، اس کو تربیت دینا اور پھر اس کی قیادت کرنا۔ اس تنظیم کا ابھی کوئی نام نہیں رکھا گیا تھا۔ اس کے ابتدائی خدوخال اور تصور کا علم بھی صرف چند لوگوں تک محدود تھا اور اس کو صیغہ راز میں رکھنے کے لئے

خصوصی انتظامات کئے گئے تھے۔

4- امریکی طیاروں سے بیل آؤٹ ہونے والے پائلٹوں کو ڈھونڈ نا اور ان کو بحفاظت امریکہ واپس بھیجنے کا بندوست کرنا۔ [1]

دوسری عالمی جنگ میں روسیوں، جرمنوں، امریکیوں، جاپانیوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں نے اپنے اپنے دشمن کے عقب میں بہت سی غیر روایتی گوریلا فورسز کو کامیابی سے استعمال کیا اور یہ کمانڈو یونٹیں یا سپیشل فورسز، ریگولر افواج کی سپورٹ میں بہت سے دلیرانہ ایکشن بروئے عمل لاتی رہیں، تاہم برٹش انڈین آرمی میں اس قسم کی کوئی بھی یونٹ نہ تھی۔ اس کی وجہ شائد اس قسم کی فورس کا سٹریٹجک کردار ہو۔ جنگ عظیم دوم کے اختتامی برسوں میں انڈین آرمی میں سیاسی بیداری اور اپنے وطن کی آزادی کی ایک تندو تیز لہر پیدا ہوگئی تھی اور برطانوی ارباب اختیار کو معلوم تھا کہ اس نوع کی تحریکوں کا منطقی انجام کیا ہوتا ہے! برطانیہ کی ایس اے ایس (SAS)، رائل میرینز، شمالی افریقہ میں لانگ رینج ڈیزرٹ گروپ (LRDG) اور پاپسکی کی پرائیویٹ آرمی (PPA) وغیرہ جیسی سپیشل فورسز نے جو قابل تعریف رول ادا کیا تھا اور برما میں جنرل ونگیٹ کے چنڈٹس (Chindits) نے جاپانیوں کے عقب میں اتر کر جو ایکشن کئے تھے، ان کی اثر انگیزی نے یہاں کے ارباب اقتدار کو شائد زیادہ محتاط کر دیا تھا۔[2]

تاہم پاکستان بننے کے بعد 1950ء میں کوئٹہ میں ایک کلوز کوارٹر بیٹل (CQB) سکول قائم کیا گیا۔ اس کا رنگ وروپ اگرچہ ایک اعتبار سے غیر روایتی کہا جا سکتا تھا، تاہم اصطلاح میں اسے کسی سپیشل فورس کا حصہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کرنل گرانٹ ٹیلر اس سکول کے کمانڈانٹ تھے۔ پھر 1951ء میں ان کے انتقال کے بعد اسے کوئی زیادہ اہم نہ سمجھا گیا اور اسے کوئٹہ سے اٹک فورٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں کرنل کاہون (Kahoun) کی کمانڈ میں بعض نیم گوریلا اور نیم کمانڈو قسم کی تربیتی سرگرمیوں، مثلاً دست بدست لڑائی میں مختلف ہتھیاروں کا استعمال، غیر مسلح حالت میں لڑنے کے طور طریقے، میپ ریڈنگ، رات کو ستاروں کی مدد سے مارچ کرنا اور مختلف قسم کے ایکسپلوسوز کے استعمال وغیرہ کی تربیت اس سکول میں دی جاتی رہی۔ پھر ایک سال بعد 1952ء میں اقتصادی دباؤ کے باعث اس کو عارضی طور پر خوابیدہ (Suspended Animation) کر دیا گیا۔

تاہم جنرل ہیڈ کوارٹر اس سکول کے اثاثوں کو ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مختلف قسم کا

سازوسامان، بارودات (Explosives)، انسٹرکٹر اور تربیتی سہولیات جو گزشتہ دو چار برسوں میں حاصل کی گئی تھیں، ان کو ضائع کرنا دانش مندی نہ تھی۔ چنانچہ اس کلوز کوارٹر بیٹل سکول کو 312 گیریژن کمپنی (ایف ایف) کا نیا نام دے کر اسے ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ کے براہ راست ماتحت کر دیا گیا۔ لیفٹیننٹ سلیمان ان ایام میں اس کمپنی کے کمپنی کمانڈر مقرر کئے گئے اور ایم ٹی (ملٹری ٹریننگ) ڈائریکٹوریٹ کے ایک جنرل سٹاف آفیسر گریڈ ون (GSO-1) کو اس کمپنی کی ٹریننگ کا فریضہ سونپا گیا............اس آفیسر کا نام لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا تھا!

انہوں نے اس 312 گیریژن کمپنی کو، جسے موجودہ صورت میں کسی بھی ماڈرن سپیشل فورس کا حصہ نہیں کہا جا سکتا تھا، ایک ایسی غیر روایتی تنظیم میں ڈھالنے کا تصور اپنے سامنے رکھا جو کمانڈو کارروائیوں کی اہل ہو اور جو پاک فوج کی آئندہ جنگی مشقوں میں اسی حیثیت سے استعمال کی جا سکے۔ کمانڈو اور گوریلا فورسز پر اس دور میں جو تحریری مواد لائبریریوں میں کتابی صورت میں موجود تھا اور جو بہت سی فلمیں اس موضوع پر مغربی ممالک نے تیار کی تھیں، اغلب خیال یہی ہے کہ کرنل مٹھا نے ان میں سے بیشتر کا مطالعہ کیا ہوگا، انہیں دیکھا ہوگا اور پھر تصور ہی تصور میں انہوں نے پاکستان آرمی میں بھی ایک ایسی ہی تنظیم کا تانا بانا بنا ہوگا!............(گوریلا وارفیئر کی ابتداء اور اس کے ارتقائی جائزہ پر ایک مفصل مضمون حواشی کے باب میں حاشیہ نمبر 1 پر ملاحظہ کیجئے)۔ بڑی بڑی اور ممتاز و معروف تنظیموں، تحریکوں اور اداروں کا آغاز اسی قسم کے ابتدائی اور بظاہر کم اہم نظر آنے والے خاکوں ہی سے تو عبارت ہوتا ہے!.....اقبالؒ نے سچ کہا تھا:

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

کچھ عرصہ بعد پاک آرمی نے ایک ایکسرسائز ولکن (VULCAN) کے نام سے چلائی۔ اس میں اس 312 گیریژن کمپنی (ایف ایف) کو کرنل مٹھا اور لیفٹیننٹ سلیمان کی تربیتی کاوشوں کے بعد بطور ایک کمانڈو سب یونٹ (Sub Unit) کے استعمال کیا گیا۔ اس کمپنی نے آرمرڈ فارمیشن کی سپلائی لائن کاٹ ڈالی اور اس کے انتظامی (بندوبستی) عناصر پر چھاپہ کی کامیاب کارروائی کی تو نہ صرف پاکستان آرمی کی سینئر قیادت کے دماغ میں سپیشل فورسز کی تشکیل کا خیال پرورش پانے لگا، بلکہ خود کرنل مٹھا کو اپنی کامیابیوں کے نئے آفاق کھلتے نظر آنے

لگے.......... یہ گویا ایک خاموش انقلاب تھا!

پھر 1954ء میں پاکستان آرمی کی مشہور ایکسر سائز ''نومبر ہینڈی کیپ'' چلائی گئی۔ یہ گزشتہ سات سالوں میں چلائی جانے والی جنگی مشقوں میں سب سے بڑی مشق تھی، جس میں پاک آرمی کی تقریباً تمام فارمیشنوں اور یونٹوں نے حصہ لیا۔ اس ایکسر سائز کے دوران بھی اس 312 گیریژن کمپنی نے نہ صرف یہ کہ کور ہیڈ کوارٹر کو مفلوج کر کے رکھ دیا، بلکہ کور کمانڈر اور ان کے تمام سٹاف کو جو آپریشن روم میں موجود تھا، ''قیدی'' بنالیا.......... یہ ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ جنرل ایوب نے بھی اسے دیکھا اور حساس اور کلیدی اہداف پر کمانڈو کارروائیوں کی کامیاب اور موثر کارکردگی کا کھلے دل سے اعتراف کیا.......... اس طرح پہلی بار یہ کمپنی اپنے مخصوص رول میں ابھر کر ہائر کمانڈ کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔ کچھ ہی عرصے بعد اس کو 312 گیریژن کمپنی (ایف ایف) کی بجائے 312 گیریژن کمپنی (سپیشل سروس گروپ) کا نیا نام دیا گیا۔

مشرقی پاکستان میں بھی برطانوی دور کی ایک نہایت مختصر اور چھوٹی سی ریکی یونٹ تھی، جسے ریور ریکی یونٹ (River Recce Unit) کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ یونٹ دریاؤں اور ساحلی علاقوں کی ریکی کے لئے خاص طور پر تشکیل دی گئی تھی، تاہم یہ کسی بھی طور کسی کمانڈو کارروائی کے لئے مختص نہ تھی۔ اس یونٹ کے آفیسر کمانڈنگ کا نام کیپٹن اسلم جنجوعہ تھا۔ (مزید تفصیل موسیٰ کمپنی والے باب میں ملاحظہ کیجئے)۔

یہی وقت تھا جب جنرل ہیڈ کوارٹر نے فیصلہ کیا کہ پاکستان آرمی میں ایک مستقل غیر روایتی فورس تشکیل دی جائے، جس میں 17 بلوچ، 312 گیریژن کمپنی اور ریور ریکی یونٹ شامل کر دی جائیں۔ اس کے علاوہ دو فیصلے اور بھی کئے گئے۔ ایک اس فورس کے اولین کمانڈنگ آفیسر کے طور پر لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا کا انتخاب کیا گیا اور دوسرے اس کی لوکیشن کے لئے چراٹ اور اٹک کا چناؤ کیا گیا۔

لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا نے 1942ء میں بمبے گرنیڈیئر میں کمیشن حاصل کیا اور دوسری جنگ عظیم میں برما دار میں شریک ہوئے۔ برصغیر کی تقسیم پر وہ 8 پنجاب رجمنٹ میں پوسٹ کئے گئے۔ وہاں سے سٹاف کالج کیا اور اس کے بعد بریگیڈیئر عبدالحمید کے ساتھ بطور بریگیڈ میجر کام کیا۔ بریگیڈیئر عبدالحمید بعد میں جنرل اور چیف آف آرمی سٹاف بنے۔

مٹھا کی سلیک علیک میجر جنرل محمد یحییٰ خان کے ساتھ بھی تب کی تھی، جب وہ جنرل ہیڈ کوارٹر انڈیا میں پوسٹ تھے۔ بطور لیفٹیننٹ کرنل، مٹھا نے 9/8 پنجاب کھڑی کی اور پھر جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی میں ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ میں پوسٹ ہوئے۔ اس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں.......... اس کے بعد انہیں پی ٹی (فزیکل ٹریننگ) سکول کاکول میں بطور کمانڈنگ آفیسر تعینات کیا گیا۔ یہ 1955ء کی بات ہے اور یہی وہ ایام ہیں، جب لیفٹیننٹ کرنل مٹھا کو ایس ایس جی کی تشکیل کے لئے منتخب کیا گیا۔

لیفٹیننٹ کرنل مٹھا ایس ایس جی جیسی ایک غیر روایتی عسکری تنظیم تشکیل کرنے کے لئے ایک نہایت موزوں شخصیت تھے۔ انہوں نے ٹریننگ، لیڈرشپ اور مورال کے باب میں ایس ایس جی کے افسروں اور جوانوں کی جس جس انداز میں تربیت کی، نیز ان کے کردار کے بعض دوسرے پہلوؤں کی تفصیل آپ آگے جا کر متعلقہ ابواب میں پڑھیں گے۔

معلوم ہوتا ہے لیفٹیننٹ کرنل مٹھا کو اس نئی فورس (ایس ایس جی) کا کمانڈنگ آفیسر منتخب کرتے ہوئے تین باتوں کو نگاہ میں رکھا گیا۔ اول یہ کہ 1942ء میں کمیشن حاصل کرنے کے بعد انہیں برما میں ایک انفنٹری بٹالین میں پوسٹ کر دیا گیا تھا۔ قیاس کہتا ہے کہ وہاں انہوں نے ونگیٹ کے چنڈٹس کے بارے میں سنا اور دیکھا ہوگا، دوم وہ ان چند انڈین آرمی آفیسرز میں شامل تھے، جنہوں نے پیرا جمپ کی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کی تھی اور سوم یہ کہ 312 گیریژن کمپنی کی ٹریننگ کے امور سے ان کی وابستگی سب کے سامنے تھی، جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے جرمنی میں ایک کورس بھی کیا ہوا تھا جو اگرچہ مختصر دورانیے کا تھا لیکن اس کے سلیبس میں غیر روایتی آپریشن بھی شامل تھے۔ حکومت اور جنرل ہیڈ کوارٹر اس نئی فورس کے تمام معاملات کو نہایت سختی سے پردۂ اخفاء میں رکھنا چاہتے تھے۔ کرنل مٹھا کو جسمانی طور پر زیادہ چاق و چوبند ہونے کی ضرورت تھی، اس لئے انہیں فزیکل ٹریننگ سکول میں پوسٹ کیا گیا تھا۔

پھر کرنل مٹھا کو 17 بلوچ کا کمانڈنگ آفیسر پوسٹ کر دیا گیا۔ اس وقت یہ بٹالین مجنوں میں تھی اور وہاں سے نوشہرہ آنے والی تھی۔ مٹھا کو بھی پنجاب گروپ سے تبدیل کر کے بلوچ گروپ میں پوسٹ کیا گیا۔ اس پوسٹنگ کو ''سیکانڈمنٹ ٹو بلوچ رجمنٹ'' کا نام دیا گیا۔

اسی طرح اولین ٹریننگ کورس کا نام بھی سٹاف ڈیوٹی ٹریننگ رکھا گیا.......... یہ سب کارروائی دراصل اخفاء اور پوشیدگی کے پروگرام کا حصہ تھی، پھر اوائل 1956ء میں پاک فوج کی تنظیم نو کی گئی تو 17 بلوچ نے 19 بلوچ کا نیا نام پایا.......... تاہم اب اس بٹالین نے نوشہرہ نہیں بلکہ چراٹ اور قلعہ اٹک میں قیام کرنا تھا اور یہ دونوں سٹیشن ایس ایس جی کے مستقل گھرانے بننے والے تھے! مناسب ہوگا اگر ان دونوں مقامات کی موزونیت کے بارے میں قارئین کو مختصراً بعض معلومات سے آگاہ کیا جائے۔

چراٹ

برصغیر کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کی بیشتر کلیدی تنصیبات اور بڑی بڑی عمارات جنگ و جدل کے ماحول میں تعمیر کی گئیں۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تعمیرات و تنصیبات بالواسطہ جنگ کے دفاعی اور جارحانہ اسالیب کی دین ہیں۔ سپیشل سروس گروپ بھی ایک کلیدی اور اہم تنظیم تھی، اس لئے اس کے ''گھر'' کی تلاش کے لئے بھی بہت سے مقامات کا دورہ کیا گیا۔ اس تلاش میں امریکی اور پاکستانی آفیسرز شامل تھے۔ مندرجہ ذیل مقامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

1- فورٹ منرو (ڈیرہ غازی خاں)

2- خان پور (مری)

3- ہمشیریاں (مانسہرہ)

4- کاکول (فزیکل ٹریننگ سکول)

5- اٹک

6- چراٹ

ان مقامات کا معائنہ کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ ایس ایس جی کے لئے جس نوع کی خفیہ اور پوشیدہ ٹریننگ دی جائے گی اور جو عام ریگولر عسکری ٹریننگ سے بڑھ کر بلکہ ہٹ کر ہوگی، اس کی خبر عام پبلک کو نہ ہو۔ یہ ایک پیشہ ورانہ ضرورت تھی اور آج بھی ہے۔ امریکہ کا تربیتی عملہ بھی چونکہ اس کام میں شریک ہونا تھا، اس لئے اس کا اخفاء اور بھی ضروری ہو گیا

تھا۔ یہ سپیشل ٹریننگ جسم اور دماغ بلکہ روح کی انتہائی صلاحیتوں کے لئے ایک چیلنج بنائی جانی تھی، اس لئے اس تربیت گاہ کے جغرافیائی ماحول کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا۔ پوشیدگی، تنہائی، شدید موسم، شدت کی آب و ہوا اور مشکل نقوش زمینی وہ پانچ نکات تھے جن کو نگاہ میں رکھ کر جب متذکرہ بالا مقامات کا جائزہ لیا گیا تو چراٹ اور قلعہ اٹک ہی اس امتحان میں ''سرخرو'' نکلے.........

اگر آپ اسلام آباد سے جی ٹی روڈ کے راستے پشاور جائیں تو نوشہرہ اور پشاور کے عین وسط میں (Pabbi) نام کا ایک قصبہ آتا ہے۔ یہاں ایک ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ یہاں سے ایک سڑک بائیں ہاتھ کو مڑتی ہے جو آپ کو پہلے ہموار اور پھر پیچدار پہاڑی راستوں سے ہوتے ہوئے چراٹ لے جاتی ہے۔ پشاور سے چراٹ 57 کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کا جغرافیائی محل وقوع 33 ڈگری 35 منٹ شمالی عرض بلد اور 71 ڈگری 54 منٹ مشرقی طول بلد ہے۔ یہ مقام خٹک رینج کی اس چوٹی لائن (Crest) پر واقع ہے جو درہ کوہاٹ سے شروع ہوتی ہے اور مشرق کی طرف آتی ہوئی دریائے سندھ پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہی چوٹی لائن پشاور اور کوہاٹ کے اضلاع کے درمیان حد فاصل بھی ہے اور دریائے کابل اور دریائے سندھ کا واٹرشیڈ بھی اسی پر واقع ہے (واٹرشیڈ اصطلاح میں اس لائن کو کہا جاتا ہے جو دو دریاؤں کے طاس (Basin) کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے) اس چوٹی لائن کے دائیں بائیں دو نامور خٹک قبیلے آباد ہیں۔ شمال میں اکوڑہ خٹک اور جنوب میں خواڑہ خٹک۔ (مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے حاشیہ نمبر2)

قلعہ اٹک

یہ قلعہ راولپنڈی سے 90 کلومیٹر اور پشاور سے 75 کلومیٹر کی مسافت پر اس جگہ واقع ہے، جہاں دریائے سندھ پر نئے پل کی تعمیر سے پہلے جی ٹی روڈ گزرتی تھی۔ اب یہ اس راستے سے تھوڑا سا ہٹ کر واقع ہے۔ اس کا عرض بلد 33 ڈگری 53 منٹ اور طول بلد 28 ڈگری 55 منٹ ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 1111 فٹ ہے۔ (یعنی چراٹ اس سے ٹھیک چار گنا زیادہ بلندی پر واقع ہے) اس کی فصیل کا محیط ڈیڑھ کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ اس فصیل کے 18 پشتے ہیں جو سب کے سب گول شکل کے ہیں، ماسوائے ایک کے، جس کی شکل مستطیل ہے۔ اس کی تعمیر میں جو پتھر استعمال ہوا ہے، اس کی رنگت ملگجی اور سلیٹی ہے۔ یہ پتھر قریبی پہاڑوں سے نکال کر استعمال کیا گیا

ہے۔اس کے تین اطراف میں چار گیٹ بنے ہوئے ہیں۔شمال میں دو گیٹ، ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تعمیر کئے گئے ہیں۔ان کو لاہوری گیٹ اور دہلی گیٹ کہا جاتا ہے۔ان کا رخ جی ٹی روڈ کی طرف ہے۔ان کے سامنے ''بیگم کی سرائے'' نامی ایک عمارت واقع ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نور جہاں نے تعمیر کروائی تھی تا کہ مسافر یہاں شب بسری کر سکیں۔مشرقی گیٹ کا نام موری گیٹ ہے۔مغرب کی سمت کوئی گیٹ نہیں اور دریائے سندھ ٹھاٹھیں مارتا رواں دواں نظر آتا ہے۔وہاں سے پار نگاہ ڈالیں تو دو دریاؤں کا سنگم اور خیر آباد گاؤں نظر آئے گا۔ملاحی ٹولہ گیٹ اور دہلی گیٹ برطانوی دور میں تعمیر کئے گئے تھے۔موخرالذکر گیٹ قلعے کو بالائی اور زیریں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔پرانے دروازوں میں سے آج کل کوئی بھی دروازہ زیر استعمال نہیں ہے۔موجودہ موری دروازہ جو پرانی جی ٹی روڈ کے سامنے واقع ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سکھ دور کی یادگار ہے، جبکہ اس کے بعض حصے برطانوی طرز تعمیر کی چغلی کھاتے ہیں۔اس گیٹ کی دیوار پر ایس ایس جی کا ایک خوبصورت فارمیشن سائن پینٹ کیا ہوا ہے اور اس کے اوپر علامہ اقبالؒ کا یہ فارسی مصرعہ لکھا ہوا ہے :

ہر ملک، ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

قلعہ کی تعمیر میں جو سیمنٹ استعمال کیا گیا ہے، وہ اسی کوالٹی کا ہے جو دوسری عظیم مغل عمارات میں استعمال کیا گیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ مغل معمار اس سیمنٹ میں دال ماش اور دال چنا وغیرہ کا آٹا پیس کر ملایا کرتے تھے، جس سے اس کی قوت چسپیدگی آج کل کے ''چرات سیمنٹ'' سے کہیں زیادہ ہو جاتی تھی۔جنوب مغرب میں جو کابلی گیٹ واقع ہے، اس کے دو کواڑ ہیں اور اس کے دائیں بائیں گول شکل کے دو برج بھی ایستادہ ہیں۔فصیل میں چاروں طرف لوپ ہول اور کلائیڈ بیٹری کے دمدمے واقع ہیں جو امتداد زمانہ سے بدلتے ہوئے ہتھیاری نظاموں کے استعمال کا سراغ دیتے ہیں۔ان دمدموں کا رخ افغانستان کی طرف ہے۔ایک بڑا کنواں بھی قلعے کے اندر کھودا گیا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد میں بند کر دیا گیا۔اب بجلی کی موٹروں کے ذریعے دریائے سندھ کا پانی براہ راست قلعہ میں لایا جاتا ہے۔(مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے حاشیہ نمبر 3)۔

دوسرا باب

ایس ایس جی کی تشکیل اور آرگنائزیشن

19 بلوچ کی آرگنائزیشن اول اول تو وہی تھی جو ہر سٹینڈرڈ انفنٹری بٹالین کی ہوتی ہے، لیکن جب اس کے ساتھ 312 گیریژن کمپنی اور ریور ریکی یونٹ بھی شامل کی گئیں تو STAY BEHIND رول کے پیش نظر اور نیز اس کی تربیتی اور انتظامی ضروریات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس کے تین ونگ بنادئے گئے۔ جو اس طرح تھے:

1۔ ایڈم ونگ
2۔ ٹریننگ ونگ
3۔ آپریشنز ونگ

ایڈمنسٹریشن ونگ انتظامی اور گارڈ ڈیوٹیاں فراہم کرتا تھا، نیز ایکسرسائزوں کے دوران بطور ''دشمن'' بھی فرائض انجام دیتا تھا، جبکہ آپریشنز اور ٹریننگ ونگ اپنی اپنی متعلقہ ذمہ داریاں ادا کرتے تھے۔ 1957ء کے وسط تک 19 بلوچ (ایس ایس جی) معرض وجود میں آچکی تھی۔ (اس بٹالین کی نفری میں سے صرف دو کمپنیاں ایس ایس جی کے لئے موزوں قرار دی گئیں یعنی اے اور ای کمپنیاں .... اس کی تفصیل اگلے باب میں بیان کی جارہی ہے) اس کے اولیں آفیسر یہ تھے:

کمانڈنگ آفیسر .... لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا

- سیکنڈان کمانڈ .... میجر محمد اسلم (ملٹری کراس)
- ایڈجوٹنٹ .... غلام محمد
- کوارٹر ماسٹر .... کیپٹن محمد ریاض
- ایس ایس او .... کیپٹن محمد سلیم ضیاء
- اے کمپنی .... میجر گائیدین خان
کیپٹن شکور جان
- ای کمپنی .... کیپٹن سعید نواز
کیپٹن اعظم خٹک
- آئی کمپنی .... کیپٹن سندھو

دیگر افسران .... میجر شعیب
میجر آر بی بلوچ
کیپٹن اکرم
کیپٹن امتیاز
کیپٹن سلیمان
کیپٹن محمود کمال

انفنٹری۔8 (جی ایچ کیو)............ میجر شریف

کرنل مٹھا کے دورِ کمانڈ (ستمبر 1955ء سے جون 1961ء تک) میں ایس ایس جی تنظیم وترتیب کے جس عمل سے گزری، اس کے چند سنگ میل سطور ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

آئی کمپنی کی تشکیل

57-1956ء میں جب اے (A) اور ای (E) کمپنیاں تشکیل دی گئیں تو سلسلہ مواصلات (Signals) قائم کرنے کے لئے بھی ایک کمپنی قائم کی گئی جس کو آئی (I) کمپنی کا نام دیا گیا۔اس کے اولین کمپنی کمانڈر کیپٹن (بعد میں بریگیڈیئر) سندھو تھے۔ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی اور اس کے زیر کمانڈ جتنی کمپنیاں تھیں، نیز ان کمپنیوں سے جو مختلف ٹیمیں

تشکیل دی جاتی تھیں، ان میں مواصلات کی مکمل سپورٹ آئی کمپنی کے ذمہ تھی۔ ایس ایس جی آپریشنز کی نوعیت حساس اور سپیشل تھی .... پھر چونکہ جن علاقوں میں ان کو بروئے عمل لایا جانا تھا وہ بھی وسیع و عریض تھے، اس لئے ملک کے دونوں بازوؤں کے مابین دور دراز علاقوں تک سلسلہ مواصلات کے قیام کے لئے اس کمپنی کی اہمیت وافادیت واضح تھی۔ مواصلات کے لئے جو ساز وسامان درکار تھا، اس کی نوعیت ساکن بھی تھی اور موبائل بھی اور چونکہ فاصلے بہت زیادہ تھے، اس لئے جب تک یہ آلات اور ساز وسامان انتہائی اعلیٰ پیمانے اور بہترین کوالٹی کا نہ ہوتا، یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ چیلنج فی الحقیقت ایک بڑا چیلنج تھا۔ چنانچہ امریکہ سے خصوصی نوعیت کا سگنل ساز وسامان حاصل کیا گیا۔ مواصلات کے سپیشل طریقے، مختلف کوڈ اور سائفر وغیرہ کو ترتیب دینا اور ان پر سگنل والوں کو ٹریننگ دے کر ایک باصلاحیت تنظیم میں ڈھالنا آسان کام نہ تھا۔ دشمن نہ صرف ہمسائے میں بیٹھا تھا، بلکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے عین بیچوں بیچ حائل تھا۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس نے کیا کیا کوششیں نہ کی ہوں گی، ہمارے سلسلۂ مواصلات کو درہم برہم کرنے، اسے جام کرنے اور کان لگا کر سننے اور متعلقہ معلومات حاصل کرنے کی .... لیکن آفرین ہے آئی کمپنی کے افسروں اور عہدیداروں پر کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان تمام مشکلات پر قابو پایا، بلکہ بہت قابل اعتماد اور مسلسل سلسلۂ مواصلات کا ایک ایسا جال بچھا دیا جس کی تعریف وتوصیف کرنا ہرگز مبالغہ آرائی نہیں ہوگا۔

ایم کمپنی کی تشکیل

1958-59ء میں کیپٹن (بعد میں میجر) محمود کمال کی کمانڈ میں ایک کمپنی کھڑی کی گئی۔ (میجر محمود کمال کا تعلق گائیڈز کیولری سے تھا) یہ کمپنی دشمن کے خلاف خفیہ زیر آب (under water) آپریشنوں کی غرض سے قائم کی گئی، اس کا ٹاسک دوگونہ تھا۔ یعنی ایس ایس جی کو بھی سپورٹ کرنا اور پاک بحریہ کو بھی۔ اسے فراگ مین کمپنی بھی کہا جاتا تھا۔ کیپٹن محمود کمال کو زیر آب کورس کیلئے امریکہ بھیجا گیا۔ انہوں نے تربیت یافتہ ایس ایس جی کمپنیوں سے جے سی اوز، این سی اوز اور سپاہی اپنی کمپنی کیلئے منتخب کئے اور اس کی اولین لوکیشن کے لئے منگلا کا انتخاب کیا۔ کیپٹن (بعد میں میجر جنرل) حکیم ارشد قریشی کو کمپنی کا سیکنڈ ان کمانڈ منتخب کیا

گیا۔ جب ان کی سیلیکشن ہو رہی تھی تو ایس ایس جی کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل عثمان مٹھا اور کیپٹن حکیم ارشد قریشی کے درمیان مندرجہ ذیل مکالمہ ہوا:

''کیپٹن قریشی! میں نے آپ کو ایم کمپنی کیلئے منتخب کرلیا ہے۔اب آپ کیپٹن محمود کمال کے ساتھ اس کمپنی میں بطور سیکنڈ ان کمانڈ فرائض انجام دیں گے'' .... کرنل مٹھا نے کیپٹن قریشی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا:

''لیکن سر، اگر آپ ایک پتھر اور قریشی کو اکٹھے کسی دریا یا سمندر میں پھینکیں تو پتھر بعد میں ڈوبے گا، قریشی پہلے ڈوب جائیگا''۔ کیپٹن حکیم ارشد قریشی نے چہرے پر حیرانی کا اظہار طاری کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' کرنل مٹھا نے پوچھا۔

''سر! مطلب یہ ہے کہ مجھے بالکل تیرنا نہیں آتا۔''

''کیپٹن قریشی! میں نے آپ کو تیرنے کیلئے نہیں، ڈوبنے (غوطہ خوری) کے لئے منتخب کیا ہے............ کوئی سوال، کوئی شک؟'' ....

''سر! کوئی سوال، کوئی شک نہیں!''۔

اس کے بعد کیپٹن حکیم ارشد قریشی نے نہ صرف تیرنا سیکھا، بلکہ زیرآب اور بالائے آب تیراکی کے پیچ وخم میں بھی کمال حاصل کیا............ کرنل مٹھا، اس قسم کی حیرانیاں تخلیق کرنے اور جوہر قابل کو ڈھونڈنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ محمود کمال کے بعد حکیم ارشد قریشی نے نہایت قابلیت کے ساتھ ایم کمپنی کی کمانڈ کی۔ منگلا میں ابتدائی زیرآب تکنیکس سیکھنے کے بعد کمپنی کو کراچی بھیجا گیا اور اس نے پاک بحریہ کے ساتھ مل کر ایڈوانس ٹریننگ حاصل کی اور ان کی جنگی مشقوں میں سرگرم حصہ لیا۔ بعد میں جب پاک بحریہ نے اپنی ایس ایس جی قائم کی تو ایم کمپنی نے اس کی مدد کی۔ نیول ایس ایس جی کی تشکیل کے بعد کمپنی واپس منگلا چلی گئی، لیکن ان دونوں سپیشل گروپوں کے مابین ربط وتعاون، اس کے بعد بھی جاری رہا............ (اس کمپنی کی تشکیل وغیرہ کے سلسلے میں مزید تفصیلات بائیسویں باب میں دیکھئے)

پہلا ایڈوانس کمانڈو کورس

پہلے ایڈوانس کمانڈو کورس کا شروع ہونا ایس ایس جی کا ایک سنگ میل تھا۔ یہ

کورس ایس ایس جی کی ٹیم (جس کی قیادت لیفٹیننٹ کرنل مٹھا کر رہے تھے) اور امریکی ٹیم (جس کے قائد کرنل بنٹے (Bunte) تھے) کے مابین ابتدائی مذاکرات اور تیاریوں کے بعد (ستمبر 1957ء تا فروری 1958ء) چلایا گیا۔ اس کو امریکی ٹیم نے چلایا۔ اس میں 16 آفیسر تھے، جن کے نام یہ ہیں (1) میجر ایوب آفریدی (2) کیپٹن امتیاز علی (3) کیپٹن شمیم لیسین منٹو (4) کیپٹن نشاط احمد (5) کیپٹن اسلم بیگ (6) کیپٹن نصرت اللہ (7) کیپٹن آفتاب قریشی (8) کیپٹن خالد (9) کیپٹن جعفر شاہ (10) کیپٹن سید (11) کیپٹن سرفراز علی (12) کیپٹن معین (13) کیپٹن نعیم (14) کیپٹن ناصر (15) کیپٹن سکندر اور (16) کیپٹن راجہ شوکت محمود۔

یہی وہ آفیسر تھے جنہوں نے قبل ازیں 3 ماہ کا ابتدائی (Basic) کورس مکمل کیا تھا۔ اس کورس میں بہت سے آفیسر ایڈوانس کورس کے لئے کوالیفائی نہیں کر سکے تھے۔ اس کورس میں کمانڈو جنگ وجدل کے تمام موضوعات کا احاطہ کیا گیا تھا اور آخر میں اس کا اختتام ایک ایکسر سائز پر ہوا تھا، جس کا نام (Exercise Comprehensive) رکھا گیا تھا اور اس کا دورانیہ دس یوم کا تھا۔ وادیٔ مانسہرہ میں ایک ریگولر انفنٹری بریگیڈ کو بطور ''دشمن'' تصور کر کے اس جنگی مشق میں استعمال کیا گیا تھا۔ یہ ایک کامیاب کورس تھا، جس میں تمام آفیسرز نے کوالیفائی کیا تھا۔

جی اور ایچ کمپنیوں کی تشکیل

پہلا ایڈوانس کمانڈو کورس ابھی جاری تھا کہ دوسرے کمانڈو کورس کے لئے افسروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ ان میں سے چند افسروں کے نام یہ ہیں: میجر رحیم درانی، میجر زیڈ اے خان، کیپٹن ہمایوں ملک، کیپٹن مصطفیٰ انور حسین، کیپٹن محسن، کیپٹن یعقوب اور دوسرے .... اس کے ساتھ ہی بیک وقت دو مزید کمپنیوں (G اور H) کے لئے جے سی اوز اور جوان بھی منتخب کر لئے گئے۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ جی (G) اور ایچ (H) کمپنیاں انہی منتخب افسروں، جے سی اوز اور جوانوں سے تشکیل دی جائیں گی اور ابتدائی کمانڈو کورس بطور کمپنی اکٹھے مکمل کیا جائے گا۔ میجر امتیاز علی اور کیپٹن نشاط احمد بالترتیب جی کمپنی کے آفیسر کمانڈنگ اور سیکنڈ ان کمانڈ مقرر کئے گئے۔ جبکہ ایچ کمپنی کے لئے میجر اسد اللہ اور کیپٹن شمیم لیسین منٹو بالترتیب آفیسر کمانڈنگ اور سیکنڈ ان کمانڈ تعینات ہوئے۔ ابھی یہ ابتدائی کمانڈو کورس جاری تھا کہ میجر امتیاز اور میجر اسد اللہ کو

سروس تقاضوں کے پیش نظر کورس سے واپس دوسرے کاموں کی تکمیل کے لئے جانا پڑا، جبکہ کیپٹن نشاط اور کیپٹن منٹو نے اس کورس کو مکمل کیا۔ ایڈوانس کمانڈو کورس کی تکمیل کے بعد تقریباً فروری 1959ء میں متذکرہ بالا نئے افسروں میں سے بیشتر انہی کمپنیوں میں دوبارہ پوسٹ کئے گئے ،جن کے ساتھ انہوں نے ابتدائی کورس کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ افسروں اور جوانوں کے مابین یگانگت اور رفاقت کا سلسلہ برقرار رہے۔

ایس ایس جی کا رول پاک فضائیہ اور پاک بحریہ سے رابطے اور تعاون کا بھی متقاضی ہے۔ مثلاً دشمن کے خلاف خفیہ (Clandistine) فضائی اور زیرآب کاروائیوں کیلئے وغیرہ وغیرہ.......... چنانچہ ان دونوں سروسوں کے ساتھ قریبی رابطہ اور اشتراک و تعاون ناگزیر تھا (اور ہے)۔ ان ضروریات کے پیش نظر اول اول ایک فریٹر (Freighter) طیارہ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کے ساتھ پوسٹ کیا گیا۔ فریٹر بنیادی طور پر ایک ٹرانسپورٹ طیارہ تھا۔ علاوہ ازیں ایک اور طیارہ حسب ضرورت (On Call) ایس ایس جی کی ڈسپوزل پر بغرض ٹریننگ دے دیا گیا۔ عام حالات میں فوج جب ائرفورس سے کوئی سارٹی طلب کرتی ہے تو اس کا ایک طویل اور پیچیدہ طریق کار ہے۔ ایک فریٹر طیارہ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی میں پوسٹ کر کے اور ایک دوسرا "آن کال" دے کر اس تاخیری اور پیچیدہ طریق کار سے چھٹکارا پالیا گیا۔ دراصل اس ائرفورس کریو کے طفیل، ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی، براہ راست پاک فضائیہ کی آپریشنل اور لاجسٹک کمانڈ سے منسلک ہو گیا۔ پاک فضائیہ کا پہلا کریو جو ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی میں پوسٹ کیا گیا، اس میں سکواڈرن لیڈر (بعد میں ونگ کمانڈر) طاہر خیلی بطور کیپٹن اور فلائٹ لیفٹیننٹ نور بطور نیوی گیٹر شامل تھے۔ سکواڈرن لیڈر (بعد میں ائر مارشل) رشید شیخ دوسرے کریو کے لیڈر رہتے۔ 1960ء میں اسی کریو نے ایس ایس جی کو ائر لفٹ کر کے (دیر آپریشن کے لئے) چترال پہنچایا تھا۔

جے، کے اور ایل کمپنیوں کی تشکیل

پھر مارچ 1959ء میں دوسرے ایڈوانس (کمانڈو) کورس کے اختتام پر تین مزید کمپنیاں (جے، کے اور ایل) کھڑی کی گئیں۔ پہلی بار فرنٹیئر کور سے بھی لوگ لئے گئے۔ جن افسروں نے سیکنڈ کمانڈو کورس مکمل کیا تھا، ان میں سے بیشتر کو ان تینوں نئی کمپنیوں (J,K,L) کی

نفری کی سیلیکشن اور ٹریننگ پر مامور کیا گیا۔ کیپٹن زیڈ اے خان، میجر ایس اے آر درانی اور کیپٹن اسلم بیگ کو ان کمپنیوں کا کمپنی کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ہر کمپنی کے لئے تین اضافی افسر بھی دیئے گئے۔ ہر کمپنی کے ساتھ سکاؤٹس کی ایک ایک پلاٹون بھی تھی۔

انہی اولین برسوں میں ایک اور تجربہ بھی کیا گیا۔ بجائے اس کے کہ تین سال کی نوکری والے جوان ایس ایس جی میں لئے جاتے، فیصلہ کیا گیا کہ بالکل نوآموز رنگروٹ لے کر ان کو ٹریننگ دی جائے۔ چنانچہ 59-1958ء میں کیپٹن سلیم ضیاء کو مختلف انفنٹری رجمنٹل ٹریننگ سنٹروں میں بھیجا گیا، جنہوں نے پہلے پاس آؤٹ ہونے والے رنگروٹوں کو منتخب کیا اور پھر انہیں ایک الگ کمپنی کی شکل میں ٹریننگ دی گئی۔ اس کمپنی کا نام ایف (F) کمپنی رکھا گیا تھا۔ جب ان کی ایس ایس جی کی ٹریننگ مکمل ہوگئی تو انہیں جی (G) اور ایچ (H) کمپنیوں میں بھیج دیا گیا۔ یہ تجربہ بہت کامیاب رہا اور ان میں سے اکثر جوان جے سی او رینک تک پہنچے...... تاہم بعد میں یہ پریکٹس ختم کر دی گئی اور وہی پرانا سلسلہ دوبارہ بحال کر دیا گیا، یعنی دو سے تین سال کی نوکری والے سپاہی لئے جانے لگے۔

جون 1961ء میں لیفٹیننٹ کرنل مٹھا جب ایس ایس جی سے پوسٹ آؤٹ ہوئے تو ایس ایس جی کی بارہ کمپنیاں (بشمول فراگ مین کمپنی اور سگنل کمپنی) مکمل طور پر تشکیل پا چکی تھیں اور ان کی ٹریننگ بھی مکمل ہو چکی تھی۔ ان کی کمانڈ کے بعض اہم واقعات آگے چل کر ایک الگ باب میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی جگہ لیفٹیننٹ کرنل محمد اسلم (ملٹری کراس) نے ایس ایس جی کی کمانڈ سنبھالی۔ ان کی کمانڈ کے دور میں بھی بہت سارے تاریخی اور اہم واقعات رونما ہوئے۔ مثلاً:۔

1۔ ایس ایس جی کا ایک الگ فارمیشن سائن اور کمانڈو ونگ متعارف کروایا گیا۔ فارمیشن سائن کی سیاہ زمین رات کی تاریکی کو ظاہر کرتی ہے اور اس کے اندر آسمانی بجلی کی دو لہریں کمانڈو حملوں کی شدت اور تیزی کی مظہر ہیں۔ ان کے درمیان کمانڈو چاقو، کمانڈو کی قوت کا اظہار ہے۔ اس خنجر کے اوپر جو ستارہ ہے وہ بلندیوں کی طرف جانے کا ایک استعارہ ہے۔ اسی طرح پیراشوٹ ونگ کی اٹھان، شاہین کی بلندیٔ پرواز کا اشارہ ہے اور اس کا نقرئی رنگ ایک چمکتی وحدت ہے۔ (بریگیڈیئر خواجہ نسیم اقبال کہتے ہیں کہ یہ دونوں (فارمیشن سائن اور کمانڈو ونگ) انہوں نے ڈیزائن کئے تھے۔)

2۔ پشاور میں ڈیری فارم سے قطعہ اراضی لے کر پیرا ٹریننگ سکول تعمیر کیا گیا۔(اس سکول کی تفصیلات آگے چل کر بیسویں باب میں دی گئی ہیں)۔ یہ ایک بڑا اوراہم پراجیکٹ تھا۔ امریکی ایڈوائزری ٹیم کے انسٹرکٹروں نے پہلے بیج کو تربیت دی۔ یہ تربیت 1964ء کی پہلی سہ ماہی میں مکمل کی گئی اوراپریل 1964ء میں کامرہ ائیر فیلڈ پر پہلا ڈیمو جمپ کیا گیا۔ پاک فضائیہ کے کسی طیارے سے یہ سب سے اولین جمپ تھا۔ اس مظاہرے کو دیکھنے والوں میں جنرل محمد موسیٰ کمانڈر انچیف پاک آرمی بھی شامل تھے۔

3۔ ایس ایس جی کی باقاعدہ ٹی او اینڈ ای (TO&E) منظور کی گئی۔

4۔ ایس ایس جی کے افسروں اور جوانوں کے لئے سالانہ مشاہرے میں اضافے کا کیس تیار کر کے ''آرمی پے رویژن کمیٹی'' (Pay Revision Committee) کو پیش کیا گیا اوراسے بالکل اسی پیمانے پر منظور کیا گیا، جس کی ایس ایس جی کی طرف سے سفارش کی گئی تھی۔

5۔ ایس ایس جی کو جنرل ہیڈ کوارٹرز کی فائلوں میں (شائد رازداری کو مدنظر رکھتے ہوئے) ''جی ایچ کیو ٹروپس'' کہا جاتا تھا۔ کرنل اسلم جب کمانڈنگ آفیسر ہوئے تو انہوں نے جی ایچ کیو کو لکھا کہ اب اس تنظیم کو ایک انڈی پینڈنٹ لڑاکا گروپ تسلیم کیا جائے۔ چیف آف جنرل سٹاف نے ان کے استدلال سے اتفاق کیا اور جنرل ہیڈ کوارٹرز کی دیگر برانچوں اور ڈائریکٹوریٹس کی رضامندی کے بعد اس باب میں رسمی لیٹر جاری کر دیا۔

6- ایک ایکسر سائز ''تیار'' چلائی گئی، جس کی تفصیلات اہم واقعات والے باب (چھٹا باب) میں دی گئی ہیں۔

لیفٹیننٹ کرنل محمد اسلم (ملٹری کراس) جون 1961ء سے جنوری 1964ء تک کمانڈ میں رہے۔ ان کی جگہ جنوری 1964ء میں لیفٹیننٹ کرنل سید غفار مہدی (ملٹری کراس) نے ایس ایس جی کی کمانڈ سنبھالی۔

ان کی کمانڈ کے دوران ایس ایس جی کی تنظیم نو کی گئی، جس کے نتیجے میں مشرقی اور

مغربی پاکستان میں ایس ایس جی کے دو ونگ منظور کیے گئے۔ ایسٹ پاکستان ونگ میں دو کمپنیاں، جبکہ ویسٹ پاکستان ونگ میں آٹھ کمپنیاں رکھی گئیں۔ کمانڈر ایس ایس جی کو فل کرنل بنادیا گیا اور ان کو مندرجہ ذیل سٹاف دیا گیا:

1۔ گروپ سیکنڈ ان کمانڈ .... لیفٹیننٹ کرنل رسول بخش بلوچ
2۔ جی ٹو آپریشنز .... میجر کے جی احمد
3۔ جی ٹو ٹریننگ .... میجر محمد سرور/ میجر نصرت شیخ
4۔ جی تھری ٹریننگ .... کیپٹن وحید ارشد گجیال
5۔ ڈی کیو .... میجر میاں حفیظ احمد
6۔ سٹاف کیپٹن .... کیپٹن محمد اشرف

کرنل ایس جی مہدی نے ایس ایس جی کی تمام کمپنیوں کو نئے نام دیئے۔ پہلے یہ نام انگریزی حروف تہجی میں تھے، یعنی اے کمپنی، کے کمپنی، جے کمپنی وغیرہ .... لیکن اب ان کو اسلامی ہیروز اور اسلامی شخصیتوں کے ناموں میں تبدیل کر دیا گیا۔ مثلاً ایوب کمپنی، کمال کمپنی اور جنگجو کمپنی وغیرہ۔ علاوہ ازیں انہوں نے ایس ایس جی کیلئے ''من جانبازم'' کا ماٹو بھی دیا۔ ان فارسی الفاظ کا معنی ہے: ''میں جانباز ہوں''۔

فروری 1964ء میں ایس ایس جی کی ائر بورن ٹریننگ شروع ہوئی۔ جولائی 1965ء تک تمام کمپنیوں کے ٹروپس اپنی ابتدائی (Basic) ائیر بورن ٹریننگ مکمل کر چکے تھے۔

ایس ایس جی کی تعداد میں اضافہ کے علاوہ جب مشرقی پاکستان میں آپریشنل اور ٹریننگ ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو ملک کے دونوں حصوں میں انڈی پینڈنٹ ایس ایس جی یونٹ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ مزید تنظیم نو کی گئی۔ اب ونگ کی بجائے رینجر یونٹ بنائے گئے۔ اس طرح 1 رینجر یونٹ، 2 رینجر یونٹ اور 3 رینجر یونٹ تشکیل دیئے گئے۔ 1 رینجر یونٹ میں چار کمپنیاں رکھی گئیں اور اس کا ہیڈکوارٹر چراٹ میں قائم ہوا۔ لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین اس کے کمانڈنگ آفیسر مقرر کیے گئے۔ 2 رینجر یونٹ، تین کمپنیوں کے ساتھ اٹک قلعہ میں قائم کیا گیا۔ اس کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل ایم اے مجید تھے، جبکہ 3 رینجر یونٹ مشرقی پاکستان میں قائم کیا گیا۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد شعیب اس کے کمانڈنگ آفیسر تھے اور اس میں

تین کمپنیاں تھیں۔ان تینوں رینجر یونٹوں کی کمپنیوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

1۔ 1رینجر یونٹ

الف۔ ایوب کمپنی

ب۔ حمزہ کمپنی

ج۔ ابراہیم کمپنی

د۔ کمال کمپنی

2۔ 2رینجر یونٹ

الف۔ جنگجو کمپنی

ب۔ شاہین کمپنی

ج۔ غازی کمپنی

3۔ 3رینجر یونٹ

الف۔ قائد کمپنی

ب۔ ٹیپو کمپنی

اس فورس کو جو ٹاسک الاٹ کئے گئے، ان میں ٹیکٹیکل اور سٹریٹجک ریکی، آبزرویشن، رپورٹنگ، دشمن کی تنصیبات بشمول اس کی ائرفیلڈز پر چھاپے، دشمن کے ٹروپس اور کانوائیوں پر گھاتیں اور مقبوضہ کشمیر اور نیز شمالی علاقوں میں مجاہدوں کی ٹریننگ شامل تھی۔

گروپ ہیڈکوارٹرز کی تنظیم نو اور مختلف عہدوں پر جو آفیسر تعینات کئے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے:۔

1۔ گروپ کمانڈر : کرنل سید غفار مہدی ملٹری کراس

2۔ جی ایس او ٹو (کوآرڈ) : میجر خالد لطیف/ میجر خواجہ نسیم اقبال

3۔ جی ایس او ٹو (آپریشنز): میجر احسان الحق ڈار/ میجر نشاط احمد

4۔ جی ایس او ٹو (انٹیلی جنس): میجر محمد اکرم

5۔ جی ایس او ٹو (ٹریننگ) : میجر محمد سرور / میجر نصرت شیخ
6۔ جی ایس او ٹو (ائر) : سکواڈرن لیڈر شہزاد جمیل
7۔ ڈی کیو : میجر شمیم عالم خان
8۔ سٹاف کیپٹن (اے اینڈ کیو): کیپٹن محمد اشرف
9۔ اسٹیبلشمنٹ آفیسر : کیپٹن شیر احمد

لیفٹیننٹ کرنل ایس جی مہدی کو بطور فل کرنل پروموٹ کیا گیا، لیکن ان کو ایس ایس جی سے تبدیل کر کے کرنل سٹاف 8 ڈویژن تعینات کر دیا گیا۔ انہوں نے 30 اگست 1965ء کو چارج چھوڑا یعنی پاک بھارت جنگ 1965ء سے صرف ایک ہفتہ پہلے۔ ان کی جگہ لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین کو گروپ کمانڈر مقرر کیا گیا۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ لیفٹیننٹ کرنل ایس جی مہدی، لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین اور میجر احسان الحق ڈار نان ایس ایس جی آفیسر تھے۔ یعنی انہوں نے بطور جونیئر آفیسر ایس ایس جی کا کوئی کورس نہیں کیا تھا اور وہ ان مشقوں، دور دراز کی روٹ مارچوں، سخت گیر ایکسرسائزوں اور اس نوع کی دیگر جسمانی آزمائشوں کی بھٹی سے بھی نہیں گزرے تھے، جو انسانی مس خام کو سونا اور پیتل کو کندن بنا دیتی ہیں۔ تاہم کرنل ایس جی مہدی کی کنٹری بیوشن اور دلی وابستگی دیگر کاموں کے علاوہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی کہ ان کی وفات پر ان کو ایس ایس جی چراٹ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا جائے .... مرنے کے بعد بھی کسی تنظیم کے ساتھ وابستہ رہنے کی یہ آرزو کرنل مہدی کے بلندئ کردار کی علامت ہے۔

کرنل مٹھا، کرنل اسلم اور کرنل مہدی کا دور ایک تاریخ ساز عشرہ (1955ء تا 1965ء) تھا۔ اس کے بعد اس گروپ کی کمانڈ اپ گریڈ کی گئی اور بہت سے مرحلوں سے گزرنے کے بعد اس تنظیم کی توسیع ہوتی رہی۔ ان کمانڈروں کے دور کے واقعات آپ متعلقہ ابواب میں پڑھیں گے۔ ان چالیس برسوں میں بھی بہت سی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں تا آنکہ وسط 2003ء میں اس کمانڈ کو مزید اپ گریڈ کر کے اس کے کمانڈر کو جی او سی ایس ایس جی بنا دیا گیا...... میجر جنرل امیر فیصل علوی ایس ایس جی کے پہلے جنرل آفیسر کمانڈنگ مقرر ہوئے۔

ایس ایس جی میں مزید لچک پذیری (Flexibility) اور توازن پیدا کرنے کے لئے ایک عرصے سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ دہشت گردوں کے خلاف اس گروپ کی

پروفیشنل اہلیتوں میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک نئی کمپنی تشکیل دی گئی جس کا نام ''کرار کمپنی'' رکھا گیا۔

اس وقت جب یہ سطور قلم بند کی جارہی ہیں تو ایس ایس جی کی مزید اپ گریڈیشن اور تنظیم نو ہو چکی ہے۔ اس تنظیم نو (Re-structuring) کی تفصیلات آگے چل کر چوبیسویں باب میں ملاحظہ کیجئے۔

تیسرا باب

سلیکشن اور ٹریننگ

پاک فوج میں کسی غیر روایتی تنظیم کی قبل ازیں کوئی مثال نہ تھی۔ گویا ایک نئی بنیاد اٹھانا تھی جس کے چیف آرکیٹکٹ کے طور پر لیفٹیننٹ کرنل مٹھا کا انتخاب کیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ وہ امریکی آفیسر بھی تھے، جن کو دوسری عالمی جنگ اور کوریا کی جنگ میں کمانڈو آپریشنوں اور گوریلا وارفیئر کا ٹیکہ لگ چکا تھا۔ امریکن ٹریننگ ٹیم اور کرنل مٹھا کی ٹریننگ ٹیم نے باہمی مشاورت کے بعد ایک سلیبس وضع کیا اور اس کے مطابق ٹریننگ شروع کی۔ دراصل کسی بھی نئی تنظیم کا کوئی بنا بنایا اور بندھا ٹکا ٹریننگ پروگرام نہیں ہوتا۔ یہ پروگرام بعد میں معیار بند (Standardise) ہوتے ہیں۔ اولین پروگراموں میں بہت سی ناتمامیاں اور خوب سے خوب تر کی بہت سی گنجائشیں ہوتی ہیں۔

امریکیوں کا سارا زور سی آئی اے کی طرز کی خفیہ (Clandistine) کارروائیوں مثلاً سبوتاژ، مختلف قسم کے بارودوں (ایکسپلوسوز) کا استعمال، خفیہ مواصلات، دشمن کے نرغے سے بچ نکلنے، انتہائی نامساعد حالات میں زندہ رہنے کے گر اور فضائی سپورٹ کو کال کرنے وغیرہ جیسے کاموں پر ہوتا تھا۔ گوریلا اور کمانڈو کارروائیوں کا رول تو بعد میں متعین کیا گیا۔ اس قسم کی گوریلا کارروائیوں میں دشمن کے عقب میں اتر کر (یا گھس کر) چھاپے مارنا، گھات لگانا، اس کی مواصلات اور اس کے کمانڈ اور کنٹرول کے مراکز کو برباد کرنا وغیرہ شامل تھا۔

ٹریننگ کی تفصیل دینے سے قبل مناسب ہوگا اگر ایس ایس جی کے لئے سپاہیوں اور افسروں کے طریقۂ انتخاب (Selection) کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔

ایس ایس جی کا کوئی آفیسر یا جوان جبراً بھرتی نہیں کیا جاتا تھا۔ سب کے سب والنٹیئر تھے۔ اس کے لئے ایک طریقہ کار وضع کیا گیا۔ فوج کی مختلف فارمیشنوں اور یونٹوں میں کرنل مٹھا، کیپٹن سلیم ضیاء (ایڈجوٹنٹ) اور دوسرے چند آفیسر جایا کرتے اور لیکچر دیا کرتے کہ اس طرح کی ایک نئی تنظیم بن رہی ہے۔ اس کی خوبیاں گنوائی جاتیں، اس کی سحر انگیزی، مہم جوئی، جاں نثاری، خود مختارانہ آپریٹ کرنے کے شخصی مواقع اور جسم و جاں کی توانائیوں کے نئے نئے امتحانوں اور امکانوں کی بات کی جاتی تو سننے والوں کے سینوں میں حرکت و حرارت اور قوت و عمل کے نئے چشمے پھوٹنے لگتے۔ بہت سے لوگ والنٹیئر کرتے۔ جنرل ہیڈ کوارٹر کی طرف سے تمام پاک فوج کو ہدایات تھیں کہ جو آفیسر یا جوان اس نئی تنظیم میں رضا کارانہ طور پر جانا چاہے، اس کا راستہ نہ روکا جائے۔ تقریباً تین سال تک کی سروس والے لوگوں کو ترجیح دی جاتی کہ ان کو اپنے پرانے ٹریننگ طور طریقوں (Drills & Methods) کو توڑنا اور نئے طور طریقوں اور رنگ ڈھنگ کو اختیار کرنا تھا، اس لئے نوجوانوں اور نو آموزوں کو ترجیح دی جاتی۔ یونٹوں کی روایت ہے (اور اس کا زبردست جواز بھی ہے) کہ وہ اپنے بہترین ٹروپس کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں اور ایسے لوگوں سے جان چھڑانا چاہتی ہیں، جن میں آگے نکلنے کی صلاحیتیں کمتر ہوتی ہیں۔ ایس ایس جی کی ٹریننگ ٹیموں کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے اوسط اہلیت والے افراد کو لے کر انہیں اوج کمال پر پہنچا دیا۔

جب کوئی آفیسر یا جوان ایس ایس جی کے لئے والنٹیئر کرتا تھا تو اسے قلعہ اٹک میں رپورٹ کرنے کو کہا جاتا تھا۔ وہاں اس کے کئی طرح کے تحریری، زبانی، جسمانی اور نفسیاتی ٹیسٹ لئے جاتے تھے۔ جوانوں کے لئے تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری تھا۔ پاک فوج میں ان ایام میں بہت سی سپاہ ان پڑھ یا نیم خواندہ تھی۔ جسمانی ٹیسٹ کے لئے اٹک فورٹ میں ایک آبسٹیکل کورس خصوصی طور پر بنایا گیا۔ اس کے ذریعے، نیز دوسری کئی ایکسر سائزوں میں فزیکل اور دیگر اہلیتوں کے ٹیسٹ لئے جاتے تھے۔ مثلاً ایک اندھیرے کمرے میں ایک بڑی سی میز پر پندرہ، بیس مختلف اشیاء رکھ دی جاتی تھیں۔ امیدوار کو اس کمرے میں لایا جاتا، چند لمحوں کے لئے بجلی کا بلب جلایا جاتا اور اسے کہا جاتا کہ میز پر پڑی چیزوں کو دیکھ لو۔ بعد میں اسے کہا جاتا کہ ان اشیاء کی ایک فہرست

بتاؤ۔اس عمل میں دو چیزوں کا ٹیسٹ مقصود تھا۔ایک قوت مشاہدہ اور دوسری قوتِ حافظہ.........
پھر ایک آڈیو ٹیپ پر مختلف لوگوں کی گفتگو سنوائی جاتی تھی جو کسی موضوع پر اظہار خیال کر رہے ہوتے تھے۔بعد میں امیدوار کو کہا جاتا کہ بتاؤ کس موضوع پر بحث ہو رہی تھی،طرفین یا شرکاء کے مختلف نقطہ ہائے نظر کیا تھے اور اس موضوع پر تمہارا اپنا نقطۂ نگاہ کیا ہے۔اس سے امیدوار کی نہ صرف قوت حافظہ کا پتہ چل جاتا تھا بلکہ مختلف آوازوں میں تمیز کرنا،متضاد یا مخالف نقطہ ہائے نظر کا ادراک کرنا اور امیدوار کی اپنی اہلیت کا بھی انداز ہو جاتا تھا کہ وہ اس قسم کے ماحول میں کس انداز کا استخراج (Deduction) کرتا ہے اور متنازعہ معاملات و امور میں اس کے فیصلے کی قطعیت (Decisiveness) کا معیار کیا ہے۔

ایک اور ٹیسٹ یہ ہوتا تھا کہ ایک سچوایشن (Situation) پینٹ کر دی جاتی تھی، جس میں دشمن کا ایک جنگی قیدی دکھایا جاتا تھا جو زخمی ہوتا تھا۔امیدوار سے کہا جاتا تھا کہ اس زخمی جنگی قیدی سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر کے بتاؤ۔ بیشتر حالات میں یہ جنگی قیدی، ایس ایس جی ہی کا ایک آفیسر ہوتا تھا اور اسے تاکید کر دی جاتی تھی کہ وہ تفتیش کنندہ سے تعاون نہیں کرے گا اور اپنا کوئی راز یا پوشیدہ بات اسے بتانے سے گریز کرے گا۔امیدوار کا ٹیسٹ یہ ہوتا تھا کہ وہ اس دشمن جنگی قیدی سے کیا "سلوک" کرتا ہے۔کیا تدابیر (یا حسن تدابیر) اختیار کرتا ہے اور زبان و بیان کے کون سے پیمانے استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔اس جنگی قیدی کو جان سے مارنے کی دھمکی تو دی جا سکتی تھی،لیکن اسے ہاتھ لگانا یا مار پیٹ کرنا سختی سے ممنوع تھا۔

افسروں کے اس طرح کے بہت سے ٹیسٹ ہوتے تھے،جن کے بعد آخر میں کرنل مٹھا خود اس امیدوار کا انٹرویو کیا کرتے تھے۔انٹرویو کی روشنی میں اور مختلف ٹیسٹوں کے نتائج کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جاتا تھا کہ امیدوار سلیکٹ ہوا ہے یا نہیں ..... بہت سے آفیسر اور جوان ان آزمائشوں میں کامیاب نہیں ہو پاتے تھے اور انہیں واپس یونٹوں میں بھیج دیا جاتا تھا۔

مٹھا کو اپنے افسران بالا کو ان امور پر قائل کرنے کا ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔مثلاً وہ پاک فوج کے کسی بھی ینگ آفیسر کو ایس ایس جی کے لئے منتخب کر سکتے تھے اور ایسا ہونے پر اس آفیسر کا کمانڈنگ آفیسر اسے روکنے کا مجاز نہ تھا۔اس طرح وہ کسی بھی آفیسر کو واپس یونٹ میں بھیجنے

کے مجاز تھے۔ وہ اگر سمجھتے کہ فلاں آفیسر مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اترا تو وہ اسے واپس یونٹ بھجوانے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کرتے۔ ایسا کرنے کے لئے انہیں کسی وجہ یا وجوہات بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ بہت سے ذہین اور قابل آفیسر، جب ایس ایس جی کی کسوٹی پر پورے نہ اترے تو انہیں واپس بھیج دیا گیا۔ ان واپس بھیجے گئے افسروں میں سے کئی پاک فوج میں سینئر عہدوں تک پہنچے۔ اس طرح اگر کسی آفیسر کو غیر ملکی کورس پر بیرون ملک بھیجنے کا مرحلہ آتا تو مٹھا کی ''ہاں یا نہ'' آخری فیصلہ ہوتی۔ ایسے افسروں کو جی ایچ کیو کے کسی سلیکشن بورڈ کے سامنے پیش ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ کمانڈر ایس ایس جی ان کو نامزد کیا کرتا تھا۔

ایس ایس جی کے تمام لوگ یعنی جوان سے لے کر آفیسر تک چونکہ والنٹیر ہوتے ہیں، اس لئے ان کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تنظیم میں جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کی سخت آزمائش ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ پہلے ہی سے ذہنی طور پر تیار ہوتے ہیں، اس طرح ٹریننگ کے مختلف مراحل میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ مشکل تربیتی مراحل انسانی عزم و ہمت کے لئے چیلنج بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ اپنی مرضی سے اس تنظیم میں آتے ہیں، ان پر کوئی بوجھ یا کوئی دباؤ نہیں ہوتا بلکہ ٹریننگ کے مشکل مراحل، مسرت آمیز اور اطمینان بخش لمحات میں ڈھل جاتے ہیں۔ ہر آفیسر اور جوان کو انتخاب کے ایک مخصوص اور مشکل عمل سے گزارا جاتا ہے، جس میں جسمانی قوت، خود اعتمادی، پہل کاری اور موٹیویشن کی ڈویلپ منٹ پر بطور خاص توجہ دی جاتی ہے۔ پھر جب ان مراحل کی تکمیل ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مختلف اقسام کے ہتھیاروں، ساز و سامان اور بارودات کے استعمال میں پوری پوری مہارت اور دسترس حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وہ فن ہے جو اسے تفویض کئے گئے مشن کی تکمیل کے قابل بناتا ہے اور وہ ہر مشکل سے آساں گزر جاتا ہے۔

سپیشل فورس چونکہ غیر روایتی (نان کنونشنل) فورس ہوتی ہے، اس لئے اس کی ٹریننگ کیلئے پہلے مرحلے کے طور پر اس کا روایتی (کنونشنل) ہونا ضروری تھا۔ یعنی اس سے پہلے کہ آپ کوئی غیر روایتی کام کریں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کام کو کرنے کا روایتی طریقہ کیا ہے۔ روایت سے انحراف کا تصور تبھی ذہن میں آئے گا، جب روایت کا تصور پہلے سے ذہن میں موجود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سپیشل سروس گروپ کے لئے ان جوانوں اور افسروں کو منتخب کیا جاتا ہے جن کی سروس ریگولر فورسز میں دو سے پانچ برس تک ہوتی ہے۔

ایس ایس جی کی ٹریننگ کیلئے اس امر پر از بس زور دیا جاتا ہے کہ نو وارد کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو آخری حدوں تک ایکسپلائٹ کیا جائے اور اس کے بعد اسے نان کنونشنل ٹاسک سرانجام دینے کو کہا جائے۔ ریگولر فوج میں ٹریننگ کرتے ہوئے گروپ سرگرمی پر زور دیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی نوجوان کو اگر سات بجے صبح پریڈ گراؤنڈ میں پہنچنا ہے تو اس کا حوالدار اسے علی الصبح پانچ بجے جگا دے گا۔ پھر وہ ایک نظم وضبط کے تحت پریڈ گراؤنڈ میں فالن ہوگا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے بھی یہ ترتیب برقرار رکھی جائے گی، حتیٰ کہ جب دن بھر کا کام ختم ہوگا تو کھانے کے لئے جانا بھی ایک پریڈ ہے۔ بلکہ خود کھانا کھانا بھی ایک پریڈ ہی کی طرح انجام پائے گا۔ سپیشل فورس میں اس قسم کی کٹر تقلید کا رویہ بہت کم پیمانے کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے ان سپیشل جوانوں کو خود احتسابی کی سپیشل ٹریننگ دینی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایس ایس جی کے کسی سپاہی کو اگر سات بجے پریڈ گراؤنڈ میں پہنچنا ہے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے کہ وہ چھ بجے اٹھے یا ساڑھے چھ بجے۔ لیکن اسے ہر حالت میں سات بجے گراؤنڈ میں حاضر ہونا ہوگا۔ اس کے لئے اسے نہ کوئی جگائے گا اور نہ کسی گروپ کی شکل میں مارچ کرواتا ہوا پریڈ گراؤنڈ تک لائے گا۔ یہ کام اس نے خود کرنا ہے۔ اسے انگلی پکڑ کر چلانے کی ضرورت نہیں کہ یہ کام تو اس نے یونٹ میں اور اس سے پہلے بھی رجمنٹل ٹریننگ سنٹر میں سیکھا ہوتا ہے۔ یعنی ایس ایس جی میں آکر اسے کسی (Spoon Feeding) کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ٹریننگ کے جتنے بھی استاد ہیں (بشمول آفیسرز) وہ جس فن کی ٹریننگ اپنے سٹوڈنٹس کو دے رہے ہیں، اس میں خود ان اساتذہ کا مہارت تامہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی استاد اپنے شاگردوں سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ چالیس پچاس پونڈ وزن (پٹھو) اٹھا کر چالیس پچاس میل پیدل چلے تو اس کو پہلے خود پچاس میل نہیں، بلکہ ساٹھ ستر میل تک اس وزن کے ساتھ چلنے کی مہارت ہونی چاہئے۔

ایس ایس جی میں تین قسم کے کورسز کروائے جاتے ہیں، یعنی ابتدائی یا بنیادی (Basic) کورس، ایڈوانس کورس اور سپیشلسٹ کورس۔ ابتدائی کمانڈو کورس میں جسمانی چابکدستی، غیر مسلح ہوتے ہوئے لڑنا، ہتھیاروں، مواصلاتی آلات، بارودات، واٹر مین شپ، نفوذ کاری اور دشمن کے علاقے اور گھیرے سے باہر نکل آنا، گھات اور چھاپے مارنا وغیرہ جیسے موضوعات شامل

ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ ابتدائی (Basic) پیرا کمانڈو کورس بھی چلایا جاتا ہے۔

ایڈوانس کمانڈو کورس افسروں کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں مختلف کمانڈو ایکشن کی تھیوری اور پریکٹس دونوں پڑھائی اور سکھلائی جاتی ہیں۔ ایس ایس جی کا آپریشنل رول ذہن میں رکھتے ہوئے آفیسرز کو ٹیکٹیکل لیول پر ٹریننگ دی جاتی ہے۔ سروائیول (Survival) یعنی حریفانہ ماحول میں کہ جب زندہ رہنے کے تمام امکانات بظاہر معدوم ہو جائیں اور شاذ و نادر کی سطح تک آجائیں تو اس پُر خطر ماحول میں زندہ رہنے کی ٹریننگ کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہوگا۔ علاوہ ازیں جب آپ دشمن کے علاقے میں یا اس کے گھیرے میں آجائیں تو بچ نکلنے کی راہیں اور تدبیریں کیا ہوں گی اور خطرناک قسم کی صورت حال سے پہلو بچا کر نکل جانے کی صورتیں کیا ہوں گی، یہ سب اسی کورس میں سکھلائی جاتی ہیں۔ اس کورس کے اختتامی ایام میں ایک ایکسر سائز چلائی جاتی ہے، جس کا دورانیہ ایک ہفتے کا ہوتا ہے اور یہ ایک ایسے علاقے میں کارروائیوں پر مشتمل ہوتی ہے، جس میں نشان زد اہداف (Targets) کو ایک انفنٹری بریگیڈ کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ ان محفوظ اہداف کو اس کورس کی سکھلائی کے بعد کس حد تک اور کیسے برباد کیا جا سکتا ہے۔

جے سی اوز اور این سی اوز کے لئے بھی ایڈوانس کورس چلائے جاتے ہیں اور اُن میں مختلف بارودات، سروائیول اور واٹر مین شپ کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں سپیشل کورسز میں جمپ ماسٹر کورس، رگر کورس، انڈر واٹر کورس اور مواصلات کا کورس وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں ہم نے سپیشل آپریشنز سکول کے لئے ایک الگ باب (دیکھئے بیسواں باب) مختص کیا ہے، جس میں اس نوع کے کورسوں کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ ان کی مزید تفصیلات وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

پاکستانی افسروں کو ایس ایس جی کی تمام ٹریننگ پاکستان ہی میں دی جاتی تھی۔ بہت سے آفیسر سپیشل کورسوں کے لئے امریکہ بھیجے جاتے تھے۔ وہاں سپیشل وار فیئر، رینجر کورس اور نفسیاتی وار فیئر وغیرہ جیسے موضوعات کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ یہ ٹریننگ فورٹ بریگ میں دی جاتی تھی جو امریکہ کا ''ہوم آف گرین بیرٹس'' کہلاتا ہے۔ (یعنی امریکی کمانڈوز کا چراٹ!)............ رینجرز کورس اور پیرا ٹریننگ، فورٹ بیننگ (جارجیا) میں دی جاتی تھی۔ اس امریکی سکول میں

انسرجنسی (Insurgency) اور کاؤنٹر انسرجنسی یعنی گوریلا وارفیئر اور پھر کاؤنٹر گوریلا وارفیئر کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ سادہ لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے یہ سکھایا جاتا تھا کہ چور کیسے بنتے ہیں اور پھر یہ ٹریننگ دی جاتی تھی کہ چور کو پکڑتے کیسے ہیں!...... یہ دونوں تجربے بہت معلوماتی اور سحر انگیز تھے اور جو آفیسر وہاں سے ان کی تربیت حاصل کر کے آتا تھا، وہ اپنے آپ کو پہلے سے کہیں بہتر اور کہیں برتر ایس ایس جی آفیسر سمجھتا تھا (اور بجا سمجھتا تھا!!)

یہ بات اگرچہ ٹریننگ کے علاوہ آپریشنل پہلوؤں کو بھی محیط ہوگی، لیکن اگر ہم اس بات کا ذکر اسی باب میں کر دیں تو یہ کچھ اتنا نامناسب بھی نہیں ہوگا کہ ایس ایس جی کی ایڈوانس ٹریننگ کے لئے شمال میں چترال سے لے کر جنوب میں گوادر اور پسنی تک ایسے علاقوں کو منتخب کیا گیا، جہاں کے بااثر افراد کو ویسٹرن کیمپ میں لایا جا سکتا تھا اور بوقت ضرورت ان سے مدد لی جا سکتی تھی۔ یہ کام بعض منتخب لوگوں کے سپرد کیا گیا جو اس کام میں اختصاص رکھتے تھے۔ ان بااثر افراد کو بھی گوریلا وارفیئر میں تربیت دینا مقصود تھی۔ ایس ایس جی کے اولین برسوں میں نہ صرف یہ کہ ان تمام کوہستانی، نیم کوہستانی اور ریگستانی علاقوں میں پاکستانی افسروں نے بااثر افراد کے ساتھ ربط وارتباط قائم کیا، بلکہ ان کو آنے والے "سوویت دور" کی "جھلکیاں" بھی دکھائیں اور انہیں سمجھایا کہ بالفرض اگر ایسا ہو جائے تو ان کا رول کیا ہوگا اور پاکستان کی مدد کس طرح کی جائے گی، امریکی فضائیہ کس کس طرح ان کے لئے ساز و سامان ڈراپ کرے گی، وہ کس طرح اس ساز و سامان اور دیگر مواد کو حاصل کریں گے اور روس کے خلاف کس کس طرح کے پوشیدہ (Covert) آپریشنز بروئے کار لائیں گے۔ ان آپریشنوں کا سکیل اور سکوپ اگرچہ محدود ہوگا، لیکن قطرے قطرے ہی سے تو دریا بنتا ہے......! امریکہ ایس ایس جی کے اس مرکزہ (Nucleus) کے قطروں سے سوویت یونین کے خلاف ایک دریا بنانا چاہتا تھا! امریکی سٹرٹیجی یہ تھی کہ پاکستان، جو سوویت یونین کا زیریں نرم پیٹ (Soft Belly) ہے، اس میں کمیونزم کے پھیلاؤ کو پاکستانی سرحدوں پر روکا جائے اور اسے ان ممالک تک پہنچنے نہ دیا جائے، جہاں مغرب کے تیل کے مفادات تھے! (اس موضوع پر مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے حاشیہ نمبر 4 کرنل ورانڈ کا تجزیہ)۔

انہی ایام کا ایک واقعہ جو جی کمپنی کے افسروں کی لگن اور اپنے پیشے کے ساتھ انتہائی خلوص کا آئینہ دار ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ جب اس کمپنی نے چراٹ کو اطلاع دی کہ وہ

18000 فٹ کی بلندی پر جا چکے ہیں، تو کرنل اسلم نے ان کو کہا کہ اب وہ واپس آ جائیں، کیونکہ ان کے پاس مزید بلندیوں تک جانے کے لئے آکسیجن سلنڈر وغیرہ نہیں ہیں اور اگر کوئی حادثہ ہو گیا تو اتنی بلند و بالا چوٹیوں سے کسی متاثرہ فرد کو نیچے دامن کوہ تک لانا ناممکن ہو جائے گا۔ اس پر میجر نشاط احمد نے اپنا وائرلیس سیٹ جان بوجھ کر آف کر دیا اور بہانہ کیا کہ سیٹ میں کوئی فنی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ دریں اثناء خود 18 ہزار فٹ سے اوپر مزید بلندیوں کی طرف چڑھائی جاری رکھی۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ بغیر کسی آکسیجن وغیرہ کے ابھی اور اوپر جا سکتے ہیں، چنانچہ جب وہ 21 ہزار فٹ بلند ٹاپ پر پہنچے تو وائرلیس سیٹ آن کیا اور ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کو مطلع کیا کہ اب وائرلیس سیٹ ٹھیک ہو گیا ہے اور ان کی کمپنی 21000 فٹ بلندی سے نیچے آ رہی ہے.......... اس نمایاں کارکردگی پر میجر نشاط کو کمانڈر انچیف کا سفارشی کارڈ عطا کیا گیا۔ (اس طرح کے ایک اور واقعہ کی تفصیلات حاشیہ نمبر 5 میں دیکھئے جس میں ایک امریکی کوہ پیما کی جان بچائی گئی تھی)۔

پاک فضائیہ اور ایس ایس جی کے مابین باہمی تعاون کا ذکر ہم تشکیل والے باب میں کر چکے ہیں۔ اس اشتراک کا ایک اور پہلو یہ بھی تھا کہ پاک فضائیہ اپنے پائلٹوں کو سروائیول کورس کی ٹریننگ کے لئے ایس ایس جی میں بھیجا کرتی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ اگر کوئی پائلٹ دشمن کے علاقے میں پیراشوٹ کے ذریعے اترنے پر مجبور ہو جائے تو وہ اس حریفانہ ماحول میں زندہ رہ سکے اور وہاں سے بچ کر واپس وطن پہنچ سکے۔ (اس تکنیک کو اصطلاح میں (Escape and Evasion) کہتے ہیں)۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعض ہیرو مثلاً سرفراز رفیقی، منیر، کالا ہان، کریم اور بھٹی وغیرہ نے ایس ایس جی ہی سے یہ کورس کر رکھا تھا۔ پاک فضائیہ کا ایک فلائنگ آفیسر محمود بھی اس ٹریننگ کے دوران ہلاک ہو گیا تھا۔

پاک بحریہ کے بہت سے افسروں نے ایس ایس جی کے ساتھ ٹریننگ کی۔ ان میں سب سے نمایاں نام لیفٹیننٹ طارق کمال خان کا ہے جو بعد میں پاک بحریہ کے چیف آف نیول سٹاف بنے۔ ان دونوں سروسوں (پاک فضائیہ اور پاک بحریہ) کے ساتھ ایس ایس جی کی باہمی ٹریننگ نے اخوت و محبت اور پیشہ ورانہ یگانگت کی وہ بنیاد رکھ دی جو بعد میں باہمی اعتماد اور افہام و تفہیم کی بلندیوں تک پہنچی۔

جب جے، کے اور ایل (J, K & L) تینوں کمپنیوں کی ٹریننگ مکمل ہوگئی تو کرنل مٹھا کے ذہن میں ایک اور آئیڈیا کلبلانے لگا۔ وہ ہمہ وقت ایس ایس جی کو ریگولر آرمڈ فورسز کے معیار تربیت سے اوپر اٹھانے کے خیالوں میں غلطاں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ تمام کمپنیاں سومیل (160 کلومیٹر) پیدل مارچ کریں گی، تاکہ ہر فرد اپنی انفرادی قوت استقرار جان سکے اور اس مین خود اعتمادی کا عنصر راسخ ہو جائے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اگر دشمن کے علاقے میں دور تک گھس کر چھاپہ مارا جائے تو واپسی میں خواہ بہت لمبا چکر بھی کاٹنا پڑے یا بعض مشکل جغرافیائی نقوش کو بازوکش بھی کرنا پڑے تو ہر فرد میں اتنی جسمانی صلاحیت ہو کہ وہ صحیح سلامت واپس آ سکے۔ اس سومیل پیدل مارچ کے لئے چند اصول اور شرائط وضع کی گئیں۔

اول یہ کہ تمام کمپنیاں اٹک کے پل سے مارچ کا آغاز کریں گی اور جہانگیرہ، لاہور (ایک گاؤں کا نام ہے) شہباز گڑھی، نوشہرہ، پبی اور ڈاگ اسمٰعیل خیل سے ہوتی ہوئی چراٹ پہنچیں گی۔ یہ تمام روٹ پکی سڑک پر مشتمل تھا۔ صرف لاہور نامی گاؤں کے نزدیک پانچ میل کا ایک ٹکڑا کچا تھا۔ دوم یہ کہ ہر کمپنی نے پندرہ پندرہ منٹ کے وقفے کے بعد سفر کا آغاز کرنا تھا۔ سوم یہ کہ وزن/سامان کی مقدار کی حد مقرر نہیں تھی۔ آپ چاہیں تو ہلکا پھلکا سامان ساتھ لے لیں اور چاہیں تو اپنے آپ کو بھاری سامان سے لاد لیں، یہ آپ کی اپنی مرضی تھی، چہارم یہ کہ جو لباس مرضی ہو پہن لیں اور جو جوتے جی چاہے زیب پا بنا لیں۔ پنجم یہ کہ سارے راستے جگہ جگہ خورد و نوش اور ریفرشمنٹ کے سٹال لگائے گئے تھے۔ ششم یہ کہ کمپنی کی مرضی تھی کہ وہ چاہے تو اجتماعی طور پر مارچ کرے، اور چاہے چھوٹے چھوٹے گروپوں میں تقسیم ہو جائے اور چاہے ایک ایک فرد کے طور پر یہ مارچ پوری کرے۔ ہفتم یہ کہ اس مارچ کی تکمیل 33 گھنٹوں کے اندر اندر کی جانی تھی۔ کمپنیوں کی پوزیشن کا تعین کرنے کے لئے 90 فی صد نفری کا اوسط وقت، بطور پیمانہ مقرر کیا گیا۔

یہ مقابلہ 1960ء کے موسم گرما میں کرایا گیا تھا۔ تمام کمپنیوں نے اکٹھے سفر شروع کیا، لیکن جلد ہی مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہوتی چلی گئیں اور جب آخری مرحلہ آیا تو صرف چند انفرادی قطاریں چراٹ کی طرف رواں نظر آئیں۔ غالب نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

جو لوگ راستے میں گر گئے، تھک گئے، بیمار یا لاچار ہو گئے، ان کو طبی امداد بہم پہنچائی گئی اوران کی حوصلہ افزائی کی گئی اور جب تک کوئی فرد جسمانی برداشت کی آخری حدوں تک نہ جا پہنچا، اس کو انخلاء کی سہولت فراہم نہ کی گئی اور اسے ہدف پر پہنچنے کا پورا پورا موقع دیا گیا۔

آخر میں نتائج اس طرح نکلے کہ "اے" کمپنی کا نائیک میرا خان اول آیا۔ اس نے یہ فاصلہ 26 گھنٹے اور چند منٹوں میں طے کیا تھا۔ ایل (L) کمپنی جس کی کمانڈ میجر اسلم بیگ کر رہے تھے، اول آئی۔ افسروں میں کیپٹن سید احمد اول آئے، جن کا تعلق ای (E) کمپنی سے تھا۔ دراصل کیپٹن محسن خان 94 میل تک تو سب سے آگے آگے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے رک کر تھوڑا سا آرام کرنا چاہا تو نیند نے آلیا۔ دریں اثناء کیپٹن سید احمد وہاں پہنچے، دیکھا تو محسن صاحب خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ وہ چپکے سے انہیں سوتا چھوڑ کر آگے بڑھے اور منزل کو جا لیا.........حالی نے کتنا صحیح کہا تھا:

یونہی وقت سو سو کے ہیں جو گنواتے
وہ خرگوش، کچھوؤں سے ہیں زک اٹھاتے

سپورٹس فوجی زندگی کا ایک لازمہ شمار ہوتی ہیں۔ ان کی افادیت اور اہمیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ ایس ایس جی کے لئے نہ کوئی سپورٹس ضروری تھی اور نہ کوئی پریڈ.........ایس ایس جی کی ٹریننگ اتنی ہمہ گیر اور وقت طلب تھی کہ اس کی موجودگی میں پریڈوں اور کھیلوں کے لئے وقت نکالنا مشکل تھا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو خدشہ تھا کہ ٹریننگ کا معیار متاثر ہوتا، اس لئے ان سے صرف نظر کیا گیا۔ تاہم سپورٹس کو ایک "گھریلو معاملے" کے طور پر اختیار کیا گیا۔ باسکٹ بال اور ہاکی دو ایسی گیمیں تھیں، جن پر توجہ دی گئی لیکن باہر کی "دنیا" کو اس کا علم نہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ان ایس ایس جی والوں کو سپورٹس اور پریڈیں معاف (Exempt) ہوتی ہیں، اس لئے انہیں اس شعبے کی کچھ زیادہ شُد بُد نہیں ہو گی، حالانکہ بات یہ نہ تھی۔ کرنل مٹھا کا استدلال تھا کہ ایس ایس جی والے چراٹ سے باہر جا کر کسی گیم میں حصہ نہیں لیں گے۔ البتہ باہر سے کوئی ٹیم آ کر کھیلنا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہ تھی، چنانچہ آرمی، ایئر فورس اور امریکی باسکٹ بال ٹیمیں آ کر چراٹ میں میچ کھیلتی تھیں اور بڈابیر ٹیم کے علاوہ ہمیشہ ہار کے جاتی تھیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ایس ایس جی کے معیار بہت اونچے تھے، ان

کے طریقہ ہائے کار غیر روایتی تھے، ان میں خود اعتمادی کا جذبہ ریگولر فوج کے جوانوں اور افسروں سے کہیں زیادہ تھا اور ان کے روز مرہ کا شیڈول ذہن اور جسم کی تمام ممکنہ توانائیوں کو استعمال میں لانے سے عبارت تھا۔

پھر ان کی ٹریننگ بہت متنوع اور رنگا رنگ تھی۔ سٹاکنگ، ریڈ (چھاپہ) گھات، ری پیلنگ، کوہ پیمائی، سکیئنگ، فراگ مین شپ، پیرا جمپ، گلائیڈنگ، خفیہ آپریشنوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جس میں پلاننگ سے لے کر تکمیل تک کے سارے مرحلے شامل تھے، برف پیمائی، پیراکی، غوطہ خوری، دشمن کی قید سے فرار ہونے کے گُر، بھیس بدلنا، قید ہو جانے کی صورت میں اپنی شناخت نہ ہونے دینا، آنکھ جھپکنے میں فیصلے کرنے کی عادت، جارحانہ پن، ہر قسم کی جسمانی اذیتوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ، مشکل ترین ماحول میں زندہ رہنے کی پریکٹس، اندھیرے اجالے میں آپریشنوں کو بروئے عمل لانا.... غرضیکہ وہ کونسا فن حرب وضرب تھا جو ایس ایس جی کی ٹریننگ کا حصہ نہ تھا!

بریگیڈیئر ظہیر عالم خان نے پورا ایک باب (باب نمبر 5) ایس ایس جی میں اپنی سروس کے دورانئے پر لکھا ہے جو نہایت معلوماتی، دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ سطور ذیل میں اس باب کے چند پیراگراف جو ٹریننگ سرگرمیوں سے متعلق ہیں، قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش خدمت ہیں:

''ایک رات، ایک ایکسر سائز کے دوران ہم ایک باغ میں جا پہنچے۔ بہت سے درخت خوبانیوں اور باداموں سے لدے ہوئے تھے۔ پھل اتنی افراط سے تھا کہ شاخیں اس کے بوجھ سے زمین پر جھکی جا رہی تھیں۔ میں نے کمپنی کو وارننگ دی کہ خبردار کوئی شخص کسی پھل کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اگر مجھے پتہ چل گیا کہ کسی نے یہ حرکت کی ہے تو میں اس کے ہاتھ توڑ دوں گا۔ جب ایکسر سائز ختم ہوئی تو پتہ چلا آدھے درخت پھلوں سے ننگے ہو چکے ہیں۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ کمپنی کو فالن کیا تو سب نے قسمیں کھا کھا کر کہا: "سر! ہمیں قسم ہے فلاں فلاں بزرگ کی، ہم نے کسی پھل کو ہاتھ نہیں لگایا.......... ہاں براہ راست بادام اور خوبانیاں منہ سے توڑ توڑ کر کھاتے رہے ہیں"
.... میں نے باغبان کو بلایا اور نقصان کی تلافی کر دی''۔

''میری کمپنی سالانہ چھٹی (P Leave) پر جا رہی تھی۔ ایک محسود سپاہی نے اعلان کیا کہ اس چھٹی میں اس کی شادی ہو جائے گی۔ پلاٹون کمانڈر تک بات پہنچی تو اس نے از راہِ مہربانی اس سپاہی کو چھ ماہ کے لئے اکاموڈیشن کی آفر کر دی کہ جب شادی کر والو تو دلہن کو ساتھ

لے آنا۔ ایک گھر تمہارے لئے خالی رکھا جائے گا۔ محمود سپاہی نے شکریہ ادا کرنے کی بجائے عرض کی: "سر! میں اپنی ہونے والی دلہن کو یہاں ہرگز نہیں لاؤں گا۔ ہمارے گاؤں میں تو وہ پانی لانے کے لئے دو دو میل دور جاتی ہے اور دوسرے وہاں بجلی بھی نہیں۔ یہاں چھ ماہ رہ کر جب اسے ٹینکی کا پانی ملا، بجلی ملی، بجلی کا پنکھا ملا تو وہ تو واپس جانے سے انکاری ہو جائے گی!"

"اگلے سال کا آغاز ہوا۔ سردی زوروں پر تھی۔ میری کمپنی وارسک ڈیم کے نزدیک مجنی چلی گئی۔ ڈیم پانی سے بھرا ہوا تھا لیکن اس سے ذرا نیچے پانی کم تھا۔ ہم نے رات کو واٹرمین شپ ٹریننگ شروع کی۔ چند دنوں بعد ایک شب میرے ایک سپاہی کو شبہ سا ہوا کہ پانی چڑھ رہا ہے۔ مجھے رپورٹ ملی تو میں نے جا کر چیک کیا۔ پانی کی سطح واقعی تھوڑی سی بلند ہو رہی تھی۔ میں نے فوراً احکام جاری کئے کہ دریا سے باہر نکل آؤ۔ ابھی آخری آدمی دریا سے باہر نکل رہا تھا کہ جیسے طوفان نوح آ گیا!.........ہوا یہ تھا کہ بالائی علاقوں میں شدید بارشوں کے بعد ڈیم میں پانی زیادہ آ گیا تو ڈیم کے فلڈ گیٹ کھول دیئے گئے تھے۔ اگر ہمیں یہاں سے نکلنے میں چند لمحوں کی بھی تاخیر ہو جاتی تو جو نقصان ہوتا اس کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے.........بعض ردعمل کتنے بر وقت ہوتے ہیں!"

"میری ایک پلاٹون ایکسرسائز کیلئے چکوال اور نمک کے پہاڑوں میں گئی۔ ہم چکوال اور کلر کہار کے درمیان قصبہ بھون کے ایک ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھے۔ اگلے روز میں کھیوڑہ اور پنڈ دادن خان کی طرف نکل گیا۔ اس قسم کی مشقوں کے دوران ہمیں تازہ راشن از قسم گوشت، مرغی، سبزی، فروٹ وغیرہ آرمی کی طرف سے فراہم نہیں کیا جاتا تھا اور ہم لوگ نقد پیسے دے کر یہ اشیاء لوکل مارکیٹ سے خریدا کرتے تھے۔ ہم روزانہ بھون میں اپنے دو آدمی بھیجتے اور وہ یہ فریش راشن لے آتے۔ ایک روز یہ دو آدمی بازار میں سے گزر رہے تھے کہ انہیں ایک لمبے تڑنگے شخص نے روکا اور کہا کہ وہ اس بازار سے نہیں گزر سکتے۔ وجہ یہ بتائی کہ ہماری عورتیں ان گلیوں اور بازاروں میں آتی جاتی ہیں اور ہم کسی باہر کے مرد کو اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ اس طرح ہمارے بازاروں میں آزادانہ گھومیں پھریں۔ تو تو میں میں ہونے لگی تو اس شخص نے میرے آدمیوں کی سخت بے عزتی کی اور دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ بات بڑھنے لگی اور قریب تھا کہ ایس ایس جی ان دھمکیوں کا جواب دے کہ انہیں یاد آیا کہ میرے سخت ترین احکامات تھے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے کسی گاؤں، قصبے

یا شہر میں کسی سویلین کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا۔

''یہ لوگ جب واپس لوٹے تو سارا واقعہ کیپٹن (بعد میں بریگیڈیئر) امیر محمد خان کے سامنے رکھا۔ کیپٹن امیر تھانہ بھون پہنچا اور آفیسر انچارج سے کہا کہ وہ شکایت درج کریں۔ تھانے دار صاحب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جس شخص کی آپ بات کر رہے ہیں، وہ علاقے کا ایک بڑا بااثر "بدمعاش" ہے۔ ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ آس پاس کے سب لوگ اسے جانتے ہیں اور پولیس اس سے ڈرتی ہے۔

''یہ سن کر کیپٹن امیر نے چند آدمی ساتھ لئے۔ رات کو اس بدمعاش کے گھر پہنچا۔ دروازے پر دستک دی۔ سب کو باہر نکالا، شناخت پریڈ کروائی اور اس بدمعاش کو لے کر ریسٹ ہاؤس آ گیا۔ صبح ہوئی تو سارے گاؤں میں منادی کروادی گئی۔ لوگوں کو ویسے بھی پتہ چل گیا تھا۔ ایک ڈھول والا منگوایا گیا۔ دوپہر کو جب سب گاؤں والے اپنے ''بدمعاش'' کو دیکھنے ریسٹ ہاؤس پہنچے تو منظر یہ تھا کہ بدمعاش کے سامنے ایک وسیع وعریض میدان میں ایک سوگز زمین خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ یہ ریتلی زمین تھی، گھاس پھونس کوئی نہ تھی۔ بدمعاش کو حکم دیا گیا کہ اپنی ناک سے ایک سوگز لمبی لکیر بنائے۔ جب دو تین گز لمبی لکیر بن جاتی تو ڈھول پیٹے جاتے اور شور غل برپا کیا جاتا۔ اس طرح کرتے کرتے جب ایک سوگز لمبی لکیر اس ریتلی زمین پر بن گئی تو بدمعاش کو چھوڑ دیا گیا۔ کہتے ہیں وہ گھر گیا، اپنا سامان اٹھایا اور پھر کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا............ میں جب پنڈ دادن سے واپس آیا تو یہ کہانی سنی۔''

چوتھا باب

ایڈمنسٹریشن

ایس ایس جی بٹالین کی ایڈمنسٹریشن پہلے پہل وہی تھی جو ایک انفنٹری بٹالین کی ہوتی ہے۔کوئی الگ ٹی۔او۔اینڈ۔ای (TO&E) منظور نہیں کی گئی تھی۔(یہ انگریزی اصطلاح ٹیبل آف آرگنائزیشن اینڈ ایکویپمنٹ کا مخفف ہے۔اس کا اردو ترجمہ ''جدول تنظیم وساز وسامان'' کیا جاسکتا ہے،لیکن چونکہ یہ اردو ترجمہ فوج میں مروج نہیں،اس لئے میں نے ''ٹی۔او۔اینڈ۔ای'' ہی کو استعمال کیا ہے۔انگریزی کی بہت ساری عسکری اصطلاحیں اردو بول چال میں بھی جوں کی توں مروج ہیں اور کنفیوژن سے بچنے کے لئے بہتر یہی ہے کہ ان کو ''اردوا'' لیا جائے۔جب کوئی نئی یونٹ کھڑی کی جاتی ہے تو کئی سوال اٹھتے ہیں،مثلاً اس کی آرگنائزیشن یعنی نفری کیا ہوگی، آفیسرز کتنے ہوں گے، کتنی کمپنیاں ہوں گی،ان کی الگ الگ تعداد کیا ہوگی اور کمانڈ سٹرکچر کیا ہو گا۔علاوہ ازیں اس یونٹ کو کون کون سے ہتھیار کتنی تعداد میں دیئے جائیں گے،ایمونیشن کتنا ہوگا، الغرض اس طرح کے دوسرے بہت سے موضوعات اس ''ٹی اواینڈ ای'' کا حصہ ہوتے ہیں۔)

چراٹ اور قلعہ اٹک دونوں قدیم عمارات تھیں۔ چراٹ میں پندرہ امریکی خاندانوں نے آ کے رہنا تھا،اس لئے ان کے قیام وطعام اور رہائش کا سارا بندوبست کرنا تھا۔ پرانی رہائش گاہوں اور گھروں کی تزئین نو کرنی تھی جو کی گئی اور ایک نیا مہمان خانہ (Annexe) بھی تعمیر کیا

گیا۔ دفتروں اور گھروں کے لئے فرنیچر، دوسرا سامان آرائش، ٹیلی فون اور اس طرح کی چھوٹی چھوٹی ہزاروں چیزیں تھیں، جنہیں فراہم کرنا تھا اور جو ایڈمنسٹریشن کی ذیل میں آتی تھیں۔

چراٹ اور اٹک ملا کر ایک ہی سٹیشن بنا دیا گیا تھا اور کرنل مٹھا کو ان کا سٹیشن کمانڈر مقرر کر دیا گیا تھا۔ مٹھا گاہے بگاہے اس نئی تنظیم کی بہتر ایڈمنسٹریشن کے لئے نئی سہولتوں کا تقاضا کیا کرتے تھے جو جنرل ہیڈ کوارٹر سے بالعموم منظور ہو جایا کرتی تھیں۔ امریکیوں نے اپنی رہائش گاہوں اور دوسری اقامتی سہولیات کے لئے فنڈز خود فراہم کیے۔ چراٹ کے جنگل کو منگل میں تبدیل کرنے کے لئے لاکھوں روپے خرچ کیے گئے۔ کرنل مٹھا کو بعض نئی فنانشل اور ایڈمنسٹریٹو پاورز بھی تفویض کر دی گئیں تا کہ معاملات طے کرنے میں آسانی ہو۔

ایڈمنسٹریشن کے سلسلے میں مٹھا کی عادت یہ تھی کہ وہ کسی مروجہ قاعدے قانون کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتے تھے اور اس سلسلے میں امریکیوں کو بھی معاف نہیں کیا کرتے تھے۔ ملٹری ایڈ پروگرام کے تحت بہت سے امریکی ملٹری آفیسر پاکستان آئے تھے۔ یہ لوگ جہاں کہیں بھی جاتے، یونٹ کمانڈروں پر اپنی فوقیت اور برتری کا رعب یا تاثر قائم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ پاک فوج کی تعداد ان دنوں بہت کم تھی اور تمام آفیسرز گویا ایک مربوط خاندان تھا۔ اس خاندان میں باتیں، افواہیں اور حقیقتیں فوراً پھیل جاتی تھیں۔ امریکیوں کے اس ''دھانسو رویّے'' کی سُن گُن مٹھا کو بھی ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے اول روز ہی سے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی غیر ملکی کو اپنے ملک کا قاعدہ قانون توڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ پاک فوج میں چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے بھی سٹینڈرڈ آپریٹنگ پروسیجرز (SOPs) کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ آپ اس مروج طریقہ ہائے کار کو ناقص یا غیر ضروری، بلکہ فضول تک کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ طریقے رائج تھے۔ مثلاً کسی ٹیلی فون کا ایک جگہ سے دوسری جگہ شفٹ کرنا، بجلی کی تار کی کسی ایک عمارت سے دوسری عمارت میں توسیع کرنا اور ایم ای ایس کی تعمیر کردہ عمارتوں میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی تبدیلی کرنا بھی ''گناہ'' تھا...... کرنل مٹھا نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا کہ کوئی امریکی اس گناہ کو ثواب میں تبدیل نہ کرے۔

ایس ایس جی کا کوارٹر ماسٹر، سٹیشن ہیڈ کوارٹر کا سٹیشن سٹاف آفیسر (SSO) بھی ہوتا تھا۔ اس کے ذمے ایس ایس جی کے بندوبستی امور کے علاوہ، امریکی ملٹری پروگرام کے انصرامی

(Logistic) امور بھی تھے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا، شروع شروع میں ایس ایس جی کی کوئی ٹی او اینڈ ای (TO&E) نہیں تھی۔ 19 بلوچ، 312 گیریژن کمپنی اور ریور ریکی یونٹ کی مشترکہ ٹی او اینڈ ای کو ملا کر کام چلایا جا رہا تھا۔ کہا گیا تھا کہ ایس ایس جی کی جمعیت آہستہ آہستہ بڑھائی جائے گی۔ امریکیوں کے انصرامی تقاضے پاکستانی پیمانوں کے تناسب سے فلک بوس ہوتے تھے، چنانچہ بارہا جنرل ہیڈ کوارٹر سے رجوع کر کے حکومت پاکستان سے رسمی منظوریاں لینی پڑتی تھیں۔ یہ کام آسان نہ تھا، اس کے لئے نہایت احتیاط، باریک بینی اور انصرامی و بندوبستی امور میں مہارت کی ضرورت تھی، مثلاً ایس ایس جی کے لئے سپیشل راشن کا تعین، راشن الاؤنس کو فریش اور ڈرائی راشن الاؤنس میں تقسیم کرنا، سپیشل کلودنگ کا سکیل مقرر کرنا اور اس طرح کی بے شمار چھوٹی چھوٹی آئٹمز تھیں جو بظاہر چھوٹی نظر آتی تھیں لیکن بہ باطن بہت اہم تھیں۔ یہ تمام تجاویز اور سفارشات جنرل ہیڈ کوارٹرز میں متعلقہ انفنٹری شعبے (Inf-8) میں بھجوائی جاتی تھیں۔ وہاں میجر شریف جو ایس ایس جی ہی کے ایک آفیسر تھے، ان کو پراسس کرتے، آگے بڑھاتے اور گورنمنٹ سے لیٹر جاری کرواتے تھے۔ ان تمام تفاصیل سے کرنل مٹھا کو زیر بار کرنا مناسب نہ تھا۔ صرف ان کی آشیر باد لی جاتی تھی۔ مٹھا کو بھی احساس تھا کہ ان کا کوارٹر ماسٹر بہت اہم ذمہ داری ادا کر رہا ہے۔ ایم ای ایس کے ساتھ معاملہ کرنے میں بہت سی مشکلات حائل ہوتی تھیں۔ مروجہ طور طریقوں کے برعکس تعمیراتی کاموں کو جلد جلد نمٹانے کے لئے سٹیشن کمانڈر کے اختیارات میں اضافہ ناگزیر تھا، لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان اولین ایام میں ٹریننگ اور ایڈمنسٹریشن کے مسائل گویا ایسی گتھی تھے، جن کو بیک وقت سلجھانے کی ضرورت تھی اور جب اس قسم کے کاموں کی پہلے سے کوئی نظیر (Precedent) نہ ہو، تو بات مزید پیچدار ہو جاتی ہے۔

مثلاً یہاں ان ہتھیاروں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو امریکہ سے براہ راست آتے تھے اور یو ایس ایڈ پروگرام کا حصہ تھے۔ یہ ہتھیار اور ساز و سامان ایس ایس جی کے لئے خاص ہوتا تھا اور کوارٹر ماسٹر برانچ ان کو کراچی کی بندرگاہ سے وصول کیا کرتی تھی۔ بندرگاہ سے وصول کرنے کے بعد اس کی ایک فہرست بنائی جاتی تھی، جسے جنرل ہیڈ کوارٹر بھیج دیا جاتا تھا۔ وہاں سے ایشو دوچر (ان فہرستوں کی بنیاد پر) تیار ہو کر آتے تھے اور ان کی بنیاد پر یونٹ کے لیجروں میں ان ہتھیاروں اور ساز و سامان کا اندراج کر دیا جاتا تھا۔ یعنی وہی حساب تھا جو شاعر نے کہا:

خود کوزہ و خود کوزہ گر وہ خود گلِ کوزہ

اس سارے ''لین دین'' میں اصل بات اعتماد کی تھی۔ کمانڈنگ آفیسر 19 بلوچ پر جی ایچ کیو کو اندھا اعتماد تھا کہ وہ جو چیز (ہتھیار اور ساز و سامان) بھی امریکہ سے براہ راست وصول کریں گے، وہ سب کی سب لیجر چارج پر جائیں گی۔ کرنل مٹھا کو بھی اپنے کوارٹر ماسٹر پر اسی طرح کا اندھا اعتماد تھا............ اعتماد کی یہ شق بھی ایس ایس جی کی ایک روایت بن رہی تھی!

ایس ایس جی کی ایک اور غیر روایتی بات یہ تھی کہ یہاں کوئی بیٹ مین نہ تھا۔ کسی آفیسر یا جے سی او کے ساتھ ایس ایس جی کا کوئی جوان بطور بیٹ مین نہیں دیا جاتا تھا۔ اس کام کے لئے (MODC) کی ایک پلاٹون دی ہوئی تھی۔ ہر دو افسروں پر ایم او ڈی سی کا ایک سپاہی بانٹا ہوا تھا جو افسروں کی وردی تیار کرتا تھا، شیو وغیرہ کے لئے پانی دیتا تھا اور بوٹ وغیرہ پالش کرتا تھا۔ کسی کمانڈو سپاہی کو بیٹ مین نہیں دی جاتی تھی۔ اس طرح ایس ایس جی میں فٹیگ (Fatigue) کا کوئی تصور نہ تھا، یعنی گھاس وغیرہ کاٹنے، مختلف سرکاری عمارات کی صفائی ستھرائی، چونا گیری اور دوسرے اس قسم کے لیبر والے کام کاج چوکیداروں کے سپرد تھے۔ ان کاموں کے لئے 64 سویلین چوکیدار موجود تھے، جن کو فٹیگ ڈیوٹیاں دی جاتی تھیں۔

ایس ایس جی آپریشنوں کے دوران کوئی آفیسرز میس ساتھ نہیں جاتا تھا۔ ہر آفیسر اور جوان اپنے پٹھو (Ruck Sack) میں خشک راشن یعنی چاول، دالیں، آٹا، چینی، پتی، نمک اور خشک دودھ وغیرہ ڈال کے چلتا تھا۔ کھانا پکانے کے لئے میس ٹین (Mess Tin) ساتھ ہوتا تھا۔ جہاں کہیں ضرورت پڑی چند سوکھی لکڑیاں اکٹھی کیں، چولھا گرم کیا اور کھانا پکا لیا، گویا بقول حضرت ضمیر جعفری مرحوم:

آلو تڑخ رہے تھے اک کالے سے ٹین پر

چولھا سلگ رہا تھا خدا کی زمین پر

ایڈمنسٹریشن کی یہ روایات فوج میں صدیوں کے طویل عمل کے بعد اپنائی گئی تھیں اور اس کے زیر استعمال تھیں۔ ایس ایس جی نے ان روایات کو مزید نکھار کر اور جدید تر بنا کر حسب ضرورت اور حسب حال بنا لیا۔ ایک بار جب مشن کا فیصلہ کر لیا جائے تو تکمیل مشن کی راہ میں جو جو بند و بستی رکاوٹیں اور مسائل آتے ہیں، ان کو حل کرنا ہر کمانڈنگ آفیسر کا فرض ہوتا ہے۔ تاہم بعض ایسے بند و بستی طریقے بھی ہوتے ہیں جو آنے والے برسوں کے لئے ایک معیار بن جاتے ہیں۔ وہ ایک

ایسی بنیاد مہیا کرتے ہیں، جس پر بعد میں ایک بڑی تعمیر اٹھائی جا سکتی ہے۔ ایس ایس جی کے اولین سات برسوں (1955ء تا 1962ء) میں ایس ایس جی کے لئے جن بندوبستی انتظامات اور طریقہ ہائے کار کی بنیادیں رکھ دی گئی تھیں، وہ اتنی مستحکم اور اتنی عمدہ تھیں کہ مستقبل میں اس کی توسیع کرتے ہوئے کوئی مشکل پیش نہ آئی اور یہ تسلسل جاری رہا۔

جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی میں انفنٹری۔8 کے نام سے جو دفتر قائم کیا گیا تھا، وہ ہیڈکوارٹر ایس ایس جی اور جی ایچ کیو کے مابین ایک دفتر رابطہ تھا۔ بہت سے بندوبستی امور کو معیار بند (Standardized) کرنے اور نئے امور کی منظوری لینے کے سلسلے میں اس دفتر نے بہت کام کیا۔ اس انفنٹری-8 میں جو جی ایس اوٹو بیٹھتے تھے، ان کی رسائی براہ راست (VCGS) اور بعض صورتوں میں (CGS) تک ہوتی تھی۔ ان کے درمیان کوئی اور سلسلہ کمانڈ نہیں تھا۔ یہ آفیسر (GSO-2) ایس ایس جی کے ترجمان ہوتے تھے اور محض ''ڈاکخانہ'' نہیں تھے جو ایسی صورتوں میں عموماً تصور کیا جاتا ہے۔ اس دفتر میں بیٹھنے والے افسروں نے اس تاریخ ساز دور میں ایڈمنسٹریشن کے بہت سے مسائل اور امور کو نمٹانے، ان کا فیصلہ کروانے اور ان کو ایس ایس جی میں مروج کروانے میں ایک اہم رول ادا کیا۔

پانچواں باب

لیڈر شپ، روایات اور مورال

فوجی لیڈر شپ ایک ایسا موضوع ہے، جس پر درجنوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن یہ فن شائد کتابوں سے نہیں آتا۔ لیڈر شپ کو اللہ کریم کی خاص عطا ہے۔ جب تک وہ عطا نہ کرے، یہ خوبی کسی بھی فوجی لیڈر میں پیدا نہیں ہو سکتی، البتہ اس خوبی کی توسیع اور تزئین کی جا سکتی ہے۔ خداوند عزوجل نے ہر انسان میں، کسی نہ کسی شکل میں، اس خوبی کو ودیعت کر رکھا ہے۔ اسے پردۂ اخفاء سے باہر نکالنا اور پھر اسے استعمال کرنے کی پریکٹس کرنا فوجی ٹریننگ کا حصہ ہے۔ ایس ایس جی اس اعتبار سے خوش قسمت تھی کہ اسے ایک بہت اچھا بانی لیڈر میسر آیا، جس کے اندر لیڈر شپ خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ وہ ان خوبیوں کو اپنے ماتحتوں میں منتقل کرنا چاہتا تھا اور اس کی ساری تگ و دو کا مرکزی نکتہ یہی تھا۔

سب سے پہلی خوبی جو کرنل مٹھا اپنے جوانوں اور افسروں میں پیدا کرنا چاہتے تھے، وہ خود اعتمادی تھی۔ ان کو معلوم تھا کہ غیر روایتی اور سپیشل فورسز بکھر کر لڑتی ہیں اور ایک ہجوم کی شکل میں نہیں، بلکہ چھوٹے چھوٹے گروپوں میں انہیں لانچ کرنا ہوتا ہے، اس لئے ہر جوان بجائے خود ایک لشکر ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں کو جی حضوری اور ''یس مین'' قسم کے لوگ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایس ایس جی کا ہر جوان، عزم و یقین اور خودی و خود اعتمادی کی اس لازوال دولت سے مالا مال ہو جس کے بارے میں حضرت اقبالؒ نے کہا تھا:

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب، کرتی ہے کارِ سپاہ

لیڈرشپ کا نام آیا ہے تو یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سپیشل فورسز میں لیڈرشپ بہت نیچے تک جاتی ہے۔ ریگولر افواج میں لیڈرشپ کا جو تصور ہے، وہ اس سے ذرا مختلف ہے۔ اگر سپیشل فورس کے دو یا تین جوانوں کو کوئی ٹاسک دیا جاتا ہے تو ان میں بھی ایک لیڈر ہوتا ہے، جبکہ ریگولر فوج میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایسا ممکن بھی نہیں ہے۔ فوج کی کم سے کم اجتماعی نفری سیکشن کہلاتی ہے، جس میں دس آدمی ہوتے ہیں۔ اس سیکشن کے اوپر پلاٹون کمانڈر، پھر کمپنی کمانڈر اور پھر بٹالین کمانڈر ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اس سے بھی آگے چلتا ہے۔ نظم وضبط سے بندھی ایک مسلسل زنجیر ہے۔ لیکن یہ زنجیر سپیشل فورس میں اس انداز اور اس شدت (Rigidity) کی نہیں ہوتی۔ مثلاً سپیشل فورس میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ چھ، سات یا دس افراد پر مشتمل کسی ٹیم کو ایک کیپٹن یا ایک میجر کمانڈ کر رہا ہوتا ہے اور اس ٹیم میں یہ دونوں (ایک کپتان اور ایک میجر) خود بھی شامل ہوتے ہیں اور جو باقی پانچ سات سپاہی یا عہدیدار ہوتے ہیں، ان کے اندر بھی لیڈرشپ کا ایک الگ معیار اور انداز ہوتا ہے۔

رات کو سنتری ڈیوٹی کے لئے آفیسر بھی سپاہی کی طرح کام کیا کرتے تھے، مثلاً آپ آفیسر ہیں اور کسی آپریشن پر گئے ہیں۔ رات آ گئی اور رات کو کوئی کام نہیں، سب نے آرام کرنا ہے۔ تین چار جوان آپ کے ساتھ ہیں تو جب آپ کی باری آئے گی، آپ کو اٹھا دیا جائے گا اور کہا جائے گا: "سر! اُٹھئے اور دو گھنٹے کی ڈیوٹی دیجئے"۔ اصطلاح میں اسے "بڈی سسٹم" کہا جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود حفظ مراتب کا شدت سے پاس رکھا جاتا تھا۔ آفیسر کو آفیسر سمجھ کر اس کا احترام کیا جاتا تھا اور اس کا حکم مانا جاتا تھا، یعنی بات وہی باہمی بھروسے اور اعتماد کی تھی۔ کوئی سپاہی اپنے آفیسر کو دھوکے میں نہیں رکھتا تھا۔ ایک سینئر آفیسر نے بات چیت کے دوران مجھے بتایا کہ ان ایام میں اگر میں اپنے کسی سپاہی کو یہ حکم دیتا کہ فلاں شخص کو گولی سے اڑا دو تو وہ بلا تامل اسے اڑا دیتا .... یا مثلاً میں کسی سپاہی کو یہ کہتا کہ گولیاں برس رہی ہیں، لیکن تم اس برستی آگ میں اس دریا کے پار جاؤ اور فلاں زمینی فیچر کی پیمائش لے کر آؤ تو وہ سپاہی دریا پار کر کے جاتا اور اس فیچر کی صحیح صحیح پیمائش کر کے لاتا۔ بلف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں اگر

کسی مجبوری کی بناء پر وہ اس فیچر کی پیمائش نہ لا سکتا تو بلا جھجک کہہ دیتا کہ "سر! فلاں فلاں وجہ سے میں یہ پیمائش نہیں کر سکتا" .... جھوٹ بولنے یا ڈاج کرنے کی گنجائش نہ تھی۔

دشمن کی لائنوں کے پیچھے نفوذ کرنا بجائے خود ایک مشکل آپریشن ہے اور جب کوئی کمانڈو یہ آپریشن سیکھ جاتا ہے تو اس کے اندر ایک نئی قسم کا اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ سپیشل فورس کے ہر فرد کو پیراشوٹ ٹریننگ سیکھنی ہوتی ہے، جبکہ ریگولر فوج کا ہر فرد ایسا نہیں کرتا اور یہ ممکن بھی نہیں۔ اس طرح ایس ایس جی کے ہر فرد میں ایک جذبۂ تفاخر پیدا ہو جاتا ہے جو اس کی چال ڈھال، بول چال اور وضع قطع میں نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو بیابانوں کی اندھیری شب میں قندیل کا کام دیتا ہے۔ اقبالؒ پھر یاد آرہا ہے:

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

فوجی کلچر ایک آمرانہ کلچر ہے، لیکن یہ اس کی مجبوری ہے۔ ایسا نہ ہو تو یہ تنظیم ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ یہاں حاکم و محکوم کا ایک سلسلہ ہے۔ اپنی اپنی مقدورات (Capabilities) ہیں اور اپنی اپنی محدودات (Limitations) ہیں۔ اس تنظیم کی ہر سطح کی ذمہ داریاں، فرائض اور حقوق جداگانہ ہیں، لیکن یہ ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ان میں سے اگر ایک کڑی بھی ٹوٹ جائے تو سارا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے۔

تاہم ایس ایس جی ایک غیر روایتی تنظیم ہونے کے ناطے سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کا ہر فرد خود اعتمادی کے جذبے سے سرشار ہو۔ وقت آئے تو وہ اپنے سینئر کو اپنے اوپر نہ پا کر بے دست و پا ہو کر نہ بیٹھ جائے، بلکہ خود اس سینئر کی جگہ لے لے۔ یہ گویا جدید جرمن آرمی کے "آفٹر آگس ٹیکٹکس" (Afteraugastactics) والی بات تھی .... تاہم 1950ء کے عشرے میں تو نئی جرمن آرمی کا یہ نیا ڈاکٹرین بذاتِ خود ہنوز معرضِ تشکیل میں تھا!

سپاہی کے دل میں احساس ذمہ داری اور خود مختارانہ آپریٹ کرنے کا حوصلہ پیدا کرنے کے لئے کرنل مٹھا نے حکم دے رکھا تھا کہ لانگ ویک اینڈ پر کوئی پابندی نہیں۔ اسے صرف ایک کام کرنا ہوتا تھا کہ کمپنی آفس میں رکھے ہوئے رجسٹر میں اپنا نام اور نمبر لکھ دے، جس میں ٹائم آؤٹ اور ٹائم ان بھی وہ خود ہی درج کرے۔ اس کو پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ خود ہی رجسٹر میں درج کرتا کہ میں

ہفتہ کی شام چار بجے جا رہا ہوں اور اتوار کی رات 12 بجے واپس آ جاؤں گا۔ اس کے لئے اسے کسی جے سی او یا آفیسر سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ روایتی نائٹ پاس کا بھی کوئی رواج نہ تھا۔ سپاہی خود ہی لکھتا، خود ہی دستخط کرتا اور خود ہی گھر چلا جاتا، لیکن اسے معلوم تھا کہ اگر وہ وقت پر واپس نہ آیا تو اسے ایس ایس جی سے رخصت ہونا پڑے گا.......... یعنی آزادیاں اگر بلند تھیں تو پابندیاں بلند تر تھیں۔

ویک اینڈ گزارنے کے بعد اگر کوئی آفیسر یا جوان ایسے وقت میں پنڈی پہنچتا کہ جب چراٹ جانے کے لئے کوئی بس یا کوئی اور سواری دستیاب نہ ہوتی تو وہ پنڈی سے پیدل مارچ کرتا چراٹ چلا آتا اور صبح سویرے پی ٹی پریڈ میں شامل ہو جاتا۔ سوموار کو صبح پی ٹی میں شمولیت ضروری تھی۔ اس دور کے کئی سینئر افسروں سے جب میں نے اس موضوع پر بات کی تو انہوں نے کہا کہ یہ کوئی حیرانی کی بات نہ تھی۔ یہ وہ پیمان وفا تھا جو ہر جوان اور آفیسر اپنے آپ سے باندھتا تھا۔ اس کو ہمیشہ اس بات کا پاس رہتا تھا کہ اس کے یار دوست اور اس کے سینئر اسے اس پیمان وفا کو توڑنے کا طعنہ نہ دیں۔ بہت سے آفیسر، نوشہرہ اور پشاور میں لانگ ویک اینڈ گزار کر اتوار اور سوموار کی درمیانی شب پنڈی۔ چراٹ روڈ پر تیز تیز چلتے، بلکہ ڈبل مارچ کرتے نظر آتے تھے۔

اس پیمان وفا کو نبھاتے ہوئے بعض لوگ جان کی بازی تک بھی ہار گئے۔ بریگیڈیئر ہمایوں ملک جنہوں نے مارچ 1958ء میں ایس ایس جی آفیسرز کے دوسرے بیچ میں شرکت کی، انہوں نے ایک ایسا واقعہ سنایا جو فرض شناسی کی ایک ایسی مثال ہے، جس پر ایس ایس جی بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہ کہانی انتہائی دردناک ہے، مجھے یہ کہنے میں کچھ عار نہیں کہ یہ ایک ایسی حقیقی داستان ہے جو کسی بھی افسانوی کہانی سے کم سحر انگیز اور رقت خیز نہیں۔ (اسے ہمایوں ملک ہی کی زبان سے حاشیہ نمبر 6 پر ملاحظہ کیجئے۔)

لیڈر شپ کے موضوع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں سینکڑوں نہیں، ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ افسروں اور جوانوں کی تربیتی درسگاہوں میں اس موضوع پر طویل لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ تیر کمان سے لے کر میزائل تک اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی جدید ترین ترقیوں کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کہ لیڈر شپ کا فلسفہ انسانی روح سے پھوٹتا ہے۔ مشینیں، ہتھیار، ساز و سامان اور دوسرے قوت افزاء عناصر (Force Multipliers) سب کے سب اسی انسانی روح کے

تابع ہیں۔ ہر قابل ذکر اور مشہور ملٹری لیڈر نے، لیڈر شپ پر کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہے، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مفکر پاکستان حضرت اقبالؒ نے ایک شاعر ہوتے ہوئے لیڈر شپ کی تمام صفات کو محض ایک فارسی شعر میں سمو کر رکھ دیا ہے۔ یہ شعر ایس ایس جی کے سپیشل قسم کے آپریشنوں کے تناظر میں اور بھی زیادہ بامعنی ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

چہ باید مرد را؟ طبعے بلندے، مشربے نابے

دل گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(ترجمہ: ایک نوجوان جنگجو کو کیا چاہئے؟............ اسے صرف پانچ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی (1) اس کا دماغ اعلیٰ پیمانے کا ہو، (2) اس کا رہن سہن پاکیزہ ہو (3) دل میں جوش اور ولولہ ہو (4) نگاہوں میں تیزی اور تندی ہو اور (5) اس کی روح ہر دم بے تاب رہے!)

ایس ایس جی کے جوانوں اور افسروں کے دلوں میں بے تابی، نگاہوں میں تندی و تیزی اور سینوں میں خود اعتمادی اور تفاخر پیدا کرنا، کرنل مٹھا کا ایک بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بعد بھی جو کمانڈر آئے، ان کا شعار و دثار بھی یہی رہا!۔ یہ روایت تب سے لے کر اب تک چلی آ رہی ہے اور اس میں گردش ایام نے کمی نہیں کی، بلکہ اضافہ کیا ہے۔ مٹھا کو اگرچہ بطور کمانڈنگ آفیسر ایس ایس جی بے پناہ آزادی عمل حاصل تھی، لیکن اپنی اس آزادیٔ عمل کا انہوں نے کبھی بھی غلط استعمال نہ کیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ لیڈر شپ کے بارے میں لمبے لمبے لیکچر دینے اور موٹی موٹی کتابیں پڑھنے کی بجائے ذاتی مثالوں کو ترجیح دینی چاہئے۔ ان کی کمانڈ میں تمام آفیسر بھی اسی موقف کے پیروکار تھے۔

پھر انہوں نے امریکیوں پر واضح کر دیا تھا کہ پاکستانی سوسائٹی کی اپنی مخصوص سماجی، ثقافتی اور مذہبی اقدار ہیں اور امریکیوں کو ان کی پابندی کرنی پڑے گی۔ امریکی خواتین قابل اعتراض لباس پہن کر چراٹ کی بار اور آفیسرز میس میں نہیں جا سکتی تھیں۔ نیکر اور منی سکرٹ پہننا منع تھا، ہاں اپنے گھر میں وہ جو بھی چاہے کر سکتی تھیں۔ امریکن ٹیم کا پہلا کمانڈنگ آفیسر کرنل بنٹے (Bunte) تھا، جو کرنل مٹھا کا ذاتی دوست بن گیا تھا۔ یہ دوستی اس وقت سے استوار تھی، جب ایس ایس جی کا آئیڈیا ہنوز معرض تخلیق میں تھا اور جب کرنل مٹھا پی ٹی سکول کاکول کے کمانڈنگ آفیسر تھے۔ یہ دوستی وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہوتی چلی گئی اور اس کی وجہ سے کسی جونیئر امریکی

آفیسر کو کبھی یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ اپنی سفید چمڑی کے بل پر رعب جھاڑتا یا خلاف قاعدہ کوئی بات کرتا۔ امریکہ اس دور میں پاکستان کے لئے ساڑھے چار ڈویژن فوج کھڑی کرنے میں ہر قسم کی مدد کر رہا تھا۔ مختلف چھاؤنیوں میں ان کے آفیسرز کا جو رویہ تھا، وہ چراٹ چھاؤنی میں نظر نہیں آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی، کرنل مٹھا کا احترام، اپنے کرنل بننے سے بھی زیادہ کیا کرتے تھے۔

امریکی جب تک چراٹ میں رہے، امریکی اور پاکستانی آفیسرز کے باہمی روابط نہایت خوشگوار رہے۔ امریکی آفیسرز پاکستانی آفیسرز میس کے ممبر ہوتے تھے اور اس طرح پاکستانی آفیسرز بھی، امریکی کلب میں آیا جاتا کرتے تھے، لیکن یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کی ثقافتی، پیشہ ورانہ اور مذہبی روایات و اقدار کا ازبس خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ ان روابط کی حرارت اور تپش کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے چند سابق ایس ایس جی آفیسرز آج بھی اپنے ان امریکی دوستوں کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ استوار رکھتے ہیں اور موقع ملے تو ایک دوسرے کے ہاں آ جا کر پرانے دنوں کی یادیں تازہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ جو ایک پرانا مقولہ ہے کہ فوج کی دوستی کوارٹر گارڈ تک ہوتی ہے، وہ اس تناظر میں غلط نظر آتا ہے.... دوستی اور رفاقت کی گیرائی اور گہرائی کا دارومدار باہمی خلوص اور گرم جوشی پر ہوتا ہے اور ایس ایس جی کے وابستگانِ دامن اس میدان کے شہسوار تھے۔

مٹھا نے سختی سے اپنے افسروں کو حکم دے رکھا تھا کہ امریکیوں کے ساتھ برابری کا سلوک رکھو۔ ان کی کوئی دعوت اس وقت تک قبول نہ کرو، جب تک ان کو بھی اس قسم کی دعوت لوٹا نہ سکو۔ اگر وہ چائے وغیرہ پر مدعو کریں تو اس وقت تک مت جاؤ، جب تک خود اس احسان کو اتارنے کے قابل نہ ہو۔ کوشش کرو کہ ان سے ایک قدم آگے اور اوپر رہو اور اپنی غربت پر فخر کیا کرو۔ وہ پاکستانیوں کو امریکیوں کی نگاہ میں سر بلند رکھنا چاہتے تھے اور ان کی شخصیت کی یہ خوبی کوئی ایسی کم درجے کی خوبی نہ تھی۔

خوش قسمتی سے کرنل مٹھا کی اہلیہ مسز اندو مٹھا بھی ایک نہایت روشن خیال اور باکردار خاتون ہیں۔ انہوں نے 1942ء میں دہلی یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری لی اور یونیورسٹی بھر میں اول آئی تھیں۔ ان کے والد مسٹر چیٹر جی گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ فلاسفی کے سربراہ رہے تھے۔ وہ جب انگریزی میں گفتگو کیا کرتی تھیں تو امریکی آفیسر، ان کی زبان

دانی پر انگلیاں منہ میں ڈال لیتے تھے۔ دونوں میاں بیوی کا کردار ساری کی ساری امریکی ''آبادی'' کے لئے ایک مثال تھا۔ کرنل مٹھا کے دبدبے کا عالم یہ تھا کہ امریکی خواتین اپنے بچوں کو اکثر یہ کہہ کر ڈرایا کرتی تھیں کہ اگر تم نے شرارتیں جاری رکھیں تو جا کر مٹھا سے تمہاری شکایت کروں گی اور وہ تم سے خود سمجھ لیں گے۔ مسز اندو مٹھا، مغربی سوسائٹی کو بڑے قریب سے دیکھنے کے باوجود مشرقی تہذیب وثقافت کی دلدادہ تھیں۔ مشرقی لباس پہنا کرتیں اور کھانا چھری کانٹے کی بجائے ہاتھ سے کھایا کرتیں۔ وہ سب افسروں کی بیویوں کے ساتھ رسم وراہ رکھتیں اور ان کے ثقافتی پس منظر کے مطابق ان کے ساتھ بات چیت کیا کرتی تھیں۔ یہ ان کی بہت بڑی خوبی تھی۔ بہت لکھی پڑھی ہونے کے باوجود سادہ طرز زندگی کو ترجیح دیتی تھیں۔ ان کی یہی خوبیاں تھیں، جن کی وجہ سے چراٹ کا سارا ماحول امریکی نہیں، بلکہ پاکستانی لگتا تھا۔ ایس ایس جی کے سارے جوان اور افسر جب اس ماحول کو دیکھتے تھے تو انہیں اپنے پاکستانی ہونے پر فخر ہوتا تھا اور ان کا سینہ تن جاتا تھا۔ بلاشبہ یہ تمام ماحول خالص ایس ایس جی کے اس آئیڈیل کا عکاس تھا، جس کے بارے میں اقبالؒ کہتا ہے:

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

کرنل مٹھا کے بعد کرنل اسلم اور پھر کرنل مہدی نے بھی ان روایات کو تسلسل دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سپیشل سروس گروپ اس اعتبار سے خوش قسمت تھا کہ اسے پہلے تینوں کمانڈر ایسے ملے، جنہوں نے اس تنظیم کے بنیادی ڈھانچے کو ہمہ جہتی استحکام عطا کر دیا اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے راہیں متعین کر دیں۔

جب کوئی ملک یا قوم اپنی فوج میں ایک سپیشل فورس کے قیام کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ فیصلہ بہت سٹریٹجک اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس حوالے سے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی ایلیٹ (Elite) یونٹ کھڑی کرنے کیلئے جس آفیسر کا انتخاب کیا جاتا ہے اس کو بھی نہایت سوچ بچار کے بعد منتخب کیا جاتا ہے کہ بنیاد کمزور ہوگی تو اس یونٹ کا قیام اور عدم قیام برابر ہوگا۔ اس فورس کا بانی اور ان کے بعد آنے والے مزید دو تین کمانڈنگ آفیسر جو روایات، جو اقدار، جو معیار اور جو ماحول قائم کریں گے، آنے والے

لوگ اسی کی تقلید کریں گے۔

دیکھنے کو تو جب ایس ایس جی کھڑی کی گئی تھی تو اس کی نفری محض ایک بٹالین بھی نہیں تھی، لیکن اس کو کنٹرول کرنے کیلئے کونشنل طریقوں سے ہٹ کر ایک الگ سلسلۂ کمانڈ قائم کیا گیا۔ نارمل حالات میں تو ایک بٹالین کمانڈر کے اوپر ایک بریگیڈ کمانڈر رہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ بعض اوقات جب یونٹ کمانڈر پیش ورانہ طور پر کمزور ہو تو بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کا سارا سٹاف یعنی بریگیڈ میجر، ڈی کیو اور سٹاف کیپٹن وغیرہ بھی اس بٹالین پر حاوی ہوتا ہے.......، یہ آفیسرز متعلقہ یونٹوں کو احکامات جاری کرتے ہیں کہ ہر ماہ اتنی رپورٹیں آنی چاہئیں اور یہ ہونا چاہئے اور وہ ہونا چاہئے۔ لیکن جب آپ سپیشل فورس کھڑی کرتے ہیں تو اس قسم کے جھنجھٹ کھڑے نہیں کر سکتے۔ایک وسیع آزادیٔ عمل اس کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب پاکستان آرمی میں ایس ایس جی کی تشکیل کی گئی تو اس کا کنٹرول ڈائریکٹ چیف آف دی جنرل سٹاف پاکستان آرمی کو دیا گیا۔ یعنی ایک لیفٹیننٹ کرنل، براہِ راست ایک میجر جنرل (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) کو جوابدہ تھا!.......... بعض معاملات وامور میں یہ "رعایت" رکھی گئی کہ وائس چیف آف جنرل سٹاف (VCGS) بھی انہیں کنٹرول کر سکتے ہیں۔ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص، سلسلۂ کمانڈ میں حائل نہ تھا۔ یعنی بریگیڈ کمانڈر، ڈویژن کمانڈر، کور کمانڈر یا لاگ ایریا کمانڈر کا اس کمانڈ و بٹالین سے اس قسم کا کوئی تعلق نہ تھا جو دوسری نارمل بٹالینوں میں ہوتا ہے۔

جب فورس سپیشل ہوگی تو اس کو وسائل بھی سپیشل دینے پڑیں گے۔یہ وسائل براہِ راست اس بٹالین کی ڈسپوزل پر رکھنے پڑیں گے، وگرنہ مدعا حاصل نہیں ہوگا۔

اس فورس کی ٹریننگ میں بعض خطرات بھی ہوتے ہیں۔ چونکہ ٹریننگ کا انداز ریگولر فورسز کی نسبت زیادہ حقیقی ہوتا ہے، اس لئے خطرات کا سکوپ بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً عام فورسز کے کسی دستے کو جب آپ فائرنگ رینج پر لے کے جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ پہلے ان آدمیوں کی لائن بناؤ۔پھر نمبر ایک، دو، تین، چار سکواڈ (Details) بناؤ۔ پھر انہیں مارچ کرتے ہوئے فائرنگ پوائنٹ پر لے کر جاؤ۔ پھر ''فائرنگ پوزیشن'' کا حکم دو۔ پھر کوئی فرد ایمونیشن ایشو کرے، اور پھر سائڈ پر کوئی اور فرد بیٹھ کر کھوکھوں کو روکے........... یہ سب ڈرل ریگولر فوج میں ایک نارمل سی بات ہوتی ہے۔ لیکن ایس ایس جی کو اگر ایک کمرہ بطور ٹارگٹ دیا جاتا ہے تو اس کو اڑانے کیلئے وہ پہلے

خود دروازے کو پاؤں مار کر کھٹاک سے کھولے گا، پھر اندر داخل ہو کر چاروں طرف اور اوپر نیچے تڑتڑ شروع کرے گا، خود ہی میگزین بدلی کرے گا اور کام ختم کر کے باہر آ جائے گا۔

ایمونیشن اور ایکسپلوسوز کے اوپر جو کنٹرول نارمل فوج میں ہوتا ہے، وہ ایس ایس جی میں نہیں ہوتا۔ اس طرز عمل میں خطرات ضرور ہیں، لیکن جنگ تو ہے ہی سراپا خطرات کا نام............اس طرح اگر ایس ایس جی کا کوئی فرد ہینڈ گرنیڈ پھینکتا ہے اور اس کا فیوز اگر چار سیکنڈ کا ہے تو یہ فرد، گرنیڈ کی پن نکالنے کے بعد ایک دو سیکنڈوں تک گرینیڈ کو ہاتھ میں پکڑے رکھے گا اور پھر ٹارگٹ پر پھینکے گا، تا کہ ایسا نہ ہو کہ حریف یہ گرنیڈ واپس اس پر پھینک دے!

ایک اور صفت جو ایس ایس جی کو دوسرے مسلح گروپوں میں ممتاز کرتی ہے، وہ اس کے افراد کی حاضر دماغی ہے۔ حاضر دماغی ایک کمانڈ صفت ہے۔ کٹر اور فرسودہ قسم کی ڈرل اور مشقیں، حاضر دماغی کے اس عنصر کو دبانے کا رجحان رکھتی ہیں۔ اس طرح پہل (Initiative) کا عنصر ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ دشمن پر ناگہانی وار کرنے کے بعد بعض اوقات حالات یکسر مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں لچک کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے اور چند سیکنڈوں میں کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے بلا کی ذہنی پھرتی اور حاضر دماغی کی ضرورت پڑتی ہے۔

ایک اور اختصاص مختلف ہتھیاروں کے استعمال کا بھی ہے۔ ریگولر فوج میں سپاہی کو ایک خاص ہتھیار پر ٹریننگ دی جاتی ہے۔ رائفل، مشین گن اور راکٹ لانچر فائر کرنے والے لوگ الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن ایس ایس جی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ بعض اوقات ایسے دشمن سے پالا پڑتا ہے، جس کے ہتھیار اپنے ہاں کے مروج ہتھیاروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کو نہ صرف قابو کرنا ہوتا ہے، بلکہ ان پر قبضہ کر کے ان کو استعمال کرنے کے طریقے بھی از بر ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ایس ایس جی والوں کو دنیا بھر کی افواج کے بیشتر ہتھیاروں کے استعمال کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک سپاہی نے برٹش یا امریکن ہتھیار پر ٹریننگ لی ہے یا ایسے ہتھیار پر جو پی او ایف (پاکستان آرڈننس فیکٹریز واہ) میں بنایا گیا ہے تو وہ صرف اسی ہتھیار کے استعمال میں مہارت رکھے گا۔ پھر جب اسے کسی اور ملک کا (مثلاً چین کا بنا ہوا) ہتھیار دیا جائے گا تو اسے اس کے استعمال میں مشکلات پیش آئیں گی۔ حالانکہ ہتھیار کے حصے پرزے وہی ہوں گے، بیرل وہی ہوگی، میگزین وہی ہوگی، سیفٹی کیچ، سٹاک اور ٹریگر وغیرہ بھی وہی ہوں گے، لیکن اس کے باوجود وہ

اس گن سے فائر نہیں کر سکے گا۔ علاوہ ازیں غیر مسلح ہو کر لڑنا ایک الگ فن ہے۔

دشمن کے پاس ہتھیار ہے، آپ کے پاس ہتھیار نہیں ہے، آپ نہتے ہیں۔ لیکن آپ نے اس دشمن پر کب، کس طرح اور کیسے حملہ کر کے اسے نہتا کرنا ہے، یہ صرف ایس ایس جی والوں ہی کا طرۂ امتیاز تصور کیا جاتا ہے اور اس کی با قاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اگر اس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں اور علاقہ دشمن کا ہے تو اسے ٹریننگ دی جاتی ہے کہ ایسے علاقے میں زندہ کیسے رہا جائیگا۔ مثلاً کونسی جڑی بوٹی وہ کھا سکتا ہے، اس میں کتنی انرجی ہوتی ہے اور کونسی جڑی بوٹی زہریلی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کھمبیوں (Mushrooms) کو ہی لے لیجئے۔ ان کی اکثر اقسام میں غذائی حراروں کی بہتات ہوتی ہے، لیکن بعض اقسام زہریلی بھی ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف جانوروں کو پکڑنا اور ان کے گوشت کو استعمال میں لانا، بوقت ضرورت سانپ اور مینڈک تک کھا جانا، زہریلے اور غیر زہریلے سانپوں میں فرق جاننا، یہ سب زندگی بچانے کے لئے ایس ایس جی کی ٹریننگ کا حصہ شمار ہوتے ہیں (اسلام میں بھی جان بچانے کی خاطر حرام چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے)۔ برف زاروں اور ریگستانوں میں چرندوں، پرندوں اور حیوانات کی اقسام کا علم، ان کو شکار کرنے اور پھر ان کو کھانے کے طریقوں کا جاننا بھی ایس ایس جی والوں کو سکھایا جاتا ہے۔ دشمن کے علاقے میں چپکے سے موو کرنا (جسے سٹاکنگ کہتے ہیں) بھی ایک ہنر ہے............اس قسم کے ہزاروں موضوعات ہیں، جن کی تفصیلات میں جانا وقت مانگتا ہے۔

یہ چند باتیں تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ ایک عام قاری کو سپیشل فورسز کی مقدورات اور محدودات (Capabilities and Limitations) کا علم ہو جائے اور وہ یہ جان سکے کہ کوئی کمانڈو اپنے آپ کو ایک ریگولر اور عام فوجی سے کس طرح اور کیوں زیادہ مشاق، زیادہ ہنر مند اور زیادہ باخبر سمجھتا ہے اور اس کا جذبۂ تفاخر (Self-Pride) کیوں زیادہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی شخص پر آپ اعتماد کرتے ہیں تو وہ خود بخود پُر اعتماد بن جاتا ہے، اس کا جذبۂ خودی بیدار ہو جاتا ہے، اس میں یقین و ایمان کی لازوال دولت وافر مقدار میں پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ ایک اکیلا سپاہی پورے لشکر سے گتھم گتھا ہونے کو آسان سمجھتا ہے:

آگ اس کی پھونک دیتی ہے برناؤ پیر کو
لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحب یقیں

بعض اوقات دوران جنگ آپ دشمن کے نفسیاتی مرکز پر دباؤ بڑھانا چاہتے ہیں۔ اس کی کوئی ایسی اہم عمارت یا تنصیب برباد کرنا چاہتے ہیں، جس کا اثر بڑے آپریشنوں پر پڑے یا دشمن کی کسی اہم شخصیت کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں یا اپنے کسی ایک یا ایک سے زیادہ اہم ساتھیوں کو دشمن کے نرغے سے نکالنا چاہتے ہیں یا دشمن کی مواصلاتی لائن کو کاٹنا چاہتے ہیں یا اس کی رسدات کو روکنا چاہتے ہیں یا اس کے علاقے میں خوف و ہراس اور دہشت کی فضاء پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو یہ سارے کام ریگولر فوج نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے چنیدہ لوگوں کا ایک گروہ درکار ہوگا جو دشمن کی لائنوں میں نفوذ کرے گا، چوری چھپے اس کے عقب میں جا نکلے گا اور ٹارگٹ کو برباد کر کے واپس لوٹ آئے گا یا نا گہانیت کا سہارا لیتے ہوئے پیراشوٹ کے ذریعے رات کے وقت چند آدمی دشمن کے پیچھے گرائے جائیں گے اور مطلوبہ مقاصد حاصل کر لئے جائیں گے۔ لیکن یہ مقاصد یا مقصد ریگولر فوج کی مدد سے اس وقت تک حاصل نہیں کئے جا سکتے جب تک آپ دشمن کو مکمل شکست نہ دے دیں اور اس کے علاقے اور زمین پر قابض نہ ہو جائیں۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ گوریلا کارروائیوں سے دشمن کے خلاف اگرچہ مکمل فتح حاصل نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی محض گوریلا فورس دشمن کو مکمل شکست دے سکتی ہے، تاہم حصول فتح کو سہل تر کرنے اور قریب تر لانے میں یہ گوریلا فورس یا سپیشل فورسز (آپ اسے کوئی بھی نام دیں) ایک اہم سپورٹنگ رول ادا کر سکتی ہیں۔

فیلڈ مارشل ولیم سلم نے اپنی مشہور تصنیف ''شکست سے فتح تک'' (Defeat into Victory) کے نویں باب میں مورال پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: ''مورال ایک قسم کی ذہنی کیفیت کا نام ہے۔ یہ ایک ایسی غیر محسوس قوت ہے جو انسانوں کے گروہ کو کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ اس میں اپنی جانوں کے ضیاع کا غم نہیں ہوتا۔ لوگ اپنی انفرادی ذات کو پورے گروہ کی اجتماعی ذات میں ضم کر دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن یہ ذہنی کیفیت چند ایک بنیادی عناصر اور عوامل کی مرہون احسان ہوتی ہے۔ یہ بنیادی عناصر کیا ہیں؟..... یہی وہ سوال ہے جو بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ میری نگاہ میں یہ بنیادی عناصر بالترتیب روحانی، ذہنی اور مادی ہوتے ہیں اور ان کی اہمیت کی ترتیب بھی یہی ہے۔ سب سے پہلے روحانی پہلو کو لیجئے، کیونکہ یہی وہ اساسی پتھر ہے، جس پر مورال کی عمارت تعمیر کی جا

سکتی ہے، جو ہر قسم کی شکست وریخت کو جھیلتا رہتا ہے اور ٹوٹتا نہیں۔اس کے بعد ذہنی پہلو کا نمبر آتا ہے۔انسان، جذبات واحساسات کے علاوہ عقل ودانش، معقولیت اور دلائل سے کوئی بھی اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔تیسرا پہلو مادی ہے۔گو یہ بھی بہت اہم ہے لیکن ترتیب میں آخری ہے۔اس لئے کہ اکثر ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب مادی محرومیاں پاتال کو چھو رہی ہوتی ہیں تو تب بھی کوئی گروہ محض روحانی اور ذہنی عناصر کے بل بوتے پر اعلیٰ مورال کی بلندیوں پر ہوتا ہے اور اسے اپنے مقصد سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکتی"۔

ولیم سلم سے بھی پہلے نپولین نے اخلاقی (Moral) اور مادی (Material) قوتوں میں ایک اور تین کے تناسب کا ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر کسی ایک ڈویژن فوج کا مورال بلند ہو تو وہ اس ایک کور (تین ڈویژنوں) کو شکست دے سکتی ہے، جس کا مورال ڈاؤن ہے......... نپولین نے کوئی نئی بات نہیں کہی تھی۔اس نے اسلام اور کفر کی اولین لڑائی کو مروجہ فورس سٹرکچر کے پس منظر میں بیان کر دیا تھا۔غزوۂ بدر میں مسلمانوں اور کفار قریش کی فورس میں یہی ایک اور تین کا تناسب تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلم فوج کے بلند مورال کے باعث انہیں بڑی فتح نصیب ہوئی تھی۔

سپیشل فورسز میں مورال کی بلندی جس تناسب کی ہوگی، ان کی کامیابی کا سکیل بھی اسی تناسب کا ہوگا۔اس میں ایک اور تین کے تناسب کی قید نہیں۔بعض اوقات دشمن کے عقب میں صرف ایک اکیلا کمانڈو وہ کام کر جاتا ہے، جو پوری ایک ریگولر بٹالین بھی نہیں کر سکتی۔دنیا بھر کی آزادی کی تحریکیں اس بات کی گواہ ہیں کہ صرف چند چراغوں نے پورے منظر کو چکا چوند کر دیا۔یہ مورال ایک ایسا ٹانک ہے جو نحیف وناتواں جسم کو، گرانڈیل حجم والے جسم پر فوقیت دے کر اسے چاروں شانے چت گرا دیتا ہے۔شرط یہ ہے کہ نگاہوں میں پلٹنے، جھپٹنے اور جھپٹ کر پلٹنے کی امنگ اور توفیق موجود ہو۔اگر یہ امنگ اور یہ توفیق پیدا کر دی جائے تو پھر جنگلی بھینسوں کے ایک بڑے ریوڑ کے لئے صرف ایک چیتا ہی کافی ہوتا ہے..... تو پھر یہ چیتا کیسے بنا جا سکتا ہے؟ مورال کا یہ انداز کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور ایک اکیلے کمانڈو کو دشمن کی ایک کثیر نفری کے مقابل کیسے اتارا جا سکتا ہے؟ ..... اقبال نے اسی کے لئے خدا کے حضور دعا کی تھی:

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے

لڑا دے ممولے کو شہباز سے

ممولے کو شہبازوں سے لڑانے کا فن ''من جانبازم'' کے پرچم برداروں کو سکھانا مقصود تھا، اس لئے ایس ایس جی کے بانی افسروں نے بہت سی ذاتی مثالوں کے ذریعے کردار، سپرٹ ڈی کور، خود اعتمادی اور عزم و یقین کے فانوس روشن کرنے پر سارا زور صرف کر دیا۔ ان میں بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ چند خامیاں بھی تھیں۔ یہ خامیاں نہ ہوں تو انسان، شرف انسانی کا مرقع نہیں کہلا سکتا۔ وہ اپنی ان بشری خامیوں کو بھی مورال سازی کے لئے کس طرح استعمال کیا کرتے تھے، اس کی چند مثالیں کرنل مٹھا کے بارے میں شائد قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوں۔

کرنل مٹھا کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی خود اعتمادی کا آبگینہ بچانے کے لئے کسی دوسرے کو خاطر میں لانے سے گریز کیا کرتے تھے، مثلاً اگر کسی نے کہہ دیا کہ میں فلاں پہاڑ کی چوٹی پر دس گھنٹوں میں چڑھ سکتا ہوں تو وہ فوراً کہا کرتے کہ یہ کونسی بڑی بات ہے، میں آٹھ گھنٹوں میں چڑھ کر دکھا سکتا ہوں یا اگر کسی نے ان کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں نے فلاں دریا کو دس منٹ میں عبور کیا ہے تو مٹھا اس کا دعویٰ سن کر کہا کرتے تھے کہ یہ کوئی کمال نہیں، میں عین طوفانی لہروں اور طلاطم خیز موجوں کی موجودگی میں یہ دریا صرف پانچ منٹ میں عبور کر کے دکھا سکتا ہوں۔ ایسا کہتے ہوئے وہ مخاطب کی اور اپنی عمر، تجربے اور پروفیشن کا خیال نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کو سب سے آگے نکلنے کی دھن تھی اور سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر کام کر دکھانے کا شوق تھا۔ ذوق و شوق کی اس فراوانی میں بعض اوقات انہیں شرمندگی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا، لیکن ان کی عظمت یہ تھی کہ وہ اپنی شرمندگی کا دفاع نہیں کیا کرتے تھے، اسے چھپایا نہیں کرتے تھے، بلکہ کھلے دل سے تسلیم کرتے تھے کہ ان کا مقابل اس فیلڈ میں ان سے جیت گیا ہے اور وہ ہار گئے ہیں .... اپنی شکست کو تسلیم کرنا ایک بڑی بشری عظمت ہے .... لیکن لڑائی کے بعد، لڑائی سے پہلے نہیں .... لڑائی سے پہلے وہ اپنے مورال کو ڈاؤن نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فکر و نظر کا یہی توازن اور جہد عمل کی یہی برتری تھی جسے وہ اپنے ماتحتوں اور ایس ایس جی کے ہر فرد میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ ایک واقعہ بریگیڈیر سلیم ضیاء کی زبانی سنئے:

''یہ 1955ء کی بات ہے۔ میں پی ٹی سکول کاکول میں (بطور کپتان) انسٹرکٹر تھا۔ لیفٹیننٹ کرنل مٹھا اس سکول کے کمانڈنگ آفیسر پوسٹ ہو کے آئے تو بہت لئے دیئے سے رہتے تھے۔ ان کا کم کم ملنا ہمیں زیادہ پسند نہ تھا۔ وہ پھرتے پھراتے ایک روز شام کو باکسنگ رنگ میں

آ گئے۔ میں باکسنگ کی پریکٹس کر رہا تھا۔ کچھ دیر دیکھتے رہے.... وہ بھی پی ٹی کٹ میں تھے۔ مجھ سے کہنے لگے: "تو پھر ہو جائیں دو دو ہاتھ!" .... میں نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تو کہنے لگے: "زیادہ نہیں ماروں گا، گھبراؤ نہیں!" اتنا کہہ کر وہ رنگ میں آ گئے۔ باکسنگ شروع ہوئی تو میں نے تھوڑا سا لحاظ کیا۔ سوچا آخر سی او (کمانڈنگ آفیسر) ہے، ہاتھ ہلکا رکھنا چاہئے.... مجھے ایک زوردار پنچ لگا کر کہنے لگے "کم آن! ینگ مین! فائٹ لائک اے مین!!" ....

وہ مجھ سے عمر میں دس برس بڑے تھے۔ عمر آخر عمر ہوتی ہے۔ میرا خون گرم تھا، میں نے دو چار پنچ ایسے لگائے کہ بڑے میاں کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ رخساروں سے خون رسنے لگا۔ لیکن وہ نہایت دلیری اور پامردی سے باکسنگ کرتے رہے۔ ہم گیم ختم کر کے اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔ صبح ہوئی تو ان کا رنر (قاصد) مجھے بلانے آیا۔ مجھے کل شام کے واقعے پر افسوس سا تھا کہ مجھے اتنا "بے رحم" نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے ان کے آفس میں داخل ہوا۔ ہوشیار پوزیشن میں ہو کر سیلوٹ کیا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ کسی فائل پر جھکے ہوئے تھے اور ریمارکس لکھ رہے تھے۔ سارا چہرہ سوجا ہوا تھا۔ آنکھوں اور رخساروں کے درمیان کا حصہ نیلا تھا اور وہ بڑی مشکل سے فائل پر ہاتھ چلا رہے تھے۔ میں پریشان سا ہو گیا۔ دو تین منٹ، دو تین گھنٹوں سے کم نہ تھے۔ بلکہ لگا جیسے گردش ایام رک گئی ہو............ آخر انہوں نے ریمارکس مکمل کئے، آنکھیں اوپر اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا:

You so and so, look at my face, what a mess you have made out of it, but I have called you only to tell you that you are a damn good boxer. Sit down and have a cup of tea.

(ترجمہ: تم فلاں............ کے بچے ذرا دیکھو تو! تم نے میرے چہرے کا کیا حال کر دیا ہے............ لیکن اب میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے بلایا ہے کہ تم واقعی بہت اچھے باکسر ہو، بیٹھ جاؤ، چائے پیتے ہیں۔)

مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں دل ہی دل میں ان کی اعلیٰ ظرفی کا اعتراف کرنے لگا۔ اتنے میں چائے آ گئی اور وہ مجھ سے اس طرح گھل مل کے باتیں کرنے لگے، جیسے ان کے چہرے پر کوئی خراش تک نہ آئی ہو۔ ان کے ساتھ میری زندگی بھر کی

خوشگوار دوستی کا آغاز میرے اوران کے مابین آئندہ تعلقات میں بھروسے اور اعتماد کا ایک پُل بن گیا۔ عزم وحوصلے اور مورال کی بنیادیں اسی طرح استوار ہوتی ہیں''۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بریگیڈیر سلیم نے سنایا۔ کہنے لگے: ''لیفٹیننٹ کرنل مٹھا مجھے پی ٹی سکول سے 17 بلوچ میں ساتھ لے گئے۔ یونٹ میں، میں ان کا ایڈجوٹنٹ تھا۔ ایک روز نوشہرہ سے اٹک آرہا تھا کہ اکوڑہ خٹک کے نزدیک میری جیپ پھسل گئی اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ میں دراصل پہلے کورس کی سلیکشن کے لئے اٹک آ رہا تھا۔ یہ 30 دسمبر 1955ء کی بات ہے۔ بٹالین میں کوئی سپیشل ٹرانسپورٹ تو تھی نہیں، چند بسیں تھیں جو تقریباً از کار رفتہ اور قدامت کا ''بہترین'' نمونہ تھیں۔ جس جیپ میں، میں سفر کر رہا تھا وہ شائد CJ-5 قسم کی جیپ تھی۔ راستے میں بونداباندی شروع ہوگئی۔ جیپ پھسلی تو کافی دیر تک دو پہیوں پر گھسٹتی چلی گئی۔ میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں نے بے وقوفی کی اور اپنا پاؤں نیچے زمین پر مار کر کوشش کی کہ باقی کے دو پہیے بھی زمین پر آ جائیں۔ اس طرح یہ ٹانگ بہت بری طرح فریکچر ہوگئی۔ مجھے سی ایم ایچ (CMH) نوشہرہ میں داخل کروا دیا گیا۔ ڈاکٹروں نے بڑی کوشش کی، لیکن جب یہ کوششیں بار آور نہ ہوسکیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ ٹانگ کاٹ دی جائے۔

مٹھا ان دنوں GHQ میں تھے۔ میں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ اگر اس ٹانگ نے کٹنا ہی ہے تو پھر میں بھی راضی برضا ہوں۔ سٹاف کے کچھ لوگ مجھے ایک ٹرالی پر ڈال کر آپریشن تھیٹر کی طرف لے جانے لگے۔ وہ تھیٹر کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ کھول ہی رہے تھے تو ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اس کے ہاتھ میں جی ایچ کیو کا ایک فلیش سگنل تھا۔ سگنل کا متن تھا: ''کیپٹن سلیم ضیاء کا آپریشن فوری طور پر روک دیا جائے۔ اسے سی ایم ایچ راولپنڈی منتقل کریں۔ اسے راولپنڈی لانے کے لئے ٹرانسپورٹ راستے میں ہے اور جلد ہی نوشہرہ پہنچ رہی ہے'' .... ہوا یہ تھا کہ مٹھا کو جب معلوم ہوا کہ میری ٹانگ کاٹی جارہی ہے تو وہ بھاگے بھاگے ڈائریکٹر جنرل میڈیکل سروسز کے پاس پہنچے اور انہیں درخواست کی کہ اس طرح میرے ایک آفیسر کی ٹانگ کاٹی جارہی ہے۔ نوشہرہ کے ڈاکٹر بہت اچھے ہیں، لیکن اگر ہو سکے تو میری خواہش ہے کہ اس کا آپریشن سی ایم ایچ راولپنڈی میں کیا جائے۔ جنرل میاں اور جنرل شوکت (جو ان دنوں بالترتیب لیفٹیننٹ کرنل اور میجر تھے) اور اس طرح دوسرے بہت سے سرجنوں نے مل کر آپریشن کیا۔ تقریباً سات آپریشن

ہوئے لیکن اس کے باوجود میری ٹانگ ''کاٹ ڈالنے'' کے خطرے سے دوچار رہی۔ یہ خطرہ چھ ماہ بعد جا کر ٹلا اور میں آہستہ آہستہ ٹھیک ہونے لگا۔ ایک سال سے زیادہ عرصے تک میں ہسپتال میں رہا............ دریں اثناء میں اپنے سارے دوستوں میں ''سلیم لنگڑا'' کے طور پر مشہور ہو گیا۔ لیکن اللہ کریم کی کارسازی دیکھئے کہ جلد ہی یہ ٹانگ ایسی اچھی ہوئی کہ میں باسکٹ بال کھیلنے لگا............ کام تو سارے اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس میں مجھے کوئی شک نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے، لیکن اگر کرنل مٹھا ذاتی دلچسپی نہ لیتے اور اتنی تگ و دو نہ کرتے جتنی انہوں نے اس تمام عرصے میں کی، تو میرے مستقل طور پر ''سلیم لنگڑا'' ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی''۔

کسی نئی ملٹری آرگنائزیشن میں اس قسم کے انسانی روابط اگر پروان چڑھنے لگیں تو سپرٹ ڈی کور کی اعلیٰ و ارفع روایات بنتی ہیں اور مورال فلک بوس ہو جاتے ہیں!

ایک دن وہ ہاکی کھیل رہے تھے۔ کسی جوان نے ہٹ لگائی تو گیند سیدھی ان کے سر پر لگی اور وہ گراؤنڈ میں گر کر تڑپنے لگے۔ ہم نے سمجھا بس اب قصہ تمام ہوا۔ لیکن کچھ دیر کے بعد وہ مشکل سے اٹھے، لڑکھڑائے، گرے اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ کھیل جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن ریفری نے روک دیا۔ ان کو فرسٹ ایڈ (ابتدائی مرہم پٹی) کے بعد گھر بھیج دیا گیا۔ اگلے روز وہ دفتر نہ آئے، دوپہر ہو گئی تو ایڈجوٹنٹ نے سوچا کل کے واقعے کے بعد وہ آرام کر رہے ہوں گے۔ پھر اسے خیال آیا کہ ان کا حال احوال پوچھنا چاہئے، چنانچہ گھر ٹیلی فون کیا تو ان کی مسز لائن پر تھیں، کہنے لگیں:

''آپ کا شوہر روٹ مارچ پر گیا ہوا ہے''۔

تقریباً دوپہر کا ایک بج رہا تھا جب وہ دفتر آئے۔ سر پر بڑا سا پگڑ بندھا ہوا تھا لیکن یونیفارم بمعہ پٹھو پوری تھی۔ واٹر بوتل تک ساتھ تھی۔ افسروں نے پوچھا: ''سر! کل کی چوٹ کے بعد روٹ مارچ پر جانے کی تک تو نہیں تھی............ اس پر انہوں نے ایک بجھا بجھا سا قہقہہ لگایا اور کہا:

''تم فلاں ابن فلاں! تم کیا سمجھتے ہو، میں شو آف کر رہا تھا، کیا یہ نمائشی روٹ مارچ تھا؟............ اگر میں آج خود اپنی جسمانی قوت برداشت کی آخری حدوں کو آزمانے کا مظاہرہ نہیں کروں گا تو کل دوسروں سے ایسی توقعات کیسے کر سکوں گا؟''............ بہت سے جوان ساتھ

کھڑے تھے۔ انہوں نے سنا تو ان کے سینوں میں، جسم و جاں کے نئے آفاق تسخیر کرنے کی آرزوئیں مچلنے لگیں..... مورال اسی طرح تو اوپر جاتا ہے!

ایک آفیسر کا سروس شناختی کارڈ گم ہوگیا۔ فوج میں آئی ڈی (I.D.) کارڈ کی گمشدگی ایک جرم ہے۔ باقاعدہ انکوائری ہوتی ہے اور سزا دی جاتی ہے۔ کرنل مٹھا نے اسے دفتر میں بلایا اور پوچھا: ''کارڈ کہاں ہے؟'' اس آفیسر نے کہا: ''سر سچی بات یہ ہے کہ میں بازار میں جارہا تھا، جیب کٹ گئی، پچاس روپے ساتھ تھے وہ بھی چلے گئے'' .... اس پر کمانڈنگ آفسر نے کہا: ''بعض کاغذ کے ٹکڑے بڑے قیمتی ہوتے ہیں، دھیان رکھنا۔ آئندہ سو پچاس روپوں کا نہیں، اس پرزہ کاغذ کا خیال رکھنا۔ اب "Get Lost"...... صرف دو منٹ کی پیشی کے بعد جب وہ آفیسر دفتر سے باہر نکلا تو اس کی آنکھوں میں بلند مورال کے چراغ جھلملا رہے تھے۔

کرنل مٹھا کا ایک اور واقعہ ایک آفیسر نے سنایا۔ انہی کے الفاظ میں سنیے: ''اٹک فورٹ میں ایک بار بڑا سانحہ ہوا۔ ایکسپلوسوز کی کلاس چل رہی تھی۔ ایکسپلوسوز (بارود) سارے کے سارے اصل تھے، لیکن ان کو آگ دکھانے والے ڈیٹونیٹر (Detonators) ڈمی تھے۔ کئی سالوں سے یہ ڈمی ڈیٹونیٹر وہاں پڑے ہوئے تھے اور کلاسیں چل رہی تھیں۔ آس پاس کئی پل موجود تھے، مثلاً دریائے ہرو کا پل، اٹک کا مشہور پل اور اسی طرح کے اور بہت سے پل تھے۔ ریلوے لائن بھی تھی اور ریلوے لائن پر چھوٹی چھوٹی پلیاں (Culvert) بھی قلعہ اٹک کے آس پاس موجود تھیں، اس لئے یہ کلاس قلعہ میں چلتی تھی اور ایکسرسائز کے لئے اسے باہر مطلوبہ مقامات پر لے جا کر ڈیمو (Demo) اور ٹریننگ دی جاتی تھی۔ یہ کلاس ایک جے سی او چلایا کرتا تھا۔ اس کا نام غلام احمد تھا۔ سارے لوگ اسے جی اے (GA) کہا کرتے تھے۔ وہ بندہ ہر قسم کے ایکسپلوسوز کا ماہر تھا اور دوران ٹریننگ ایکسپلوسوز سے کچھ زیادہ ہی ''فری'' ہو جایا کرتا تھا .... ایک روز میں ان کی کلاس میں گیا۔ وہ کہنے لگے: ''سر! یہ نئی کلاس ہے۔ سپاہی اور این سی او ہیں۔ میں ان کو ایکسپلوسوز کی ٹریننگ دے رہا ہوں۔ بڑے اچھے لڑکے ہیں۔ ان کی پک اپ بہت اچھی ہے، ان کو ڈیمولیشن (انہدام) کی ٹریننگ دی جارہی ہے'' ....

اتنے میں چائے آگئی تو جی اے کہنے لگا: ''سر! چائے پئیں!''...... میں نے ہنس کر کہا: ''جی اے صاحب! آپ کو معلوم ہے نا کہ میں چائے نہیں پیتا۔ آپ نے پورا سیٹ منگوا لیا

ہے تا کہ اکیلے ہی ڈکار جاؤ''۔اس قسم کی گپ شپ کے بعد میں کلاس روم سے باہر نکل آیا۔تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک زوردار دھما کہ ہوا۔سارا اٹک فورٹ لرز کر رہ گیا۔میرے پیچھے دھوئیں کا ایک سیاہ بادل سا نمودار ہوا۔بارود کی بو فضا میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔میں بھاگ کر جی اے کی کلاس میں گیا تو سارے 18 ,20 آدمی غائب تھے، نہ وہ کرسی وہاں پڑی تھی جس پر چند لمحے جی اے پہلے بیٹھا ہوا تھا اور نہ چائے کی ٹرے تھی۔چند لمحوں بعد جب منظر ذرا صاف ہوا تو میں نے دیکھا کہ جی اے ایک طرف بے ہوش پڑا ہے۔منہ، کان اور ناک سے خون نکل رہا ہے۔کسی کا بازو الگ پڑا ہے تو کسی کی ٹانگ کٹی پڑی ہے۔میرے لئے یہ ایک دردناک واقعہ تھا۔چند ہی لمحے پہلے یہاں زندگی ہنس کھیل رہی تھی اور اب موت رقصاں تھی۔ہر طرف چیخ وپکار مچی ہوئی تھی۔میں نے فوراً 2.5 ٹن ٹرک اور ایک ٹن ڈاج (فوجی گاڑیاں) نکالیں، زخمیوں کو ان میں ڈالا اور ہسپتال لے گیا۔ایک زخمی نے راستے میں دم توڑ دیا۔آٹھ دس لوگ بورڈ آؤٹ ہو گئے۔یہ سانحہ بڑا بھی تھا اور اندوہناک بھی۔انکوائری ہوئی اور کرنل مٹھا کو پیش کی گئی۔انہوں نے اپنے ریمارکس میں لکھا:''یہ واقعہ سنگین ہے، لیکن کسی کو بھی مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔یہ ایمونیشن گزشتہ پانچ برسوں سے یہاں پڑا ہے۔ڈمی ڈیٹونیٹروں میں ایک اصل (Live) ڈیٹونیٹر کیسے آ گیا، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا............بہر کیف اس قسم کے حادثے اس قسم کی آرگنائزیشن کے لئے کوئی زیادہ سنگین تصور نہیں ہونے چاہئیں............کسی کو بھی کوئی سزا نہیں دی جائے گی ....انکوائری داخل دفتر ہو............''

بریگیڈیئر خواجہ نسیم اقبال اس سانحہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایل (L) کمپنی میں رونما ہوا تھا۔کیپٹن اقبال معین صدیقی اور جی اے، سپاہیوں کو اَپ گریڈنگ کے لئے ٹیسٹ کر رہے تھے۔ ایک زندہ ڈیٹونیٹر غلطی سے بوبی ٹریپ بنانے کے دوران چل گیا، جس سے یہ سارا نقصان ہوا۔کیپٹن معین نے ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔معین نہایت ذہین، وضع دار اور لکھا پڑھا آفیسر تھا۔

اس طرح کا ایک اور واقعہ ایک ایسے آفیسر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے جو بعد میں پاک فوج کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر پہنچا۔اس پر ایک کیس بنا۔ملٹری انٹیلی جنس والوں نے پوری پوری شہادتوں کا بندوست کیا ہوا تھا جن کی موجودگی میں اس کیس کی سنگینی ختم نہیں کی جا سکتی تھی۔

جب اس کا علم کمانڈنگ آفیسر کو ہوا تو انہوں نے اس فیلڈ آفیسر کو بلوایا اور جب میجر صاحب نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے، تمام واقعات بیان کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ غلطی ہوگئی ہے تو کرنل مٹھا نے اس واقعے کو ایک ایسا رخ دے کر آفیسر کو بچایا کہ جس کی امید کسی شاداب اور سرسبز ذہن رسا ہی کی طرف سے کی جا سکتی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ غلطی ہو جائے تو اس کا اعتراف اس کی پوشیدگی سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں، جن میں کرنل مٹھا نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے افسروں کا دفاع کیا اور ان کو عسکری سرخ فیتے کی بھینٹ چڑھنے سے بچالیا۔ ان کے کردار کی ایسی ہی بے شمار خوبیاں تھیں، جنہوں نے ایس ایس جی کے افسروں اور جوانوں کو ایک ایسی فورس میں تبدیل کر دیا جو قد میں چھوٹی لیکن قیمت میں بڑی تھی۔

مورال کو اوج تک لے جانے کے لئے اس قسم کی ذاتی مثالوں کی بہت ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مورال کی یہ رفعتیں ہمیشہ اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہیں۔ اعلیٰ ترین رینک سے ادنیٰ ترین رینک تک فضاء جب ایک جیسی ہو جائے، جب سینئر کو یہ یقین ہو کہ اس کا جونیئر اس کے کسی حکم کی سرتابی نہیں کرے گا اور جب جونیئر کو یہ بھروسہ ہو کہ اس کا سینئر اس کی بشری کمزوریوں اور غیر ارادی لغزشوں، کوتاہیوں اور فروگزاشتوں پر غیر ضروری گرفت نہیں کرے گا تو پھر غیر ممکن کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ ایس ایس جی نے ایک ایسی تنظیم بننا تھا، جس میں اس قسم کی فضاء پیدا کرنا بہت ضروری تھا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ مورال کی جو بنیاد، اس تنظیم کے اولین معماروں نے رکھ دی، بعد میں آنے والوں نے اس کے استحکام میں مسلسل اضافہ کیا اور کامیابیاں حاصل کیں۔

چھٹا باب

چند اہم واقعات

(کرنل مٹھا، کرنل اسلم اور کرنل مہدی کے دور کمانڈ میں)

کرنل مٹھا کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کمپنی کمانڈر کو بلاتے، اسے کوئی ایک مخصوص ٹریننگ ٹاسک دے دیتے اور کہتے کہ جاؤ فلاں علاقے کی ریکی کرواور اپنی کمپنی کی ٹریننگ کا پلان تیار کرو۔ پھر وہ اس پلان پر کمپنی کمانڈر سے بحث و مباحثہ اور تفصیلی گفتگو کیا کرتے اور پلان کو منظور کرتے ہوئے کہتے کہ اس کو اب حسب پلان، اسے پایۂ تکمیل کو پہنچاؤ۔ ان میں ایک خاص خوبی یہ تھی کہ دوران تکمیل وہ کمپنی کمانڈر کی راہ میں کبھی حائل نہ ہوتے اور کسی قسم کی مداخلت نہ کرتے، یعنی اسے مکمل آزادیٔ عمل دیتے۔ یہ ٹریننگ تین چار ماہ تک جاری رہتی اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے انصرامی منصوبہ بندی (لاجسٹک پلاننگ) کی ضرورت بھی پڑتی اور مقامی ایڈمنسٹریشن کے ساتھ رابطہ کا قیام بھی ضروری ہوتا۔

1958ء کے وسط میں جی ایچ کیو کی طرف سے احکام جاری ہوئے کہ پاک آرمی کی ہر انفنٹری بٹالین میں ایک ایک کمانڈو پلاٹون بھی تشکیل دی جائے۔ اس کے لئے یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ان پلاٹونوں کے پلاٹون کمانڈروں کے لئے جو پہلا کورس چلایا جائے گا، اسے ایس ایس جی کی ٹریننگ ٹیم چلائے گی۔ مغربی پاکستان میں پاک آرمی کی جو انفنٹری بٹالینیں مقیم تھیں، ان کے

لئے جولائی/اگست 1958ء میں یہ کورس بٹراسی کے مقام پر چلایا گیا۔ اس ٹیم کے انچارج میجر امتیاز علی تھے، جبکہ میجر اسد، کیپٹن شمیم منٹو اور کیپٹن آفتاب قریشی ان کے معاون تھے۔ صوبیدار جی اے (GA) اس ٹریننگ ٹیم میں بطور ماہر بارودات (Explosive Expert) شامل تھے۔ اس کے بعد مشرقی پاکستان میں بھی پاک آرمی کی انفنٹری بٹالینوں کے لئے دسمبر 1958ء/جنوری 1959ء میں کومیلا میں یہ کورس چلایا گیا۔ اس ٹریننگ ٹیم کے انچارج کیپٹن شمیم منٹو تھے۔ ان کے ساتھ کیپٹن افضل وڑائچ اور لیفٹیننٹ شفیق (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) شامل تھے۔ ان دونوں افسروں کا تعلق ایس ایس جی سے نہیں تھا، لیکن وسط 1958ء میں بٹراسی میں جو کورس چلایا گیا تھا، اس میں انہوں نے امتیازی حیثیت حاصل کی تھی۔ بعد میں انفنٹری سکول کوئٹہ میں مستقل طور پر ایک سیکشن کا قیام عمل میں لایا گیا، جہاں باقاعدہ طور پر یہ کورس چلتے رہے۔

ایس ایس جی کمپنیوں کی تشکیل جب مکمل ہوگئی تو ان کو پاکستان کے مختلف جغرافیائی خطوں میں بھیجا گیا۔ رقبے کے اعتبار سے گو پاکستان ایک بہت بڑا ملک نہیں ہے، لیکن قدرت نے اسے ہر قسم کی آب و ہوا اور موسموں سے نوازا ہے۔ برفانی، کوہستانی، جنگلاتی، دریائی اور میدانی علاقوں کی بہتات ہے، ایک طرف شمال میں درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے 50 ڈگری تک گر جاتا ہے تو دوسری طرف جنوب میں 50 ڈگری تک چلا جاتا ہے۔ موسم کے یہ شدائد پیشہ ورانہ ٹریننگ (خاص طور پر ایس ایس جی کے لئے) ایک نعمت سے کم نہیں۔ چنانچہ ان کمپنیوں کو پاکستان کے مختلف حصوں میں متنوع آب و ہوا، موسموں اور ٹیرین سے مانوس ہونے کے لئے بھیج دیا جاتا تھا۔

اے کمپنی کو شمالی بلوچستان میں بھیجا گیا، جبکہ 60-1959ء کے موسم سرما میں جی (G) کمپنی کو شمالی علاقہ جات میں بھیجا گیا۔ اسے برفانی ساز وسامان سے لیس کیا گیا۔ میجر نشاط احمد اس کے کمپنی کمانڈر تھے اور کیپٹن محسن ان کے ساتھ سیکنڈ ان کمانڈ تھے۔ یہ لوگ گلگت، یٰسین، ہنزہ اور دوسرے شمالی علاقوں میں آپریٹ کرتے رہے۔ پاکستان کے یہ علاقے جس نوع کی آب وہوا رکھتے ہیں، وہ جسم و جاں کی تمام توانائیوں کا کڑا امتحان لیتی ہے۔ لیکن جی کمپنی نے ان تمام مشکلات کو جھیلا اور ٹریننگ کے دوران بیش بہا تجربات حاصل کئے۔

وادیٔ سوات دنیا کی حسین ترین وادیوں میں سے ایک ہے۔ یہاں کے پہاڑ اگرچہ

زیادہ بلند نہیں، لیکن پھر بھی 15000 فٹ تک کی بلندیاں پائی جاتی ہیں۔ کم بلند پہاڑ بھی بہت ہیں۔ 1960ء کے موسم گرما میں ایچ (H) کمپنی کو تین چار ماہ کی ٹریننگ کے لئے ریاست سوات کے بالائی علاقوں میں بھیجا گیا۔ میجر شمیم یٰسین منٹو اس کے کمپنی کمانڈر تھے اور ان کے ساتھ کیپٹن اسد رضا بطور سیکنڈ ان کمانڈ تھے۔ ان کے علاوہ کیپٹن ہمایوں ملک، کیپٹن مصطفیٰ انور حسین اور لیفٹیننٹ فخر عالم بطور پلاٹون کمانڈر شامل تھے۔ حسب معمول کرنل مٹھا نے کمپنی کمانڈر کو طلب کیا اور ان کو احتیاط کی تاکید کی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ سارا علاقہ ریاست سوات کا حصہ تھا۔ کمپنی کے اس ٹریننگ ایریا کا زمینی حکمران (De-facto) والیٔ سوات تھا اور پاکستان نہیں چاہتا تھا کہ وہاں کسی قسم کی بدمزگی پیدا ہو۔ جنرل ہیڈ کوارٹرز نے اس لئے ایچ کمپنی کے لئے بطور خاص والئی سوات سے اجازت حاصل کی اور انہوں نے ازراہ مہربانی اپنے ریاستی علاقے میں ٹریننگ کرنے کی اجازت دے دی۔

ان افسروں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ والیٔ سوات سے ملاقات کی۔ والیٔ سوات کے ولی عہد کیپٹن میاں گل اورنگزیب تھے جن کا تعلق گائیڈز کیولری سے تھا۔ حسن اتفاق سے میجر منٹو کی بھی یہی یونٹ تھی، اس لئے ابتداء ہی میں افہام وتفہیم کی کوئی مشکل نہ رہی، بلکہ خوشگوار آسانی پیدا ہوگئی۔ والیٔ سوات بڑے مشفق اور کشادہ ظرف انسان اور حکمران تھے۔ انہوں نے اس ملاقات میں آفیسرز کو مشورہ دیا کہ وہ ان کے وزیراعظم سے بھی مل لیں۔ وزیراعظم پنجابی تھے اور گوجرانوالہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ مطلوبہ روابط کا سلسلہ استوار کرنے میں بھی بہت آسانی رہی۔

ٹریننگ ایریا کی ریکی کی گئی اور مختلف پلاٹونوں کو علاقے بانٹے گئے۔ نمبر ون پلاٹون، جس کے کمانڈر لیفٹیننٹ فخر عالم تھے۔ انہیں بنیر (Buner) کا علاقہ الاٹ کیا گیا۔ ان کا ہیڈ کوارٹر بنیر میں رکھا گیا۔ نمبر 2 پلاٹون کمانڈر، کیپٹن مصطفیٰ انور حسین کو وادی سوات کا وسطی علاقہ دیا گیا اور ان کا ہیڈ کوارٹر میاندم (Miandam) ریسٹ ہاؤس میں رکھا گیا۔ نمبر 3 پلاٹون کے کمانڈر، کیپٹن ہمایوں ملک کو اپر سوات کا علاقہ دیا گیا، ان کا ہیڈ کوارٹر یوشو (Ushu) کی طرف کالام سے تین کلومیٹر شمال میں رکھا گیا۔ کمپنی ہیڈ کوارٹر نمبر 3 پلاٹون کے ساتھ رکھا گیا۔ کیپٹن اسد رضا جو سیکنڈ ان کمانڈ تھے، وہ چراٹ ہی میں رہے اور کمپنی کو لاجسٹک سپورٹ دیتے رہے۔ وہ

گاہے گاہے ٹریننگ ایریا کا دورہ بھی کیا کرتے تھے۔

ایچ کمپنی نے مختلف قسم کے علاقوں میں کمانڈو اور Stay Behind آپریشنوں کے مختلف مراحل کی ٹریننگ کی اور جو کچھ تھیوری میں پڑھا تھا، اس کو یہاں عملی جامہ پہنایا اور اس طرح بیش قیمت تجربات حاصل کئے۔

یہ ٹریننگ دو دو اور تین تین آدمیوں کی ٹولیوں سے لے کر پوری پلاٹون تک محیط ہوتی تھی۔ اہداف مقرر کئے جاتے اور دن اور رات کے وقت مشکل علاقوں میں نقل و حرکت کر کے ان اہداف کی تکمیل کی جاتی اور ایسا کرنے کے بعد واپس مستقر پر آنے کی تربیت بھی حاصل کی جاتی۔ یہ ٹریننگ ٹیمیں آبادیوں سے دور آپریٹ کیا کرتی تھیں اور راشن وغیرہ کے معاملے میں خود کفیل ہوتی تھیں۔ ہر ٹیم میں ایک ایمپائر بھی ہوتا تھا (بالعموم سینئر آدمی کو ایمپائر مقرر کیا جاتا تھا)۔ ہر مشن کے بعد نقد و نظر اور پوسٹ مارٹم کیا جاتا تا کہ جو تگ و دو کی جائے، اس سے زیادہ سے زیادہ اسباق اور فوائد حاصل کئے جائیں۔ چنانچہ جب یہ ایکسر سائز ختم ہوئی تو آفیسرز اور جوان سب کے سب بیش بہا ذاتی تجربات سے لیس اور خود اعتمادی کی متاعِ گراں بہا سے مالا مال تھے۔ دراصل پہل کاری، ذہنی چابکدستی، جسمانی برداشت اور لیڈر شپ کی دوسری صلاحیتوں اور خوبیوں کو جاننے اور سیکھنے کا اس سے بہتر طریقہ کوئی دوسرا نہ تھا (اور نہ ہے)............اور ہاں جہاں تک بلند مورال کا تعلق ہے تو وہ اس قسم کی ٹریننگ کا ایک فطری فال آؤٹ ہے!

اس ٹریننگ کے دوران، کمپنی کمانڈر اور پلاٹون کمانڈروں کو کئی قسم کے مشکل واقعات اور سانحات سے بھی عہدہ برآ ہونا پڑا۔ مقامی آبادی اور ریاستی حکام کے ساتھ کئی بار گرما گرمی بھی ہوئی اور نوبت یہاں تک بھی پہنچی کہ والیٔ سوات کو مطلع کرنا پڑا۔ تاہم خوش قسمتی سے کوئی ایسا سانحہ رونما نہ ہوا جو نقصان دہ ہوتا۔ سارے معاملات اور مسائل آخر میں خوش اسلوبی سے طے کر لئے گئے۔

ایچ کمپنی کی اس ٹریننگ کے دوران بہت سے دلچسپ واقعات بھی پیش آئے۔ یہ تمام واقعات ایس ایس جی کے ٹروپس اور افسروں کو گرم و سرد، دلچسپ و خشک اور غیر متوقع تجربات کی بھٹی سے گزارنے میں بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ کمانڈو اور Stay Behind رول میں اس قسم کے واقعات و سانحات سے سابقہ پڑنا ایک ناگزیر عمل تھا اور بنیادی طور پر اس ٹریننگ

کا مقصد بھی یہی تھا کہ وابستگانِ ایس ایس جی کو ان امور کی تربیت دی جائے۔

جی اور ایچ کمپنیوں کے علاوہ ایس ایس جی کی باقی کمپنیوں یعنی اے، ای، جے، کے اور ایل کمپنیوں نے بھی پاکستان کے مختلف علاقوں میں آپریٹ کیا۔ مثلاً اے کمپنی کو قبائلی علاقوں، ای کمپنی کو بلوچستان کے مکران ڈویژن، جے کمپنی کو چکوال اور سرگودھا، کے کمپنی کو بلوچستان اور ایل کمپنی کو سندھ اور پنجاب کے صحرائی علاقوں میں بھیجا گیا۔ ان علاقوں میں آپریٹ کرنے کا جو تجربہ حاصل ہوا اس کی تفصیلات تحصیل حاصل ہوں گی۔ مقصد وہی تھا، جس کی اوپر وضاحت کی گئی ہے کہ ایس ایس جی کی تمام فورس کو مختلف قسم کی آب و ہوا، موسم اور جغرافیائی کیفیات سے گزارا جائے، وہاں کے زمینی ماحول سے آگہی دلائی جائے، مختلف زبانیں اور بولیاں بولنے والے پاکستانیوں سے رابطے کئے جائیں، ان کی طبیعتوں اور مزاجوں سے آشنائی ہو اور کمانڈو آپریشنوں کی صورت میں ان سے جو مدد اور تعاون مل سکتا ہو، اس کے امکانات تلاش کئے جائیں اور بوقت ضرورت ان سے استفادہ کیا جا سکے۔

ایس ایس جی کی یہ ہسٹری اس وقت تک نامکمل رہے گی، جب تک 1958ء سے 1962ء تک بروئے عمل لائے جانے والے ان انفرادی آپریشنوں کا ذکر نہ کیا جائے جو ایس ایس جی کے مختلف آفیسرز یا چھوٹی چھوٹی ٹیموں نے مکمل کئے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں بہت سے جغرافیائی علاقے ایسے تھے، جن کی معلومات اور جن کا سروے آئندہ امکانی آپریشنوں کے لئے نہایت لازمی اور نہایت قیمتی تھا۔ ایک اور علاقہ کہ جس کے بارے میں معلومات بہت ضروری تھیں، وہ مقبوضہ جموں اور کشمیر کا علاقہ تھا۔ یہ تفاصیل اتنی حساس ہیں کہ ان کا تذکرہ ان سطور میں نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان میں ہی نہیں، دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی اس قسم کی معلومات کو صیغۂ راز میں رکھا جاتا ہے، تاہم بعض چیدہ چیدہ پہلوؤں کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

جیسا کہ کتاب کے آغاز میں بتایا گیا، ایس ایس جی اول اول ایک Stay Behind فورس کے طور پر تشکیل دی گئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ روس اگر مغربی پاکستان کو روندتا ہوا بحرِ عرب کے گرم پانیوں پر قبضہ کر لے تو اس کی قابض افواج کے خلاف خفیہ کارروائیاں کی جا سکیں اور ان پر سائیدگی (Attrition) وارد کی جا سکے۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے بعض حساس علاقوں کا فزیکل سروے ضروری تھا۔ اس کام کو کیپٹن اکرم، کیپٹن (بعد میں بریگیڈئیر) سید سرفراز علی اور

میجر (بعد میں لیفٹیننٹ کرنل) جعفر شاہ نے سرانجام دیا۔ اس کام کی نوعیت اور اس کی مشکلات پر اتنا تبصرہ ہی کافی ہے کہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کئی برس لگ گئے۔ اس طرح ملک کے شمالی علاقہ جات میں میجر (بعد میں بریگیڈئیر) شکور جان، ستارۂ جرات اور کیپٹن (بعد میں کرنل) رؤف نے پاک چین سرحد کے ساتھ ساتھ، نیز قبائلی علاقوں اور پاک افغان سرحد کے علاقوں میں سروے مشن سرانجام دیئے۔ ان لوگوں نے دیر آپریشن میں بعض ایسے خفیہ مشن بھی سرانجام دیئے، جن کی وجہ سے بعد میں خان آف جنڈول (نواب آف دیر کے فرزند) کے خلاف منڈا قلعہ علاقہ میں کامیاب آپریشن کئے گئے۔ اگر یہ تفصیلات اور یہ معلومات قبل ازیں حاصل نہ کی گئی ہوتیں تو شائد اس آپریشن میں بہت زیادہ خون خرابہ ہوتا۔ اسی طرح مشرقی پاکستان میں میجر محمود کمال اور کیپٹن خالد مشرف نے بعض حساس علاقوں کی معلومات اکٹھی کیں۔ میجر شمیم یٰسین منٹو کو بھی ایک چھوٹی ٹیم کے ہمراہ آزاد کشمیر کے بعض حساس علاقوں کا سروے کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ یہ تمام مشن پاک فوج کے لئے مفید اور اہم ثابت ہوئے۔

1962ء میں پاک آرمی نے ایک ایکسرسائز چلائی، جس کا نام "Agility" رکھا گیا۔ ایس ایس جی کا ایک آبزرور گروپ اس غرض سے اس ایکسرسائز میں شامل کیا گیا کہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کو جارحانہ رول میں استعمال کرنے کے امکانات کا جائزہ لے۔ کرنل مٹھا اس گروپ کے لیڈر تھے۔ جہاں تک ایس ایس جی کا تعلق تھا تو مقصد یہ تھا کہ دیکھا جائے کہ اس نوع کے آپریشن میں یہ آرگنائزیشن کس طرح استعمال کی جاسکتی ہے۔ جب ایکسرسائز شروع ہوئی تو ساتھ ہی بارشیں شروع ہوگئیں اور یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ ساری ایکسرسائز لگاتار اور مسلسل موسلا دھار بارشوں کے باعث بدمزہ ہوکر رہ گئی۔ جنرل سرفراز خان، جو کہ جنرل آفیسر کمانڈنگ تھے اور جنہوں نے آرڈر دینے تھے، ان تک پہنچنے کے راستے دلدل بن گئے تھے۔ ان دنوں ایس ایس جی کو نئی امریکی جیپیں (M38A1) ملی تھیں، چنانچہ ڈویژنل ''او گروپ'' (آرڈرز گروپ) ان کچے اور کیچڑ آلود راستوں سے ہوتا ہوا، ڈویژنل ہیڈکوارٹرز تک پہنچ گیا۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا 1962ء کے اواخر تک امریکی اپنا Stay Behind والا آپریشن تقریباً مکمل کر چکے تھے، اس لئے ایس ایس جی میں ان کی دلچسپی کم ہونے لگی تھی۔ جنرل ہیڈکوارٹر کے لئے اب ضروری ہوگیا تھا کہ وہ اس اعلیٰ درجے کی تربیت یافتہ تنظیم کا نیا رول

وضع کرے اور اسے پاکستان آرمی کی مجموعی آپریشنل پلاننگ میں مدغم کر دے۔ کرنل اسلم اس تبدیلی کے زبردست موید تھے اور ان کی کوشش تھی کہ یہ تنظیم اب Stay Behind رول سے نکل کر کمانڈو رول میں داخل ہو جائے۔

اس ضرورت اور تبدیلی کے پیش نظر جی ایچ کیو نے تمام ایس ایس جی کے لئے ایک ایکسر سائز پلان کی، جس کا نام ''ایکسر سائز تیار 1963ء'' رکھا گیا۔ اس کا مقصد پاک فوج کی ہائی کمانڈ اور فارمیشن کمانڈروں کو یہ بتانا اور دکھانا مقصود تھا کہ ایس ایس جی کی صلاحیتیں اور اہلیتیں کتنے اعلیٰ پیمانے کی ہیں تا کہ موٹیویشن اور تربیت کے اس بلند مقام پر فائز ایس ایس جی کے آئندہ رول اور اس کے استعمال (Employment) کا فیصلہ کیا جا سکے۔

بریگیڈیئر گل حسن (جو بعد میں پاک آرمی کے آخری کمانڈر انچیف بنے، ان کے بعد اس منصب کو چیف آف آرمی سٹاف کا نام دیا گیا) ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز (DMO) تھے۔ انہیں اس ''ایکسر سائز تیار 1963ء'' کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا، جبکہ کرنل مٹھا جو اب بلوچ رجمنٹل سنٹر کے کمانڈنٹ تھے، انہیں ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔ میجر شمیم منٹو (گائیڈز کیولری)، میجر جمیل (سگنلز) اور چند دوسرے افسروں کو بلوچ سنٹر کے ساتھ اٹیچ (Attach) کر دیا گیا۔ یہ سارے افسران وہ تھے جو قبل ازیں ایس ایس جی میں رہ چکے تھے۔ کرنل مٹھا کی رہنمائی میں افسروں کی اس ٹیم نے ایکسر سائز کے بنیادی خدوخال (Outlines) کی پلاننگ کی اور ایکسر سائز کے علاقے کی ریکی وغیرہ کی۔ ایبٹ آباد، مانسہرہ، بٹراسی، اور کالا چٹا پہاڑ (یہ سلسلہ کوہ، اٹک میں واقع ہے) اس ایکسر سائز کا علاقہ قرار پایا۔ ایس ایس جی کی تمام کمپنیوں کے لئے اس ایکسر سائز کی کاغذی تیاریاں ایک بڑا مشکل مرحلہ اور ایک خاصا بڑا کام تھا اور پھر اٹک سے ایبٹ آباد تک پھیلا ہوا ایکسر سائز کا علاقہ بھی کم وسیع و عریض نہیں تھا، تاہم افسروں کی اس ٹیم نے دو ماہ کی قلیل مدت میں یہ ایکسر سائز تیار کر لی۔ اس کے ایمپائر بھی سارے کے سارے سابق ایس ایس جی آفیسر تھے۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو چکیں تو بریگیڈیئر گل حسن نے فیلڈ مارشل ایوب خان کو پریزنٹیشن دی۔ پاکستان آرمی کے اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ، چیف آف جنرل سٹاف، جنرل پیرزادہ اور جی ایچ کیو کے دوسرے پرنسپل سٹاف آفیسرز (PSOs) بھی اس موقع پر موجود تھے۔ یہ ایک طویل اجلاس تھا۔ تمام

حاضرین نے بڑی توجہ اور انہماک سے اس پریزینٹیشن میں حصہ لیا اور آخر میں چند معمولی تبدیلیوں کے بعد اسے منظور کر لیا گیا۔ ایکسرسائز کی تاریخیں طے کی گئیں اور فیلڈ مارشل نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ خود بھی ایکسرسائز کے کسی مناسب مرحلے پر اسے دیکھیں گے۔

اس ایکسرسائز کا کنٹرول جی ایچ کیو میں قائم کیا گیا۔ کرنل مٹھا بھی وہیں موجود رہے اور ڈائریکٹر ایکسرسائز بریگیڈیئر گل حسن بھی 24 گھنٹے اس کنٹرول کے ساتھ بذریعہ ٹیلی فون منسلک اور دستیاب (Accessable) رہے۔ اس جنگی مشن کا دورانیہ تقریباً ایک ہفتے کا تھا۔ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی زیر کمانڈ لیفٹیننٹ کرنل محمد اسلم ملٹری کراس بھی جی ایچ کیو ہی میں قائم کیا گیا اور یہیں سے اس ہیڈ کوارٹر نے اپنی تمام کمپنیوں کو فیلڈ ایریا میں کمانڈ کیا۔ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی اور اس کی کمپنیوں کے سامنے ایک خاص صورت حال (Situation) پینٹ کر دی جاتی تھی۔ یہ لوگ اس صورت حال کے مطابق اس کے پلان بناتے اور اس کی تکمیل کرتے تھے۔ تکمیل کے اس مرحلے میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک نقل و حرکت کرنا، گھات لگانا، چھاپے مارنا اور نفوذ کرنا شامل تھا۔ پہلے سے دیئے گئے ٹارگٹ پر یہ تمام آپریشن بروئے عمل لائے جاتے تھے۔ اس میں بعض اوقات ایک پلاٹون اور بعض اوقات کمپنیاں حصہ لیتی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ چھوٹے گروپوں سے بڑے گروپوں تک کو ایکسرسائز کیا گیا، پرکھا گیا اور اس کی خوبیاں خرابیاں معلوم کی گئیں............ اور یہی اس ایکسرسائز کی غایت تھی!............ فیلڈ مارشل ایوب خان بھی ایک پناہ گاہ (Hide Out) دیکھنے آئے۔ ان کے علاوہ بہت سے دوسرے سینئر آفیسرز نے بھی ایکسرسائز کے مختلف مراحل میں مختلف مقامات کو وزٹ کیا۔ آخر میں ایک بہت بڑا چھاپہ (ریڈ) جس میں پوری ایک کمپنی نے حصہ لیا، دکھایا گیا اور یوں یہ ایکسرسائز کامیابی سے اختتام کو پہنچی۔

کرنل ایس جی مہدی کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ Stay Behind رول کی چونکہ اب ضرورت باقی نہیں رہی، اس لئے ایس ایس جی کو مقبوضہ جموں و کشمیر میں استعمال کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے جموں و کشمیر اور شمالی علاقہ جات کے بارے میں جو مواد اور معلومات پہلے سے موجود تھیں، ان میں اضافہ کرنے اور انہیں اپ ڈیٹ کرنے کیلئے ان علاقوں کا تفصیلی آپریشنل سروے کروایا۔ 1964ء میں میجر شمیم منٹو آئی ایس آئی میں تھے اور ان کی پوسٹنگ کراچی میں تھی۔ ان کو ایک جی ایچ کیو سگنل کے ذریعے وہاں سے بلوا کر تین ماہ کے لئے ایس ایس

جی کے ساتھ اٹیچ کیا گیا۔ جب یہ آفیسر چراٹ پہنچا تو کرنل مہدی نے اسے ذاتی طور پر بریف کیا اور استور سے لے کر کارگل تک کے علاقوں کا آپریشنل سروے کرنے کا فریضہ سونپا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مستقبل میں جب کبھی جنگ بندی لائن (CFL) کے اس پار دشمن کے خلاف کارروائی کرنے کا وقت آئے، تو یہ معلومات کام آسکیں۔

میجر منٹو جب گلگت پہنچے تو صرف تین سکاؤٹس یونٹیں یعنی گلگت سکاؤٹس، قراقرم سکاؤٹس اور بلتستان سکاؤٹس تمام نارورن ایریا کی ڈیفنس کے لئے جنگ بندی لائن پر متعین تھیں۔ خوش قسمتی سے کرنل پیر عبداللہ شاہ اس وقت ڈی آئی جی فرنٹیئر کور (DIG FC) تھے۔ ان کا تعلق گائیڈز کیولری سے تھا اور وہ میجر منٹو کے ایک سابق کمانڈنگ آفیسر بھی تھے، لہٰذا ان کے ہوتے ہوئے بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ کرنل پیر کی ہدایات پر شمالی علاقوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی سکاؤٹس کی چوکیوں نے تمام ضروری معلومات فراہم کرنے میں معاونت اور اعانت کی۔ علاوہ ازیں لاجسٹک کی بہت سی مشکلات بھی جوان علاقوں میں نقل وحمل کرتے ہوئے عموماً پیش آتی ہیں، ان گرم جوش روابط کی وجہ سے حل ہو گئیں۔

سکاؤٹس کی ان تمام پوسٹوں کو وزٹ کیا گیا جو سیز فائر لائن پر قائم تھیں اور سری نگر۔ کارگل۔ لیہ روڈ کو مغلوب کرتی تھیں۔ یہ چوکیاں کافی بلندیوں پر واقع تھیں اور ان کے مابین کافی بڑے گیپ (Gaps) تھے۔ ان Gaps پر سکاؤٹس کی انصرامی (لاجسٹک) اہلیتیں اور کمک کا سکیل اور گراف ایسا نہیں تھا، جسے تسلی بخش کہا جا سکتا۔ بلتستان میں اولڈنگ کے نواح میں کافر پہاڑ کی چڑھائیاں عمودی تھیں اور کنکریوں اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کی کثرت نے جوراہوں میں بکھرے پڑے تھے، اس کام کو دشوار تر کر دیا تھا۔ ایک قدم آگے رکھتے تھے تو دو قدم پیچھے جا پڑتے تھے۔ کافر پہاڑ کی ایک چوٹی پر سکاؤٹس کی پوری ایک پلاٹون کی چوکی قائم کی گئی تھی اور کارگل کا قصبہ اس چوٹی سے صاف نظر آتا تھا۔ یہ آخری چوٹی تھی جو پاکستان کے کنٹرول میں تھی۔ کارگل کے گردونواح کی تمام چوٹیاں دس سے تیرہ ہزار فٹ تک بلند تھیں اور انہیں موسم سرما میں خالی کر دیا جاتا تھا۔

تین ماہ میں یہ سروے ختم ہوا۔ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کو ایک رپورٹ جس کا کوڈ نام برفانی چیتا (Snow Leopard) تھا پیش کی گئی۔ اس رپورٹ میں ان چوٹیوں کی اہمیت کے پیش نظر ان کو برقرار رکھنے اور ان کی قوت میں اضافہ کرنے کی سفارش کی گئی، لیکن جب 1965ء

کی پاک بھارت جنگ ہوئی تو بھارت نے سب سے پہلے کافر پہاڑ اور کارگل سیکٹر کی انہی بلندیوں پر قبضہ کرلیا، جن کی نشان دہی اس رپورٹ میں کی گئی تھی اور لکھا گیا تھا کہ ان چوکیوں پر سکاؤٹس کی جونفری اوران کی جو قوت ضرب موجود ہے، وہ انڈین ریگولر آرمی کی طرف سے کسی بڑے حملے کی صورت میں زیادہ دیر تک جم کر دفاع نہیں کر سکے گی.......... اگر ایس ایس جی ہیڈ کوارٹر نے یہ رپورٹ ملٹری آپریشنز ڈائریکٹوریٹ کو بھیجی تھی تو وہاں شائد کسی نے بھی ان خدشات اور ان سفارشات پر توجہ نہ دی اور ان سے اغماض برتا، جن کا اظہار اس رپورٹ میں کیا گیا تھا!

..........نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا تھا!!

ساتواں باب
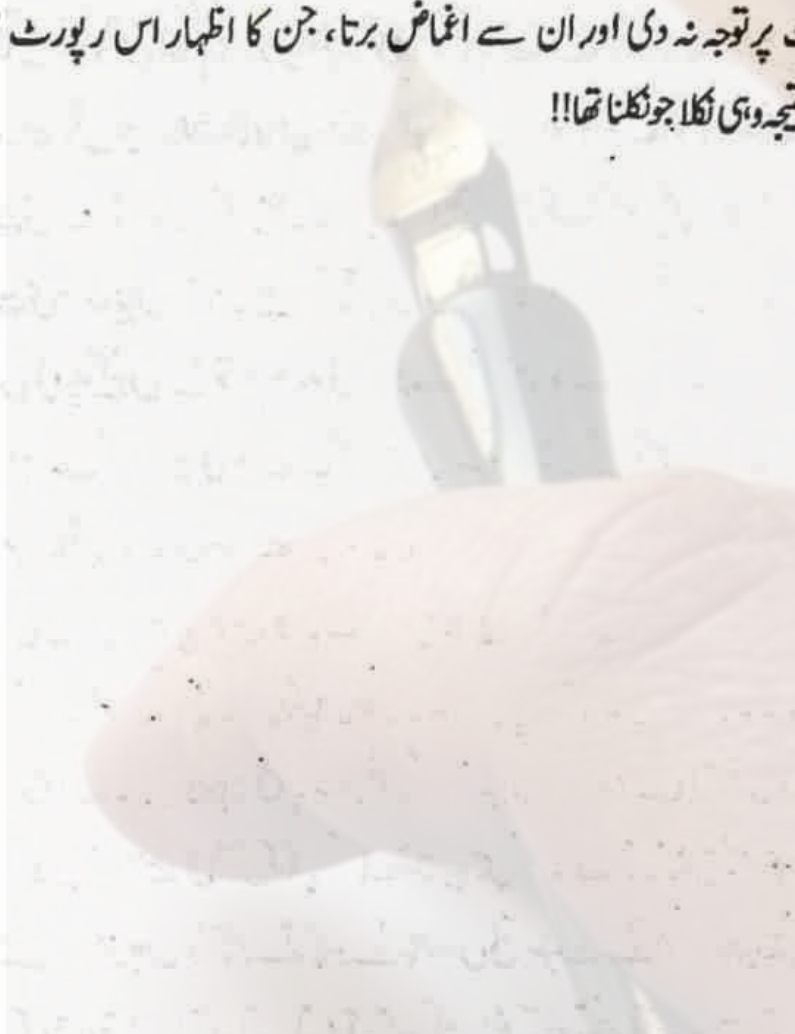
دیر آپریشن

ریاست دیر (Dir) پاکستان کے شمال مغربی علاقے کی ایک ریاست ہے۔ جنڈول اس ریاست ہی کا ایک حصہ تھا۔ نواب آف دیر نے اپنے ایک بیٹے کو جنڈول کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر رکھا تھا۔ خار اور باجوڑ، سرحدی اور قبائلی علاقے تھے۔ ریاست دیر کی ایک اہمیت تو یہ تھی کہ ریاست چترال کو جانے والا زمینی راستہ دیر سے ہو کر جاتا تھا اور دوسری یہ کہ اس کا بارڈر افغانستان کے ساتھ ملحق تھا۔

قیام پاکستان کے وقت ہی سے نواب آف دیر کے تعلقات حکومت پاکستان سے کوئی خاص خوشگوار نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نواب صاحب، افغان حکمرانوں کے زیر اثر تھے، جنہوں نے پشتونستان (یا پختونستان) کا مسئلہ کھڑا کر رکھا تھا۔ نواب آف دیر کو اس بات کا بھی رنج تھا کہ حکومت پاکستان، ریاست سوات کے ساتھ جس طرح کے اچھے تعلقات رکھتی ہے اور اسے جو اہمیت و فوقیت دیتی ہے، وہ دیر (Dir) کو نہیں دیتی۔

پاکستان نے کئی بار کوشش کی کہ نواب آف دیر کی یہ غلط فہمی دور کی جائے۔ 1954ء میں جنرل ایوب پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف تھے۔ انہوں نے اس وقت کے سیکرٹری دفاع مسٹر سکندر مرزا کے ہمراہ نواب آف دیر سے ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات کے دوران انہوں نے

نواب کو دوسرے تحفوں کے علاوہ چار سو 303. رائفلوں کا ایک بکس بھی پیش کیا، جسے لیفٹیننٹ شمیم منٹو، گائیڈز کیولری، سنٹرل آرڈیننس ڈپو، راولپنڈی سے دیر لے گئے تھے۔ لیکن نواب پر ان تحفے تحائف اور اس ملاقات کا کوئی خاص اثر نہ ہوا اور پاکستان کے بارے میں اس کے خیالات اور تصورات مبنی بر مخاصمت ہی رہے۔

1960ء میں نواب کے بیٹے خان آف جنڈول نے افغان حکومت سے ملی بھگت کر کے باجوڑ میں ایک افغان لشکر اکٹھا کر وایا۔ اس لشکر کی تعداد بعض رپورٹوں کے مطابق 25000 ہزار تھی۔ خان کا یہ اقدام اونٹ کی پیٹھ پر گویا آخری تنکا ثابت ہوا اور حکومتِ پاکستان نے اس مسئلے کے حل کے لئے ملٹری ایکشن لینے کا فیصلہ کرلیا۔

میجر جنرل عتیق الرحمٰن 7 ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ تھے۔ انہیں اس آپریشن کی ذمہ داری سونپی گئی اور ہدایت کی گئی کہ اس آپریشن میں فرنٹیئر کور (سکاؤٹس) کو استعمال کیا جائے۔ اور ریگولر آرمی (7 ڈویژن) کے ٹروپس کو آن کال (On Call) رکھا جائے۔ جنرل عتیق الرحمٰن نے دو ٹارگٹ ایریاز کا چناؤ کیا۔ ایک جنڈول اور خار اور دوسرا دیر شہر۔ بریگیڈیئر رحمان گل، انسپکٹر جنرل فرنٹیئر کور (IGFC) کو جنڈول ایریا کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ سکاؤٹس فورس ان کے زیر کمان تھی۔ مطلوبہ توپخانہ کی سپورٹ بھی ان کو دی گئی۔ ایس ایس جی کے دو آفیسر، میجر شکور جان اور کیپٹن رؤف خفیہ طور پر اس آپریشن پر مامور کیے گئے۔ ایس ایس جی کی ایک کمپنی میجر اسلم بیگ (بعد میں چیف آف آرمی سٹاف) کے زیر کمانڈ 7 ڈویژن کی سپورٹ مین تھی۔ بریگیڈیئر شریف (بعد میں چیئرمین جے سی ایس سی) کو دیر شہر ایریا کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ان کی فورس میں ایس ایس جی کی ایک کمپنی اور دو محسود بٹالینیں تھیں۔ اس فورس نے چترال (لواری ٹاپ) کی طرف سے دیر شہر کے خلاف آپریٹ کرنا تھا۔ اس فورس ہیڈ کوارٹر میں لیفٹیننٹ کرنل مٹھا، صاحب زادہ مسٹر ایوب (پولیٹیکل ایجنٹ) اور فلائٹ لیفٹیننٹ منیر (بعد میں شہید اور ستارۂ جرات) بھی شامل تھے۔ یعنی ریاست دیر پر دو اطراف سے دباؤ ڈالنے کا فیصلہ ہوا......... شمال میں بریگیڈیئر شریف کی فورس اور جنوب میں بریگیڈیئر رحمان گل کی فورس کے توسط سے۔

لیفٹیننٹ کرنل مٹھا نے میجر منٹو کو اس آپریشن کے لئے حسب معمول خود بریفنگ دی۔ ایس ایس جی ٹروپس نے سکاؤٹس کی یونیفارم میں آپریٹ کرنا تھا۔ یہ وردیاں ہیڈ کوارٹر آئی جی

ایف سی نے ایس ایس جی کوفراہم کیں۔ میجر نشاط، کیپٹن نعیم اور لیفٹیننٹ فخر عالم بھی اس کمپنی میں تھے۔ ایس ایس جی کی یہ دونوں کمپنیاں جو اس آپریشن میں استعمال کی گئیں ان کی نفری چار پانچ کمپنیوں سے حاصل کی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایس ایس جی ٹروپس کو آپریشنل تجربہ فراہم کیا جائے۔ میجر منٹو کی کمپنی میں ای، جی اور ایچ کمپنی کے لوگ تھے، جبکہ میجر اسلم بیگ کی کمپنی میں جے (J) اور کے (K) کمپنیوں کے لوگ تھے۔ یوم مقررہ پر میجر منٹو کی کمپنی کو ایک فریٹر طیارے کے ذریعے پشاور سے ائر لفٹ کر کے چترال پہنچایا گیا۔ ایس ایس جی کیلئے پاک فضائیہ کے اس کریو کی کمانڈ، سکواڈرن لیڈر رشید شیخ کر رہے تھے جو کہ ایس ایس جی ہیڈ کوارٹر کا حصہ تھے۔ پوری کمپنی دو پروازوں میں چترال پہنچی۔ پشاور میں جی ایس او ٹو، ہیڈ کوارٹر آئی جی ایف سی، میجر (بعد میں میجر جنرل) آغا ذوالفقار نے کمپنی کو الوداع کہا۔

جب چترال ائر فیلڈ پر چترال سکاؤٹس نے ایس ایس جی کی کمپنی کا استقبال کیا تو ایس ایس جی کو سکاؤٹس کی وردی میں دیکھ کر بعض دوستوں نے مذاق اڑایا اور کہا: ''اگر آپ لوگ سکاؤٹس کی وردی میں اپنی نقل وحرکت کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ!.......... لیکن ہم آپ پر واضح کر دیں کہ نواب آف دیر کی انٹیلی جنس اس قدر تیز ہے کہ ایک دو روز میں ان کو آپ سب کمانڈوز کے نام اور نمبر تک معلوم ہوں گے!'' .... یہ ریمارکس اگر چہ کچھ زیادہ حوصلہ افزاء نہ تھے، لیکن کمپنی نے ان کی چنداں پرواہ نہ کی۔ رازداری اور اخفاء کے پیشِ نظر یہ ائر لفٹ صبح سویرے منہ اندھیرے عمل میں آئی۔ دن چڑھا تو کمپنی کے سارے ٹروپس چترال سکاؤٹس کی بیرکوں ہی میں بیٹھے رہے، کوئی متنفس باہر نہ نکلا۔ جب رات آئی تو یہ کمپنی بذریعہ ٹرانسپورٹ دروش منتقل ہوگئی۔ دروش چترال سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اگلا دن گزارنے کے بعد کمپنی محسود بٹالین کی گشت پارٹی کے ساتھ مل کر راتوں رات میر خنی پہنچ گئی۔ یہ گاؤں سلسلۂ کوہ لواری کے دامن میں (چترال کی سمت) واقع ہے۔ یہ نقل وحرکت ڈی ڈے (D Day) سے تقریباً سات آٹھ روز قبل عمل میں آئی۔ کمپنی نے زمینی نقوش کے بارے میں آگاہ ہونا شروع کیا۔ اکتوبر کا مہینہ تھا اور ان علاقوں میں اس وقت سردی شروع ہو جاتی ہے۔ ٹارگٹ ایریا کا سینڈ ماڈل تیار کیا گیا اور آپریشن کی ریہرسل کی گئی۔ علاوہ ازیں شریف فورس کے ہیڈ کوارٹر اور کمپنی ہیڈ کوارٹر کے مابین سگنل مواصلات وغیرہ کو بھی ٹیسٹ کیا گیا۔

فورس کمانڈر، بریگیڈیئر شریف کا پلان یہ تھا کہ پہلے مرحلے میں ایس ایس جی کمپنی رات کے وقت موو کر کے دیر شہر کو گھیرے میں لے گی اور نواب کو اپنی تحویل میں لے لے گی۔ دوسرے مرحلے میں محسود کی دونوں بٹالینیں پیدل مارچ کرتی ہوئی لواری ٹاپ سے دیر پہنچیں گی اور ایس ایس جی کمپنی کو فارغ کر دیں گی۔ ایس ایس جی نے فارغ ہو کر دیر کی بڑی سڑک پر تعمیر، ایک پل جس کا نام چوتیاتن (Chutiatan) پل تھا، کو قبضے میں کرنا تھا اور وہاں پر کسی بھی ناگہانی ڈویلپ منٹ کی صورت میں بطور ریزرو موجود رہنا تھا۔ توپخانے کی کوئی سپورٹ مہیا نہیں تھی، تاہم پاک فضائیہ کی سپورٹ حاصل تھی۔ ڈی ڈے پر پاک فضائیہ کے ایک ہلکے طیارے نے دیر شہر پر اشتہار گرانے تھے اور جب نواب صاحب گرفتار کر لئے جاتے تو ان کو پاک فضائیہ کے ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے پہلے رسالپور اور پھر لاہور لے جانا تھا۔ فلائٹ لیفٹیننٹ منیر نے (جن کو محبت سے سارے لوگ "بھا" کہتے تھے) پاک فضائیہ کے ساتھ ضروری کوآرڈینیشن کا کام سرانجام دیا۔

پلان بہت سادہ تھا۔ ایس ایس جی کمپنی کو تین ٹیموں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک ٹیم میجر نشاط کی کمانڈ میں دیر شہر کے مشرق کی جانب واقع ایک پہاڑی ٹیلے پر ایک نالے کے پار لگائی گئی تا کہ شہر کا مشرقی نصف حصہ مغلوب رہ سکے۔ دوسری ٹیم کی کمانڈ لیفٹیننٹ فخر عالم کو دی گئی۔ اسے حکم دیا گیا کہ شہر سے جنوب کی طرف جانے والی (Main) سڑک پر روڈ بلاک لگائے اور تیسری ٹیم میجر منٹو نے اپنی کمان میں رکھی، جس کا کام شہر کے مغرب کی جانب ایک ٹیلے پر پوزیشن لے کر شہر کے اس مغربی حصے کو مغلوب (Dominate) رکھنا تھا۔

ڈی ڈے سے دو دن پہلے (شائد 18 اکتوبر 1960ء کو) شریف فورس ہیڈ کوارٹر نے فنکشن کرنا شروع کر دیا۔ کیپٹن نعیم (ایس ایس جی) بریگیڈیئر شریف کے ساتھ بطور سٹاف آفیسر تھے۔ لیفٹیننٹ کرنل مٹھا فورس کمانڈر کے ایڈوائزر تھے۔ ایس ایس جی کا ایک چھوٹا دستہ بھی اس فورس ہیڈ کوارٹر کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔ صاحبزادہ ایوب نے نواب کے دیر چھوڑنے کے بعد بطور پولیٹیکل ایجنٹ اور وزیر اعظم دیر، فرائض سنبھالنے تھے۔ ہیڈ کوارٹر 7 ڈویژن، ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی (چراٹ) اور ایس ایس جی کمپنی کے درمیان سگنل مواصلات تسلی بخش طور پر قائم ہو چکی تھیں۔ محسود بٹالین کے لئے چار چار مزید سکاؤٹس آفیسر پہنچ چکے تھے۔

ڈی ڈے پر کمپنی میرخنی سے پیدل روانہ ہوئی اور لواری ٹاپ پہنچی۔ یہاں سے

دیر شہر تقریباً دس پندرہ کلومیٹر دور ہے۔ پلان کے مطابق سول ٹرکوں کے ذریعے دیر کی طرف سفر شروع ہوا۔ شہر سے کچھ پیچھے لیوی پوسٹ تھی۔ یہاں سے میجر نشاط اپنی ٹیم لے کر پلان کے مطابق مشرقی ٹیلے کی طرف چلے گئے، جبکہ باقی کمپنی مغربی سمت میں موو کر گئی۔ روڈ بلاک والی ٹیم نے تفویض کردہ جگہ پر روڈ بلاک لگا دیا۔ جب یہ تینوں ٹیمیں اپنی اپنی جگہ پہنچ گئیں تو میجر منٹو نے فورس ہیڈ کوارٹر کو ان اقدامات کے بارے میں آگاہ کیا............صبح کی پہلی کرن پھوٹنے میں ابھی کچھ دیر تھی!

فخر عالم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شہر کی ٹیلی فون لائنیں کاٹ دیں۔ کچھ دیر بعد دیر کی طرف سے ایک جیپ، روڈ بلاک کی طرف بڑھی۔ جب وہ نزدیک پہنچی تو اسے واپس جانے کا اشارہ کیا گیا۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی تو ایک وارننگ برسٹ فائر کیا گیا، جس پر جیپ فوراً ہی شہر کی طرف واپس چلی گئی۔ اس طرح جب ایک اور جیپ چترال کی طرف بڑھی تو نشاط کی ٹیم نے اس کے ساتھ وہی ''سلوک'' کیا جو فخر عالم نے پہلی جیپ کے ساتھ کیا تھا۔

اب دن نکل آیا تھا۔ مشرق و مغرب کی سمت سے فائرنگ کی آوازوں نے شہر کے لوگوں میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ وہ مکانوں کی چھتوں پر نکل آئے تھے۔ دریں اثناء پاک فضائیہ کا ایک ہلکا طیارہ فضاء میں نمودار ہوا اور شہر پر اشتہار اور پرچیاں گرانی شروع کر دیں۔ میجر منٹو شہر کی جانب بڑھے تو راستے میں معززین شہر سے ملاقات ہوگئی۔ وہ یہ دیکھنے آئے تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ ان کو بتایا گیا کہ نواب صاحب کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ فوراً لیوی پوسٹ میں رپورٹ کریں، جہاں بریگیڈئیر شریف ان کے منتظر ہیں۔ وائرلیس پر فورس ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی گئی اور انہوں نے بھی لیوی پوسٹ کی طرف آنا شروع کر دیا۔

کچھ ہی دیر بعد نواب صاحب خود بخود لیوی پوسٹ میں پہنچ گئے۔ وہاں بریگیڈئیر شریف نے ان کو حکومت کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ نواب نے کوئی احتجاج نہ کیا اور بڑے وقار کے ساتھ پاک فضائیہ کے ہیلی کاپٹر میں سوار ہوگئے۔ کرنل مٹھا ان کے ہمراہ تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ہیلی کاپٹر انہیں لے کر رسالپور کی طرف پرواز کر گیا۔ دریں اثناء نواب کا بیٹا خان آف جنڈول بھی بریگیڈئیر رحمان گل فورس کی تحویل میں (منڈا قلعہ میں) آچکا تھا، اسے بھی رسالپور لایا گیا.........اس طرح یہ آپریشن اپنے منطقی انجام کو پہنچا۔

اسی روز نواب آف دیر کے بڑے بیٹے کو نیا نواب مقرر کیا گیا۔ صاحبزادہ ایوب نے بطور پولیٹیکل ایجنٹ اور وزیر اعظم، ریاست کا نظم و نسق سنبھالا۔ ان کی سپورٹ کے لئے محسود بٹالین مامور کی گئی۔ ایس ایس جی کمپنی دوسرے روز واپس چلی گئی۔ میجر منٹو ایک چھوٹی ٹیم کے ساتھ ایک ماہ تک دیر میں رہے۔ اس دوران اس ٹیم نے دیر ایریا اور ملحقہ افغانستان بارڈر کا آپریشنل سروے کیا۔ نواب صاحب اور ان کے بیٹوں کے ہتھیاروں کے ذخیروں کی لسٹیں بنائیں اور ان کو مہر بند کر کے فہرستیں وزیر اعظم کے حوالے کی گئیں۔

ایک اسلحہ خانہ (Armoury) میں دوسو 303. رائفلیں بھی ملیں جو چھ سال قبل 1954ء میں لیفٹیننٹ منٹو سی او ڈی راولپنڈی سے نواب دیر کے لئے تحفہ کے طور پر لائے تھے جو کہ جنرل ایوب خان اور مسٹر سکندر مرزا نے ان کو پیش کیا تھا۔

ایس ایس جی کی تشکیل کے بعد پہلی بار اس تنظیم کو ایک حقیقی آپریشنل رول میں استعمال کیا گیا تھا۔ یہ آپریشن ایس ایس جی کے لئے ایک آزمائش تھی۔ اور یہ تنظیم اس آزمائش میں سرخرو نکلی۔ اس آپریشن پر مختصر ترین لیکن پیشہ ورانہ اعتبار سے بہترین تبصرہ بریگیڈیئر زیڈ اے خان نے کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب (The way it was) کے صفحہ نمبر 113 پر لکھتے ہیں: "لیفٹیننٹ کرنل مٹھا کی کمانڈ میں ایس ایس جی کی آرگنائزیشن اور کمانڈ اگرچہ Stay Behind گوریلا آپریشنوں کے لئے کی گئی تھی۔ تاہم ان کی کمانڈ میں بعض کمانڈو ٹائپ آپریشن بھی روبہ عمل لائے گئے، جیسا کہ دیر آپریشن تھا۔

اس آپریشن کا ایک اور پہلو نواب آف دیر کے کردار کی وہ لچک ہے جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ایک ایسا شخص جو 13 برس (1947ء تا 1960ء) تک حکومت پاکستان کے ساتھ مزاحمانہ اور مخاصمانہ رویہ اور جذبات رکھتا رہا، وہ صورت حال کے تبدیل ہو جانے اور ماحول کو اپنے حق میں نہ پا کر یکدم 180 ڈگری معکوس طرز عمل پر کیسے راضی ہو گیا!.......... حقیقت یہ ہے کہ بہت کم لوگ اس قسم کی طبیعت لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ کسی کا شعر ہے:

یہ لوگ بھی عجیب ہیں، دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا، سحر آہن بنا لیا

آٹھواں باب

آپریشن جبرالٹر

1965ء کی پاک بھارت جنگ کو اگر ایک کتاب فرض کرلیا جائے تو آپریشن جبرالٹر اس کا دیباچہ کہا جائے گا اور مارچ اپریل 1965ء میں رن آف کچھ میں جو جھڑپ ہوئی تھی، وہ گویا اس دیباچے کا بھی صفحہ اول تھی۔ ان تینوں معرکوں کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہیے، یہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ رن آف کچھ کی ابتداء بھارت نے کی۔ چین کے ہاتھوں 1962ء میں اپنی شکست کے بعد بھارت کو ایک ایسی عسکری فتح کی ضرورت تھی جو اس کا کھویا ہوا وقار بحال کر سکتی۔ چنانچہ اس نے رن آف کچھ میں چھیڑ چھاڑ شروع کی اور جب یہاں بھی داغ رسوائی کے سوا اور کچھ نہ مل سکا تو اس نے الٹا پاکستان پر الزام لگایا کہ وہ باہمی پُرامن فضا کو خراب کرنا چاہتا ہے اور ایک کھلی جنگ شروع کرنے کی تیاریاں کررہا ہے۔ اس پر 21اپریل 1965ء کو فیلڈ مارشل ایوب خان نے کہا تھا: "اگر پاکستان نے کوئی جارحانہ حملہ کرنا ہوتا تو وہ رن آف کچھ کی دلدل کا انتخاب نہ کرتا۔ اس سے بہتر علاقے اور بھی تھے، وہاں یہ کام کیا جاسکتا تھا اور بہترین وقت وہ تھا، جب بھارتی افواج چین سے شکست کھا کر بھاگ رہی تھیں"۔ لیکن اس کے جواب میں 28اپریل 1965ء کو بھارتی وزیراعظم لال بہادر شاستری نے کہا: "اگر پاکستان نے ہوش کے ناخن نہ لئے تو انڈین آرمی اپنی سٹریٹجی کا فیصلہ خود کرے گی اور اپنی افرادی قوت، سازوسامان اور ہتھیاروں کو ایک ایسے طریقے سے استعمال کرے گی جو اس کے لئے بہترین ہوگا"۔

اس طرح بھارت نے رن آف کچھ کا دلدلی اور ریگستانی علاقہ چھوڑ کر شمال میں اس کوہستانی علاقے کا انتخاب کیا، جہاں 48-1947ء میں وہ اپنی کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ کے بل پر ایک بہتر پوزیشن حاصل کر چکا تھا۔ یکم جنوری 1949ء کو جو جنگ بندی لائن (CFL) وجود میں آئی تھی، وہ بھارت کے لئے پاکستان کے مقابلے میں کہیں زیادہ سازگار اور فائدہ مند تھی۔ اس کے باوجود بھارت نے اس جنگ بندی لائن کو کبھی دل سے تسلیم نہ کیا اور ہمیشہ یہ کوشش کرتا رہا کہ اس کی حیثیت تبدیل کر کے اس سے اپنے لئے مزید ٹیکٹیکل اور سٹریٹجک فوائد حاصل کئے جائیں۔

سپیشل سروس گروپ کی عمر اب تقریباً دس برس ہو چکی تھی۔ ابتداء میں یہ فورس بطور Stay Behind فورس کے کھڑی کی گئی تھی، لیکن جیسا کہ ہم گزشتہ سطور پر پڑھ آئے ہیں، اس کا رول اب تبدیل کیا جا رہا تھا اور پالیسی سازوں کی نگاہوں میں گوریلا جنگ و جدل کے آفاق زیادہ واضح اور کھل کر سامنے آنے لگے تھے۔

کشمیر کی سرزمین ایسی ہے کہ وہ بڑی اور موبائل مسلح فورسز کے آپریشنوں کے لئے سازگار نہیں۔ یہ ٹیرین دفاعی آپریشنوں کے لئے خاص طور پر موزوں ہے۔ تاہم اس کے جنگلاتی علاقے اور کوہستانی بلندیاں اور پستیاں ڈائریکٹ فائر کرنے والے ہتھیاروں کی فیلڈ آف فائر کو محدود کرتی ہیں۔

کشمیر کی ٹیرین چھوٹے چھوٹے گروپوں کی نفوذی کارروائیوں کیلئے بھی بہت موزوں ہے اور ایس ایس جی چونکہ ایسے ہی گروپوں کے آپریشنوں کی تربیت حاصل کرتی رہی تھی، لہٰذا پالیسی سازوں کی نگاہیں بار بار اس "نوخیز فورس" کی طرف اٹھتی تھیں۔ باور کیا گیا کہ اگر ان چھوٹے چھوٹے گروپوں کو دشمن کی صفوں کے عقب میں آپریٹ کرنے کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ ایسے ریگولر ٹروپس کا حوصلہ پست کرنے پر قادر ہو سکتے تھے، اور یہ ایس ایس جی کی مقدورات (Capabilities) تصور کی جا سکتی تھیں۔ دوسری طرف ایس ایس جی کی طرح کے نفوذی گروپ اس وقت تک کسی طویل عرصے کیلئے دشمن کے عقب میں آپریٹ نہیں کر سکتے، جب تک مقامی آبادی کی سپورٹ انہیں حاصل نہ ہو۔ ماؤزے تنگ نے کہا تھا کہ گوریلا ایک مچھلی ہے اور عوامی سپورٹ پانی۔ جس طرح مچھلی، پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، اسی طرح کوئی

کمانڈو فورس مقامی آبادی کی امداد واعانت کے بغیر زیادہ عرصے تک ٹھہر نہیں سکتی..........اور یہ ایس ایس جی کی محدودات (Limitations) تھیں۔ بھارت مقبوضہ کشمیر میں من مانیاں کرتا چلا جارہا تھا۔ کشمیری مسلمانوں پر اس نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ جنگ بندی لائن کا احترام اس نے کبھی نہ کیا۔ اسے جب بھی موقع ملتا، وہ پاکستانی چوکیوں پر قبضہ کر لیتا۔ یہ ننگی اشتعال انگیزیاں وہ آئے روز کرتا رہتا تھا اور جیسا کہ ہم نے ابتداء میں کہا، رن آف کچھ جھڑپ کے بعد تو ان اشتعال انگیزیوں میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ اس پس منظر میں راقم السطور کے خیال میں پاکستان کے پاس تین آپشنز تھیں۔

ایک یہ کہ جنگ بندی لائن پر کھلا حملہ کر دیا جائے۔ اس آپشن میں خدشہ تھا کہ بھارت پاکستان کی بین الاقوامی سرحد پر عام جوابی حملہ کر دے گا۔

دوسرے یہ کہ سٹیٹس کو (Status quo) برقرار رکھا جائے۔ لیکن اس صورت میں بھی بھارتی فوج یکے بعد دیگرے جنگ بندی لائن پر ایسی بلندیوں پر قبضہ کرتی چلی جارہی تھی. جو ٹیکٹیکل فوائد واہمیت کی حامل تھیں۔ آزاد کشمیر کا دفاع 12 ڈویژن کی ذمہ داری تھی، جس کے پاس 25 بٹالین تھیں اور وہ 400 میل کی مشکل ٹیرین والے فرنٹ پر لگی ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں اس ڈویژن کی یونٹیں فوجی ساز وسامان اور ہتھیاروں کے سکیل اور کوالٹی کے سلسلے میں آخری ترجیح پر تھیں۔ ملک کے دوسرے حصوں سے شمال میں کوئی کمک بھیجنا اس لئے مشکل تھا کہ ایسی صورت میں جس فرنٹ سے بھی کمک بھیجی جاتی، وہ زیر خطر (Vulnerable) ہو سکتا تھا۔ چنانچہ پاکستان کے لئے یہ آپشن بھی قابل قبول نہ تھی۔

تیسری آپشن یہ تھی کہ مقبوضہ کشمیر میں جنگ آزادی کو ہوا دی جائے، کشمیریوں کے جذبۂ حریت کو بھڑکایا جائے اور نہ صرف یہ کہ ان کی سفارتی، اخلاقی اور سیاسی مدد کی جائے، بلکہ عسکری مدد بھی کی جائے۔ اور یہ مدد خفیہ طور پر کی جائے تا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے..........تاریخ میں اسی مدد کا نام "آپریشن جبرالٹر" ہے۔

یہ آپریشن ایک خفیہ (Clandistine) آپریشن تھا، جس کا تصوراتی خاکہ کہا جاتا ہے کہ 1963ء میں اس وقت کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے شروع کروایا۔ تب اس کا نام آپریشن جبرالٹر نہیں تھا، یہ محض ایک مفروضہ تھا۔ پھر کچھ ماہ بعد وزارت خارجہ میں ایک سیل قائم

کیا گیا، جس کے چیئر مین خود مسٹر بھٹو تھے اور وزارت خارجہ، دفاع، کیبنٹ ڈویژن، اطلاعات اور داخلہ کے سیکرٹری صاحبان اس کے ممبر تھے۔ علاوہ ازیں ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو بھی ممبر تھا اور ایک ممبر جنرل ہیڈ کوارٹر سے بھی لیا گیا۔ اس طرح اس سیل کے ممبران کی کل تعداد، بشمول چیئر مین، آٹھ ہوگئی۔ 1963ء کے دوران اس سیل نے کوئی خاص کام نہ کیا، لیکن اس کے بعد تین ایسے واقعات رونما ہوئے، جنہوں نے کشمیر کی جنگ آزادی کے امکانات بڑھا دیئے۔

پہلا حضرت بل کی مسجد سے موئے مبارک کی چوری کا واقعہ تھا۔ اس پر کشمیری عوام کا ردعمل نہایت شدید تھا۔ دوسرا واقعہ پاکستان کی طرف سے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں اٹھانا، روس کا ویٹو کرنا اور شیخ عبداللہ کو بھارتی حکومت کی طرف سے نظر بند کرنا تھا۔ اس سے بھی وادی کے عوام کے جذبات بھڑک اٹھے۔ تیسرا واقعہ جنگ بندی لائن پر چکنوٹ کی ملکیت کا ہے۔ بھارت نے کہا کہ یہ گاؤں ہمارا ہے اور پاکستان نے کہا کہ یہ ہماری ملکیت ہے۔ دونوں طرف سے افواج کی نقل وحرکت ہوئی اور کشیدگی بڑھ گئی۔

پھر فروری 1964ء میں وادئ نیلم کے ایک گاؤں بور پر، جو آزاد کشمیر میں واقع تھا، بھارتی سپاہ نے حملہ کر دیا۔ گھر گھر تلاشی لی اور نوجوان لڑکیوں کی آبروریزی کی۔ 13اے کے (آزاد کشمیر) بٹالین نے گھات لگائی اور بھارت کی ساری پلاٹون ماری گئی۔ صرف ایک سپاہی زندہ بچ کر واپس جاسکا۔ اس طرح کشیدگی کی چنگاری مزید سلگنے لگی۔

1965ء کے اوائل میں بھارت نے اپنے آئین میں تبدیلی کر کے مقبوضہ جموں وکشمیر کو بھارت کا حصہ بنالیا اور کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہنا شروع کر دیا، اس کے بعد مارچ میں رن آف کچھ میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ یہ تمام واقعات اس بات کی شہادت تھے کہ بھارت کشمیر پر مستقل قبضہ قائم رکھنا چاہتا ہے، چنانچہ پاکستانی قیادت نے کشمیر میں گوریلا جنگ چھیڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آپریشن جبرالٹر کے لئے جو فورس تشکیل دی گئی، اس میں ایس ایس جی، آزاد کشمیر ٹروپس، رضا کار، سکاؤٹس اور مقامی گائیڈ وغیرہ شامل تھے۔ اس فورس کی کل تعداد پانچ ہزار (آل رینکس) سے لے کر سات ہزار تک تھی۔ اسے سات فورسز میں تقسیم کیا گیا، جن کے نام (1) طارق فورس (2) قاسم فورس (3) خالد فورس (4) صلاح الدین فورس (5) غزنوی

فورس (6) بابر فورس اور (7) نصرت فورس تھے۔ اول الذکر پانچ فورسز کو پانچ بٹالینوں میں تقسیم کیا گیا، ہر بٹالین میں تین تین کمپنیاں تھیں۔ ہر کمپنی کی تین پلاٹونیں اور ہر پلاٹون کے تین سیکشن تھے۔ ہر کمپنی کی کمانڈ آزاد کشمیر رجمنٹ کے ایک آفیسر کو دی گئی، جس میں ایس ایس جی کے ایک یا دو آفیسر، چار این سی اوز اور 16 سپاہی بھی شامل کئے گئے۔ اس فورس کی ٹریننگ کی ذمہ داری ایس ایس جی کو دی گئی۔ مجاہدوں کی اکثریت رضا کاروں پر مشتمل تھی۔ انہیں مقبوضہ کشمیر میں نفوذ کرنے کی تربیت دینی تھی۔ اس تربیت میں جسمانی قوت برداشت، ہتھیاروں کا استعمال، زمین کا استعمال، گھات لگانا، چھاپے مارنا اور غیر مسلح ہو کر لڑنا وغیرہ جیسے مضامین شامل تھے۔ ہتھیاروں میں ایل ایم جی، 9 ایم ایم سٹین گن، رائفلیں، گرنیڈ اور راکٹ لانچر وغیرہ تھے۔ لباس میں شلوار قمیص، جیکٹ، تھیلا، گرم ٹوپی، کمبل، جنگل بوٹ اور جرابیں وغیرہ شامل تھیں۔ دس دن تک، راشن ساتھ لے کے جانا تھا۔ پکی پکائی میٹھی روٹیاں پانچ دن تک کی کفالت کے لئے تھیں۔ نرسنگ اسسٹنٹ اور ابتدائی مرہم پٹی کا انتظام بھی ساتھ تھا۔ اسلحہ کی مرمت کیلئے مطلوبہ افراد بھی شامل کئے گئے۔ ہر سپاہی 50 سے 60 پونڈ تک لوڈ لے جانے کا ذمہ دار تھا۔

بریگیڈیئر زیڈ اے خان نے سات فورسز کی بجائے دس فورسز کا ذکر کیا ہے، جن کے نام خالد، طارق، قاسم، صلاح الدین، غزنوی، خلجی، مرتضیٰ بابر، نصرت اور سکندر تھے۔ ہر فورس 500 لوگوں (آل رینکس) پر مشتمل تھی۔ مجاہد آزاد کشمیر کے دیہاتوں سے لئے گئے تھے اور این سی اوز آزاد کشمیر رجمنٹ سے۔ ایس ایس جی میں ملازمت کرنے کے بعد ریٹائر ہونے والے این سی اوز اور سپاہیوں کو بھی ری کال کر لیا گیا تھا۔ کمپنی کمانڈ کے لئے ایس ایس جی اور پاک آرمی سے بعض آفیسر لئے گئے اور فورس کمانڈ کے لئے بھی آزاد کشمیر کے آرمی آفیسرز لئے گئے تا کہ اسے ایک کشمیری آپریشن کا رنگ دیا جا سکے۔ کوٹلی، مونگ بجری (نزد راولا کوٹ) شنکیاری اور رٹو (گلگت) میں ٹریننگ کیمپ قائم کئے گئے۔ ایس ایس جی کے میجر سندھو کو اس فورس کا افسر مواصلات مقرر کیا گیا۔ کیپٹن ذکاء احمد آفریدی ان کا نائب تھا۔ دونوں نہایت اہل اور قابل آفیسر تھے۔ انہوں نے پوری فورس کے مابین سگنل رابطہ استوار کرنا تھا اور کوڈ اور سائفر تیار کرنے تھے۔

مجاہد رضا کاروں اور سکاؤٹس کو نان کنونشنل طرز جنگ کی تربیت دینا آسان کام نہ تھا، لیکن ایس ایس جی کے انسٹرکٹروں نے کمال فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کام صرف چھ ہفتوں

میں کر دکھایا۔ مئی اور جون 1965ء کے یہ سات آٹھ ہفتے نہایت عجیب و غریب تھے۔ بادی النظر میں اتنا بڑا کام اتنے کم وقت میں ممکن نہ تھا۔ مثلاً افسروں اور جوانوں کا چناؤ، مختلف یونٹوں کی تنظیم و تشکیل، افسروں اور جوانوں میں جہاد کی روح پھونکنا، انصرامی (Logistic) ضرورتوں کا اندازہ لگانا اور ان کی فراہمی کا بندوبست کرنا، سری نگر کو آزاد کروانے کے بعد وہاں کے انتظامات کو مرتب اور متشکل کرنا، نقشے، انٹیلی جنس، اپروچز (راہ ہائے رسائی)، ملن گاہیں (RVs) اور اس قسم کے سینکڑوں پہلو تھے جن کو نظر میں رکھنا تھا۔

جب مقررہ وقت آیا تو اس تمام فورس نے دیئے گئے مقامات سے جنگ بندی لائن عبور کی اور مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوگئی۔ اس کا یہ عمل گویا ایک ایسے سیلاب کی مانند تھا، جو کسی بہت بڑی طاقت کے زیرِ اثر کسی سرزمین کو ڈھانپ لے۔ بریگیڈیئر زیڈ اے خان نے لکھا ہے: "یہ فورس گلائی، منی مرگ، کیل، درہ حاجی پیر اور کوٹلی کے دروں سے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوئی۔ ایسا کرتے ہوئے اسے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ درہ حاجی پیر 9000 فٹ بلند اور برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ جب بادل آتے تھے اور آس پاس کچھ نظر نہیں آتا تھا تو یہ فورس، بھارتی پوسٹوں کے درمیان سے جنگ بندی لائن عبور کر کے نفوذ کر جاتی تھی"۔

اس تمام منصوبے کی اوور آل کمانڈ، جنرل اختر ملک جی او سی 12 ڈویژن کو دی گئی۔ انہوں نے 13 جولائی 1965ء کو ایک بریفنگ کا اہتمام کیا۔ جنرل موسیٰ بھی اس بریفنگ میں موجود تھے۔ جنرل موسیٰ نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا اور کہا کہ بھارت اتنی بڑی کارروائی کو آسانی سے ہضم نہیں کرے گا اور واہگہ یا کسی اور جگہ سے حملہ کر دے گا۔ اس پر فیلڈ مارشل ایوب نے کہا: "ہمیں کبھی تو دل مضبوط کر کے ہمت کرنی پڑے گی"۔

"We will have to take heart sometime"

بہر حال کلازوٹز کا کہا سچ ثابت ہو رہا تھا۔ ایک سیاسی پالیسی کی توسیع کے لئے جنگ کا راستہ اختیار کیا جا رہا تھا۔ کرنل کلاوَلی (بعض لوگ ان کے نام کا تلفظ کلاف لی کرتے ہیں) نے اپنی کتاب ''دی سٹوری آف پاکستان آرمی'' کے صفحہ 65 پر لکھا ہے: "پانچ اور چھ اگست 1965ء کی درمیانی رات سینکڑوں مسلح افراد نے جنگ بندی لائن عبور کی اور مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئے .... آپریشن جبرالٹر شروع ہو چکا تھا۔ اکھنور، راجوڑی، گل مرگ، اوڑی اور مینڈھر

کے علاقوں میں نفوذی کارروائیوں کا زور تھا"۔

بریگیڈئیر زیڈ اے خان لکھتے ہیں: "ان نفوذ کاروں کی مشکلات جنگ بندی لائن عبور کرتے ہی شروع ہوگئیں۔ گائیڈز فرار ہوگئے اور ان پاکستانی فورسز کی مکمل معلومات بھارت کو دے دیں، جن کو انہوں نے گائیڈ کیا تھا۔ پاکستان نے مقبوضہ کشمیر کی مسجدوں کے پیش اماموں کو دشمن کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنے کا کام سونپا ہوا تھا۔ ان کے پیشے اور مذہبی لگن سے توقع تھی کہ وہ اس کار خیر میں اپنا تن، من، دھن لٹا دیں گے اور مطلوبہ انٹیلی جنس فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ لیکن جب وقت آیا اور ان آئمہ کرام سے رابطے کی کوشش کی گئی تو پتہ چلا کہ سب کے سب مولانا حضرات مسجدیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں"...........اقبالؒ نے کیا پیغمبرانہ بات کہی تھی!

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے: "اول اول انڈین ٹروپس یونیفارم میں آپریٹ کرتے رہے۔ بعد میں وہ بھی "گھس بیٹھیوں" کی طرح سول کپڑوں میں ملبوس ہوگئے۔ جہاں کہیں نفوذ کار بڑی تعداد میں نظر آتے، انڈین آرمی ان پر فائر گراتی۔ صرف تین ماہ کی ٹریننگ لینے کے بعد "جہاد" پر نکلنے والے مجاہد فائر کی تاب نہ لا سکتے اور بھاگ جاتے۔ بھارتی فوج ان بھاگتے مجاہدوں کا تعاقب کرتی اور انہیں گرفتار کر لیتی۔ اس طرح اس فورس کی اکثریت انڈین آرمی کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی یا قتل کر دی گئی۔ صرف ایس ایس جی کے آفیسر، این سی او اور جوان واپس پاکستان جانے میں کامیاب ہوئے اور واپس جانے سے پہلے بھارت کا جتنا بھی نقصان کر سکتے تھے، کیا"

تاہم ان فورسز کی مختصر کارکردگی کا احوال فرداً فرداً بیان کر دیا جائے تو بہتر ہوگا جو یوں ہے کہ صلاح الدین فورس سری نگر کے نواح تک پہنچ گئی۔ وہاں دشمن کی صرف ایک انفنٹری بٹالین اور فیلڈ بیٹری کے چند عناصر تھے، جنہیں 5 اور 6 ستمبر کی رات برباد کرنے کا سنہری موقع تھا، جو ضائع کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جی او سی 12 ڈویژن کی طرف سے اس حملے کی ''اجازت'' آنے سے پہلے دیر ہو چکی تھی اور حملہ اگلے روز پر ملتوی کرنا پڑا تھا جو ناکام ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض مقامی مخبروں نے انڈین آرمی کو چوکنا کر دیا تھا اور اس طرح ناگہانیت

(Surprise) کا عنصر ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

قاسم فورس کا بیس کیمپ، کنگن کے شمال مغرب میں تھا۔ اس فورس نے ایک دو پُل اُڑائے اور ایک پولیس سٹیشن کو بھی نقصان پہنچایا۔

طارق فورس کے سامنے سنگین جغرافیائی نقوش موجود تھے، جن کی بلندیاں 17000 فٹ سے زیادہ تھیں، لیکن فورس کمانڈر بیمار پڑ گیا۔ اس کے باوجود اس فورس نے بھی دشمن کا کافی نقصان کیا۔

غزنوی کمپنی نے رام بان پر حملہ کرنا تھا، جہاں دشمن کی ایک پوری بٹالین لگی ہوئی تھی۔ غزنوی فورس نے اس پر حملہ کر کے اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ اس فورس نے پیر پنجال کے جنوب میں بدیل، راجوڑی اور ویاس منڈی وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور مقامی لوگوں کو لڑنے کی تربیت بھی دی۔ یہ واحد فورس تھی، جس کا استقبال مقامی آبادی نے خوش دلی اور کھلی بانہوں سے کیا اور بھارت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، تاہم بھارت نے واپسی کے راستے سیل کر دیئے۔ پاک فضائیہ کی طرف سے اس فورس کے لئے رسدات گرائی گئیں اور ستمبر 1965ء کی جنگ بند ہونے کے بعد اس فورس نے ہتھیار ڈالے۔

دشمن پہلے تو ناگہانیت کا شکار ہوا، لیکن بھگوڑوں کی طرف سے تمام راز فاش ہو جانے کے بعد اس نے تیزی سے کارروائی کی۔ ان کے چار ڈویژن پہلے سے کشمیر میں صف بند تھے۔ جن کو انہوں نے موجودہ خطرے کے پیش نظر مناسب مقامات پر از سر نو ڈیپلائے کر دیا۔ مثلاً انہوں نے 3 انفنٹری ڈویژن کو شمالی کشمیر میں، 19 ڈویژن کو ٹیٹوال کی وادی میں، 25 ڈویژن کو راجوڑی میں اور 10 ڈویژن کو پٹھانکوٹ کے علاقے میں صف بند کیا۔ جموں اینڈ کشمیر ملیشیا کی آٹھ مزید بٹالینیں 15 کور کے حوالے کیں 16 اگست 1965ء کے بعد بھارت نے جنگ بندی لائن پر اپنی پٹرولنگ میں اضافہ کر دیا۔ 19 اگست کے بعد کارگل اور لیہ کے علاقے میں اپنی کمک میں بھی اضافہ کر دیا اور ریکی بھی بڑھا دی۔ 25 اگست کو ہماری تین پوسٹوں پر، جن کے نام کورو، لیلیٰ اور مجنوں تھے گولہ باری کی۔ یہ تینوں پوسٹیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھیں۔ پاکستان اور بھارت کی طرف سے ان پر چڑھنا اور کوئی جارحانہ ایکشن کرنا دشوار تھا۔ ان پوسٹوں پر سے بھارت کی وہ سڑک نظر آتی تھی جو سری نگر کو کارگل اور لیہ سے ملاتی ہے۔ پاکستان کی یہ تینوں

پوسٹیں بھارت کی نگاہ میں شدت سے کھٹکتی تھیں۔ بھارت نے ان پر شدید گولہ باری کی اور لوکل گائیڈز کی طرف سے یہ معلومات ملنے پر کہ ان پر کوئی پاکستانی ٹروپس نہیں ہیں، قبضہ کرلیا۔ اس کے علاوہ ٹیٹوال میں کونسال، ڈنا، علی کوہ، پیر صحابہ اور درۂ حاجی پیر پر بھی قبضہ کرلیا۔

آپریشن جبرالٹر میں ایس ایس جی کے جن آفیسرز، این سی اوز اور جانبازوں نے حصہ لیا، وہ دوسری فورسز مثلاً آزاد کشمیر فورس، مجاہدین اور سول آرمڈ فورسز کے عناصر کے ساتھ مل کر لیا۔ اس آپریشن میں کسی ایسی فورس نے حصہ نہیں لیا جو خالصتاً ایس ایس جی عناصر پر مشتمل ہوتی۔ البتہ پانچ کمپنیاں ایسی تھیں جو تمام کی تمام ایس ایس جی عناصر پر مشتمل تھیں، ان میں سے ایک کو مقبوضہ کشمیر کے شمالی حصوں یعنی لداخ، کارگل اور دراس میں گوریلا کارروائیوں کیلئے استعمال کیا گیا۔ اس کے ذمے مقامی لوگوں کو بھارتی حکومت کے خلاف اکسانا یا بغاوت پر آمادہ کرنا نہیں تھا کہ یہ مینڈیٹ آپریشن جبرالٹر کا تھا۔ البتہ ایس ایس جی کی ان کمپنیوں کے ساتھ انصرامی امور کی دیکھ بھال، کے لئے چند مجاہد، سکاؤٹس اور سویلین گائیڈ ضرور شامل تھے۔ ان کمپنیوں کے نام غازی کمپنی، ایوب کمپنی، شاہین کمپنی، جنگجو کمپنی، ٹیپو کمپنی اور قائد کمپنی تھے۔ ان میں سے ہم اول الذکر یعنی غازی کمپنی کا تذکرہ اس باب میں کریں گے اور باقی پانچ کا ذکر نویں باب میں کہ زمانی اعتبار سے صرف غازی کمپنی کے آپریشن اواخر اگست 1965ء تک لانچ کئے گئے، جبکہ دوسری کمپنیوں کے آپریشن تقریباً ستمبر 1965ء کے لگ بھگ شروع ہوئے.......... تاہم ان سے پہلے حمزہ کمپنی کا ذکر ضروری ہے۔

حمزہ کمپنی

حمزہ کمپنی آپریشن جبرالٹر کے لئے 12 ڈویژن کے زیر کمان دے دی گئی تھی۔ اس نے طارق فورس اور قاسم فورس کے ساتھ مل کر آپریشنوں میں حصہ لینا تھا، چنانچہ کمپنی کو دو ٹیموں میں تقسیم کیا گیا۔ ٹیم نمبر ون نے کیپٹن خالد محمود کی قیادت میں جبکہ ٹیم نمبر 2 نے کیپٹن محمد خان کی قیادت میں قاسم فورس کو لیڈ (Lead) کیا۔ ان دونوں ٹیموں نے آپریشن جبرالٹر کے لئے مجاہدین کو ٹریننگ بھی دینی تھی اور شمالی علاقوں اور مقبوضہ کشمیر میں گوریلا کارروائیاں بھی کرنی تھیں۔ ان دونوں ٹیموں نے مجاہدین کے ساتھ مل کر دشمن کے علاقے میں بہت سے پل اڑائے، سپلائی پوائنٹ تباہ کئے اور بہت سی سویلین تنصیبات کو مسمار کیا۔ دشمن کے ٹروپس اور گاڑیوں کے قافلوں پر

کامیاب گھاتیں لگائیں اوراس کا بہت نقصان کیا۔حمزہ کمپنی نے دشمن کے 366افراد کوتہہ تیغ کیا، 121 پولیس والوں کو ہلاک کیا، کئی ڈا جیں اور جیپیں برباد کیں، پانچ پل مکمل طور پر اڑا ڈالے اور پانچ کوشدید نقصان پہنچایا۔

غازی کمپنی

کارگل کا شہر (یا قصبہ) جنگ بندی لائن سے تین میل کے فاصلے پر بھارت کی طرف واقع ہے۔ 1948ء میں اس پر مجاہدین نے قبضہ کرلیا تھا، لیکن بعد میں انڈین آرمی اس پر قابض ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ بہت سٹرٹیجک اہمیت کا شہر ہے اور انڈین نیشنل ہائی وے پر سری نگر اور لیہ کے درمیان واقع ہے۔ 1965ء میں یہ سڑک کچی تھی، تاہم دوطرفہ ٹریفک آجا سکتی تھی۔

اس شہر کارگل کے نزدیک 14000 فٹ کی بلندیوں پر "کافر پہاڑ" پر تین پاکستانی آؤٹ پوسٹیں تھیں جو قراقرم سکاؤٹس کے زیر قبضہ تھیں۔ان کے نام کورو، مجنوں اور لیلیٰ تھے۔ ان کا ذکر ہم قبل ازیں بھی کر آئے ہیں۔ ان پوسٹوں سے کارگل بالکل صاف نظر آتا تھا اور سری نگر۔کارگل۔لیہ روڈ بھی یہاں سے مغلوب ہوتی تھی۔ مئی 1965ء میں بھارت کی ایک انفنٹری بٹالین (4راجپوتانہ رائفلز) نے حملہ کر کے ان تینوں پوسٹوں پر قبضہ کرلیا۔ پاکستان نہ صرف ان پوسٹوں سے ہی محروم ہوا، بلکہ اب بھارت اس پوزیشن میں تھا کہ وہ ہمارے سٹرٹیجک اہمیت والے علاقوں پر نظر رکھ سکے۔ان پوسٹوں پر روایتی حملہ کرنا مشکل تھا۔ ہماری طرف کی ڈھلانوں اور اپروچوں پر بھارت نے کثرت سے بارودی سرنگیں لگادی تھیں۔

ان حالات میں اوائل جون 1965ء میں غازی اور شاہین کمپنیوں کو ملا کر ایک فورس بنائی گئی، جسے لیفٹیننٹ کرنل آفریدی کی زیرِ کمان سکردو میں بھیجا گیا۔ یہ فورس 12ڈویژن کی براہِ راست کمانڈ میں تھی۔ایک ماہ کے بعد شاہین کمپنی واپس چراٹ چلی گئی۔ باقی صرف غازی کمپنی رہ گئی۔اس کمپنی کو درج ذیل چار ٹیموں میں تقسیم کردیا گیا:

1۔ ٹیم نمبر1 : زیرکمان کیپٹن نصراللہ خان
2۔ ٹیم نمبر2 : زیرکمان کیپٹن محمد یامین کھوکھر
3۔ ٹیم نمبر3 : زیرکمان کیپٹن طارق محمود (TM)

4۔ ٹیم نمبر 4 : زیر کمان کیپٹن طارق رفیع

ٹیم نمبر ون کو دو مشن دیئے گئے ۔اول پاشکیوم پل کو برباد کرنا اور دوسرے شوڈوک سپلائی پوائنٹ پر چھاپہ مارنا۔ یہ دونوں مشن کیپٹن نصراللہ کی زیرِ سرکردگی میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

کارگل سے 6 میل مشرق میں پاشکیوم (Pashkayum) نام کا ایک گاؤں ہے، جو لیہ کارگل روڈ پر واقع ہے۔ یہاں ڈبل پینل فولادی پل تھا جو دریائے واکا چو پر بنا ہوا تھا۔ لیہ میں بھارت کا 3 انڈین ڈویژن مقیم تھا۔ پاکستان چاہتا تھا کہ آپریشن جبرالٹر کے دوران یہ ڈویژن جنوب کی طرف نہ آئے۔ اس لئے لیہ کارگل سری نگر روڈ پر اس پل کو تباہ کر کے اس ڈویژن کی آمد کو روکا جانا مقصود تھا یا کم از کم معرض تاخیر میں ڈالا جا سکتا تھا۔ پل کے آس پاس کوئی آبادی نہ تھی۔ ایک میل کے فاصلے پر ایک کیمپ تھا، جس میں پل سازی کا سامان وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ پل پر پہرہ تھا۔ فوج کے واچ ڈاگ بھی تھے۔ یہ ٹیم اگرچہ 30 افراد پر مشتمل تھی، لیکن کئی وجوہات (بیماری وغیرہ) کی بناء پر صرف 14 آدمی اس چھاپے کے لئے رہ گئے۔ ان کے پاس دو مشین گنیں، ایک 60 ایم ایم مارٹر، ایک راکٹ لانچر، تین ایم ون رائفلیں، ایمونیشن اور ڈائنا میٹ وغیرہ تھا۔ دو دن کا پکا پکایا کھانا، دو دن کا ایمرجنسی راشن اور سات دن کے لئے میٹھی روٹیاں ساتھ تھیں۔

4 اگست 1965ء کو رات کے ساڑھے آٹھ بجے اس ٹیم نے جنگ بندی لائن عبور کی۔ کل فاصلہ 40 میل کا تھا، جو اس مشکل اور پہاڑی علاقے میں ایک بڑا فاصلہ ہے۔ یہ پارٹی 9 اگست کو ٹارگٹ ایریا میں پہنچی۔ دشمن کی دو مشین گنیں پل کے دوسری جانب لگی ہوئی تھیں۔ ٹیم رینگتی ہوئی جب پل کے نزدیک پہنچی تو تین بڑے ٹرک آتے نظر پڑے۔ کیپٹن نصراللہ نے ان کو پل پر سے گزرنے دیا۔ پل کراس کر کے یہ گاڑیاں (شائد چیکنگ وغیرہ کے لئے) کھڑی ہو گئیں۔ نصراللہ نے سوچا ایکشن کا یہی لمحہ ہے۔ اس وقت رات کے گیارہ بجکر 20 منٹ ہو رہے تھے۔ نصراللہ نے اشارہ کیا اور سب ہتھیاروں کے دہانے کھل گئے۔ تینوں ٹرک، خیمے، سنتری، مشین گن پوزیشنیں سب کی سب بھک سے اڑ گئیں۔ پل پر ایکسپلوسوز لگا دیئے گئے تھے، وہ بھی تباہ ہو گیا۔

مجھے یہ واقعہ سناتے ہوئے بریگیڈیئر نصراللہ نے ان ایام کے ایک ایسے لمحے کی داستان بھی سنائی جو دلچسپ بھی تھی اور سبق آموز بھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ''اگر ایس ایس جی کی ٹریننگ میری

مدد نہ کرتی تو میری یہ چھاپہ مار پارٹی شائد صحیح سلامت واپس بیس پر نہ پہنچ پاتی۔ ہوا یہ کہ کامیاب ایکشن کرنے کے بعد سب سے پہلی کارروائی یہ ہوتی ہے کہ پارٹی کو دشمن کی پہنچ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا ہوتا ہے۔ نصر اللہ کا ایک آدمی زخمی ہو گیا تھا۔ اس کو ساتھ لے کر پہاڑوں کے نشیب و فراز میں اترنا چڑھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ واپسی پر ایک کچی سڑک کے کنارے جب یہ پارٹی دم لینے کو رکی تو کھانے پینے کی سب چیزیں ختم ہو چکی تھیں اور بھوک کا شدید غلبہ تھا۔ اتنے میں زوہ کا ایک بچھڑا نظر پڑا (زوہ اس علاقے کی جنگلی بھینس کا نام ہے)۔ ایک جانباز نے فوراً جھپٹ کر اسے زمین پر گرایا اور حلال کر ڈالا۔ کیپٹن نصر اللہ کہتے ہیں: ''میرے صوبیدار صاحب نے اس کا دل نکال کر مجھے دے دیا۔ آگ جلانے اور گوشت پکانے کا وقت نہیں تھا۔ اس کچے دل کو میں نے زور سے نچوڑا تو اس میں سے سارا خون باہر نکل گیا اور نرم نرم گوشت چبانے میں اس لئے بھی آسانی ہوئی کہ وہ گرم تھا۔ باقیوں نے بھی ''حسبِ توفیق'' جو حصہ اچھا لگا، کھا لیا۔ اس طرح کچھ جان میں جان آئی تو راستے زیادہ ''واضح اور روشن'' نظر آنے لگے اور رفتار تیز ہو گئی۔ لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ سب کو نیند کے شدید غلبے نے آدبوچا۔ پتہ نہیں اس کچے گوشت کا اثر تھا یا کچھ اور کہ سارے کے سارے چودہ آدمی نیند سے لڑکھڑانے لگے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ٹیم کو سنبھل کر چلنے پر مجبور کیا۔ لوگ بار بار کہہ رہے تھے کہ نیند آ رہی ہے اور میں بار بار ان کو ایس ایس جی کی ڈرل کے مطابق دشمن کی زد سے زیادہ سے زیادہ دور لے جا رہا تھا۔ جب علی الصبح ہم ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے تو سب سو گئے۔ جب آنکھ کھلی تو سورج سر پر تھا۔ میں نے دوربین لگا کر دیکھا تو میرے سامنے اور دائیں بائیں تقریباً دو تین میل کے فاصلے پر بھارتی جہاز نیچی پرواز کر رہے تھے، واچ ڈاگ بھی تھے اور تلاش پارٹیاں تو جگہ جگہ نظر آ رہی تھیں۔ لیکن اب ہم دشمن سے دس میل دور آ چکے تھے۔ اگر ایس ایس جی کی ٹریننگ آڑے نہ آتی اور ہم نیند سے مغلوب ہو جاتے تو پھر شائد کبھی نہ اٹھ سکتے!''۔

کیپٹن نصر اللہ کی اس ٹیم نے دوسرا چھاپہ ایک سپلائی پوائنٹ پر مارا جو شوڈوک (Shodok) میں تھا۔ یہ جگہ کارگل سے پندرہ میل آگے تھی اور یہاں 20 کے قریب بھارتی فوجی تعینات تھے۔ چار بنکر اور دو عارضی پناہ گاہوں پر بھی چھاپہ مارا گیا۔ اس میں اس ٹیم کے 25 لوگوں نے حصہ لیا۔ یہ مشن بھی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

ٹیم نمبر 2 کیپٹن محمد یامین کھوکھر کے زیر کمانڈ تھی۔ اس میں 18 آدمی تھے، جن میں ایس ایس جی کے 13 جوان، 2 مجاہد، 2 سویلین گائیڈ اور ایک سکاؤٹ شامل تھا۔ اس ٹیم کا کام کارگل اور بٹالک کے مابین سلسلہ مواصلات کو درہم برہم کرنا تھا۔ 3 اگست سے 7 ستمبر تک اس ٹیم نے ایک فولادی پینل والا پل، ایک معلق پل، دو کلورٹ اور دشمن کی ایک پوسٹ برباد کی۔ پھر موسم کی شدت کی بناء پر آدھی ٹیم بیمار ہوگئی، وگرنہ بٹالک میں دشمن کے ہیڈکوارٹر والا چھاپہ بھی کامیاب ہوتا۔

ٹیم نمبر 3 کیپٹن طارق محمود (ٹی ایم) کے زیر کمان تھی۔ اس ٹیم میں ایک جے سی او اور 18 جوان تھے، جبکہ ٹیم نمبر 4 کیپٹن طارق رفیع کی کمانڈ میں تھی۔ ان کے زیرِ کمان بھی اتنے ہی آدمی تھے۔ ان دونوں ٹیموں نے مل کر دراس کنٹونمنٹ پر جو چھاپہ مار کارروائی کی، اس کی کہانی چونکہ زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہے، اس لئے اسے زیادہ تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

دراس (بھارتی کنٹونمنٹ) پر یہ کامیاب چھاپہ ٹی ایم کا پہلا یا آخری ایکشن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے کئی ایکشن کئے جو کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ اس چھاپے کی تفصیلات اور جزئیات اس لئے بھی ایک عام قاری کے لئے معلومات افزاء ہوں گی کہ کمانڈو کارروائیوں کے دوران قدم قدم پر تحیر و طلسم، خوف و ہراس، امید و بیم اور جذباتی نشیب و فراز کے ساتھ ہم آہنگ ہونے والی ظالم حقیقتیں منہ کھولے کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسا پل صراط ہے جس پر سے پھسلنے کا دھڑکا ہر آن لگا رہتا ہے لیکن جب مشن کامیاب ہو جائے تو پھر ساری الجھنیں، اضطراب، نقصانات، اندیشے، مایوسیاں اور تکلیفیں یاد ہی نہیں رہتیں۔ منزل مقصود پا لینے کے بعد جب کوئی گوریلا واپس اپنی بیس پر لوٹتا ہے، تو اس کے چہرے کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔

15 اور 16 اگست 1965ء کی درمیانی شب کیپٹن طارق محمود (جنہیں ٹی ایم کے عرفی نام سے جانا جاتا ہے اور جو ایس ایس جی کے ایک لیجنڈ بن چکے ہیں) اور کیپٹن طارق رفیع نے لائن آف کنٹرول کے پار، جو اس زمانے میں جنگ بندی لائن کہلاتی تھی، اس بھارتی چھاؤنی دراس پر کامیاب چھاپہ مارا۔ طارق محمود اور طارق رفیع کی اس چھاپہ مار کارروائی میں تقریباً 40 افراد نے شرکت کی۔ جس مقام پر چھاپہ مارا گیا، وہاں ایک انجینئر بٹالین، ایک جنرل ٹرانسپورٹ کمپنی اور بریگیڈ ہیڈکوارٹر تھا۔ علاوہ ازیں بریگیڈ ہیڈکوارٹر کے عقب میں ایک پی او ایل

ڈمپ بھی تھا۔ یہ کل ملا کر پانچ بیر کیس تھیں جن کو برباد کر دیا گیا اور پی او ایل ڈمپ کو آگ لگا کر تباہ کر دیا گیا۔ دشمن کے 412 آدمی مارے گئے اور 357 زخمی ہوئے، جبکہ چھاپہ مار پارٹی بخیر و عافیت واپس آ گئی (اس چھاپے کی تفاصیل حاشیہ نمبر 7 میں ملاحظہ کیجئے۔)

آپریشن جبرالٹر پر سب سے پہلے جس شخص نے کتاب لکھی، وہ ایس ایس جی ہی کا ایک آفیسر تھا۔ اس کا نام کیپٹن محمد فاروق تھا جو بعد میں بطور بریگیڈئیر ریٹائر ہوا۔ فوج میں اسے لالہ فاروق کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ بریگیڈئیر گلزار احمد کا بیٹا تھا جو صاحب سیف و قلم تھے، کئی کتابوں کے مصنف تھے اور پاک فوج میں ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز اور ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس کے عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔ اب یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ (خدا ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے)۔

راقم السطور کی دونوں کے ساتھ بہت سی ملاقاتیں تھیں، جن میں کئی یادگار ہیں۔ پاکستان آرمی جرنل کی ادارت کے زمانے میں بریگیڈئیر گلزار سے نیاز مندی کا سلسلہ شروع ہوا جو ان کی وفات تک چلتا رہا۔ ان کی بہت سی انگریزی اور اردو کتب میری لائبریری میں آج بھی محفوظ ہیں، جن پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے میرے بارے میں ایسے ستائشی ریمارکس لکھے ہوئے ہیں، جن کا میں اپنے آپ کو سزاوار نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ ان کی محبتیں تھیں۔ یہ باپ بیٹا قدیم تہذیب کی سنہری روایات کے امین تھے۔ بریگیڈئیر لالہ فاروق جب جنرل ہیڈکوارٹرز میں ڈائریکٹر انفنٹری پوسٹ ہوئے تو ان کا دفتر میرے دفتر سے بالکل نزدیک تھا۔ فون کر کے اکثر بلا لیا کرتے اور آپریشن جبرالٹر کی تفصیلات کرید کرید کر سناتے اور کف افسوس ملتے کہ کاش! یہ آپریشن جلدی میں لانچ نہ کیا جاتا! انہی دنوں میں اپنی ایک کتاب ''انفنٹری........ ملکۂ جنگ'' کا مسودہ لے کر ان کے پاس گیا اور کہا کہ اس کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیں اور مجھے مشورہ دیں کہ اس مسودے میں کمزوریاں، خامیاں اور قلتیں کہاں کہاں ہیں۔ پڑھنے کے بعد لالہ فاروق نے کہا: ''جیلانی صاحب! میں سمجھتا تھا کہ والد صاحب کے بعد عسکری امور پر اردو زبان میں شائد ہی کوئی دوسرا لکھنے والا اٹھے۔ لیکن یہ مسودہ دیکھ کر مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا ہے''۔

بریگیڈیر لالہ فاروق نے 1990ء میں "آپریشن جبرالٹر" کے عنوان سے جو کتاب لکھی وہ اردو میں ہے۔ اس کا پہلا حصہ جو 166 صفحات پر مشتمل ہے، وہ ان کی دوران آپریشن آپ بیتی ہے۔ لیکن اس کے بعد 100 صفحات کے جو ضمیمے دیئے گئے ہیں، وہ تاریخی دستاویز

کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصنف نے انتہائی غیر جانبداری سے کام لے کر تمام واقعات بے کم وکاست بیان کر دیئے ہیں۔ کسی لگی لپٹی سے کام نہیں لیا۔ 12 ڈویژن کے جی او سی لیفٹیننٹ جنرل اختر ملک نے اس آپریشن (جبرالٹر) کی ذمہ داری بریگیڈ ئیر اسحاق کو دی تھی۔ ان کا تفصیلی تجزیہ بھی اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے جو بہت چشم کشا ہے۔ اس کے علاوہ میجر جنرل محمد اسلم ایم سی جو کرنل مٹھا کے بعد ایس ایس جی کے کمانڈنگ آفیسر مقرر ہوئے، اس آپریشن پران کی تنقید اور تجزیہ بہت کاٹ دار ہے۔ میجر صلاح الدین جو اس فورس کے کمانڈر تھے، جن کو سری نگر پر قبضہ کرنے کا فریضہ سونپا گیا تھا اور لالہ فاروق جن کی ایک کمپنی کے کمانڈر تھے، ان کا تبصرہ بھی انتہائی فکر انگیز اور معلوماتی ہے۔

آپریشن جبرالٹر پر بالواسطہ تبصرہ میجر جنرل شوکت رضا نے بھی اپنی کتاب "دی پاکستان آرمی 1965ء وار " کے پانچویں باب میں کیا ہے۔ اس باب کے صفحہ نمبر 105 اور 106 پر ان کی یہ تحریر ایس ایس جی کے بارے ہی میں ہے ہر چند کہ انہوں نے اس کا نام نہیں لیا۔ لیکن بقول احمد فراز:

میں تیرا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

اس باب میں وہ رقمطراز ہیں: "زمانہ امن میں نقشہ پر ایکسر سائز یں کرتے ہوئے مجاہدین، پولیس اور سول مسلح فورسز (سکاؤٹس) کو ریگولر ٹروپس کے برابر دکھایا جاتا تھا، جو درست نہ تھا اور جنگ بندی لائن کے ساتھ ساتھ ہم نے جس انداز کی صف بندی کر رکھی تھی، وہ ریگولر اور نان ریگولر عناصر کا ایک ایسا غیر صحت مندانہ امتزاج تھا جو پلاٹون اور سیکشن لیول تک چلا گیا تھا۔ جب اصل آپریشنز شروع ہوتے ہیں تو اس قسم کی کھچڑی (امتزاج) غیر معیاری ٹروپس کی کارکردگی شاذ ہی اوپر لے جاسکتی ہے۔ دشمن کے فائر کے دوران ان عناصر میں فرار ہو جانے کا رجحان، جم کر لڑنے اور خطرے کا سامنا کرنے کے رجحان سے زیادہ ہوتا ہے"..........

آپریشن جبرالٹر پر جنرل محمد موسیٰ نے اپنی کتاب (My Version) اور جنرل گل حسن نے (The Memoirs) میں بھی اشارۃً تبصرے کئے ہیں اور اپنی پوزیشن واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں، بھارت کے جنرل آفیسر

کمانڈنگ انچیف ویسٹرن کمانڈ، لیفٹیننٹ جنرل ہربخش سنگھ نے اپنی کتاب "War Despatches" (جو 1991ء میں نئی دہلی سے شائع ہوئی) کے صفحات 74 تا 79 میں پاکستان کی طرف سے ان نفوذی کارروائیوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ یہ تفصیلات زیادہ تر ان لوگوں سے حاصل کی گئیں جو آپریشن جبرالٹر کے دوران جنگی قیدی بنا لئے گئے تھے۔

ان کے علاوہ غیر ملکی تاریخ نویسوں نے بھی اس آپریشن پر نقد و نظر کیا ہے۔ ان سب میں کرنل برائن کلاؤلی (Brian Cloughley) نے اپنی کتاب "دی سٹوری آف دی پاکستان آرمی" (صفحہ 68 تا 71) میں اس آپریشن پر جو کچھ لکھا ہے، وہ زیادہ حقیقت پسندانہ ہے۔ تاہم کلاؤلی کی اس کتاب پر مرحوم جنرل مٹھا نے جگہ جگہ جو حواشی تحریر کئے، وہ بہت فکر انگیز ہیں بلکہ کئی جگہوں پر انہوں نے مصنف سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مسز اندو مٹھا نے ایک ملاقات کے دوران مجھے جب یہ حواشی دکھائے تو کہا: "مرحوم کی اپنی کتاب کا انتظار کیجئے۔ وہ جب چھپ کر سامنے آئے گی تو ان کا نقد و نظر بھی آپ کو پڑھنے کو ضرور ملے گا ہر چند کہ وہ اس جنگ میں ایس ایس جی میں نہیں تھے۔" (ان کی یہ کتاب چھپ کر آ چکی ہے۔ اس کا عنوان غیر روائتی شروعات (Unlikely Beginnings) ہے اور اسے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے۔ نہایت فکر انگیز، پُر از معلومات اور دلچسپ کتاب ہے)۔

آپریشن جبرالٹر میں پاکستان کو اپنے اہداف حاصل کرنے میں مکمل کامیابی کیوں نہ ہوئی اس کی وجوہات چند در چند ہیں مثلاً (1) اس کی پلاننگ جلدی میں کی گئی (2) مجاہدوں اور رضا کاروں کے انتخاب میں زمینی حقائق کو نظر انداز کر کے جذباتیت کا سہارا لیا گیا (3) ٹریننگ کا وقت اور سہولتیں دونوں کم تھیں (4) دشمن کے علاقے کی انٹیلی جنس میسر نہ تھی (5) مقبوضہ کشمیر کی مسلم آبادی ہنوز جہاد کے لئے تیار نہ تھی (6) ایسے مخبروں اور گائیڈوں پر تکیہ کیا گیا جو ڈبل کراس تھے۔ (7) لاجسٹک معاملات پر وہ توجہ نہ دی گئی جو اس قسم کے آپریشنوں کی لائف لائن ہوتی ہے اور (8) دشمن کے ردعمل کا درست ادراک نہ کیا گیا۔

لیکن ان مشکلات کے باوجود اس فورس نے جو کامیابیاں حاصل کیں، وہ حوصلہ افزاء تھیں۔ سٹریٹجک اور ہائر لیول پر پلاننگ میں کوتاہیاں ضرور ہوئی ہوں گی لیکن ٹیکٹیکل لیول پر جونیئر آفیسرز نے جان کی بازی لگا دی۔ ایس ایس جی کے افسروں اور عہدیداروں

نے خاص طور پر دشمن کی ان فورسز کو کہ جو مقبوضہ کشمیر میں موجود تھیں، ہلا کر رکھ دیا۔ پیشہ ورانہ اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے کہ انہیں متزلزل (Un-hinge) کر دیا۔ ایک طبقے کی رائے یہ بھی ہے کہ آپریشن گرینڈ سلام، آپریشن جبرالٹر کی کوکھ سے پھوٹا۔ اگر یہ آپریشن (گرینڈ سلام) لانچ نہ کیا جاتا تو مظفر آباد تک کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اسی طبقے کی رائے یہ بھی ہے کہ جب اکھنور کا کلیدی اور حساس قصبہ، صرف چار میل دور رہ گیا تھا تو بھارت کو واہگہ پر کھلا حملہ کرنا پڑا تھا۔ یہ بھارت کی طرف سے گویا ایک طرح کا اعتراف تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں اس کی عسکری صورت حال ڈانواں ڈول ہے۔

ایس ایس جی اور نان ایس ایس جی عناصر نے ٹیکٹیکل لیول پر اس آپریشن میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، ان پر بریگیڈیئر اسحق کہ جو اس آپریشن کے فورس کمانڈر تھے، ان کا درج ذیل تبصرہ بہت صادق آتا ہے۔ انہوں نے لکھا: "آخر میں یہ کہوں گا کہ اس آپریشن سے کچھ حاصل ہوا یا نہیں؟ اس سوال کو نظر انداز کر کے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس آپریشن نے وہ یادگار لمحات مہیا کئے کہ جب اس سرزمین کے رکھوالوں کو پاکستان کے نام پر پکارا گیا تو انہوں نے کوئی سوال پوچھے بغیر لبیک کہتے ہوئے جان کی بازی لگا دی"۔

اس موضوع پر راقم السطور نے بہت سے سابق ایس ایس جی آفیسرز سے بات کی تو ان کا نقطۂ نگاہ بھی یہی تھا کہ ملک کی اعلیٰ ترین سیاسی اور عسکری قیادت پر حرف گیری تو کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے کشمیری مسلمانوں کے اس جذبۂ حریت کی بیداری کا صحیح اور بروقت اندازہ نہ لگایا جو 35 برس بعد 1989ء میں جا کر پیدا ہوئی اور بھارت کے گلے کا ہار بنی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ 1965ء کے وسط میں کشمیری درخت کا پھل ہنوز کچا تھا، اس کو پکنے کا موقع دینا چاہئے تھا۔ 1970-71 میں بھارت نے مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہمارے ساتھ کیا، وہ ہم پانچ چھ برس پہلے اس کے ساتھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ تب مقبوضہ کشمیر میں کوئی مجیب الرحمن نہ تھا اور نہ ہی انڈین آرمی میں کوئی ایسے مسلم ٹروپس تھے جو وہ کردار ادا کر سکتے جو مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں مکتی باہنی نے ادا کیا!

نواں باب

جنگِ ستمبر 1965ء
(بھارتی ائرفیلڈز پر ڈراپ)

پس منظر

6 ستمبر 1965ء کو بھارت نے پاکستان کی بین الاقوامی سرحد عبور کر کے حملہ کر دیا۔ حملے اور جوابی حملے کے پلان ساری دنیا کی افواج پہلے سے تیار رکھتی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے پاکستان ائیرفورس نے جنرل ہیڈکوارٹرز سے درخواست کی تھی کہ چونکہ پاک فضائیہ، انڈین ائرفورس سے تعداد میں کم ہے، اس لئے اگر بھارت پاکستان پر حملہ کرے تو اس صورت میں ایس ایس جی کو استعمال کر کے بھارتی ائرفیلڈ پر چھاپے مارے جائیں۔ مغربی پاکستان کی مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ بھارت کی بہت سی ائرفیلڈز تھیں۔ تاہم مئی 1965ء میں ائرہیڈکوارٹر نے کہا کہ صرف پانچ بھارتی ائرفیلڈز پر چھاپوں کی ضرورت ہے۔ ان کے نام آدم پور، ہلواڑہ، پٹھان کوٹ، انبالہ اور چندی گڑھ تھے۔ بعد میں ائرفورس والوں نے چندی گڑھ کو ڈراپ کر دیا اور پھر 6 ستمبر کو چھاپے سے صرف ایک دن پہلے انبالہ کو بھی ڈراپ کر دیا گیا۔ اب صرف تین ائرفیلڈز یعنی آدم پور، ہلواڑہ اور پٹھانکوٹ باقی رہ گئیں۔ جون 1965ء میں کمانڈر ایس ایس جی کرنل مہدی نے ائرمارشل نور خان (کمانڈر انچیف پاک فضائیہ) کو اس مجوزہ چھاپے کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی۔

پلان

پلان یہ تھا کہ تقریباً 60،60 افراد پر مشتمل تین ٹیمیں بنائی جائیں گی۔ ہر ٹیم کو ایک ائر فیلڈ پر بذریعہ سی۔130 ڈراپ کیا جائے گا۔ یہ ٹیم ائر فیلڈ اور اس کی تنصیبات پر ریڈ کرے گی، بعد میں یہی سی۔130 اس ٹیم کو اسی ائر فیلڈ پر لینڈ کر کے واپس پاکستان لے آئے گا، اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو ٹیم زمینی راستے سے چھپ چھپا کر خود ہی واپس پاکستان پہنچ جانے کا بندوبست کرے گی۔
ہر ٹیم کے پاس ایک ایک وائرلیس سیٹ ہوگا، جس سے وہ چراٹ کے ساتھ رابطہ رکھے گی۔ ایک اور سیٹ سی۔130 سے رابطہ کیلئے بھی ہوگا۔ ہر پیرا ٹروپر کے پاس دو روز کا راشن ہوگا۔ ہر ایک کو بھارتی کرنسی میں -/400 روپے دیئے جائیں گے تاکہ زمینی راستے سے واپسی کی صورت میں کام چلایا جا سکے۔ اس پیرا ڈراپ آپریشن کے لئے ابراہیم اور کمال کمپنیوں کو منتخب کیا گیا۔ اگست 1965ء میں بہت سے لوگ دو ماہ کی چھٹی پر بھیج دیئے گئے۔
جب وزیر اعظم شاستری نے دھمکی دی کہ ہم اپنی مرضی کا محاذ منتخب کریں گے تو یکم ستمبر کو ان کو ہنگامی بنیادوں پر واپس بلایا گیا۔ 6 ستمبر تک صرف 60% لوگ ہی واپس آئے، باقی 40% کی کمی ایوب کمپنی اور حمزہ کمپنی کی رئر پارٹیوں سے پوری کی گئی۔
پہلی ٹیم نے پٹھانکوٹ پر ڈراپ ہونا تھا۔ اس میں کل 64 آدمی تھے، جن میں تین آفیسرز تھے۔ ان کے نام (1) میجر خالد گلریز بٹ (2) کیپٹن بنیاد حسین سید اور (3) کیپٹن محمد آزاد تھے۔ دوسری ٹیم آدم پور ائر فیلڈ پر گرائی جانی تھی اس میں 55 افراد تھے۔ افسروں کے نام کیپٹن ایس اے درانی، کیپٹن غلام احمد کبیر اور کیپٹن محمد اشرف تھے۔ تیسری ٹیم جو ہلواڑہ پر ڈراپ ہونی تھی، اس میں 63 آدمی تھے، جن میں تین آفیسرز کے نام بالترتیب کیپٹن حسن افتخار، کیپٹن غلام احمد اور کیپٹن سید حضور حسنین تھے۔
6 ستمبر کی صبح جنرل ہیڈ کوارٹرز سے وارننگ آرڈرز موصول ہوئے کہ کمپنیاں تیار رہیں۔ 40 فی صد نفری ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ان کی کمی گروپ ہیڈ کوارٹر، یونٹ ہیڈ کوارٹر اور دوسری کمپنیوں کی رئیر پارٹیوں سے پوری کی گئی۔ بعض لوگ ایس ایس جی میں نو وارد تھے اور انہوں نے گزشتہ ایک سال سے کوئی پیرا ٹریننگ نہیں کی تھی۔ ایک مشن لیڈر نے تو اپنا فائنل جمپ (پانچواں جمپ) بھی اصل آپریشن کے دوران کیا۔ چار سٹاف افسروں نے، جن میں ایک

میڈیکل کیٹیگری "بی" تھا، والینٹئر کیا کہ وہ بھی اس مشن پر جانا چاہتے ہیں۔ان کو بھی شامل کرلیا گیا۔ اس طرح جو ٹیمیں بنیں ان کے افراد نے کبھی آپس میں مل جل کر اکٹھے ٹریننگ نہیں کی تھی، ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں تھے اور ان پر جو آفیسر مقرر کئے گئے، ان کو بھی پہچانتے نہ تھے۔ جب یہ دونوں کمپنیاں چراٹ سے پشاور جارہی تھیں تو بعض ضروری اشیاء یا تو وہیں بھول گئیں یا دستیاب ہی نہ تھیں۔ ان میں وائر کٹر اور ڈیٹونیٹر کے سوئچ جیسی اہم آئٹمز بھی شامل تھیں۔ ہر ٹیم کو نقشوں کے صرف دو دو سیٹ مہیا کئے گئے۔ ان میں سے بعض نقشے 1909ء اور بعض 1912ء میں چھاپے گئے تھے، اس لئے از کار رفتہ تھے۔ اس کے بعد علاقے کے نقوش زمینی میں گزشتہ نصف صدی کے دوران بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں، جو ان نقشوں پر موجود نہ تھیں۔ اس لئے ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ پھر یہ نقشے ایک انچ برابر 4 میل سکیل کے تھے۔ ان میں پاک بھارت سرحد تک نہیں دکھائی گئی تھی۔ جو ائر فوٹو مختلف ائرفیلڈز کے ٹیموں کو دکھائے گئے تھے، وہ بھی سات برس پہلے 1958ء میں کسی وقت لئے گئے تھے۔ پیرا ٹریننگ سکول پشاور میں روشنی کا بندوبست نہ تھا۔ بلیک آؤٹ کے دوران پیرا ڈراپ کی تیاریوں میں جو مشکلات پیش آسکتی ہیں، ان کا اندازہ لگانا بھی کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ ہر طیارے کے لئے دو جمپ ماسٹر اور ایک سیفٹی این سی او ہوتا ہے۔لیکن یہ عملہ بھی پورا نہیں تھا۔

چراٹ سے طیارے تک

6 ستمبر 1965ء کو صبح آٹھ بجے جی ایس او ٹو (کوآرڈینیشن) نے جی ایچ کیو سے ایس ایس جی ہیڈ کوارٹر چراٹ میں قائمقام گروپ کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین کو ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ انڈین آرمی نے واہگہ بارڈر کراس کر کے پاکستان پر حملہ کردیا ہے، اس لئے ابراہیم اور کمال کمپنیوں کو مختصر نوٹس پر پیرا مشن کے لئے تیار رکھا جائے۔ ساڑھے نو بجے کمپنیوں کو احکامات دے دیئے گئے اور تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ساڑھے دس بجے صبح جی ایچ کیو سے پھر فون آیا کہ دونوں کمپنیوں کو فوراً پشاور موو کیا جائے، جہاں پاک فضائیہ کے ایک آفیسر، گروپ کیپٹن ایم اے ڈوگر ان کو تفصیلی احکامات دیں گے۔ ساتھ ہی پیرا سکول کے آفیسر کمانڈنگ کو حکم دیا گیا کہ پیرا ڈراپ سے متعلق ساز و سامان وغیرہ تیار رکھیں۔

دوپہر کے بارہ بجے گروپ کیپٹن ایم اے ڈوگر نے بتایا کہ 6 اور 7 ستمبر کی رات

پٹھانکوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ پر فضائی چھاپہ مارا جائے گا۔ قائمقام گروپ کمانڈر نے کہا کہ تیاری کے لئے وقت بہت کم دیا گیا ہے، بہت سی چیزیں پلان کرنا ہوتی ہیں، اس لئے جلدی نہ کی جائے اور ممکن ہو تو اس مشن کو ایک روز کیلئے ملتوی کر دیا جائے۔ لیکن پاک فضائیہ کے نمائندے نے یہ تجویز رد کرتے ہوئے کہا کہ "ابھی یا کبھی نہیں (Now or Never)۔

دونوں کمپنیوں کو بتایا گیا کہ C-130 کے پائلٹ سہ پہر 4 بجے مشن لیڈروں کو بریفنگ دیں گے اور کوآرڈی نیشن کی تفصیلات وغیرہ بتائیں گے۔ چنانچہ دوپہر کے ایک بجے ابراہیم اور کمال کمپنیاں چراٹ سے روانہ ہوئیں اور سہ پہر کے چار بجے پشاور پہنچ گئیں۔ پونے پانچ بجے شام گروپ کمانڈر نے بریفنگ دی۔ انہوں نے دشمن کے زیادہ سے زیادہ طیارے، راڈار اور کنٹرول ٹاور برباد کرنے اور نیز ان مقامات کو اڑانے کے احکامات دیئے، جن میں بم ذخیرہ کئے جاتے ہیں۔ ٹارگٹ پر پہنچنے کا وقت گیارہ بجے شب مقرر کیا گیا۔ ہر ٹیم کے لئے ایک ایک C-130 الاٹ کیا گیا۔ ٹارگٹ پر ڈراپ کرنے اور پھر وہاں سے نکلنے کے بارے میں جو ہدایات دی گئیں، وہ بہت مبہم قسم کی تھیں۔ کہا گیا کہ چھاپے کے بعد ایک سگنل کے ذریعے طیاروں کو مطلع کیا جائے گا جو "برباد شدہ" ایئر فیلڈ پر کسی محفوظ ٹارمک پر لینڈ کریں گے اور ٹیم کو واپس پاکستان لے آئیں گے۔ تاہم کسی مشن لیڈر نے آج تک پاک فضائیہ کے ساتھ ربط وارتباط (کوآرڈی نیشن) کی کوئی ریہرسل نہیں کی تھی۔ جن اہداف پر ڈراپ کرنا تھا، ان کا انکشاف اصل آپریشن کے آغاز سے چند گھنٹے قبل کیا گیا۔ ان حالات کی بناء پر مشن کی کامیابی، آغاز ہی میں مشکوک نظر آنے لگی۔

پانچ بجے شام یہ طے پایا کہ اصل ڈراپ، ٹارگٹ سے تین چار میل ہٹ کر کیا جائے گا۔ خطرہ تھا کہ کہیں دشمن کی طیارہ شکن توپیں سارا کام ہی نہ بگاڑ دیں۔ ٹارگٹ پر پہنچنے کا ٹائم گیارہ بجے سے بڑھا کر 12 بجے شب کر دیا گیا۔ ہر ٹیم ممبر کو چار چار سو روپے (انڈین کرنسی میں) بھی دے دیئے گئے۔

ساڑھے گیارہ بجے شب اطلاع ملی کہ پاک فضائیہ نے 6 ستمبر کی شام پانچ بجے پٹھانکوٹ ائر فیلڈ پر فضائی حملہ کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہوائی اڈے کا طیارہ شکن نظام الرٹ ہو گیا ہے۔ اس پر گروپ کمانڈر کرنل متین نے تجویز پیش کی کہ کم از کم اس ائر فیلڈ کا ڈراپ

ہی منسوخ کر دیا جائے، لیکن ایسا کرنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔

اب 7 ستمبر کی صبح ہو رہی تھی۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے (0030) تھے۔ تینوں ٹیمیں اپنے اپنے جہازوں میں سوار ہو گئیں۔ رات کے پونے ایک بجے (0045) طیاروں نے پشاور سے ٹیک آف کیا اور ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں اپنے اپنے ٹارگٹ پر پہنچ گئے۔ رات کے سوا دو اور اڑھائی بجے کے درمیان تینوں ٹیموں کو ان کے مقرر کردہ ڈراپ زونوں پر ڈراپ کر دیا گیا۔

7 ستمبر کو علی الصبح چار بجے گروپ کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین کو پاک فضائیہ نے اطلاع دی کہ تینوں ٹیموں کو اہداف پر ڈراپ کر دیا گیا ہے اور طیارے بحفاظت واپس آ گئے ہیں۔ تمام مشن لیڈروں نے بذریعہ ہوائی جہاز اپنی واپسی کے منصوبے کو منسوخ کر دیا ہے کہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ ٹیمیں اب "اگر خدا نے چاہا" تو خود زمینی راستوں سے پاک سرزمین میں واپس پہنچ جائیں گی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

اب ایک ایک ٹیم کا مختصر احوال پیش خدمت ہے۔

پٹھانکوٹ ٹیم

یہ ٹیم 64 آدمیوں پر مشتمل تھی۔ سی۔130 کے ہر دروازے سے 32,32 آدمی ڈراپ کئے جانے تھے۔ مشن لیڈر میجر خالد گلریز بٹ نے جو ڈراپ زون منتخب کیا، وہ پٹھانکوٹ ائرفیلڈ سے 3 میل جنوب میں اور نہر اپر باری دوآب سے 4 میل مشرق میں واقع تھا۔ ٹیم کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ نمبر 1 گروپ نے جس کی قیادت میجر خالد گلریز بٹ کر رہے تھے، ائرفیلڈ کے دفاعی انتظامات میں ایک شگاف (Gap) بنانا تھا اور کنٹرول و کمیونی کیشن سسٹم کو برباد کرنا تھا، نیز مشن کی تکمیل کے بعد واپسی کیلئے کوآرڈینیشن کرنی تھی۔ نمبر 2 گروپ نے کیپٹن بنیاد حسین کی کمانڈ میں طیاروں کا ایک اور گروپ تباہ کرنا تھا۔ تیسرا گروپ کیپٹن آزاد کی کمانڈ میں تھا۔

یہ ڈراپ 7 ستمبر کی رات دو بجکر 35 منٹ (0235) پر کیا گیا۔ جس جگہ یہ لوگ گرائے گئے، وہ ائرفیلڈ سے پانچ میل دور تھی۔ لینڈ کرتے ہی ایک نہر نظر آئی۔ خیال تھا کہ یہ اپر باری دوآب کینال ہوگی، لیکن یہ ایک نئی نہر تھی اور نقشے پر کہیں بھی اس کا وجود نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک سڑک اور پھر ایک اور نہر تھی۔ ہر طرف اونچے اونچے کھیت اور دلدلی زمین تھی جو بعض جگہ چار چار فٹ گہری تھی۔ تاہم میجر بٹ نے 25 آدمی اکٹھے کر لئے اور ائرفیلڈ کی طرف بڑھے

لیکن محسوس کیا کہ انڈین آرمی کے بعض عناصر ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔ دو بڑی بڑی نہریں ایک دوسرے سے 500 گز کے فاصلے پر بہہ رہی تھیں۔ ایک پل تلاش کیا گیا اور ایک نہر کو عبور کر کے دوسری کی طرف بڑھے تو دشمن کے ٹروپس نے حملہ کر دیا۔ کمپنی حوالدار میجر عباس علی نے اپنے دو اور ساتھیوں کی مدد سے تعاقب کرنے والوں کو انگیج کیا تا کہ باقی پارٹی ٹارگٹ کی طرف ایڈوانس کر سکے۔ اس کے نتیجے میں حوالدار عباس علی اور لانس نائیک مظفر خان شہید ہو گئے اور سپاہی شاہ نواز شدید زخمی ہو گیا۔ تاہم یہ پارٹی اب دوسری نہر کراس کر چکی تھی۔ دن نکل آیا تھا اور ارد گرد کے سارے کھیت کسانوں سے بھر گئے تھے۔ ٹارگٹ ابھی ایک ہزار گز دور تھا۔

دشمن بھی فائر کرتا ہوا اب نزدیک پہنچ گیا تھا۔ میجر بٹ نے فیصلہ کیا کہ نزدیکی پہاڑیوں میں جا کر چھپ رہیں اور اگلی رات چھاپہ ماریں۔ کیپٹن بنیاد حسین بھی اسی پارٹی میں تھے۔ تاہم جب یہ لوگ کانگڑہ کی پہاڑیوں کی طرف جا رہے تھے تو دریائے چکی کے نزدیک فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ گھیرے میں آئے ہوئے اس گروپ کا ایمونیشن ختم ہو گیا تو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ میجر خالد گلریز بٹ کا گروپ بھی پٹھانکوٹ۔ جالندھر روڈ پر محصور ہو گیا اور دو گھنٹے کی لڑائی کے بعد پکڑا گیا۔ تیسرا گروپ جو کیپٹن آزاد کی کمانڈ میں تھا، وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا، لیکن چار روز کے بعد دریائے راوی عبور کرتے ہوئے وہ بھی گرفتار ہو گیا۔ بایں ہمہ نائب صوبیدار محمد اعظم کے ساتھ 15 آدمیوں کی پارٹی بچ نکلنے اور پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

آدم پور ٹیم

اس ٹیم میں 55 آدمی تھے جو دو سٹکوں (Sticks) میں بالترتیب 27 اور 28 آدمیوں پر مشتمل تھیں (پیراٹروپر کا وہ گروہ جسے بیک وقت کسی ڈراپ زون پر گرایا جاتا ہے، اصطلاح میں سٹک کہلاتا ہے) ہوائی جہاز نے ڈراپ زون پر سے صرف ایک ہی بار گزرنا تھا اور ایک ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے جنوب سے شمال کی سمت ان لوگوں کو ڈراپ کرنا تھا۔ ہر سٹک میں سب سے آگے ایک آفیسر اور سب سے پیچھے ایک جے سی او مقرر تھا۔ پہلے آدمی نے جس جگہ لینڈ کرنا تھا، اس سے 2000 گز کے فاصلے پر ملن گاہ مقرر کی گئی تھی۔

رات کے اڑھائی بجے (0230) پلان کے مطابق ڈراپ شروع ہوا، تاہم زمینی نقوش وہ نہیں تھے، جو نقشے پر تھے۔ فصلیں اونچی اونچی تھیں اور پکے مکانات کثرت سے تعمیر ہو چکے

تھے۔ چنانچہ ملن گاہ پر اکٹھے ہونے میں دیر بھی ہوئی اور دشواری بھی۔ لیکن علی الصبح سوا چار بجے (0415) تک کیپٹن ایس اے درانی نے 55 آدمیوں میں سے 49 آدمی جمع کر لئے۔ ائر فیلڈ ابھی دو میل دور تھی۔ جب یہ ٹیم اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھی تو یہ ٹارگٹ بیدار ہو گیا۔ روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی طیاروں کے انجن سٹارٹ ہونے لگے اور تقریباً ساڑھے پانچ بجے (0530) انہوں نے ائر فیلڈ سے ٹیک آف کرنا شروع کر دیا۔ ایسے میں ان کو کس طرح برباد کیا جا سکتا تھا؟..........کاش یہ ڈراپ دو گھنٹے پہلے ہو گیا ہوتا!

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

ٹیم لیڈر نے فیصلہ کیا کہ اب منتشر ہو کر کہیں چھپ جانا بہتر ہے اور پھر شام پڑنے پر چھاپے کی کارروائی شروع کی جا سکتی ہے۔ تاہم جب یہ لوگ پناہ گاہوں کی تلاش میں نکلے تو دشمن کی ''ڈھونڈنے والی پارٹیاں'' بھی تاک میں تھیں۔ ساڑھے آٹھ بجے (0830) ان سے آمنا سامنا ہو گیا۔ ٹیم نے شام ساڑھے چھ بجے (1830) جس مقام پر جمع ہونے کا پلان بنایا تھا، دشمن کے ریگولر ٹروپس نے ان کو وہاں گھیرے میں لے لیا۔ شدید لڑائی ہوئی لیکن اس کا انجام نوشتہ دیوار تھا۔ بہت سے لوگ مارے گئے، کئی زخمی ہوئے، بہت سے قیدی بنا لئے گئے تاہم کئی ادھر ادھر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے، ان کی تعداد اتنی نہ تھی کہ رات کو ائر فیلڈ پر ریڈ کر سکیں۔ دشمن الرٹ ہو چکا تھا اور تمام حفاظتی اقدامات جو اس قسم کی صورت حال میں ضروری ہوتے ہیں، کر لئے گئے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے پاکستانی سرحد کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ صرف ایک آدمی واپس پاکستان پہنچ سکا۔ باقی سب کے سب گرفتار ہو گئے یا مارے گئے۔ کیپٹن درانی، کیپٹن اشرف اور کیپٹن غلام احمد، 11 ستمبر کو دریائے ستلج پر ہریکے کی طرف سے پاکستان میں داخل ہوتے وقت پکڑے گئے۔ ان کا گولہ بارود تمام ہو چکا تھا اور کھانے کے لئے سوائے کھیتوں میں اگی مکئی کے پودوں کے اور کچھ نہ تھا۔

ہلواڑہ ٹیم

اس ٹیم میں 63 آدمی تھے۔ انہیں ایک ہی سٹک میں ٹارگٹ سے تین میل دور ڈراپ کیا گیا۔ پیرا ٹروپرز کو اکٹھا کرنے کیلئے ایک آدمی کو ٹارچ دی گئی اور اسے سٹک کے وسط میں رکھ کر

ڈراپ کیا گیا لیکن جس جگہ وہ گرا وہاں مکانات اور اونچے اونچے کھیت تھے۔ لہٰذا ٹارچ سگنل کسی کو بھی نظر نہ آیا۔ اب دن نکل آیا تھا۔ دشمن کی پولیس، آرمرڈ کاریں، ریگولر فوجی دستے اور چھوٹے طیارے اس ٹیم کی تلاش میں سرگرم ہو چکے تھے۔ تاہم ٹیم کے چھوٹے چھوٹے گروپوں نے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایس ایس جی کی تربیتی سپرٹ کو گویا مجسم کر دیا۔ ایک گروپ نے ایک نہر کا پل اڑا دیا۔ دوسرے نے ایک پولیس پارٹی پر گھات لگائی اور تیسرے نے دشمن کے فوجی دستوں پر حملے کر کے انہیں نقصان پہنچایا۔ لیکن آخر میں سب پکڑے گئے۔ صرف ایک گروپ جس کی قیادت کیپٹن حسنین کر رہے تھے، بچ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ (اس داستان کی تفصیلات حاشیہ نمبر 8 میں ملاحظہ کیجئے۔)

جانی نقصانات

اس مشن کے جانی نقصانات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام ائرفیلڈ	کل آدمی	مارے گئے	زخمی ہوئے	گم ہوئے	پکڑے گئے	واپس آئے
پٹھان کوٹ	64	3	6	1	39	15
آدم پور	55	1	3	11	39	1
ہلواڑہ	63	1	4	3	49	6
میزان	182	5	13	15	127	22

متفرقات

اس ڈراپ کے دوران سگنل سنٹر چراٹ نے 40 دنوں تک مسلسل اپنے وائرلیس سیٹ آن رکھے۔ لیکن ڈراپ کے بعد کسی بھی ٹیم سے کوئی مواصلاتی رابطہ نہ ہو سکا۔ بعد میں جب یہ لوگ دشمن کی قید سے رہا ہو کر واپس آئے تو معلوم ہوا کہ پٹھانکوٹ ٹیم کے ساتھ جو آپریٹر تھا، وہ وائرلیس سیٹ سمیت ایک نہر میں ڈراپ ہوا اور ڈوب گیا۔ تاہم خفیہ سگنل دستاویزات جو حوالدار علم دین کے پاس تھیں، وہ تباہ کر دی گئیں تاکہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ آدم پور ٹیم کا وائرلیس سیٹ اور سگنل دستاویزات بھی کیپٹن درانی کے حکم پر تباہ کر دی گئیں۔ اسی طرح ہلواڑہ ٹیم کا وائرلیس سیٹ اور دستاویزات کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ ان لوگوں سے جو مزید معلومات

حاصل ہوئیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ گرفتار ہونے والوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان سے سخت باز پرس اور پوچھ گچھ کی گئی اور ان کے ساتھ فوجداری مقدمات میں ملوث مجرموں جیسا سلوک کیا گیا۔

2۔ جو معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی، ان میں خاص کر یہ باتیں شامل تھیں:۔

الف۔ ایس ایس جی کے پاس کس قسم کا ساز و سامان ہے؟

ب۔ اتنے دنوں تک بغیر کھائے پیئے زندہ کس طرح رہے؟

ج۔ پاکستان کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال کیا ہے؟

د۔ کیا بھارت کے کسی سکھ نے ایس ایس جی والوں کی مدد کی؟

3۔ پاکستانی ٹروپس کو بتایا گیا کہ لاہور اور سیالکوٹ پر بھارت کا قبضہ ہو چکا ہے، پاک فوج کے آفیسرز جنگی پلاننگ کے امور میں بری طرح ناکام رہے ہیں اور ہندو مسلم دشمنی صرف پاکستانی سیاستدانوں اور فوجی کمانڈروں کے ذہن کی پیداوار ہے۔

تبصرے

اس پیرا مشن پر پاکستانی، بھارتی اور غیر ملکی مصنفوں نے اپنے اپنے انداز میں تبصرے اور تجزیئے کئے۔ یہاں چند لکھاریوں کے جائزے پیش کئے جا رہے ہیں۔ میجر جنرل شوکت رضا نے اپنی انگریزی کتاب (پاکستان آرمی۔وار 1965ء) میں لکھا: "جب کوئی مشینری زیادہ پیچیدہ اور نفیس ہو تو اس کا ڈیزائن، مینوفیکچر اور آپریشن بھی اسی تناسب سے پیچ دار اور مشکل ہوتا ہے۔ کسی خلائی سیارے کو کوئی چرواہا تو آپریٹ نہیں کر سکتا! اور یہ بات ملٹری آرگنائزیشن پر تو اور بھی زیادہ صادق آتی ہے۔"

"سپیشل سروس گروپ کسی بھی جدید فوج میں ایک نہایت پیچیدہ اور سپیشل قسم کی یونٹ ہوتی ہے۔ ان کے تمام مشن کی کامیابی کا سارا دارومدار "ٹارگٹ کی جانب اپروچ" میں پنہاں ہوتا ہے۔ ایس ایس جی سے وابستہ لوگوں کی دلیری، جرأت، جانفروشی، جانبازی اور ٹریننگ خواہ کتنی بھی اونچے پیمانے کی کیوں نہ ہو، وہ پلاننگ اور پروجیکشن کی خامیوں اور کوتاہیوں کی تلافی نہیں کر سکتی۔ یہ تمام خوبیاں دراصل ایس ایس جی کے اثاثے (Assets) شمار ہوتے ہیں، جن کو روبکار لانے اور سرگرم عمل کرنے کیلئے غیر معمولی احتیاط اور پری سیون (Precision) کی ضرورت ہوتی ہے"۔

"اس آپریشن میں ایس ایس جی کے جن لوگوں نے حصہ لیا، ان میں سے کسی ایک کو بھی ہرگز یہ یقین نہ تھا کہ ان کا مشن کسی کامیابی سے ہمکنار ہوگا یا جب وہ چھاپہ ماریں گے تو ذہنی راستے سے زندہ سلامت پاکستان واپس آسکیں گے۔ وہ ایک ایسے مشن پر جا رہے تھے، جس میں دشمن کا گھیرا چاروں طرف تھا اور کسی ایسے گراؤنڈ آپریشن کے ساتھ ان کا کوئی ربط وارتباط نہیں ہو سکتا تھا جو پاک فوج کی کوئی یونٹ یا فارمیشن بروئے عمل لا رہی ہو۔ ان کے مشن کی نظیر اور مثال ڈھونڈنی ہو تو 1944ء میں ان جرمن کمانڈوز کے مشن میں تلاش کی جاسکتی ہے، جنہوں نے لندن پر حملہ کیا تھا یا پھر ان امریکن کمانڈوز میں ڈھونڈی جاسکتی ہے، جنہوں نے 1973ء میں ہنوئی (ویت نام) پر چھاپہ مارا تھا۔ اس مشن کو جاپانیوں کی "کامی کازی مہم" سے بھی تشبیہ دی جاسکتی ہے جو ایک نوع کی سو فیصد خودکشی تھی۔ لیکن ایس ایس جی کی تخلیق اور اس کی پرورش اس قسم کے مشنوں اور کاموں کے لئے تو کبھی بھی نہیں کی گئی تھی۔ بایں ہمہ یہ حقیقت کہ ان تمام مایوس کن حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے بھی کسی ایک افسر، جے سی او، یا جوان نے اس مشن پر جانے سے روگردانی اور انکار نہ کیا، ان کے عزم و حوصلے اور ان کی جرأت و شجاعت پر ایک مستقل، ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا اور یاد رکھا جانے والا خراج عقیدت ہے"۔

بریگیڈیئر ظہیر عالم خان نے اپنی کتاب "The Way It Was" میں اس ڈراپ پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ زیادہ مدلل، کاٹ دار اور منطقی ہے۔ چونکہ وہ خود بھی ایک عرصہ تک ایس ایس جی میں رہے، اس لئے ان کے تجزیئے کی ثقاہت وصداقت سے انکار مشکل ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر ایک دیانت دار نقاد کی طرح تبصرہ کا حق ادا کیا ہے..........

1965ء کی جنگ کے اس پیراشوٹ ڈراپ پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"رن آف کچھ کے تنازعے کے بعد ملٹری آپریشنز ڈائریکٹوریٹ نے، کھاریاں میں، پاک آرمی کے آپریشن پلانوں پر نقد ونظر کیا اور ان اہداف کی نشاندہی کی، جن کو ایس ایس جی کے استعمال سے برباد کیا جانا تھا۔ دشمن کے تمام بڑے بڑے پل اور حساس مقامات کو تباہ کرنا مقصود تھا۔ قبل ازیں کرنل ایس جی مہدی نے دو برس تک ایس ایس جی کی کمانڈ کی تھی اور وہ اس کی مقدورات (Capabilities)، اہلیتوں اور صلاحیتوں کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو پروموٹ کر دیا گیا تھا اور ایس ایس جی کی تنظیم نو کر کے

اس کی تین کمانڈو بٹالین تشکیل دی گئی تھیں۔ اس لئے ایس ایس جی سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ لیکن جب کرنل صاحب کو ملٹری آپریشنز ڈائریکٹوریٹ کے تقاضوں کا سامنا ہوا تو وہ اپنے بلند بانگ دعووں سے مکر گئے۔ جنرل موسیٰ جو اس پریزنٹیشن میں موجود تھے، انہوں نے جب یہ سنا تو کہا جاتا ہے کہ چیختے ہوئے مہدی پر برس پڑے اور کہا: "کرنل مہدی! تم نے مجھے دھوکا دیا ہے"..........اس کے بعد کرنل مہدی ایس ایس جی سے پوسٹ آؤٹ کر دیئے گئے"۔

"6 ستمبر کو جب علی الصبح بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو ایس ایس جی کو احکام دیئے گئے کہ وہ بھارت کی تین بڑی ایئر بیسوں پٹھانکوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ پر پیرا ڈراپ کر کے ان کو برباد کر دیں۔ وہاں کھڑے ہوئے تمام طیاروں اور دوسری تنصیبات کو تباہ کرنا تھا اور یہ مشن 6 اور 7 ستمبر کی درمیانی رات کو انجام دینا تھا۔ یہ تقاضا کچھ عرصہ قبل پاک فضائیہ کی طرف سے کیا گیا تھا اور تب ایس ایس جی نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم ایسا کرنے کے اہل ہیں۔ لیکن ہیڈکوارٹر ایس ایس جی نے اس قسم کے آپریشن کے لئے کوئی ابتدائی قسم کی پلاننگ بھی نہیں کی تھی، کسی انٹیلی جنس کا بندوبست نہیں کیا تھا اور نہ ہی کوئی نقشہ یا فوٹو گراف ان ایئر فیلڈز کا ان کے پاس تھا۔ نہ ہی اس مشن کے لئے کوئی ٹروپس مختص کئے گئے اور نہ ان کی ٹریننگ کی گئی۔ 6 ستمبر کو جب پاک بھارت جنگ کا آغاز ہوا تو لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین (پنجاب رجمنٹ) جو ایس ایس جی کے قائم مقام کمانڈنگ آفیسر تھے، ان کو کرنل ایس جی مہدی نے منتخب کر کے ایک ایس ایس جی بٹالین کی کمانڈ دے دی تھی، حالانکہ انہوں نے قبل ازیں ایس ایس جی کے ساتھ کبھی نوکری نہیں کی تھی، یعنی وہ نان ایس ایس جی آفیسر تھے۔ جنرل ہیڈکوارٹر سے اس آپریشن کے احکامات بغیر کسی پیشگی وارننگ کے آئے تھے۔ یہ گویا ایک ناگہانی بلا تھی جو اچانک سر پر آن وارد ہوئی تھی۔ میجر احسان الحق ڈار (جو بعد میں میجر جنرل بنے) وہ جی ایس او ٹو (GSO-2) آپریشنز تھے، وہ بھی پنجاب رجمنٹ کے تھے اور وہ بھی نان ایس ایس جی آفیسر تھے۔ انہیں بھی کرنل مہدی لے کر آئے تھے۔ تو اس طرح لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین قائمقام کمانڈر ایس ایس جی اور میجر ڈار جی ایس او ٹو آپریشنز مل کر اس آپریشن کو لانچ کرنے چلے۔ جو لوگ معمول کی ڈیوٹیاں کر رہے تھے، ان کو جلدی میں اکٹھا کیا، پشاور ائر فیلڈ پر لے جایا گیا، ان کی تین ٹیمیں بنائی گئیں، برائے نام سی بریفنگ دی گئی، کچھ پرانے فوٹو گراف دکھائے گئے اور اس طرح انہیں ڈراپ کرنے کی تیاریاں ہو گئیں۔ پھر یکے

بعد دیگرے کئی بار تاخیر ہوئی۔ آخر تین سی۔130 آئے اور سات ستمبر کو صبح سویرے ساڑھے تین (0330) بجے بھارتی ائیر فیلڈز کیلئے ٹیک آف کیا۔ کمانڈوز کے پاس دن نکلنے تک اس مشن کی تکمیل کیلئے صرف دو گھنٹے باقی تھے، جبکہ ضرورت تقریباً آٹھ گھنٹوں کی تھی"۔

"ایک ٹیم کی کمانڈ کیپٹن درانی (ایف ایف) کو دی گئی۔ انہیں آدم پور ائیر بیس کے ایسے کوارٹر انچ نقشے دیئے گئے جو 1923ء میں کہیں طبع کئے گئے تھے اور وہ بھی اس وقت دیئے گئے، جب وہ جہاز میں سوار ہو چکے تھے! جو پارٹی پٹھانکوٹ پر ڈراپ کی گئی، اس کی کمانڈ میجر خالد گلریز بٹ کر رہے تھے۔ وہ پٹھانکوٹ ائیر بیس سے کافی دور امرتسر۔ پٹھانکوٹ روڈ پر ڈراپ کی گئی۔ وہ اپنے آدمی اکٹھے نہ کر سکے اور جب بھارتیوں نے انہیں گھیر لیا تو وہ خود بھی اور ان کے بیشتر لوگ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ صرف دو پٹھان، جن کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا، واپس پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو سکے"۔

"یہ پیرا ڈراپ اگرچہ ناکام رہا لیکن اس نے بھارت کے جنگی منصوبوں کو خاصا متاثر کیا۔ 14 ڈویژن جو سامبا کی طرف، فرسٹ آرمرڈ ڈویژن سے اشتراک کے لئے ایڈوانس کر رہا تھا، اسے وہیں روک دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ پاکستانی پیراٹروپرز کو شکار کیا جائے۔ اس ڈویژن کی ساری ملٹری ٹرانسپورٹ سڑکوں پر رک گئی۔ پاک فضائیہ نے جب یہ منظر دیکھا تو آتش باری کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیا۔ آدم پور ائیر فیلڈ پر کیپٹن درانی اپنے آدمیوں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ ائیر فیلڈ کی طرف بڑھے، لیکن غلط طرف جا نکلے۔ اتنے میں دن نکل آیا تھا، آرمرڈ کاریں گشت کرنے لگی تھیں اور بھارتی ٹروپس تلاش میں نکل آئے تھے۔ بہت سے لوگ پکڑے گئے، تاہم درانی نے اپنی ٹیم کو حکم دیا کہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کے واپس پاکستان پہنچو، لیکن وہ خود اپنے چند آدمیوں کے ساتھ بیاس اور ستلج کے سنگم پر بھارتی ٹروپس کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے"۔

"تیسرا ڈراپ ہلواڑہ پر کیا گیا اور بہت سے پیراٹروپر ایک گاؤں کے مکانوں پر جا اترے۔ کیپٹن حضور حسنین (بعد میں بریگیڈیئر) اپنے آدمیوں کے ساتھ ملاپ نہ کر سکے۔ تاہم انہوں نے چھاتہ برداروں کو ڈھونڈ نکالا اور ائر بیس کی طرف بڑھے۔ دریں اثناء پاک فضائیہ کے ایک بمبار طیارے نے ائر فیلڈ پر بمباری کر دی۔ ایسے میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا واپس پاکستان کی راہ لی۔ وہ دن کو کھیتوں میں چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے۔ دوسری رات انہوں

نے انڈین ائرفورس کی ایک جیپ پر قبضہ کیا، اس میں سوار پاک بھارت سرحد پر پہنچے اور یوں پاکستان واپس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"یہ سارا آپریشن ناکامی کی بھینٹ چڑھا۔ اس کی ناکامی کی وجہ غلط پلاننگ اور غلط لانچنگ تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی بندۂ خدا میں یہ اخلاقی جرأت نہ تھی کہ وہ اس قسم کے غلط آرگنائز کئے ہوئے آپریشن کو لانچ کرنے سے انکار کر دیتا!!"

بریگیڈیئر شمیم یاسین منٹو نے اس ڈراپ پر اور بریگیڈیئر زیڈ اے خان کے متذکرہ بالا تبصرے پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ بھی خاصا وقیع اور معلوماتی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے ان کا تبصرہ سطور ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

''میں بریگیڈیئر زیڈ اے خان کے تبصرے سے عمومی طور پر اتفاق کرتا ہوں جو خاصا معروضی بھی ہے اور پیشہ ورانہ بھی۔ تاہم ایک دو پہلو اس ڈراپ کے ایسے بھی ہیں، جن پر میری رائے مختلف ہے۔ میرے اس اتفاق اور اختلاف کی بنیاد، وہ انٹرویو ہیں جو ہم نے اس آپریشن کے دوران جنگی قیدی بنائے گئے افسروں اور جوانوں سے کئے جو بھارت کی قید سے رہا ہونے کے بعد چراٹ آئے تھے۔ میں ان ایام میں ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی میں جی ایس او ٹو (آپریشنز) تھا اور اس کورٹ آف انکوائری کا پریذیڈنٹ تھا جو جنگی قیدیوں کی ڈی بریفنگ کے لئے قائم کی گئی تھی۔ میجر نعیم شیخ اور میجر شمیم عالم خان اس کورٹ کے دیگر اراکین تھے۔ ہم نے ایک ایک آدمی کو ڈی بریف کیا، اس کی رائے پوچھی اور داستان کی تمام تفصیلات سنیں۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد ہمیں پٹھانکوٹ، ہلواڑہ اور آدم پور کی بھارتی ائر فیلڈز پر اس پیرا ڈراپ سے ماقبل اور مابعد کی تفاصیل کا پورا علم ہوا۔ علاوہ ازیں جنرل ہیڈ کوارٹر اور ائر ہیڈ کوارٹر میں منعقدہ چند اجلاس میں اس آپریشن پر جو پیشہ ورانہ نقد و نظر کیا گیا، مجھے اس میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ چنانچہ میرا اتفاق و اختلاف انہی بنیادوں پر استوار ہے۔

بریگیڈیئر زیڈ اے خان نے کرنل ایس جی مہدی، لیفٹیننٹ کرنل متین اور میجر ڈار کے جس رول کا ذکر اپنی تصنیف میں کیا ہے، ایک عام قاری اس سے یہ تاثر لے سکتا ہے کہ اس آپریشن کی ناکامی کی ذمہ داری گویا انہی تینوں افسروں پر تھی۔ میرے خیال میں یہ آفیسر ذمہ دار ضرور تھے، لیکن یہ ذمہ داری ایک حد تک ہی تھی، اس سے زیادہ نہیں۔ اور اتنی نہ تھی، جتنی ان سے منسوب کی

گئی۔ مثلاً بریگیڈئیر زیڈ اے نے لکھا ہے: ”لیفٹیننٹ کرنل متین اور میجر ڈار نے یہ آپریشن ادھر ادھر سے افراد اکٹھے کر کے لانچ کیا“ .... یہ بھی کہا گیا کہ ”6 ستمبر 1965ء کو ابراہیم اور کمال کمپنیوں کے صرف 60 فی صد افراد موجود تھے، جبکہ باقی 40 فی صد ایوب اور حمزہ کمپنیوں سے لے کر شامل کیے گئے“ .... لیکن اس ”بلنڈر“ (Blunder) کی ذمہ داری ایس ایس جی کی نہیں تھی، جی ایچ کیو کی تھی۔ رن آف کچھ کے بعد جی ایچ کیو نے تمام پاک فوج (بشمول ایس ایس جی) کو استحقاقی رخصت پر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اب ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ یہی وہ ایام تھے جب ”آپریشن جبرالٹر“ کی پلاننگ اور لانچنگ کی جا رہی تھی!

اگرچہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جنرل ہیڈ کوارٹر نے اس آپریشنل ٹاسک (پیراڈراپ) کے لئے ایس ایس جی کو مئی 1965ء میں مطلع کر دیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ ایک سپیشل ٹاسک تھا اور سپیشل سروس گروپ کو دیا جا رہا تھا اور اس میں ائرفورس کے ساتھ قریبی رابطہ درکار تھا، اس لئے آپریشن کا ایک نہایت اہم تقاضا یہ تھا کہ ایس ایس جی کو حتمی تیاریوں، بریفنگ، چراٹ سے پشاور تک نقل و حمل اور پھر سی-130 طیاروں کے عملہ کے ساتھ ربط و ارتباط کیلئے کچھ وقت دیا جاتا۔ لیکن ”یہ وقت“ ایس ایس جی کو نہ دیا گیا۔ 6 ستمبر 1965ء کی صبح انہیں وارننگ آرڈر ملے کہ چراٹ سے پشاور موو کرو۔ دن کے بارہ بجے تینوں ٹیموں کو گروپ کیپٹن ڈوگر نے پشاور ائر فیلڈ پر بتایا کہ آج رات پٹھان کوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ پر ائر ڈراپ کرنا ہے۔ بریگیڈئیر زیڈ اے نے بالکل درست تبصرہ کیا ہے کہ اتنے اہم اور بڑے آپریشن کے لئے جو وقت دیا گیا، وہ بہت کم تھا اور یہ ایک ناممکن سی بات تھی .... لیکن یہ ”شارٹ نوٹس“ جی ایچ کیو اور ائر ہیڈ کوارٹر کی بلنڈر تھی، ایس ایس جی کی نہیں!

جہاں تک کرنل ایس جی مہدی کا تعلق ہے تو انہوں نے 1964ء کے اوائل میں کمانڈ سنبھالی۔ ان کے دعوے بلند بانگ تھے اور ان کے منصوبے بھی فلک بوس تھے۔ وہ ایس ایس جی کو جس جذب و جنوں سے سرشار، بلکہ از سرتا پا ”شرابور“ دیکھنا چاہتے تھے، وہ دعوے گفتار میں تو دلوں کو شائد گرماتے تھے، لیکن فی الحقیقت عملی زندگی سے ان کا تعلق دور دراز کا بھی نہ تھا۔ مفروضے اور عمل میں ان کا یہی تضاد تھا جو بہت سے ایس ایس جی افسروں کو ناگوار گزرتا تھا اور انہوں نے اس کا برملا اظہار بھی کرنل ایس جی مہدی کے سامنے کیا اور انہیں صاف صاف بتایا کہ ان کے افکار

گو بہت بلند ہیں، لیکن ان کا عمل میں ڈھلنا از بس دشوار، بلکہ ناممکن ہے۔ہم نے اس مشن کے جن افسروں کو انٹرویو کیا، ان کی اکثریت نے یہی کہا کہ کرنل ایس. جی مہدی نے اس آپریشن کے سلسلے میں ائر ہیڈ کوارٹر کے ساتھ وہ قریبی رابطہ قائم نہیں کیا تھا جو بطور کمانڈر ایس ایس جی ان کو کرنا چاہئے تھا۔ اگر اس مشن کی کامیابی مقصود تھی تو یہ ربط وارتباط اشد ضروری تھا............ کرنل مہدی کی ذمہ داری یہاں تک ضرور تھی، لیکن اس سے آگے نہیں!

جنرل ہیڈ کوارٹر اور ائر ہیڈ کوارٹر (ایک حد تک ہی سہی) دونوں کو اس بات کا یقین کر لینا چاہئے تھا کہ آیا ایس ایس جی اس اہم اور نازک مشن کے لئے مکمل طور پر تیار بھی ہے یا نہیں۔ بالعموم ہوتا یہ ہے کہ جن آپریشنوں کی قبل ازیں پلاننگ کی گئی ہوتی ہے، مسلح افواج کے کمانڈر (خاص طور پر ڈویژن اور کور لیول تک) اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ ان کی ماتحت فارمیشنیں اور یونٹیں جو آپریشن میں حصہ لے رہی ہوتی ہیں، ان کی تمام تیاریاں مکمل ہیں یا نہیں۔ یہ کمانڈر اپنی ماتحت فارمیشوں اور یونٹوں کا اکثر دورہ کرتے رہتے ہیں، تیاریوں کے گراف پر نظر رکھتے ہیں اور پیشہ ورانہ نشیب وفراز سے اپنے آپ کو باخبر رکھتے ہیں............ جہاں تک اس ڈراپ کا تعلق ہے تو جی ایچ کیو کی طرف سے ایسی کوئی ''کارروائی'' عمل میں نہ لائی گئی۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو بریگیڈیئر زیڈ اے کا کرنل مہدی، لیفٹیننٹ کرنل متین اور میجر ڈار کی کارکردگی اور کارگزاری پر منفی تبصرہ اور ان کی تنقید ''ناروا'' لگتی ہے اور اس حد سے آگے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، جسے جائز حد کہا جاتا ہے۔''

بریگیڈیئر منٹو نے اس تبصرے کے بعد اس آپریشن سے جو چند اسباق اخذ کئے ہیں، وہ بھی وقیع اور اہم ہیں۔ان اسباق کا ذکر بھی ہم نمبر وار ذیل میں درج کر رہے ہیں:

1- کسی بھی سپیشل آپریشن میں ''ناگہانیت'' ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔اس لئے ناگہانیت کے حصول کے لئے رازداری (Secrecy) شرط اول ہے۔تاہم اس رازداری کو اتنا آگے نہ لے جائیں اور اتنا نہ بڑھائیں کہ دشمن پر ناگہانیت طاری کرتے کرتے، خود اپنے ٹروپس کو ناگہانیت کا شکار کر بیٹھیں۔ بظاہر اس آپریشن میں یہی ہوا۔ اس آپریشن کے لئے ایس ایس جی کو ڈراپ زون اور ٹارگٹ (ائر فیلڈز) کے بارے میں تازہ ترین اور مصدقہ ترین معلومات اور انٹیلی جنس درکار تھی۔ یہ دونوں معلومات

ٹارگٹ ایریا کی تازہ ترین تصاویر سے حاصل کی جا سکتی تھیں۔ لیکن ان تصاویر کو حاصل کرنے کی کوئی کوشش ہی نہ کی گئی۔ اغلب خیال یہی ہے کہ "رازداری" برقرار رکھنا ضروری خیال کیا گیا، لیکن افسوس! اس کے بعد جو نتیجہ نکلا وہ ہمارے سامنے ہے۔.......... دوسرے جب جون/ جولائی 1965ء میں آپریشن جبرالٹر لانچ کیا جا رہا تھا بلکہ لانچ ہونے کے آخری مراحل میں تھا تو ایس ایس جی کے افراد کی رخصت استحقاقیہ (P/Leave) بند نہ کی گئی۔ اس کی وجہ بھی بظاہر رازداری اور اخفاء کو برقرار رکھنا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن سے زیادہ ہمارے ٹروپس ناگہانیت کا شکار ہو گئے!

2- جب معاملہ ایس ایس جی کے آپریشنل استعمال (Employment) کا ہوا اور وہ بھی ایسے مشنوں میں کہ جیسا یہ ائر ڈراپ تھا (سب کو معلوم تھا کہ دشمن کے علاقے میں یہ ڈراپ کیا جا رہا ہے اور جن اہداف پر کیا جا رہا ہے، ان کو دشمن کی جانب سے اچھا خاصا تحفظ حاصل ہے) تو کمانڈروں کو فیصلہ کرنے سے پہلے اس سپیشل گروپ کی یونٹوں اور ذیلی یونٹوں (Sub Units) کی کمزوریوں اور قوتوں کا از بس خیال کرنا چاہئے تھا۔ ان کو یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ ان کی لاجسٹک ضروریات کیا تھیں اور کون کون سی اور کس کس نوعیت کی معلومات اور انٹیلی جنس درکار تھی۔ تیاریوں کا کیا حال تھا، وقت کتنا دستیاب تھا اور اس وقت کے اندر کیا کیا جا سکتا تھا۔ اگر کسی ایس ایس جی کمانڈر نے ان ایام میں کوئی غیر حقیقت پسندانہ دعویٰ کیا بھی تھا تو اس کے قابل عمل ہونے یا نہ ہونے کی سمجھ ہائی کمانڈ کو ہونی چاہئے تھی (یہ خیال رہے کہ ان ایام میں ایک لیفٹیننٹ کرنل، ایس ایس جی کے کمانڈر تھے)۔ مطلب یہ ہے کہ حتمی فیصلے کا بوجھ ہائی کمانڈ پر ہونا چاہئے۔ ایسے مشن پلان ہی نہ کئے جاتے جو ایس ایس جی کے دائرہ اختیار و عمل سے باہر تھے اور اگر کئے بھی جاتے تو مطلوبہ انٹیلی جنس اور لاجسٹک سپورٹ کے تمام پہلوؤں کا دھیان رکھا جاتا۔

3- جب دشمن کی صفوں کے عقب میں آپریشن کئے جا رہے ہوں تو دشمن کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو کر ٹارگٹ تک پہنچنا، اصل ٹارگٹ کے خلاف کارروائی کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ یہ اتنا اہم پہلو ہے کہ اگر بالفرض ٹارگٹ تک چھپ چھپا کر

رسائی حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ایسے ٹارگٹ کا انتخاب ہی نہیں کرنا چاہئے۔ آدم پور، ہلواڑہ اور پٹھان کوٹ کے ان ڈراپس میں سب سے بڑا بلنڈر رہی یہ ہوا کہ ایسے موزوں ڈراپ زون منتخب نہ کئے گئے، جہاں پوشیدگی سے جانا ممکن ہوتا۔ عسکری تاریخ میں اور بھی بہت سے ڈراپ زون عمل میں لائے گئے، ان کا مطالعہ کرنا ضروری تھا۔ کسی ڈراپ زون تک صحیح سالم اور بحفاظت پہنچنا اتنا ضروری ہوتا ہے کہ ڈراپ ہونے سے ایک دو روز پہلے پاتھ فائنڈرز (Path Finders) کو ڈراپ کیا جاتا ہے یا ان کو دشمن کے عقبی علاقوں میں نفوذ کرایا جاتا ہے، تا کہ وہ طیارے کو ڈراپ زون تک رہنمائی دے سکے اور نشان دہی کر سکے کہ ڈراپ زون کی اصل لوکیشن کہاں ہے۔

-4 اسے ایس ایس جی کی بدقسمتی ہی سے تعبیر کیا جائے گا کہ جولائی، اگست اور پھر ستمبر 1965ء میں جب اس ایلیٹ گروپ کی کمپنیاں آپریشن جبرالٹر، دشمن کی ائر فیلڈز پر پیرا ڈراپ اور کارگل دراس وغیرہ میں استعمال کی گئیں تو اس سپیشل گروپ کا کوئی موثر، ثابت قدم اور ڈٹ جانے والا کمانڈر موجود نہ تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنرل ہیڈکوارٹر کی ہائر کمانڈ نے کمانڈر ایس ایس جی کو زیادہ درخور اعتناء نہ سمجھا۔ چیف آف آرمی سٹاف، جنرل موسیٰ، کرنل ایس جی مہدی سے ناراض ہو گئے اور انہیں اوائل اگست میں پوسٹ آؤٹ کر دیا گیا اور کمانڈ لیفٹیننٹ کرنل متین کے حوالے کر دی گئی تھی۔ یہ ایسی صورت حال تھی کہ اگر کوئی دوسرا مستحکم مزاج اور سر پھرا کمانڈر بھی ان کی جگہ ہوتا تو وہ اس آزمائش میں شاذ ہی سرخرو ہوتا!.......... اگر ان ایام میں ایس ایس جی میں فی الاصل کوئی موثر کمانڈر موجود ہوتا تو 6 ستمبر 1965ء کو دن کے بارہ بجے جب پیرا ڈراپ کے لئے ایس ایس جی کے افراد پشاور ائرپورٹ پر اکٹھے ہوئے تھے اور ان کو اسی شب کیلئے اہداف تفویض کئے گئے تھے تو وہ ان پر عملدرآمد کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیتا اور کہتا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں! جیسا کہ آپ آگے چل کر اس کتاب میں پڑھیں گے کہ بریگیڈیئر زیڈ اے نے 1971ء میں بھیراب بازار پل (مشرقی پاکستان) پر ڈراپ کے آپریشن میں برملا کہہ دیا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے!"

بھارتی ائرفیلڈز پر ڈراپس کی یہ کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی، بلکہ اور بھی آگے چلتی ہے،

لیکن اب شائد ہائی کمانڈ کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور یوں ایک اور سانحہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

ہوا یہ تھا کہ پاک بھارت جنگ ابھی زور شور سے جاری تھی کہ 16 ستمبر 1965ء کو ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کو جی ایچ کیو سے ایک پیغام ملا۔ پیغام یہ تھا کہ غازی کمپنی جو صرف ایک دو روز پہلے شمالی علاقوں میں آپریشنوں کے بعد واپس آئی تھی، اسے حکم دیا گیا کہ وہ اسی شب بھارت کی ایک ائر فیلڈ انبالہ کے خلاف لانچ کی جائے گی۔ غازی کمپنی نے ابھی صرف ابتدائی (Basic) پیراشوٹ جمپ ہی مکمل کئے تھے اور اسے رات کے وقت جمپ کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ دن کی روشنی میں جمپ کرنا اور بات ہے اور رات کی تاریکی میں پیراشوٹ سے چھلانگ لگانا ایک بالکل مختلف معاملہ ہے۔ مزید برآں غازی کمپنی کو کسی ائر فیلڈ پر شبانہ حملے کی ٹریننگ بھی نہیں دی گئی تھی۔ غازی کمپنی کا کمانڈر میجر وحید (آرمرڈ کور) بیمار ہو گیا تھا اور اس کی جگہ میجر نعیم کو کمپنی کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔ جنرل ہیڈ کوارٹر کی کال کے جواب میں کرنل آفریدی، میجر ڈار اور میجر نعیم اسی روز (16 ستمبر کو) دن کے گیارہ بجے پیرا ٹریننگ سکول کے آفیسرز میس میں پہنچ گئے۔ سہ پہر کے تین بجے ائر کموڈور ڈوگر، ڈائریکٹر ائر آپریشنز، پاکستان ائر فورس بھی آفیسرز میس میں پہنچ گئے اور ایس ایس جی کے ان آفیسرز کے سامنے انبالہ ائر فیلڈ کا ایک فوٹو کھول کر رکھ دیا۔ یہ تصویر 1956ء میں اتاری گئی تھی اور اب 1965ء تھا!.......... نو برس گزر چکے تھے۔!

ائر کموڈور صاحب نے آتے ہی ایس ایس جی کے پہلے تین آپریشنوں میں 6 اور 7 ستمبر 1965ء کی درمیانی شب آدم پور، پٹھانکوٹ اور ہلواڑہ کے ہوائی اڈوں پر پیرا ڈراپ کی کامیابی کے بلند بانگ دعوے کئے اور ایس ایس جی کے افسروں اور جوانوں کی بہت تعریفیں کیں اور کہا کہ آپ لوگوں نے دشمن کی ائر فیلڈز کو خوب برباد کیا ہے۔ میجر نعیم نے ان سے پوچھا کہ کیا پاک فضائیہ کے پاس ایسے ماہرین موجود ہیں جو تصاویر دیکھ کر حتمی طور پر فضائی بمباری اور زمینی فوج کی طرف سے بربادی کے مابین تمیز کر سکیں۔ ائر کموڈور ڈوگر اس سوال کا کوئی موثر جواب نہ دے سکے۔ پھر ان کو یہ بتایا گیا کہ 6 اور 7 ستمبر 1965ء کی رات کو ایس ایس جی کی جو تین ٹیمیں ڈراپ کی گی تھیں، ان میں سے ہر ایک کے پاس دو دو وائرلیس سیٹ تھے جو طویل فاصلوں تک پیغامات پہنچا اور وصول کر سکتے تھے۔ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی میں جو مواصلاتی مرکز قائم ہے، وہ دن رات کھلا رہتا ہے اور 24 گھنٹے کسی بھی پیغام کے لئے گوش بر آواز ہوتا ہے۔ آج ان ٹیموں کو پشاور سے روانہ

ہوئے نواں دن ہے، لیکن اس مواصلاتی مرکز پر ان ٹیموں کے چھ وائرلیس سیٹوں میں سے کسی ایک کی بھی کوئی صدا (Beep) سنائی نہیں دی۔ بی بی سی اور آل انڈیا ریڈیو نے ان ٹیموں کے بیشتر افراد کے جنگی قیدی بنا لئے جانے کی تصدیق کر دی ہے۔ علاوہ ازیں ائر کموڈور ڈوگر صاحب کو یہ بھی بتایا گیا کہ انبالہ ائر فیلڈ کا یہ فوٹو نو برس پہلے کا ہے۔ ان کو کہا گیا کہ کوئی تازہ ترین فوٹو دیجئے، جس میں دشمن کے دفاعی انتظامات دکھائے گئے ہوں اور جس میں طیاروں کے ہینگروں کی لوکیشن وغیرہ بھی نظر آئے اور نقشے کی مدد سے جن جن ڈراپ زونوں پر غازی کمپنی نے ڈراپ ہونا ہے، ان میں سے کم از کم دو ڈراپ زونوں کے فضائی فوٹو گراف بھی دکھائے جائیں۔ میجر نعیم نے کہا کہ یہ کم سے کم ضروریات ہیں، جن کی بنیاد پر انبالہ ائر فیلڈ پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ ائر کموڈور ڈوگر کو یہ بھی بتایا گیا کہ غازی کمپنی نے ہنوز پیرا جمپ ریفریشر کورس بھی مکمل کرنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ٹروپر نے کم از کم تین جمپ اور لگانے ہیں اور اس کے علاوہ چند جمپ رات کو بھی لگانے پڑیں گے تا کہ یہ لوگ رات کے اندھیرے میں ڈراپ ہونے کے بعد اکٹھا ہونے کی تکنیک سے واقفیت اور مانوسیت حاصل کر سکیں اور ماحول سے مانوس ہو سکیں۔ اس پر ائر کموڈور صاحب تنگ کر بولے: "یہ تو ایک لمبی داستان ہے۔ اس طرح تو آپ کو پاک فضائیہ کا ٹاسک مکمل کرنے میں شاید تین ماہ لگ جائیں"............ان کو بتایا گیا کہ آپ اس آپریشن کو تین ماہ کے لئے موخر کر دیں تو بہتر ہوگا۔ ائر کموڈور نے کہا: "کیا آپ مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ آج کی شب یہ آپریشن لانچ نہیں کیا جا سکتا؟"............میجر نعیم نے جواب دیا: "ہم نے اب تک جو بات چیت کی ہے، اس میں ایک بار بھی ہم نے یہ استدلال نہیں کیا کہ یہ آپریشن آج رات لانچ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ حکم دیا جائے کہ طیارے میں جا کر بیٹھ جاؤ تو ہم تعمیل حکم کرتے ہوئے ابھی طیارے (یا طیاروں) میں بیٹھ جائیں گے............البتہ مشن کی کامیابی کی ضمانت نہیں دے سکتے۔"

یہ سن کر ائر کموڈور صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے، لیکن جاتے جاتے یہ کہا کہ وہ جی ایچ کیو سے چیک کریں گے کہ یہ آپریشن آج رات لانچ کیا جا سکے گا یا نہیں۔ پاک فضائیہ نے اس مختصر گفتگو کا حوالہ دے کر جی ایچ کیو سے ضرور چیک کیا ہوگا۔ کیونکہ اسی شام غازی کمپنی کو بتا دیا گیا کہ کمانڈر انچیف پاکستان آرمی جنرل محمد موسیٰ خان نے میجر نعیم کے تحفظات کی توثیق اور ان سے اتفاق کرتے ہوئے حکم دیا ہے کو اس مشن کو منسوخ کر دیا جائے............میجر نعیم نے یہ سنا اور دل

ہی دل میں سوچا:

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

بہت سے بھارتی مصنفین نے بھی اس آپریشن پر تبصرہ کیا ہے، لیکن سب سے زیادہ حقیقت پسندانہ تبصرہ لیفٹیننٹ جنرل ہربخش سنگھ نے اپنی کتاب (War Despatches) میں کیا۔ وہ 1965ء کی جنگ میں جی او سی انچیف ویسٹرن کمانڈ تھے، لہٰذا ان سے زیادہ بہتر اور معروضی تبصرہ کوئی اور لکھاری کر بھی نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے اس آپریشن پر ایک الگ باب (باب نمبر 6 صفحہ 178) تحریر کیا ہے۔ اس باب کے بعض حصے ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

"7 ستمبر 1965ء کو علی الصبح رپورٹوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ خبریں آرہی تھیں کہ پاکستان نے ایک چھاتہ بردار مہم لانچ کر دی ہے۔ پٹھانکوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ ایئر فیلڈز کے نزدیک چھاتہ برداروں کے ڈراپ کی اطلاعات ملیں۔ سویلین کی طرف سے رپورٹیں ملیں کہ پاکستان نے بہت ہی بڑے پیمانے پر اپنے چھاتہ بردار جگہ جگہ اتار دیئے ہیں۔ خاص طور پر "دو راہال" کے گرد ونواح میں........... میں نے چیک کیا تو یہ اطلاعات غلط نکلیں، تاہم پاکستان کی اس مہم جوئی نے حکومت پنجاب کے حلقوں میں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دی اور ہلچل مچا دی۔ چیف منسٹر پنجاب، شری رام کرشن نے مجھے ذاتی طور پر فون کیا۔ وہ بہت گھبرائے اور بوکھلائے ہوئے لگتے تھے۔ میں نے انہیں دلاسا دیا اور یقین دلایا کہ ہماری تمام صورت حال پر نظر ہے اور خواہ مخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن درحقیقت میری یہ یقین دہانی غلط تھی، ہم دشمن کے اس اقدام کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ یہ اقدام ہمارے لئے انتہائی خطرناک ہو سکتا تھا، بشرطیکہ پاکستان نے یہ چھاتہ بردار مہم احتیاط اور عزم صمیم کے ساتھ لانچ کی ہوتی! ہماری خوش نصیبی تھی کہ یہ آپریشن ایک ڈرامہ بازی ثابت ہوا۔ لیکن اس حقیقت کا ادراک ہمیں بہت بعد میں جا کر ہوا۔ 7 ستمبر کی صبح تو یوں لگا، جیسے پاکستان نے اس جنگ کو تیسرا پہلو (Third Dimension) عطا کر دیا ہے۔ چنانچہ میں نے چند فوری اور ایڈہاک اقدامات کئے"۔

"میں نے جنرل آفیسر کمانڈنگ پنجاب اینڈ ہماچل پردیش ایریا کو حکم دیا کہ وہ پٹھانکوٹ، جالندھر اور لدھیانہ کے کمانڈروں کو ہدایات جاری کریں کہ وہ فوری طور پر لوکل پولیس حکام سے

رابطہ کر کے، پنجاب پولیس (PAP) کو موبلائز کریں اور دیہات میں کسانوں کو مسلح کریں تا کہ اس سے قبل کہ ائیر فیلڈ کو کوئی نقصان پہنچے، اس پرابلم کا ازالہ کیا جا سکے۔ میں نے لدھیانہ اور انبالہ میں مقیم اینیمل ٹرانسپورٹ کمپنیوں (AT Coys) سے بہت سے خچر ڈرائیور، جنرل آفیسر کمانڈنگ کو دے دیئے۔ میں نے انہیں مزید بتایا کہ نیشنل کیڈٹ کور (NCC) کو ری کال کریں، نیز پٹیالہ اور لدھیانہ میں جو مسلح بکتر بند کاریں موجود تھیں، ان کے لئے ریگولر آرمی سے سٹاف مہیا کیا۔ دو دو آرمرڈ کاریں متذکرہ تینوں ائیر فیلڈز کی طرف فوری طور پر روانہ کر دی گئیں۔"

اس کے بعد جنرل ہربخش سنگھ نے ان تمام (تینوں) چھاتہ بردار ٹیموں کی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا ہے جو پٹھانکوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ پر ڈراپ کی گئیں۔ تفصیلات کم و بیش وہی ہیں جو آپ قبل ازیں پڑھ آئے ہیں۔ بھارتی جنرل نے اعتراف کیا ہے کہ یہ ساری معلومات انہیں جنگی قیدی بنائے گئے پاکستانی افسروں اور جوانوں سے ملیں۔ اس کے بعد ان کی تحریر کے بعض حصے خاصے سبق آموز ہیں۔ مثلاً:

"ان چھاتہ برداروں سے نمٹنے میں دیہاتیوں نے بڑا رول ادا کیا۔ سب سے بڑی بات یہ کی کہ فوراً متعلقہ حکام کو مطلع کیا، پھر خود ان چھاتہ برداروں کا تعاقب کیا اور انہیں گھیر لیا، حالانکہ بیشتر کے پاس صرف "لاٹھیاں" تھیں۔ بعض جگہ تو ان دیہاتیوں نے مسلح پاکستانیوں پر قابو پر کر انہیں فوجی حکام کے حوالے کیا۔ یہ ان گاؤں والوں کے جذبۂ حب الوطنی، عزم و حوصلے اور دلیری کا ایک بڑا ثبوت ہے۔"

"7 اور 8 ستمبر 1965ء کی درمیانی رات مجھے ائیر فورس سٹیشن کمانڈر انبالہ کی طرف سے ایک ہنگامی ٹیلی فون موصول ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ انبالہ ائر فیلڈ پر دشمن کے چھاتہ برداروں کی ایک بڑی تعداد اتر آئی ہے۔ سٹیشن کمانڈر خاصے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں بول رہے تھے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے پیراٹروپرز کو دیکھا ہے۔ تاہم بعد میں یہ سب کچھ ایک خالی دھمکی اور ڈراوا ثابت ہوا۔ یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ ان چھاتہ برداروں کا ہوّا کس بری طرح بعض لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہو گیا تھا، کس سکیل کے خدشات پیدا ہو گئے تھے اور مایوسی کا عالم کیا تھا!"

"پنجاب میں جب ان چھاتہ برداروں کے اترنے کی اطلاع پھیلی تو سڑکوں اور

ریلوے نظام کو خطرات لاحق ہو گئے۔ پنجاب گورنمنٹ کو درخواست کی گئی کہ وہ اپنی "انٹرنل سکیورٹی سکیم" کو فعال کرے۔ سول حکام نے اس پر فوری ردِعمل کیا۔ پنجاب کی نیشنل کیڈٹ کور کی تمام یونٹوں کو موبلائز کیا گیا۔ انہوں نے قابل تعریف کردار ادا کیا۔ مکمل بلیک آؤٹ کروایا۔ بڑے بڑے قصبوں اور شہروں کی حساس عمارات اور اہم مقامات پر پہرے لگائے۔ دیہاتیوں نے ریلوے لائنوں کی پٹرولنگ شروع کر دی اور کئی اہم پلوں پر گارڈ ڈیوٹیاں سنبھال لیں"۔

"یہ چھاتہ بردار اپنے مشن میں بری طرح ناکام ہوئے۔ ان کے پلان کمزور بنیاد پر استوار تھے، ان کی معلومات اور انٹیلی جنس سرسری تھی، ائرفیلڈز اور ان کی تنصیبات کے بارے میں ان کی معلومات بالکل ناکافی تھیں، ان کا مورال پست تھا اور انہیں اپنے مشن کی کامیابی پر بہت ہی کم یقین تھا۔ بعض افسروں نے پکڑے جانے کے بعد برملا اعتراف کیا کہ اس مشن پر روانگی سے پہلے ہی ان کو اس کی کامیابی پر شبہ تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری سول آبادیوں اور متعلقہ حکام نے جس طرح کا فوری اور کافی وشافی ردِعمل دکھایا اور چھاتہ برداروں کو ڈھونڈنے میں جس سرگرمی کا مظاہرہ کیا، اس نے اس مہم جوئی کے غبارے سے ساری ہوا نکال دی"۔

"پاکستانی چھاتہ برداروں کی اس مہم جوئی کو جس آسانی سے ناکام بنایا گیا، وہ اپنی جگہ لیکن، اس میں ایک بڑا خطرہ بھی پوشیدہ ہے۔ مستقبل کے کسی تنازعے یا جنگ کی صورت میں ان چھاتہ برداروں کی امکانی کامیابی سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی پاکستانیوں کی اہلیتوں کو کم کر کے دیکھا جانا چاہئے۔ اس قسم کا خیال اور سوچ اپنے اندر بڑی بربادیوں کے سامان رکھتی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر پاکستان نے کبھی دوبارہ اس قسم کی مہم لانچ کی تو وہ ان غلطیوں کو نہیں دہرائے گا، جو اس نے اس مشن کے دوران کیں۔ پاکستان اس بار چاہے گا کہ اس مشن کی پلاننگ اور تکمیل دونوں از حد احتیاط اور از حد بلند حوصلگی سے کی جائے۔ اس میں ہمارے لئے جو سبق ہے، وہ نہایت روشن اور واضح ہے، اور وہ یہ ہے کہ آئندہ ہماری دفاعی منصوبہ بندی میں تمام اگلی ائرفیلڈز، تمام حساس پلوں، اہم مقامات، اہم انتظامی مستقروں (Bases) اور اس طرح کی دوسری جگہوں کا دفاع فول پروف ہو اور کسی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے فوری اور موثر ترین اقدامات کی بار بار ریہرسل کی جائے۔"

ایک اور بھارتی مصنف ائر چیف مارشل پی سی لال (P.C.Lal) نے اپنی ایک

کتاب "انڈین ائیرفورس میں میرے ماہ وسال" (My Years With IAF) لکھی۔اس کا پہلا ایڈیشن لانسر انٹرنیشنل، دہلی نے 1986ء میں شائع کیا اور وہی میرے سامنے ہے۔انڈین ائرفورس کے ایک سٹیشن کمانڈر کی "بلند حوصلگی" پر جو تبصرہ اس کے اپنے ہم وطن جنرل ہربخش سنگھ نے سطور بالا میں کیا ہے، وہ خاصا عجیب ہے۔ لیکن ائرچیف مارشل لال جو 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں انڈین ائرفورس کے ایک سینئر آفیسر تھے (وہ جولائی 1969ء سے جنوری 1973ء تک بھارتی فضائیہ کے چیف آف ائرسٹاف بھی رہے) ان کا درج ذیل تبصرہ عجیب تر ہے۔ایس ایس جی نے یہ ریڈ انڈین ائرفیلڈز پر کی تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ائر مارشل صاحب اپنی انٹیلی جنس (ائر انٹیلی جنس) کی بے خبری کا ماتم کرتے، پاکستان کے سپیشل سروس گروپ کی طرف سے ناگہانیت (Surprise) حاصل کرنے پر اس گروپ کی تعریف کرتے اور بھگوان کا شکر ادا کرتے کہ پاکستان کی سینئر ائر اور آرمی قیادت کی طرف سے بعض فروگذاشتوں کے سبب انڈین ائرفورس ایک بڑے "سانحے" سے بچ گئی، لیکن اس کی بجائے انہوں نے بھی وہی رٹ لگائی جو بھارت کے دوسرے لکھاریوں نے اس مشن پر لکھتے ہوئے لگائی۔ائر چیف مارشل لال نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 138 پر لکھا:

"پاکستانی پلان کا ایک پہلو معمہ ہی رہا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو پہلی ہی شب پاک فضائیہ نے اپنے C-130 کے ذریعے ہماری تین فارورڈ ائربیسوں (پٹھانکوٹ، آدم پور، ہلواڑہ) پر مٹھی بھر چھاتہ بردار ڈراپ کئے۔ یہ ایک سعی لاحاصل تھی اور اس کی پلاننگ غلط انداز میں کی گئی تھی۔ پٹھانکوٹ ایریا میں تقریباً 60 کے قریب لوگ ڈراپ کئے گئے۔ وہ نہری نظام کے نیٹ ورک پر ڈراپ ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ نہ کرسکے۔پٹھانکوٹ پاک بھارت سرحد سے صرف دس میل دور ہے، لیکن اس کے باوجود 60 میں سے صرف 10 آدمی واپس پاکستان پہنچ سکے، باقیوں کو پکڑ لیا گیا۔ ہلواڑہ اور آدم پور میں بہت سے لوگ رہائشی علاقوں پر ڈراپ ہوئے اور بعض گنے اور مکئی کے کھیتوں میں اترے جنہیں دیہاتیوں نے پکڑ کر فوج اور پولیس کے حوالے کر دیا۔اس آپریشن سے پاکستان نے کیا حاصل کیا۔ میرے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے۔"

دسواں باب

پاک بھارت جنگ 1965ء
(دوسری کمپنیوں کی کارکردگی)

ساتویں باب میں ہم نے 1965ء کی جنگ میں غازی کمپنی کی کارکردگی پر تبصرہ کیا تھا۔ یہ کمپنی اگرچہ جبرالٹر فورس کا حصہ نہ تھی، لیکن اگست 1965ء کے دوران، اسے مقبوضہ کشمیر کے بلند ارتفاع والے شمالی علاقوں میں مختلف مشنوں پر بھیجا گیا، جن کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ تاہم بعض مزید تفصیلات اس طرح ہیں:۔

غازی کمپنی

16 ستمبر 1965ء کو غازی کمپنی کو جو ائر بورن مشن ملا تھا، جب وہ جی ایچ کیو کے حکم پر منسوخ ہوگیا تو پشاور ائر فیلڈ پر بیٹھے لوگوں نے جو سی-130 میں سوار ہونے کے لئے تیار بیٹھے تھے، اپنے اپنے پیراشوٹوں کی طنابیں کھول دیں۔ کمپنی کو اسی رات شکرگڑھ جانے کا حکم ملا۔ وہاں ایک فرم بیس قائم کی گئی اور بارڈر کے اس پار انڈین آرمی کی صف بندی کی تفصیلات معلوم کرنے کے بعد وہاں کے مقامی لوگوں سے سرحد پار واقع دیہات کے نام، فاصلے، آبادیاں، زمینی ساخت اور اسی طرح کی دوسری معلومات بھی اکٹھی کی گئیں اور اس کے بعد 20، 20 افراد پر مشتمل تین ٹیمیں تشکیل دی گئیں، جن کی کمانڈ بالترتیب کیپٹن طارق رفیع، کیپٹن نصر اللہ خان اور کیپٹن طارق

محمود (ٹی ایم) کو دی گئی۔ ان کو ٹاسک دیا گیا کہ جموں۔ کٹھوعہ روڈ پر دشمن کے فوجی قافلوں پر گھاتیں لگائی جائیں اور ہائی ٹینشن ٹرانسمشن لائنوں کو برباد کیا جائے۔ یہ ٹیمیں ہر رات دشمن کے علاقے میں جاتیں۔ لیکن ان ایام میں دشمن کی کوئی کانوائی جموں۔ کٹھوعہ روڈ پر نظر نہ آئی۔ البتہ انہوں نے بجلی کے بہت سے کھمبے تباہ کر دیئے۔

21 اور 22 ستمبر کی درمیانی رات ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کی طرف سے احکامات ملنے پر کمپنی نے اپنے تمام مشن ختم کر دیئے۔ اس کے بعد کمپنی کو چھمب جوڑیاں کی طرف موو کرنے کے احکامات ملے۔ وہاں جی او سی 7 ڈویژن میجر جنرل یحیٰ خان نے کمپنی کمانڈر میجر نعیم کو ذاتی طور پر بریفنگ دی اور اس علاقے کی ریکی کرنے کی ہدایت کی، جس پر طرفین میں سے کسی کا بھی قبضہ نہ تھا۔ اس طرح دس روز تک ریکی کی گئی۔ 23 ستمبر کو جنگ بندی عمل میں آ چکی تھی۔ جی او سی 7 ڈویژن کو جب ریکی رپورٹ دی گئی تو وہ اسے پڑھ کر بہت مطمئن ہوئے۔

7 اکتوبر 1965ء کو غازی کمپنی ظفروال چلی گئی۔ جہاں ایس ایس جی کے نئے کمانڈر کرنل نصیر چودھری سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے غازی کمپنی کو 25، 30 گاڑیوں پر مشتمل دشمن کے ایک قافلے پر گھات لگانے کا مظاہرہ دکھانے کا حکم دیا۔ یہ مظاہرہ دکھایا گیا اور کمانڈر ایس ایس جی نے اس پر اپنے مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔ بعد ازاں کمپنی چراٹ واپس چلی گئی۔

اب ہم ایوب، شاہین، جنگجو، ٹیپو اور قائد کمپنیوں کی کارکردگی کا مختصر ذکر کریں گے:۔

ایوب کمپنی

ایوب کمپنی اگست 1965ء میں 15 ڈویژن کے زیر کمان دی گئی۔ اسے 31 اگست 1965ء کو پہلا ٹاسک یہ ملا کہ دشمن کی ایک کانوائی پر کہ جو جموں۔ اکھنور روڈ پر جا رہی تھی، گھات لگائے۔ کمپنی نے دریائے چناب کے جنوب میں خیری سیلینٹ (Salient) کی طرف سے نفوذ کر کے دریا کو عبور کرنا تھا۔ یکم اور دو ستمبر کی رات دریا کو عبور کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن بہاؤ تیز تھا اور دریا میں طغیانی تھی اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم دو اور تین ستمبر کی شب للیال کی جانب سے دشمن پر فائر کھولا گیا اور اس کی کانوائی کو نقصان پہنچایا گیا۔ 3 ستمبر کو کمپنی واپس سیالکوٹ آ گئی۔

4 ستمبر 1965ء کو ایوب کمپنی 7 ڈویژن کے زیر کمان کر دی گئی۔ اسے چھمب کی

طرف کوچ کرنے اور دشمن کی صفوں کے عقب میں جا کر خوف و ہراس پھیلانے کا ٹاسک دیا گیا۔ کمپنی نے چھوٹی چھوٹی ٹیموں میں منقسم ہو کر کامیابی سے یہ ٹاسک انجام دیا جس کی وجہ سے اپنے اگلے مدفوعہ مورچوں (FDL) پر دشمن کا دباؤ کم ہو گیا۔ 6 ستمبر کو کمپنی کمانڈر میجر محمد سرور شہید اور کیپٹن محمد عنایت اور دو جوان زخمی ہو گئے ۔ 7 ستمبر کو کیپٹن محمد صادق اور سپاہی محمد ریاض نے دشمن کے توپخانے کے ایک دیدبان کو ہلاک کر دیا، جو ہماری پوزیشنوں پر فائر ڈائریکٹ کروا رہا تھا۔

8 ستمبر 1965ء کو میجر شمیم عالم خان نے کمپنی کی کمانڈ سنبھالی۔ 9 ستمبر کو ایوب کمپنی 1 کور کے زیر کمانڈ کر دی گئی۔ کمپنی کو دریائے چناب اور دریائے راوی کے پلوں کے درمیانی علاقے میں، نیز ڈسکہ اور جی ٹی روڈ ایریا میں بھارتی چھاتہ برداروں سے نمٹنے کا ٹاسک سونپا گیا۔ 11 ستمبر کو کٹھوا۔ سامبا۔ جموں (دشمن کے علاقے) ایریا میں دشمن کی ٹرانسپورٹ پر کامیاب چھاپے مارے گئے ۔ 12 اور 13 ستمبر کی درمیانی شب تین افسروں اور 50 جوانوں پر مشتمل ایک فورس نے گھات لگائی اور ایک میڈیم گن برباد کر دی۔ اس طرح 13 اور 14 ستمبر کی درمیانی رات 2 افسروں اور 30 جوانوں پر مشتمل ایک فورس نے سامبا جموں روڈ پر ایک گھات کے دوران دشمن کا ایک سنچورین ٹینک، 3.5 انچ راکٹ لانچر مار کر راکھ کر ڈالا ۔ 20 اور 21 ستمبر کی درمیانی شب ہماری ایک لڑاکا گشت جو رام گڑھ کی طرف سے آ رہی تھی، اسے نزدیک ہی ایک بھارتی بارڈر پوسٹ نے دیکھ لیا۔ بطور پالیسی بارڈر پوسٹوں پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو دشمن نفوذ کے راستوں کو سیل کر دے۔ لیکن لڑاکا گشت کمانڈر نے فیصلہ کیا کہ اس پوسٹ پر چھاپہ مارا جائے، چنانچہ راکٹوں اور مشین گن فائر سے یہ آؤٹ پوسٹ برباد کر دی گئی۔ اس کے بعد گشت اس پوسٹ کے قریب سے گزر کر اپنے علاقے میں داخل ہوئی تو اس کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

21 ستمبر کو ایک مجاہد نے آ کر رپورٹ دی کہ دشمن کی ایک بٹالین درمن گاؤں کے نزدیک مورچے کھود رہی ہے۔ ایک آفیسر اور 8 جوان بھیجے گئے، لیکن دشمن ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں سے جا چکا تھا۔ تاہم دائیں جانب دشمن کی ایک بڑی فورس، جس کی نفری 400 افراد پر مشتمل تھی، نظر پڑی جو ایک نالے میں سے ایک قطار کی صورت میں پس قدمی کر رہی تھی۔ ایسا ٹارگٹ تو قسمت سے ملتا ہے۔ چنانچہ اس ٹیم نے مشین گن سے پسپا ہوتی ہوئی اس فورس پر چھاپہ مارا اور دشمن کے 40 آدمی جہنم رسید کئے۔ اس علاقے کے مقامی لوگوں نے بعد میں تصدیق کی کہ

انڈین آرمی کے دو بڑے بڑے ٹرک ان لاشوں کو لے جانے کے لئے آئے تھے۔

شاہین کمپنی

شاہین کمپنی کو یکم ستمبر 1965ء سے 12 ڈویژن کے زیرِ کمان کر دیا گیا۔ اسے وادئ نیلم میں بھیجا گیا۔ اس کا مشن دشمن کے علاقے میں چھاپے مارنا، ریکی کرنا اور اس نوع کے چھوٹے موٹے تخریبی اور سبوتاژی فرائض کی بجا آوری تھا۔ پھر ان کو نجوئی پوسٹ کے دفاع کا فریضہ سونپا گیا جو حقیقت میں ایس ایس جی کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ دشمن نے اس پوسٹ پر ایک انفنٹری بٹالین سے حملہ کیا تو کمپنی کے دو آدمی شہید اور دو لاپتہ ہو گئے۔ دشمن کے نقصانات کا پتہ نہ چل سکا۔ 9 ستمبر کو شاہین کمپنی کو دشمن کی ایک پوسٹ پر چھاپہ مارنے کا کام سونپا گیا۔ یہ چھاپہ 11 اور 12 ستمبر کی رات مارا گیا اور اس میں کمپنی کو جزوی کامیابی ہوئی۔

جنگجو کمپنی

جنگجو کمپنی 15 ڈویژن کی زیرِ کمانڈ تھی۔ اسے ٹاسک دیا گیا کہ 5 اور 6 ستمبر کی درمیانی شب کٹھوعہ۔ جموں روڈ پر گھات لگائے۔ اس گھات میں ایس ایس جی کے ایک آفیسر اور چھ دوسرے عہدے داروں جبکہ ستلج رینجرز کے ایک انسپکٹر اور 25 جوانوں نے حصہ لیا اور بھارت کے 14 آدمی ہلاک کئے۔ نیز دو ٹرک اور ایک جیپ بھی تباہ کی گئی۔

اس کے بعد یہ کمپنی ون کور کے زیرِ کمان کر دی گئی۔ وہاں دشمن پر گھات لگانے کے دو مشن اس کمپنی کو سونپے گئے اور دونوں ناکام ہوئے۔ ان ناکامی کی وجوہات میں دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں غیر مصدقہ انٹیلی جنس، گھات کے وقت کو موخر کرنا اور راستوں کے بارے میں درست معلومات کی عدم دستیابی شامل تھی۔ بعد میں اس کمپنی نے 16 اکتوبر سے 21 اکتوبر تک 15 ہیڈ کوارٹر کے زیرِ کمانڈ تقریباً 16 ریکی مشن مکمل کئے۔

ٹیپو کمپنی

اگرچہ 23 ستمبر 1965ء کو جنگ بندی عمل میں آ چکی تھی، لیکن اس کے باوجود بھارت مختلف محاذوں پر چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ اس کا مقصد شاید پاک فوج کو ہراساں کرنا تھا۔ راجستھان سیکٹر میں اس قسم کی کارروائیاں زور پکڑ رہی تھیں، چنانچہ ٹیپو کمپنی کو 4 نومبر 1965ء کو ڈیزرٹ فورس کی سپورٹ کے لئے بھیجا گیا۔ رحیم یار خاں سیکٹر میں دشمن کی چھ سات پوسٹوں پر

قبضہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا اب دشمن کی طرف سے کسی بھی وقت جوابی حملے کی توقع تھی۔ ٹیپو کمپنی کو دو فریضے سونپے گئے۔ ایک مجاہدین کو ٹریننگ دینا اور دوسرے دشمن کی مواصلاتی لائن کو کاٹنا۔ اس کمپنی کو تین ٹیموں میں بانٹ دیا گیا جن کی قیادت میجر فضل، کیپٹن عنایت اور کیپٹن گجیال کو دی گئی۔ ان تینوں ٹیموں نے جو اہم اور قابل ذکر کامیابیاں حاصل کیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:۔

میجر فضل اکبر کی ٹیم کو حکم ملا کہ رام گڑھ۔ تنوٹ روڈ پر دشمن کی ایک کانوائے جا رہی ہے، اس پر چھاپہ مارا جائے۔ 17 نومبر 1965ء کو 20 افراد پر مشتمل یہ ٹیم رات کے نو بجے کشن گڑھ سے چلی اور اگلے روز علی الصبح سوا چار بجے ایک موزوں مقام پر پہنچ کر پوزیشن سنبھال لی۔ دشمن کا ایک بڑا ٹرک (3 ٹن) تباہ کر دیا گیا۔ دو آدمیوں کو قیدی بنایا اور چند قیمتی دستاویزات قبضے میں لے لی گئیں۔ ایک ٹینک شکن بارودی سرنگ لگائی گئی، جس پر چڑھ کر دشمن کی ایک جیپ بھی اڑ گئی اور ساتھ ہی دو آدمی بھی مارے گئے۔ تیسری گاڑی میں گولہ بارود لے جایا جا رہا تھا، اس کو بھی اسی طرح تباہ کر دیا گیا۔

کیپٹن وحید ارشد گجیال کی ٹیم نے، جو 15 افراد پر مشتمل تھی، دشمن کی ایک جیپ پر گھات لگائی۔ اس ٹیم میں بھارت کی ایک یونٹ 3 گرینڈ ئیر کا سیکنڈ ان کمانڈ میجر پورن سنگھ تنوٹ سے سادھے والا جا رہا تھا۔ 29 نومبر کو دن کے ایک بجے کیپٹن گجیال کو اس جیپ کے برباد کرنے کا حکم ملا۔ ٹیم شام کو ساڑھے چھ بجے اچھری ٹوبہ پہنچی۔ وہاں لوکل کمانڈر سے آٹھ دس اونٹ لئے، ایک پگی (گائیڈ) کا بندوبست کیا اور گھات کے مقام سے ایک ڈیڑھ میل پیچھے ان کو دو گارڈوں کی نگرانی میں چھوڑ کر پیدل مارچ کرتی ہوئی مقام گھات پر پہنچی۔ اس وقت 30 نومبر صبح کے چار بج رہے تھے۔ ٹیم کمانڈر نے مختلف گروپوں کو پوزیشن میں لگایا اور اپنے شکار کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ دن کے ساڑھے نو بجے ایک بھارتی جیپ آتی نظر آئی۔ جب نزدیک پہنچی تو اس پر مشین گن سے فائر کیا گیا۔ میجر پورن سنگھ، ایک کپتان اور تین سپاہی جو جیپ میں آ رہے تھے، سب کے سب موقع پر ہلاک کر دیئے گئے۔

ان کے علاوہ کیپٹن خالد محمود کی ٹیم نے بھی 21 نومبر 1965ء کو ایک شتر بردار گشت پر چھاپہ لگایا جو بڑی والا ٹوبہ کے قریب تھا لیکن دشمن کی یہ گشت 18 گھنٹے کے انتظار کے بعد جب گھات کے مقام پر نہ پہنچی تو ٹیم کو واپس کشن گڑھ فورٹ بلا لیا گیا۔

متذکرہ بالا ایکشن اگرچہ معمولی نوعیت کے معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان سے جو کچھ حاصل ہوا وہ جارحانہ سپرٹ کی برقراری (Maintenance) تھی۔ کسی بھی سپیشل سروس فورس میں اگر یہ جارحانہ سپرٹ موجود نہ ہو تو وہ ایک ایسی روایتی فورس بن جاتی ہے، جو اپنے "سپیشل قسم" کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتی۔

قائد کمپنی

قائد کمپنی اس پاک بھارت جنگ میں مشرقی پاکستان میں تھی، اسے 23 بریگیڈ (14 انفنٹری ڈویژن) کے زیر کمان رکھا گیا۔ 22 ستمبر 1965ء یعنی جنگ بندی سے صرف ایک روز قبل اس کمپنی کو حکم ملا کہ رنگ روپور میں دشمن کی اگلی مدفوعہ پوزیشنوں (FDLs) پر چھاپا لگائے۔ دوافراد پر مشتمل ایک ٹیم نے چھاپا لگایا اور دشمن کے پانچ آدمی ہلاک کر دیئے۔

شہداء اور اعزازات

پاک بھارت جنگ 1965ء میں ایس ایس جی کے تین آفیسر، ایک جے سی او اور 26 دوسرے عہدہ دار شہید ہوئے۔ ایس ایس جی نے 10 ستارۂ جرأت، 12 تمغۂ جرات، ایک ستارۂ بسالت، 2 تمغۂ بسالت اور 23 امتیازی سندات حاصل کیں۔ (تفصیلات ضمیمہ جات کے حصے میں الگ دی گئی ہیں۔)

گیارھواں باب

پاک بھارت جنگ 1971ء

لیفٹیننٹ جنرل کمال متین الدین نے اپنی کتاب "اغلاط کا المیہ" (Tragedy of Errors) کے صفحہ نمبر 17 پر لکھا ہے:"1974ء میں مرحوم لیفٹیننٹ جنرل آغا ابراہیم اکرم (مشہور انگریزی کتاب "سورڈ آف اللہ" کے مصنف) سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ آجکل وہ ایران میں مسلمانوں کی فتوحات پر ایک اور کتاب لکھ رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ سقوط مشرقی پاکستان پر کیوں نہیں لکھتے تو ان کا جواب تھا:"میں شکستوں پر نہیں لکھا کرتا!"

انگریزی زبان کا ایک مشہور محاورہ ہے کہ شکست ایک ایسا طفل یتیم ہے، جس کا کوئی والی وارث نہیں بنتا، جبکہ فتح کے ہزاروں مائی باپ نکل آتے ہیں۔ تاہم تاریخ کے اوراق یہ بتاتے ہیں کہ اگر آپ شکست کو یاد نہیں رکھیں گے تو فتح بھی آپ کو بھول جائے گی۔ نئی نسل کو اپنی پرانی نسل (یا نسلوں) سے سبق سیکھنا ہوتا ہے، اس لئے جب تک غزوۂ اُحد کی شکست کا ذکر نہیں کیا جائے گا، فتح مکہ کا جشن کس طرح منایا جائے گا؟ مبارک ہیں وہ قومیں جو اپنی ناکامیوں سے سبق سیکھتی اور ہر آن اپنے عمل کا حساب بلکہ احتساب کرتی رہتی ہیں۔ حضرت اقبالؒ نے کہا تھا:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

اگرچہ یہ کتاب 1971ء کی پاک بھارت جنگ کی تاریخ نہیں ہے لیکن سپیشل سروس گروپ نے اس جنگ میں جو کردار ادا کیا، یہ اس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتا، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مشرقی پاکستان کیا تھا، اپنے بنگالی بھائیوں سے ہمارا کیا رشتہ تھا، وہ 25,24 برس (1947ء تا 1971ء) تک ہمارے ساتھ رہنے کے بعد الگ کیوں ہو گئے، ان کو ہم سے کیا کیا شکائتیں تھیں اور ان میں کتنا سچ یا کتنا جھوٹ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس بیگانگی کی وجوہات کیا تھیں اور پھر بھارت کے ساتھ اس جنگ میں پاک فوج کی شکست کے عسکری اسباب کیا تھے۔

مشرقی پاکستان 14 اگست 1947ء کو مغربی پاکستان کے ساتھ ہی وجود میں آیا۔ یہ پاکستان کا حصہ اور اٹوٹ انگ تھا۔ تاہم پاکستان کے ان دونوں حصوں کے درمیان 1600 کلومیٹر کا فاصلہ تھا.......... اور درمیان میں بھارت واقع تھا۔ اس کا رقبہ 143998 مربع کلومیٹر تھا جو پاکستان کے باقی چاروں صوبوں (سندھ، بلوچستان، سرحد اور پنجاب) میں سے ہر ایک صوبے سے کم تھا۔ لیکن اس کی آبادی 1947ء میں 4 کروڑ تھی، جبکہ پاکستان کے دوسرے چاروں صوبوں کی کل آبادی ملا کر بھی 4 کروڑ نہیں بنتی تھی۔ لیکن یہ آبادی مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کی آبادیوں کے برعکس بہتر تعلیم یافتہ تھی اور اس کا سیاسی شعور مغربی پاکستانیوں سے کہیں بلند لیکن کہیں اضطراب انگیز تھا۔

مشرقی پاکستان چاروں طرف سے بھارت سے محصور تھا لیکن مشرق میں ایک چھوٹا سا علاقہ برما کے ساتھ بھی ملتا تھا۔ اس کے مغرب میں مغربی بنگال، شمال میں آسام اور میگھالیا، مشرق میں تری پورہ اور میزو رام اور جنوب میں خلیج بنگال واقع تھی جس کو انڈین نیوی مغلوب (Dominate) کرتی تھی۔

مشرقی پاکستان میں تین بڑے بڑے دریا تھے، جن کو گنگا، جمنا اور برہم پتر کہا جاتا تھا۔ نقشے پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ واقعی عظیم دریاؤں کی سرزمین ہے۔ یہ سب دریا خلیج بنگال میں جا گرتے تھے۔ یہ وسیع و عریض دریا تھے اور ان کو پلوں کے بغیر عبور کرنا ممکن نہ تھا۔ ان کے علاوہ بے شمار چھوٹے چھوٹے دریا اور جھیلیں بھی تھیں۔ ڈھاکہ ایک ایسے میدانی علاقے میں واقع تھا، جس کی لمبائی 100 کلومیٹر اور چوڑائی صرف 60 کلومیٹر تھی اور یہ دائیں بائیں سے دریائے برہم

پتر اور دریائے جمنا سے محصور تھا۔ صوبے کے مشرق میں چٹا گانگ کا پہاڑی علاقہ ایسا تھا جو سطح سمندر سے 2000 فٹ بلند تھا۔ اسے "چٹا گانگ ہل ٹریکٹ" کہا جاتا تھا۔ یہ علاقہ گوریلا کارروائیوں کے لئے نہایت موزوں تھا، یہی وجہ ہے کہ جب مارچ 1971ء میں پاک آرمی نے مشرقی پاکستان میں ملٹری ایکشن کا فیصلہ کیا تو ایس ایس جی کی دونوں کمانڈو بٹالینیں (2 کمانڈو اور 3 کمانڈو) اس علاقے میں آپریٹ کرتی رہیں۔

سڑکیں بہت کم تھیں اور کشتیوں اور سٹیمروں کے ذریعے جہاز رانی ہوتی تھی۔ زیادہ تر سڑکیں دریاؤں کے کنارے کنارے تعمیر کی گئی تھیں۔ تاہم بھارت کا سب سے بڑا شہر کلکتہ جو مشرقی پاکستان کے شہر جیسور سے صرف 100 کلومیٹر دور تھا، وہاں کی سڑکیں کشادہ اور بین الاقوامی معیار کے مطابق تھیں۔ بھارت اور مشرقی پاکستان کے مابین کوئی قابل ذکر حد فاصل نہیں تھی۔ سرحد کے آر پار آمد و رفت نہایت آسانی سے ہوسکتی تھی۔ آب و ہوا گرم مرطوب تھی۔ بارشوں کا سالانہ اوسط 100 انچ سے زیادہ تھا جو اپریل اور ستمبر کے درمیان ہوتی تھیں۔ ملٹری آپریشن صرف موسم سرما میں ممکن تھے۔ لوگوں کا رنگ سانولا اور قد و قامت بالعموم چھوٹا تھا۔ 87 فی صد آبادی مسلمان تھی، 10 فیصد ہندو اور باقی تین فیصد بدھوں اور عیسائیوں پر مشتمل تھی۔

تقسیم ہند سے پہلے مسلمان بالعموم نیم خواندہ اور غریب تھے، جبکہ ہندو زیادہ لکھے پڑھے تھے۔ ہندو ساہوکار تجارت پر قابض تھے۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اساتذہ کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ درگا پوجا، ہولی اور دیوالی تو ملک کے طول و عرض اور گلی کوچوں میں منائی جاتی تھی، جبکہ عید میلاد النبیؐ اور دوسرے مسلم تہوار مسلم آبادی اپنے اپنے گھروں میں مناتی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک یہی صورت حال تھی۔ تاہم اس کے بعد بعض قوم پرست مسلم لیڈروں نے جذبۂ قومیت بیدار کیا اور اس طرح دو قومی نظریہ ابھر کر سامنے آیا۔ اگست 1947ء کے آتے آتے ملی شعور بیدار ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب قائدِ اعظمؒ نے پاکستان کا نعرہ لگایا تو اس خطے کے مسلمان، مغربی پاکستانیوں سے زیادہ پر جوش، اسلام پسند اور حریت پسند نکلے۔ مولوی فضل الحق، حسین شہید سہروردی اور خواجہ ناظم الدین مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈر تھے۔

تاہم قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی یہ جوش و خروش ٹھنڈا پڑنا شروع ہو گیا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ مثلاً زبان کا مسئلہ تھا، تہذیب و ثقافت کا مسئلہ تھا۔ مشرقی پاکستانیوں کی طرف سے

مغربی پاکستانیوں پر یہ الزام تھا کہ وہ ان کے سیاسی حقوق، ان کی چائے اور پٹ سن کی آمدنی غصب کر رہے ہیں اور سول و عسکری شعبوں میں ان کو مغربی پاکستانیوں کے مقابلے میں مساوی حقوق نہیں دیئے جا رہے۔

ہم ان الزامات اور ردالزامات کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ صرف یہ بتانا چاہیں گے کہ مغائرت کا یہ سلسلہ 1950ء میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ 4 نومبر 1950ء کو ڈھاکہ میں ایک گرینڈ نیشنل کنونشن منعقد ہوا تھا، جس میں مشرقی پاکستان کیلئے علاقائی خودمختاری کا مطالبہ کیا گیا۔ قمرالدین اور عطاالرحمٰن جو نوجوان بنگالی لیڈر تھے، انہوں نے مرکز سے مطالبہ کیا کہ دفاع، خارجہ امور اور کرنسی کے علاوہ سارے محکمے صوبوں کو دیئے جانے چاہئیں .... یہی وہ بیج تھا جو 1970ء کے عام انتخابات میں ایک تناور درخت بن گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن جو عوامی لیگ کے سب سے بڑے لیڈر تھے، انہوں نے چھ نکات کی بنیاد پر یہ انتخاب لڑا اور زبردست کامیابی حاصل کی۔ مشرقی پاکستان کی 169 نشستوں میں سے 167 پر عوامی لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے، جبکہ مغربی پاکستان کی 120 نشستوں میں سے 81 پر ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے کامیابی حاصل کی۔ ان کے علاوہ مشرقی پاکستان کی ساتوں نشستیں جو خواتین کے لئے مختص تھیں، وہ بھی عوامی لیگ نے جیت لیں اور مغربی پاکستان میں خواتین کی چھ مختص نشستوں پر پیپلز پارٹی کامیاب ہوئی، مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے 75 فی صد اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے 42 فی صد ووٹ حاصل کئے۔

تاہم مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی اس "عظیم" کامیابی کی پشت پر جو سٹریٹجی کارفرما تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے جنرل حکیم ارشد قریشی نے اپنی کتاب "دی انڈو پاک وار 1971ء" کے صفحہ نمبر 12 پر لکھا ہے:

"عوامی لیگ نے یہ ٹوٹل فتح کیسے حاصل کی؟ کیا کسی ایک پارٹی کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ کسی جمہوری نظام میں اتنی اکثریت سے کامیاب ہو سکے؟ کیا ایک ایسی سوسائٹی جو اندر سے منقسم ہو وہ راتوں رات اکٹھی ہو کر مولانا بھاشانی جیسے لیڈروں کو شکست دے سکتی ہے؟...... ان سوالوں کا جواب سب جانتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ انتخابات سے پہلے مولانا بھاشانی کے 1400 کارکنوں کو صوبائی انتظامیہ نے گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے

مولانا بھاشانی انتخابات ہی سے دستبردار ہو گئے۔ جماعت اسلامی اور دوسری پارٹیاں عوامی لیگ کے بے لگام غنڈوں کے ہاتھوں بری طرح ہراساں کی گئیں .... یہ انتخابات اگرچہ فوج کی اوور آل نگرانی میں کروائے گئے لیکن ووٹوں کی گنتی براہ راست سول انتظامیہ کی ذمہ داری تھی۔ یہ انہی لوگوں کے طفیل ممکن ہوا کہ عوامی لیگ نے ٹوٹل فتح حاصل کی۔ آج بھی مبینہ طور پر بنگلہ دیش میں عوامی لیگ سکول ٹیچروں پر سارا زور صرف کرتی ہے تاکہ جب الیکشن ہوں اور ووٹوں کی گنتی کا وقت آئے تو اپنی مرضی کے نتائج حاصل کئے جا سکیں۔"

بہر کیف یہ نتائج جیسے بھی حاصل کئے گئے تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ قومی اسمبلی میں اکثریتی پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دے دی جاتی لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ مارچ 1971ء کا مہینہ بھی پاکستان کی تاریخ میں اسی طرح بدنصیب اور یادگار سمجھا جائیگا، جس طرح دسمبر 1971ء کا مہینہ! .... یکم مارچ 1971ء کو صدر پاکستان جنرل محمد یحیٰی خان نے غیر معینہ مدت تک قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ اس پر مشرقی پاکستان میں بغاوت کی اب تک دبی ہوئی چنگاری، شعلہ جوالہ بن گئی۔ 7 مارچ 1971ء کو شیخ مجیب الرحمٰن نے ڈھاکہ میں ایک ایسی تقریر کی جو شعلہ نوائی میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ انہوں نے بنگلہ دیش کی آزادی کا کھلم کھلا اعلان تو نہ کیا لیکن جو کچھ کہا، وہ اعلان آزادی سے سوا تھا۔

اس صورت حال سے نہ صرف سویلین پبلک متاثر ہوئی بلکہ مشرقی پاکستانی ملٹری آفیسرز اور جوان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مختصراً یہ ذکر بھی کر دیا جائے کہ افواج پاکستان میں مشرقی پاکستان کا حصہ اور حجم کیا تھا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد، جسے انگریز مؤرخین بغاوت اور غدر کا نام دیتے ہیں، برطانوی حکومت نے فیصلہ کیا کہ کمپنی بہادر کی افواج میں (اور بعد ازاں برٹش انڈین آرمی میں) ہندوستان کی مختلف اقوام کو کسی ایک یونٹ میں اکٹھا نہ ہونے دیا جائے۔ پنجاب رجمنٹ، بلوچ رجمنٹ، جاٹ رجمنٹ اور پٹھان رجمنٹ (ایف ایف) کے نام تو مختلف قبیلوں پر رکھے گئے لیکن کسی بھی بٹالین کی نفری میں تمام تر یہ قبیلہ یا قوم بھرتی نہ کی گئی۔ مثلاً بلوچ رجمنٹ میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو، سکھ اور ڈوگرہ بھی بھرتی کئے گئے۔ ہر انفنٹری بٹالین میں ان کا تناسب مختلف تھا، مثلاً پنجاب رجمنٹ کی کسی بٹالین میں اگر دو کمپنیاں پنجابی مسلمانوں کی تھیں، تو ایک

سکھوں کی اور ایک ہندوؤں کی بھی تھی۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ ان اقوام وقبائل کے مابین صحت مند مقابلے کی فضاء پیدا کی جائے اور دوسرے کسی ایک قوم یا قبیلے کی طرف سے بغاوت کے اندیشے کو باقی نہ رہنے دیا جائے۔

تقسیم ہند کے بعد جو فوج ہمارے حصے میں آئی، اس میں کوئی بنگال رجمنٹ نہیں تھی۔ اس لئے 1948ء میں فیصلہ کیا گیا کہ ایسٹ بنگال رجمنٹ (EBR) کے نام سے مشرقی پاکستانی باشندوں کی بھی ایک رجمنٹ ہو۔ چنانچہ ایسٹ بنگال رجمنٹ کی پہلی دو بٹالینیں 1948ء میں کھڑی کی گئیں۔ پھر 1956ء میں 3 ای بی آر، 1969ء میں 4 ای بی آر، 1965ء میں 5 اور 6 ای بی آر، 1969ء میں 7 ای بی آر اور 1970ء میں 8، 9 اور 10 ای بی آر تشکیل دی گئیں۔ چٹا گانگ اس نئی رجمنٹ کا رجمنٹل سنٹر بنایا گیا۔ جس میں بیک وقت 2500 رنگروٹ ٹریننگ پانے لگے۔ ان تمام بٹالینوں میں 100% بنگالی تھے۔ اس کے علاوہ جو انفنٹری یونٹیں مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان میں جاتی تھیں، ان میں بھی 5 فی صد بنگالی باشندے رکھے جاتے تھے.......... جب 71-1970ء میں بغاوت کے آثار رونما ہونے لگے تو ایسٹ بنگال رجمنٹ کی بٹالینوں کو پلاٹونوں اور کمپنیوں میں بانٹ کر سرحدی، چوکیوں کی حفاظت پر مامور کرنا پڑا۔

ایسٹ پاکستان رائفلز (EPR) کو زمانۂ امن میں سرحدوں پر وہی فریضہ سونپا گیا جو مغربی پاکستان میں رینجرز، سکاؤٹس اور ملیشیا کو سونپا گیا تھا۔ ای پی آر کی بیشتر نفری بنگالی تھی، البتہ آفیسرز مشرقی اور مغربی پاکستان سے آتے تھے۔ پاکستان ائیر فورس اور پاکستان نیوی میں بھی بہت سے بنگالی آفیسرز اور دوسرے عہدیدار موجود تھے۔ 1971ء تک مشرقی پاکستان میں صرف ایک ڈویژن (14 انفنٹری ڈویژن) فوج رکھی گئی۔ اس ڈویژن کے چار بریگیڈ تھے اور ہر بریگیڈ میں ایک ایک ایسٹ بنگال رجمنٹ تھی۔ قصہ مختصر یکم مارچ 1971ء کو مشرقی پاکستان میں ٹوٹل مسلح افراد میں 50% لوگ بنگالی تھے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

1۔	ایسٹ بنگال رجمنٹ (6 بٹالینیں)	=5000
2۔	ایسٹ پاکستان رائفلز	=16000
3۔	رضا کار	=50,000
4۔	پولیس	=45,000
	میزان	=1,16,000

25 مارچ 1971ء کو جب مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن شروع ہوا تو یہ تمام فورس راتوں رات باغی ہو کر دشمن سے جا ملی۔ اس کے علاوہ ایک اور نیا عنصر بھی ان باغیوں سے مل گیا.......... یہ عنصر مکتی باہنی کہلاتا تھا، جس کا معنی تھا دشمن سے آزادی اور نجات دلانے والی فوج۔ انگریزی میں آپ اسے لبریشن آرمی یا سلویشن آرمی (Salvation Army) کہہ سکتے ہیں۔

انڈین آرمی کے بریگیڈیئر جگدیو سنگھ نے "انڈو پاک وار 1971ء" کے عنوان سے ایک نہایت دقیع کتاب لکھی ہے۔ اس کے صفحہ نمبر 66 پر وہ لکھتے ہیں: "عسکریت پسند (Militants) زیادہ تر ایسٹ بنگال رجمنٹ اور مکتی باہنی پر مشتمل تھے۔ مکتی باہنی کے علاوہ اور بہت سی گوریلا تنظیمیں بھی مشرقی پاکستان میں برسرِ عمل تھیں۔ ای بی آر یونٹیں، پاکستان آرمی کی ریگولر تربیت یافتہ انفنٹری بٹالینیں تھیں۔ انہیں جب ہتھیار اور مطلوبہ ساز و سامان فراہم کر دیا گیا تو انہیں پاکستان کے خلاف ریگولر وارفیئر میں استعمال کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی.......... جہاں تک مکتی باہنی کا تعلق ہے تو اس کے زیادہ تر اراکین شہروں، قصبوں اور گاؤں کے تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ اس کے دو ونگ تھے۔ ان میں سے ایک ونگ جو کمپنیوں اور پلاٹونوں پر مشتمل تھا، اسے ریگولر وارفیئر کیلئے ٹریننگ دی گئی، جبکہ دوسرا ونگ گوریلا وارفیئر میں تربیت یافتہ تھا۔ اس میں بعض خودکش سکواڈ بھی تھے، جن کا کام ویسٹ پاکستان کے اہم ترین اشخاص (VIPs) کو قتل کرنا، حساس تنصیبات کو اڑانا، گاڑیوں، بحری جہازوں، پلوں اور سڑکوں وغیرہ کو برباد کرنا تھا۔ قادر باہنی اور مجیب باہنی کے نام سے بھی گوریلا تنظیمیں موجود تھیں، جن کی نفری بیس بیس ہزار تھی۔ مکتی باہنی کی کل نفری 60 سے 70 ہزار تک تھی۔"

جنرل کمال متین الدین نے اپنی کتاب کا چوتھا باب "مکتی باہنی" کیلئے مختص کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس گوریلا فورس کی تعداد 70,000 تھی، جس سے باقاعدہ آٹھ مکتی باہنی بٹالینیں تشکیل دی گئی تھیں۔ ہندوستان میں مکتی باہنی کی ٹریننگ کیلئے چھ ٹریننگ سنٹر قائم کئے گئے جو بالترتیب مورتی کیمپ (ویسٹ بنگال) رائے گنج (ویسٹ بنگال) چاکولیا (بہار)، ڈکتا مورا (تری پورہ)، میرپور (آسام) اور تورا (میگھیالیا) میں قائم کئے گئے تھے۔ مکتی باہنی کے سارے ہتھیار بھارت کی اسلحہ ساز فیکٹریوں سے فراہم کئے گئے تھے اور کرنل عثمانی ساری باغی فورس کے اوورآل انچارج تھے۔

بھارت کے ایک سابق وزیرِاعظم شری مرار جی ڈیسائی کا یہ بیان بھی ریکارڈ پر ہے: ''نہ صرف یہ کہ انڈین آرمی نے مکتی باہنی کو ٹریننگ دی، بلکہ اپریل 1971ء سے دسمبر 1971ء تک انڈین آرمی کے ریگولر سولجر بھی مکتی باہنی کے بھیس میں مشرقی پاکستان میں لڑتے رہے''۔

25 مارچ 1971ء کو جب مشرقی پاکستان میں جنرل ٹکا خان نے آرمی ایکشن شروع کیا تو اس وقت وہاں 1833 آفیسر، 50232 جے سی اوز، این سی اوز اور جوان موجود تھے۔ ان میں 354 آفیسرز، 192 جے سی اوز اور 5320 این سی اوز اور جوان مارے گئے۔ 16 دسمبر 1971ء کو 26000 فوجیوں اور 65000 سویلین کو سقوط مشرقی پاکستان کے بعد جنگی قیدی بنا کر بھارت کے مختلف کیمپوں میں بھیج دیا گیا، جہاں وہ 1974ء تک قید رہے۔ بریگیڈیئر جگدیو سنگھ نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں مشرقی پاکستان میں بھارت کے 1500 آفیسر اور جوان ہلاک اور 4200 زخمی ہوئے۔ کل جانی نقصانات (پاکستانی، بھارتی، فوجی اور سویلین) کا تخمینہ دو لاکھ اور دس لاکھ کے درمیان لگایا جاتا ہے۔

جہاں تک مشرقی پاکستان کی شکست کے عسکری اسباب کا تعلق ہے تو یہ بہت سارے تھے۔ ان میں سے دس گیارہ اسباب کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہوگا، مثلاً:۔

اول یہ کہ 1971ء کی اس جنگ میں مشرقی پاکستان میں پاک آرمی کے تین انفنٹری ڈویژن (9،14 اور 16) آپریٹ کر رہے تھے، جن کے مقابل بھارت کی تین کوریں لگی تھیں۔ ای بی آر، ای پی آر، مکتی باہنی اور رضا کاران کے علاوہ تھے۔ تقریباً ساری سول آبادی مذموم اور بے بنیاد پراپیگنڈے کے ذریعے پاک فوج کے خلاف کر دی گئی تھی اور جوق در جوق میں تھی، وہ بھی عوامی لیگ کے کارندوں کے ڈر سے "آوازۂ حق" بلند نہیں کر سکتی تھی۔

دوم یہ کہ مشرقی پاکستان کے تین اطراف بھارت تھا اور چوتھی طرف سمندر۔ یعنی تین طرف انڈین آرمی اور چوتھی طرف انڈین نیوی۔ فضاؤں پر بھارت کو مکمل برتری حاصل تھی۔ پاک بحریہ کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہ تھا۔ ہائر کمانڈ کی غلط پلاننگ کے باعث ان تین ڈویژنوں پر " ملک کے چپے چپے " کے دفاع کا جنون سوار کر دیا گیا تھا۔ للہذا حدود محاذ (Frontages) معروف اور سٹینڈرڈ حدود سے بیس گنا زیادہ ہو گئی تھیں، یعنی دشمن جہاں سے چاہتا شگاف ڈال کر گہرائی میں جا سکتا تھا۔

سوم یہ کہ مشرقی پاکستان کی اس جنگ میں بین الاقوامی فضاء اور ماحول بھارت کے حق میں تھا۔ بھارت نے ایک کروڑ بنگالی پناہ گزینوں کا شور مچا کر ساری دنیا کو قائل کر لیا تھا کہ پاک آرمی بنگالیوں کا قتل عام کر رہی ہے۔

چہارم یہ کہ 10 اپریل 1971ء کو فیلڈ مارشل مانک شا نے اپنی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ اپریل کے مہینے میں مشرقی پاکستان پر یلغار نہیں کی جا سکتی۔ مون سون کا موسم ہے اور چینیوں کی آمد کیلئے شمالی درے کھلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ یلغار دسمبر تک موخر کر دی گئی۔

پنجم یہ کہ مغربی پاکستان سے اگرچہ دو انفنٹری ڈویژن (9 اور 16) مارچ 1971ء میں ائرلفٹ کر کے مشرقی پاکستان بھیجے گئے لیکن ان کے ٹینک، توپیں اور بھاری ساز و سامان ان کے ساتھ نہ جا سکا.........ائرلفٹ کی معذوریاں حائل تھیں.........

ششم یہ کہ پاک فوج کے پاس اپنے ہی پیٹی بند بھائیوں سے جنگ کرنے کی کوئی کاز (Cause) موجود نہیں تھی۔ سپاہی کو جب اپنے مقصد پر ہی ایمان نہ ہو تو وہ کیا لڑے گا؟

ہفتم یہ کہ مارچ تا نومبر 1971ء پاک فوج کی فارمیشنوں کو تقسیم ہو کر لڑنا پڑا اور وہ بھی مقامی آبادی اور مکتی باہنی گوریلاؤں کے خلاف۔ چنانچہ جب فارمیشنوں (ڈویژنوں اور بریگیڈوں) کو تقسیم ہو کر بٹالینوں، کمپنیوں، پلاٹونوں اور سیکشنوں میں لڑنا پڑا تو وہ اپنی قوت ضرب کھو بیٹھیں۔ اس طرح جنگ کے ایک معروف اصول یعنی ارتکاز (Concentration) کی نفی ہو گئی۔

ہشتم یہ کہ چاہئے تو یہ تھا کہ ڈھاکہ کو ہر قیمت پر بچایا جاتا اور آپریشنل سٹرٹیجی کا مرکزی نقطہ یہی ہونا چاہئے تھا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ بڑے بڑے اور اہم شہری مراکز کی بجائے فوج کو منتشر اور تقسیم کر کے سرحدوں پر ڈال دیا گیا۔ گویا بیرونی (Exterior) لائنوں پر لڑ کر فوج نے اندرونی (Interior) لائنوں کو فراموش کر دیا۔ جب دشمن نے ہمارے اصل (Main) دفاعی مورچوں کو بازو کش (بائی پاس) کیا اور اگلے دفاعی مورچوں (FDLs) کو چیرنے میں کامیاب ہو گیا تو گہرائی (Depth) میں دفاع کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ ایک ایک چپہ بچانے والوں اور ایک ایک انچ پر کٹ مرنے کی بڑھکیں مارنے والوں کا عقب غیر محفوظ ہوا تو ان کو پورس محاذوں پر لڑنا پڑا، جس کا نتیجہ نوشتہء دیوار ہوتا ہے!

نہم یہ کہ جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی اور ایسٹرن کمانڈ ڈھاکہ دونوں ہی دشمن کے اصل عزائم سے بے خبر رہے۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ انڈیا ٹوٹل جنگ نہیں کرے گا، صرف محدود کارروائی کرے گا۔

دہم یہ کہ ہائر کمانڈ میں سٹریٹجک لچک ناپید تھی۔ جنرل نیازی اپنے ابتدائی پلان پر ڈٹے رہے۔ ٹائم اور سپیس (زمان و مکان) ان کے خلاف تھا، سارے ملک میں بغاوت پھیل گئی تھی، ائرکور (Air Cover) کا نام ونشان تک نہ تھا اور کمک کی آمد سے بالکل ناامیدی تھی تو ایسے میں ابتدائی پلان پر ڈٹے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ لیکن کمانڈر ایسٹرن کمانڈ نے حکم دے رکھا تھا کہ اگلے مورچوں سے ایک کمپنی بھی پس قدمی نہیں کر سکتی۔ شائد انہیں دوسری عالمی جنگ میں آپریشن باربروسہ کے دوران جرمن افواج کی اس حالت زار کی کوئی خبر نہ تھی، جنہیں ہٹلر نے سختی سے حکم دیا تھا کہ پسپائی کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا تھا؟ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ لاکھوں جرمن ٹروپس "جنرل موسم" کے ہاتھوں ماسکو کی دہلیزوں پر موت کے گھاٹ اتر گئے تھے!.......... دوسری عالمی جنگ میں ملٹری کراس کا اعزاز پانے والے کو کم از کم اس جنگ کا یہ سبق تو یاد رکھنا چاہئے تھا!! لیکن تاریخ کا ایک سبق یہ بھی تو ہے کہ اس سے کوئی سبق نہیں لیا جاتا!!!

یازدہم یہ کہ مشرقی پاکستان میں لڑنے والی مغربی پاکستانی فوج کا کوئی رابطہ مغربی پاکستان سے نہ تھا۔ بیچ میں 1600 کلومیٹر کا فاصلہ تھا۔ یہ زمینی دوری فوجیوں کے لئے نفسیاتی مسائل پیدا کر رہی تھی۔ انڈین نیوی نے خلیج بنگال کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ چین کی طرف سے "خوشی" کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ امریکہ کا ساتواں بحری بیڑا خلیج بنگال کی طرف ضرور آ رہا تھا لیکن اس مہرباں نے آتے آتے بہت دیر لگا دی! چنانچہ افسروں اور جوانوں کا مورال پست ہو گیا۔

جنرل امیر عبداللہ خان نیازی نے اپنی کتاب (The Betrayal of East Pakistan) میں اپنا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغربی پاکستان میں بیٹھی ہائر ملٹری اور پولیٹیکل قیادت نے انہیں جو کچھ کرنے کا حکم دیا، انہوں نے وہی کچھ کیا۔ ان کا استدلال تھا کہ مشرقی پاکستان میں فورسز کو بکھرا کر صف بند کرنے کی سٹریٹجی کیلئے وہ نہیں، بلکہ جنرل ہیڈ کوارٹرز ذمہ دار تھا اور یہ کہ انہوں نے تو صرف تعمیل حکم کی.......... تاہم یہ ایک ایسا موضوع ہے، جس پر طویل بحث کی جا سکتی ہے۔ بریگیڈیئر صدیق سالک جو اس دور میں

انگریزی محاورے کیمطابق ''طاقت کی راہداریوں'' تک رسائی رکھتے تھے، انہوں نے اپنی تصنیف (Witness to Surrender) میں کئی واقعات ایسے لکھے ہیں جو جنرل نیازی کا دفاع نہیں کرتے۔ ان کی تفصیل، تحصیل حاصل ہوگی۔ نیازی اگر اپنے سینئرز کی حکم عدولی کر کے بھی فتح حاصل کر لیتے یا شکست کوٹال سکتے تو تاریخ میں امر ہو سکتے تھے۔ یہاں ایس ایس جی کے ایک آفیسر کی مثال شائداس نکتے کی مزید صراحت کر سکے۔

لیفٹیننٹ جنرل اور لیفٹیننٹ کرنل کے رینک میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں یہاں بریگیڈیئر زیڈ اے خان کی کتاب (The Way It Was) کا ایک اقتباس نذر قارئین کرنا چاہتا ہوں .... واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ 1971ء میں لیفٹیننٹ کرنل زیڈ اے خان 2 کمانڈو بٹالین کے کمانڈر ہیں اور چٹاگانگ میں ہیں۔ انہیں جی او سی کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ ایس ایس جی کی ایک کمپنی کو دریائے میگھنا پر ائر ڈراپ کر کے بھیراب بازار پل پر قبضہ کرنے کیلئے تیار کرو۔ تاہم یہ ڈراپ زون انتہائی تنگ اور خطرناک ہے۔ اس ڈراپ کی تفصیلات ہم نے آئندہ صفحات میں بھی مناسب جگہ پر دی ہیں۔ لیکن لیفٹیننٹ کرنل زیڈ اے خان کی جرات کردار دیکھئے کہ وہ اپنے ٹروپس کو ''قتل'' کروانے کے لئے محض ''یس سر! یس سر!'' نہیں کرتے .... یہ واقعہ انہی کی زبانی سنیئے:

"میجر جنرل رحیم خان نے میجر جنرل خادم حسین راجہ سے 14 ڈویژن کی کمانڈ سنبھالی۔ اب میمن سنگھ، ڈھاکہ اور جیسور ایریا کی ذمہ داری ان کی تھی۔ ڈھاکہ ایریا میں انہوں نے ڈھاکہ۔ بھیراب بازار ریلوے لائن کو باغیوں سے صاف کرنے کیلئے ایک انفنٹری بریگیڈ استعمال کیا اور دریائے میگھنا کے گھریلو کنارے تک پہنچ گئے۔ دوسرے کنارے پر دشمن کا قبضہ تھا (دشمن سے مراد 4 ای بی آر تھی، جس نے بغاوت کر دی تھی)۔ مجھے ہیڈ کوارٹر ایسٹرن کمانڈ ڈھاکہ طلب کیا گیا۔ وہاں میری ملاقات میجر بلال، جنگجو کمپنی کے آفیسر کمانڈنگ سے ہوئی۔ وہ مجھے ائر پورٹ پر ملے اور کہا کہ میجر جنرل رحیم خان نے ایک آپریشن پلان کر رکھا ہے، جس میں جنگجو کمپنی کو بھیراب بازار کے مقام پر دریائے میگھنا پر تعمیر ایک بڑے پل پر قبضہ کرنے کیلئے پیرا ڈراپ کیا جائے گا، لیفٹیننٹ کرنل شکور جان اس آپریشن کی قیادت کریں گے۔ میجر بلال نے

مزید کہا کہ ڈراپ کیلئے جو جگہ منتخب کی گئی ہے وہ نہایت محدود ہے۔اس کے بالکل قریب بجلی کے کھمبے ہیں اور خدشہ ہے کہ اگر ڈراپ تھوڑا سا بھی ادھر ادھر ہوا تو بیشتر ٹروپس یا تو بجلی کے تاروں میں پھنس کر کرنٹ لگنے سے ہلاک ہو جائیں گے یا پھر دریا میں اتر کر ڈوب جائیں گے۔ میں نے بلال کو کہا کہ کرنل شکور جان نے جنرل رحیم کو اس اندیشے سے آگاہ کیوں نہیں کیا اور اگر کیا ہے تو میں نہیں سوچ سکتا کہ پاکستان آرمی کا ایک میجر جنرل اپنے ٹروپس کو اس طرح غیر ضروری طور پر بجلی کی تاروں کے حوالے یا دریا کی خوفناک لہروں کے سپرد کردے.......... میں نے بلال کو یہ بھی کہا کہ مجھے شک ہے کہ کرنل شکور نے جنرل صاحب کو تفصیلی طور پر بریف نہیں کیا ہوگا۔ ان کا خیال ہوگا کہ کرنل زیڈ اے خان، جنرل صاحب سے خود بات کرے۔ بلال نے جواب دیا کہ ایسی بات نہیں ہے۔ کرنل شکور نے جنرل رحیم کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور اب بھی بضد ہیں کہ یہ ڈراپ اسی جگہ اور اسی طرح کیا جائے گا، جہاں اور جس طرح انہوں نے پلان کر رکھا ہے.......... میں نے میجر بلال سے کہا کہ ٹھیک ہے میں جنرل صاحب سے بات کروں گا۔

میجر طارق محمود (TM) جو پیراشوٹ ٹریننگ سکول کے آفیسر کمانڈنگ تھے اور ان دنوں ڈھاکہ آئے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں بلایا اور کہا کہ ایک ہیلی کاپٹر پکڑو اور اس میں بیٹھ کر مجوزہ ڈراپ زون کی ریکی کرو اور اس کی موزونیت یا عدم موزونیت کے بارے میں مجھے رپورٹ دو۔ میں نے جنرل صاحب کو بھی ٹیلی فون کیا اور ان سے بات کی تو جنرل صاحب نے کہا کہ اس موضوع پر بات چیت کیلئے شام چھ بجے ان کے بنگلے پر پہنچ جاؤں۔

شام ہوئی تو میجر طارق محمود بھی ریکی کرنے کے بعد واپس آ گئے اور میجر بلال کے اندیشوں کی تصدیق کر دی۔ میں نے اس ٹیکٹیکل پرابلم پر غور و خوض کیا تو اس مسئلے کے دو حل قابل عمل معلوم ہوئے۔ پہلا یہ تھا کہ رات کے وقت دریائے میگھنا کے بہاؤ کے مخالف کچھ دور اوپر جا کر اسے عبور کیا جائے، دوسرے کنارے پر فرم بیس بنائی جائے اور وہاں سے پل کی طرف ایڈوانس کیا جائے۔ اس کے لئے ڈویژن کمانڈر کے پاس وسائل بھی موجود تھے۔ دوسرا حل یہ تھا کہ ایک کمپنی کو دریا کے گھر یلو کنارے پر لایا جائے، ایک اور کمپنی کو ہیلی کاپٹروں کی مدد سے

ڈھا کہ ائرپورٹ سے لفٹ کر کے دریا کے پار والے کنارے پر پہنچایا جائے اور واپسی پر یہی ہیلی کاپٹر گھریلو کنارے والی کمپنی کو لفٹ کر کے واپس لیتے جائیں۔ اس تمام آپریشن کے لئے صرف 20 منٹ درکار تھے اور ان دونوں منصوبوں کو روبہ عمل لانے کیلئے کسی سپیشل ٹروپس (کمانڈوز) کی ضرورت نہ تھی۔ عام انفنٹری سولجر یہ کام بخوبی انجام دے سکتے تھے۔

بہر حال وقت مقررہ پر میں، لیفٹیننٹ کرنل شکور جان، میجر طارق محمود اور میجر بلال، جنرل صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ میں نے جنرل صاحب کو کہا کہ میں نے میجر طارق محمود کے ذریعے ڈراپ زون کی ریکی کروائی ہے، جس کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ جگہ ڈراپ کیلئے موزوں نہیں ہے۔ میں نے انہیں مزید کہا کہ فرض کریں اگر ڈراپ زون موزوں بھی ہوتا تو بھی ٹروپس کو ڈراپ ہونے کے بعد کسی ملن گاہ (RV) پر اکٹھا ہونے میں آدھ گھنٹہ لگ جاتا ہے اور مزید برآں یہ کہ ڈراپ چونکہ دشمن کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے سب کچھ دور سے نظر آتا ہے، اس کو ایک قسم کی پیشگی وارننگ مل جاتی ہے اور ناگہانیت کا عنصر ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ یہ گزارشات کرنے کے بعد میں نے انہیں ایک متبادل پلان دیا اور عرض کیا کہ بجائے پیرا ڈراپ کرنے کے، ایس ایس جی ٹروپس کو ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ٹارگٹ کے نزدیک اتار دیا جائے۔ جنرل صاحب میری باتیں غور سے سنتے رہے۔ مجھے امید تھی کہ ان کو میرے نقطۂ نظر سے اتفاق ہوگا لیکن انہوں نے سب کچھ سننے کے بعد فرمایا: ''یہ ڈراپ ضرور ہوگا'' .... میں نے ایک بار پھر انہیں قائل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے میری بات سننے سے انکار کر دیا۔ اس پر میں نے تنگ آ کر کہا کہ میں اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ منصوبے کی تکمیل کر کے اپنے ٹروپس کو خواہ مخواہ قتل نہیں کروانا چاہتا۔ انہیں میں نے یہ بھی کہا کہ میں ایسٹرن کمانڈ ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں اور وہاں جا کر رپورٹ دوں گا کہ جنرل صاحب کا حکم یہ ہے اور اس کے نتائج یہ ہوں گے۔ اس کے بعد میں نے اپنی ٹوپی سر پر رکھی، جنرل صاحب کو سلیوٹ کیا اور دروازے کی طرف چل پڑا۔ میں ابھی کچھ ہی قدم گیا ہوں گا کہ جنرل صاحب نے مجھے واپس بلایا اور کہا: "تم جس طرح کہتے ہو، یہ آپریشن اسی طرح تکمیل پائے گا۔"

یہ واقعہ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ اگر کسی فوج کا لیفٹیننٹ کرنل اپنے میجر جنرل

کے ساتھ اس طرح کا مکالمہ کرسکتا ہے تو اس فوج کا ایک لیفٹیننٹ جنرل اپنے جنرل سے اس قسم کی گزارشات کیوں نہیں کرسکتا؟......... لیکن تعجب یہ ہے کہ جنرل نیازی نے اپنے کسی سینئر کے ساتھ مشرقی پاکستان کی مایوس کن صورت حال کے پیش نظر پلان کی تبدیلی پر زور نہ دیا۔ اگر وہ ایک ایک انچ دفاع کرنے کی رٹ سے ہٹ کر کوئی متبادل پلان پیش کرتے، اس کی صداقت اور اصابت پر بحث وتکرار کرتے اور جنرل گل حسن، جنرل عبدالحمید یا جنرل یحییٰ خان کو قائل کرنے کی کوشش کرتے تو شائد اس انجام بد سے بچا جا سکتا تھا، جو بعد میں ساری پاک فوج، بلکہ ساری قوم کا مقدر بن گیا!

تاہم مشرقی پاکستان میں اس گئی گزری صورت حال کے باوجود پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کی کارکردگی قابل تعریف تھی۔ یہ پاک فوج کی اعلیٰ ٹریننگ، اس کے جوانوں، جے سی اوز اور افسروں کی پیشہ ورانہ مہارت، ان کی وطن دوستی، اسلام سے ان کی والہانہ محبت اور اپنے عقیدے پر لازوال یقین کے سبب تھا کہ جہاں بھی موقع ملا، انہوں نے دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کے دانت کھٹے کیے۔ جونیئر کمانڈروں نے شجاعت اور دلیری کی نئی مثالیں قائم کیں۔ انڈین آرمی، جیسور کے علاوہ کوئی دوسرا بڑا شہر فتح نہ کرسکی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ مشرقی پاکستان میں پاک فوج نے لڑائی (Battle) تو کوئی نہ ہاری، البتہ جنگ (War) ہار دی!

جیسا کہ ہم اس باب کے آغاز میں لکھ آئے ہیں، چٹاگانگ کا کوہستانی علاقہ (Hill Tracts) گوریلا کارروائیوں کے لئے نہایت موزوں تھا۔ ایس ایس جی کی دونوں بٹالینیں (2 کمانڈو اور 3 کمانڈو) چٹاگانگ میں تھیں اور 25 مارچ 1971ء سے لے کر اگست ستمبر 1971ء تک انہیں چٹاگانگ کومیلا، ڈھاکہ، سلہٹ، بھیراب بازار اور دوسرے علاقوں میں جن جن سپیشل آپریشنوں میں بھیجا گیا، یہ وہاں کامیابی سے آپریٹ کرتی رہیں۔ جہاں تک غازی کمپنی پر چٹاگانگ میں گھات لگانے کے سانحے کا تعلق ہے تو یہ سانحہ ایس ایس جی کی بنیادی ٹریننگ کے ایک اصول کی نفی کرنے کی وجہ سے پیش آیا۔ اس خلاف ورزی کی تفصیل مناسب جگہ پر بیان کر دی گئی ہے۔ سپیشل آپریشنز کی پلاننگ، نہایت جزرسی، حزم واحتیاط اور ٹریننگ کی جملہ باریکیوں اور نزاکتوں پر عمل کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

مشرقی پاکستان میں کھلی جنگ تو 21 نومبر 1971ء کو ہی شروع ہو گئی تھی، جبکہ پاکستان نے تیرہ دن بعد 3 دسمبر 1971ء کو اس کا باقاعدہ اعلان کیا۔ بعض عسکری نقاد دو ہفتوں کی اس تاخیر کو بھی شکست کا ایک ذمہ دار فیکٹر گردانتے ہیں۔ 2 کمانڈو اور 3 کمانڈو ، مشرقی پاکستان میں 21 نومبر 1971ء تک اور پھر سقوط ڈھاکہ تک مختلف سیکٹروں میں ریگولر فورسز کی سپورٹ میں آپریشنز کرتی رہیں۔ جہاں تک 1 کمانڈو بٹالین کا تعلق ہے تو یہ شروع ہی سے مغربی پاکستان میں رکھی گئی۔ اس تیرہ روزہ جنگ (3 تا 16 دسمبر 1971ء) میں اس بٹالین نے جو آپریشنز کئے، ان کا ذکر بھی تفصیل طلب ہے، تاہم آئندہ صفحات میں ہم نے اس بٹالین کی ایک کمپنی کے ایک ایکشن کا ذکر ہی کرنے پر اکتفا کیا ہے، جسے ''مشتے نمونہ از خروارے'' تصور کرنا چاہئے۔

ایس ایس جی
تاریخ کے آئینے میں
لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خان

بارہواں باب
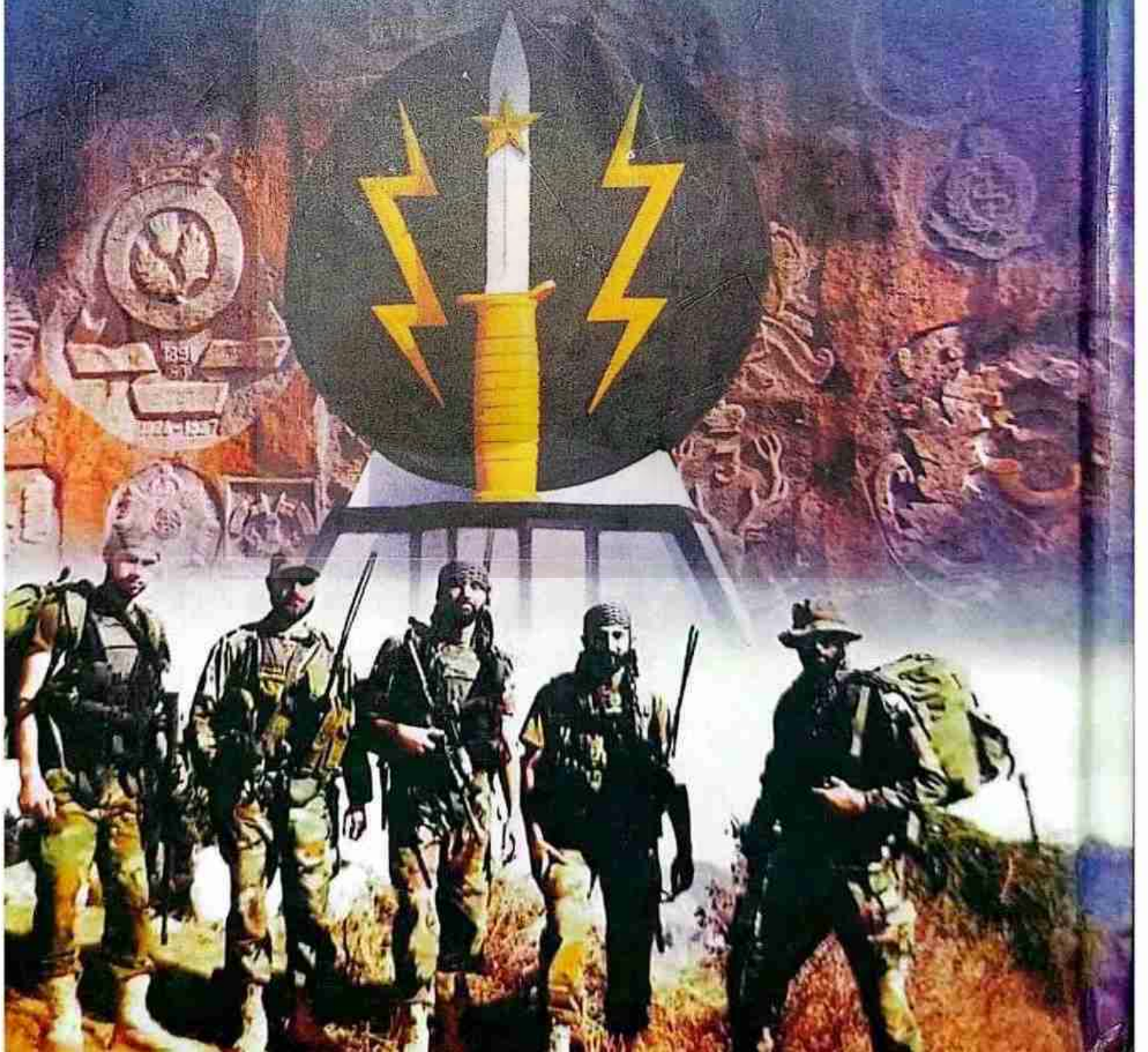
ایس ایس جی آپریشنز
(مشرقی پاکستان میں)

شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری

بریگیڈیئر زیڈ اے خان نے شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری کی پلاننگ اور تکمیل کو جس دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے، وہ قابل داد ہے۔ وہ مارچ 1971ء میں 3 کمانڈو بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"23 مارچ 1971ء کو دن کے بارہ بجے مجھے بتایا گیا کہ ایک سی-130 طیارہ، گیریژن کے لئے ڈھاکہ سے غذائی سامان لے کر کومیلا آرہا ہے.......... طیارہ لینڈ ہوا۔ اس نے سامان اَن لوڈ کیا اور میں اس میں سوار ہو کر ڈھاکہ چلا گیا.......... میجر بلال کو معلوم ہوا کہ میں سی-130 کے ذریعے ڈھاکہ آرہا ہوں تو وہ ائرپورٹ پر میرے استقبال کے لئے موجود تھا۔ ائرپورٹ سے جب ہم آفیسرز میس کی طرف جا رہے تھے تو اس نے مجھے بتایا کہ آپ نے مارشل لاء ہیڈکوارٹر میں کرنل ایس ڈی احمد سے ملاقات کرنی ہے۔ اب چونکہ شام ہو رہی تھی، اس لئے ہم سیدھے آفیسرز میس میں کرنل احمد کے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں کرنل صاحب نے مجھے بتایا کہ عوامی لیگ کے لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن کو ایک دو روز میں گرفتار کرنا ہے، اس لئے ان کی گرفتاری کا پلان بنایا جائے۔ کرنل صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ یونائیٹڈ بینک کے زونل منیجر کی طرف سے دو کاریں ریکی وغیرہ کیلئے آپ کے لئے مختص کر دی گئی ہیں۔"

''چنانچہ اسی شام میجر بلال، کیپٹن ہمایوں اور میں شیخ مجیب کے گھر کی ریکی کرنے نکل گئے۔ان کا گھر دھان منڈی میں تھا۔ان کے گھر کے سامنے ایک گلی تھی جو محمد پور کی طرف سے آ رہی تھی اور گلی کے دوسری طرف ایک جھیل تھی۔ گھر کے سامنے لوگوں کا بہت بڑا ہجوم موجود رہتا تھا اور ایسٹ پاکستان رائفلز کی ایک گارد بھی تعینات تھی۔ جب ہم گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ ان کے گھر سے نکل کر گلی کی سمت جا رہا تھا۔ کسی نے بھی ہمیں چیلنج نہ کیا۔اب ہم گھر کی حدود سے باہر نکل کر دھان منڈی میں داخل ہو چکے تھے اور وہاں سے بھی آگے نکل رہے تھے۔''

''صبح ہوئی تو ہم نے جائزہ لیا کہ کنٹونمنٹ سے دھان منڈی کی طرف کون کون سے راستے جاتے ہیں۔ ہم نے معلوم کیا کہ دو بڑے راستے تھے۔ایک تو وہ مین روڈ تھی جو چھاؤنی سے نکل کر ایک چوک کی طرف جاتی تھی، جسے ''فارم گیٹ'' کہتے تھے اور وہاں سے پھر ایک اور چھوٹی سڑک دھان منڈی کو جا رہی تھی۔ دوسرا راستہ ایم این اے ہوسٹل سے اور نیشنل اسمبلی کی عمارت سے ہوتا ہوا، محمد پور۔دھان منڈی روڈ کو نکل جاتا تھا۔ ڈھاکہ ائر پورٹ سے آمد و رفت کی تمام سڑکیں چھاؤنی کی سمت میں آ رہی تھیں، جبکہ ائر پورٹ کی دوسری جانب ایک بڑا سا گیٹ تھا جو ایم این اے ہاسٹل اور نیشنل اسمبلی روڈ کی جانب نکل جاتا تھا۔اس روڈ پر ایک ائر آبزرور یونٹ (AOU) بھی تھی۔جس کو میرا چھوٹا بھائی سکواڈرن لیڈر شعیب عالم کمانڈ کر رہا تھا۔''

''24 مارچ 1971ء کو مجھے حکم ملا کہ دن کے گیارہ بجے میجر جنرل راؤ فرمان علی سے ملاقات کروں اور ان سے شیخ مجیب کی گرفتاری کے رسمی احکامات وصول کروں۔ میں جنرل کے دفتر میں گیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ کل رات شیخ مجیب کو گرفتار کرنا ہے۔ میں نے ان کی بات سنی، انہیں سلیوٹ کیا اور باہر نکل رہا تھا کہ انہوں نے آواز دی: ''کیا یہ جاننا نہیں چاہو گے کہ یہ گرفتاری کیسے ہوگی؟'' .... میں نے جواب دیا کہ ہماری روایت یہی ہے کہ ہم پوچھا نہیں کرتے کہ تفویض کئے گئے کام کی تکمیل کیسے کرنی ہے۔ لیکن اگر آپ کے ذہن میں کوئی خاص بات ہے تو ارشاد کیجئے۔انہوں نے بتایا کہ جب شیخ مجیب کو گرفتار کرنے جاؤ تو ایک آفیسر کو ساتھ لے لینا اور ایک سویلین کار میں جانا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں نے شیخ مجیب کے گھر پر جو ہجوم دیکھا ہے، اس سے لگتا ہے کہ ان کی گرفتاری کیلئے کم از کم ایک کمپنی کی نفری درکار ہوگی۔انہوں نے کہا کہ میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ جس طرح میں کہوں ویسے ہی کرو۔ میں نے جنرل کو بتایا کہ میں یہ حکم تسلیم نہیں

کرتا۔ اس ٹاسک کیلئے کسی اور آفیسر کی تلاش کیجئے اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات کرتے، میں نے انہیں سلیوٹ کیا اور باہر نکل گیا۔"

"میں جانتا تھا کہ اب مجھ پر مصیبت ضرور نازل ہوگی۔ میں سارا دن کسی بھی ایسی جگہ نہ گیا جہاں مجھ سے رابطہ کیا جا سکتا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسی شام جنرل متھا ڈھاکہ پہنچ رہے ہیں، چنانچہ جب ان کا طیارہ لینڈ ہوا تو میں ائرپورٹ پر ان کا منتظر تھا۔ میں نے ان کو ساری کہانی بیان کی اور کہا کہ شیخ مجیب کے گھر پر اتنا بڑا ہجوم رہتا ہے کہ اکیلا دکیلا آدمی ان کو گرفتار نہیں کر سکتا۔ جنرل نے مجھے بتایا کہ کل صبح 9 بجے ہیڈ کوارٹر ایسٹرن کمانڈ میں ان سے ملاقات کروں۔"

"اگلے روز صبح نو بجے سے کچھ پہلے میں ایسٹرن کمانڈ جا پہنچا اور کرنل جی ایس (Colonel GS) کرنل اکبر (بعد میں بریگیڈیئر) کے دفتر میں چلا گیا۔ میں جب ان کے دفتر میں داخل ہوا تو وہاں جنرل راؤ فرمان پہلے سے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی پوچھا کہ کرنل اکبر کے دفتر میں کیوں آئے ہو؟ میں نے انہیں جواب دیا کہ میں جنرل متھا سے ملنے آیا ہوں۔ میجر جنرل راؤ فرمان علی نے کرنل اکبر کو حکم دیا کہ ابھی ابھی ایک ہیلی کاپٹر کا بندوبست کرو اور پندرہ منٹ سے پہلے پہلے کرنل زیڈ اے کو ڈھاکہ سے باہر بھیج دو۔ کرنل اکبر نے پہلے میری طرف دیکھا اور پھر جنرل فرمان کی طرف اور پھر آرمی ایوی ایشن بیس میں کسی کو ٹیلی فون کیا۔ اس کے بعد کہا کہ ہیلی کاپٹر کو تیاری کے لئے ایک گھنٹہ درکار ہوگا۔ اس کے بعد میں نے کرنل اکبر سے پوچھا کہ کیا جنرل متھا یہاں آئے ہوئے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں وہ آئے ہوئے ہیں اور لیفٹیننٹ جنرل ٹکا کے پاس بیٹھے ہیں۔ چنانچہ میں ایک ایسے زاویے پر بیٹھ گیا کہ جنرل ٹکا کے دفتر سے آنے جانے والے کو دیکھ سکوں۔ پندرہ منٹ گزر گئے اور میرے لئے یہ پندرہ منٹ بہت مشکل تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ دروازہ کھلا اور جنرل متھا باہر نکل رہے تھے۔ میں تیر کی مانند ان کی طرف لپکا اور وہ سب کچھ ان کے سامنے اگل دیا جو میرے ساتھ ہوا تھا۔ جنرل کی سٹاف کار سامنے کھڑی تھی۔ انہوں نے مجھے کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم وہاں سے اس جگہ کی طرف چل دیئے، جہاں جنرل عبدالحمید خان ٹھہرے ہوئے تھے۔"

"جنرل حمید کی رہائش گاہ پر میں ایک گھنٹہ انتظار کرتا رہا۔ ایک گھنٹے بعد جنرل متھا نے مجھے اندر بلایا اور کہا کہ جنرل حمید کو وہ سب کچھ، جو اب تک ہو چکا ہے، بتاؤ۔ جنرل حمید نے میری باتیں غور سے سنیں اور پھر فون اٹھا کر جنرل فرمان کو کہا کہ میں کرنل ظہیر عالم کو تمہارے پاس بھیج رہا

ہوں، جو کچھ یہ کہے، اس کو فراہم کیا جائے۔ جنرل حمید نے مجھے کہا کہ شیخ مجیب کو تم نے گرفتار کرنا ہے اور زندہ گرفتار کرنا ہے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا اور جب باہر نکل رہا تھا تو جنرل حمید نے میرا نام لے کر پیچھے سے آواز دی اور تاکیداً کہا کہ یاد رکھو، شیخ صاحب کو زندہ گرفتار کرنا ہے اور اگر وہ مارے گئے تو تم ذاتی طور پر ذمہ دار ہو گے۔''

''اس کے بعد میں جنرل فرمان کے دفتر میں پہنچا۔ انہوں نے پوچھا: ''کیا کیا چیز چاہیے؟'' میں نے کہا تین بڑی گاڑیاں جن میں ٹروپس آسکیں اور شیخ مجیب کے گھر کا نقشہ.......... ان کے پاس گھر کا نقشہ (خاکہ) پہلے سے موجود تھا۔ انہوں نے وہ خاکہ مجھے دیتے ہوئے کہا: ''گاڑیاں بھی تمہیں مل جائیں گی۔'' میں نے انہیں بتایا کہ جاپانی قونصل کا گھر، شیخ مجیب کے گھر کے عین عقب میں واقع ہے۔ اگر شیخ مجیب اپنے گھر سے نکل کر اس سفارتکار کے گھر میں چلے گئے تو میرے لئے کیا حکم ہوگا؟ جنرل فرمان بولے: ''اپنی مرضی استعمال کرنا!''

''ہم نے شیخ مجیب کے گھر کا ایک ماڈل بنایا اور تیاریاں شروع کر دیں۔ شام کا کھانا کھایا، کمپنی کو بریف کیا اور ایمونیشن ایشو کیا۔ کمپنی کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے گروپ میں 25 آدمی رکھے اور اسے کیپٹن سعید کی کمانڈ میں دیا۔ اس گروپ کا کام شیخ مجیب کے گھر کا محاصرہ کرنا اور محمد پورہ۔ دھان منڈی روڈ کے چوک میں ایک روڈ بلاک لگانا تھا۔ اسی طرح کے تین اور روڈ بلاک لگا کر شیخ صاحب کے گھر کو جانے والے راستے مسدود کر دینا تھا۔ دوسرے گروپ کی کمانڈ کیپٹن ہمایوں کو دی گئی۔ ان کی کمانڈ میں بھی 25 آدمی دیئے گئے، اس گروپ کا کام نمبر 1 گروپ کے عقب میں آتے ہوئے شیخ مجیب کے گھر کے سامنے والی گلی میں داخل ہونا، دیوار پھاند کر شیخ مجیب کے ساتھ والے گھر کے صحن میں کودنا اور شیخ کے گھر کے گرد گھیرا ڈالنا تھا اور اس بات کی احتیاط کرنی تھی کہ کوئی شخص شیخ کے گھر سے نکل کر جاپانی سفارت کار کے گھر میں داخل نہ ہونے پائے۔ تیسرا گروپ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا، جس کی کمانڈ میجر بلال کے پاس تھی۔ ان لوگوں کے پاس برقی ٹارچیں تھیں۔ اس گروپ نے گھر کی تلاشی لینی تھی۔ پہلے گراؤنڈ فلور کی اور پھر پہلے فلور کی۔ کمپنی نے اس گیٹ پر جمع ہونا تھا جو ائر فیلڈ سے ایم این اے ہاسٹل کی طرف کھلتا تھا۔ کمپنی کی موو کا روٹ ائرفیلڈ، نیشنل اسمبلی کی عمارت، محمد پور اور پھر دھان منڈی تھا۔ میری جیپ سب سے آگے آگے جاتی تھی اور اس جیپ کی ہیڈ لائٹس آن رکھی جاتی تھیں۔ کیپٹن سعید،

کیپٹن ہمایوں اور میجر بلال نے اپنے اپنے گروپوں کے ساتھ ٹرکوں میں میری جیپ کے پیچھے پیچھے آنا تھا اور گاڑیوں کی لائٹس بند رکھنی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ جو شخص بھی جیپ کی طرف دیکھے، اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے عقب میں کتنی گاڑیاں چلی آ رہی ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ آپریشن رات کے بارہ بجے شروع ہوگا۔ ایک پاس ورڈ بھی دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ اس روز سارے مشرقی پاکستان میں مستعمل ہوگا۔ کمپنی کے ہر شخص کو بریفنگ دی گئی اور ایک ایک بات کو کھول کر بیان کیا گیا۔ چنانچہ کمپنی حسب پلان، ائر فیلڈ کے گیٹ پر اکٹھی ہوئی۔ کیپٹن ہمایوں کو دو آدمیوں کے ساتھ ایک سول کار میں سول کپڑوں میں شیخ مجیب کے گھر کی طرف روانہ کیا گیا کہ گھر کے گرد گھیرا ڈالیں اور نقل و حرکت پر نگاہ رکھیں۔''

''شام ہونے پر گاڑیوں میں متعلقہ اور مطلوبہ سامان لوڈ کیا گیا۔ جو لوگ فوج کے معمولات سے واقفیت رکھتے تھے، ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ بنگالی افسروں نے شیخ مجیب کو بتا دیا تھا کہ آج شب یہ آپریشن ہونے والا ہے۔''

''تقریباً رات کے 9 بجے میں ائر فیلڈ کی طرف جا رہا تھا۔ جب جیپ ائر پورٹ کے اندر داخل ہوئی تو ایک سولجر نے مجھے چیلنج کیا اور مجھ سے ''پاس ورڈ'' پوچھا۔ میں نے پاس ورڈ بتایا تو اس سولجر نے کہا کہ یہ پاس ورڈ نہیں ہے۔ اس کے بعد بحث شروع ہوگئی۔ میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ میں کمانڈو بٹالین کا کمانڈنگ آفیسر ہوں۔ تاہم اس نے کہا کہ جب تک میں پاس ورڈ نہیں بتاتا، ائر پورٹ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ تمہاری یونٹ کونسی ہے؟ اس نے کہا کہ وہ ایک اک اک (طیارہ شکن) رجمنٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ مجھے اپنے کمانڈنگ آفیسر کے پاس لے چلو۔ ہم دونوں اس کی رجمنٹ کی طرف چل دیئے۔ اس دوران اس نے اپنی رائفل مجھ پر تانے رکھی۔ کمانڈنگ آفیسر نے مجھ سے معذرت کی، تاہم وہ اس واقعہ پر خاصا محظوظ بھی ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ پاس ورڈ، جو آپ کو دیا گیا، وہ مجھ تک نہیں پہنچا، اس لئے میں نے اپنے سنتری کو اپنا پاس ورڈ دے دیا تھا اور یہ ساری غلط فہمی اسی وجہ سے پیدا ہوئی۔''

''رات کے دس بجے ہوں گے جب کیپٹن ہمایوں شیخ مجیب کے گھر کے آس پاس کے علاقے کی ریکی کر کے واپس آیا اور مجھے بتایا کہ محمد پور۔ دھان منڈی روڈ پر روڈ بلاک لگائے

جار ہے ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ کمپنی کے سارے راکٹ لانچر ساتھ لے لئے جائیں اور دوراؤنڈ فی لانچر بھی ساتھ رکھیں۔ راکٹ لانچروں والے آدمیوں کو میں نے کہا کہ وہ کیپٹن سعید کے گروپ کے ہمراہ جائیں گے۔ اس گروپ کیلئے میں نے ہدایت کی کہ جب بھی روڈ بلاک سامنے آئے، سارے آدمی ایک قطار میں چلیں اور راکٹ لانچر والے قطار کے درمیان میں ہوں۔ سب سے پہلے راکٹ لانچر والے فائر کھولیں گے اور اس کے بعد ساری رائفلیں فائر ہوں گی۔ میں نے انہیں بتایا کہ جو سول لوگ، روڈ بلاک کے آس پاس موجود ہوں گے، انہوں نے راکٹ لانچروں اور رائفلوں کی مشترک اور یکبارگی آوازیں نہیں سنیں ہوں گی، اس لئے انہیں سن کر وہ منتشر ہو جائیں گے۔ دوسرے گروپوں کو میں نے حکم دیا کہ وہ سڑک کے دونوں اطراف پر نگاہ رکھیں۔ میں نے اپنی صوابدید پر پیش قدمی کا وقت ایک گھنٹہ پہلے کر دیا تا کہ روڈ بلاک لگانے والوں کو کم وقت ملے۔ اب ہماری پیش قدمی بجائے 12 بجے شب کے گیارہ بجے شب ہو گئی!''

''چنانچہ 25 اور 26 مارچ کی درمیانی شب ہم ائر فیلڈ سے نکلے اور ایم این اے ہاسٹل سے ہوتے ہوئے محمد پور کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ سٹریٹ لائٹیں آف تھیں اور ارد گرد کی عمارتوں میں اندھیرا تھا۔ میری جیپ آگے آگے تھی۔ اس کی سامنے کی بتیاں آن تھیں اور جیپ کے پیچھے سگنل کور کی جن بڑی گاڑیوں میں میرے ٹروپس سوار تھے، ان کی لائٹیں بند کی ہوئی تھیں۔ ہماری رفتار تقریباً 20 میل (30 کلومیٹر) فی گھنٹہ ہو گی۔ ہم جب دھان منڈی سے دو فرلانگ دور رہ گئے تو دیکھا کہ سڑک بند تھی۔ بہت سے ٹرک اور چھوٹی بڑی گاڑیاں سڑک کو بلاک کئے ہوئے تھیں۔ میری ہدایات کے مطابق کیپٹن سعید کا گروپ نیچے اترا، ایک قطار بنائی، راکٹ فائر کئے اور ساتھ ہی رائفلوں کے برسٹ فائر کرنے شروع کر دیئے، اور وہ گروپ جو سڑک کے دونوں جانب پوزیشن لے کر چل رہے تھے، انہوں نے بھی فائر کھول دیا۔ دو تین منٹ کے بعد میں نے فائر بند کرنے کا حکم دیا، لیکن پتہ چلا لوگ ٹریگر سے ہاتھ نہیں اٹھا رہے اور فائر بند نہیں ہو رہا۔ میں خود چل کر ایک ایک آدمی کے پاس گیا اور فائر بند کروایا۔ روڈ بلاک کی کئی گاڑیاں جل رہی تھیں۔ ایک سفید رنگ کی فاکس ویگن شعلوں میں نہائی ہوئی تھی۔ تاہم روڈ بلاک اب بھی اپنی جگہ موجود تھا، لیکن وہ لوگ جو روڈ بلاک کا دفاع کر رہے تھے، وہ غائب ہو چکے تھے۔ اب مجھے پریشانی تھی کہ اس روڈ بلاک میں گیپ کیسے پیدا کیا جائے۔ میرے ساتھ جو گاڑیاں آ رہی تھیں، میں نے ان کو غور

سے نہیں دیکھا تھا۔اب جب ان پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ اس پر ایک کرین نصب ہے۔ہم نے جلدی جلدی بعض گاڑیوں کو اس کرین کی مدد سے سڑک سے ہٹایا، اس طرح ایک گیپ بنایا، گاڑیوں میں بیٹھے اور آگے بڑھ گئے۔"

"ایک فرلانگ آگے گئے تو ایک اور روڈ بلاک دکھائی دیا۔اب کی بار دو فٹ قطر کی پائپیں سڑک پر افقی انداز میں بچھا کر سڑک کو بند کر دیا گیا تھا۔میں نے درمیان والی پائپ سے کرین کی کیبل باندھ کر کھینچا تو یہ پائپ بلاک اپنی جگہ سے ہل تو گیا لیکن اتنا گیپ پیدا نہ ہوا کہ ہماری گاڑیاں اس سے گزر سکتیں۔پھر میں نے ایک اور ترکیب آزمائی اور کیبل کو پائپ کے ایک سرے سے باندھا اور کیپٹن سعید والے گروپ کو کہا کہ وہ پائپ کے دوسرے سرے پر بیٹھ جائیں۔اس طرح جب کیبل کو اٹھایا گیا تو ساری پائپیں ایک طرف ہٹ گئیں اور مطلوبہ گیپ بن گیا، جس سے ہم نے گاڑیاں گزاریں اور روانہ ہو گئے۔"

"دو سو گز آگے جا کر ایک تیسرا روڈ بلاک نظر آیا۔یہ روڈ بلاک اینٹوں سے بنایا گیا تھا جو سڑک کے عین درمیان میں تین فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا تھا۔پہلے تو ہم نے اس بلاک کے دونوں طرف ڈھلوان بنا کر ٹرک گزارنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔اس کے بعد میں نے سعید کے گروپ کو حکم دیا کہ وہ مل کر اینٹیں ہٹائیں۔گاڑیاں بعد میں آتی رہیں گی۔میں نے فیصلہ کیا کہ باقی ٹروپس کو پیدل ٹارگٹ کی جانب لے جاؤں۔"

"چنانچہ ہم پیدل محمد پور۔دھان منڈی روڈ پر چلنے لگے اور اس گلی میں داخل ہو گئے، جس میں شیخ مجیب کا گھر واقع تھا۔کیپٹن ہمایوں کا گروپ شیخ مجیب کے ساتھ والے گھر میں داخل ہوا اور دیوار پھلانگ کر شیخ مجیب کے گھر میں کود گیا اور فائرنگ شروع کر دی۔بعض لوگ مکان سے نکل کر گیٹ کی طرف بھاگے۔ایک آدمی مارا گیا۔ایسٹ پاکستان پولیس کی وہ گارڈ جو شیخ صاحب کے گھر کی حفاظت پر مامور تھی، اس نے اپنا 180 پونڈ رٹینٹ بانسوں سمیت کاندھوں پر اٹھایا اور بھاگ کر جھیل میں چھلانگیں لگا دیں۔اب شیخ مجیب کے گھر کے چاروں اطراف ہمارا قبضہ تھا۔گھپ اندھیرا تھا۔شیخ مجیب اور ان کے ساتھ والے گھر میں کوئی لائٹ نہیں تھی۔"

"گھر کی تلاشی لینے والی پارٹی اب گھر میں داخل ہو گئی۔ان کے ایک گارڈ کو بازو سے پکڑ کر باہر لے جایا جا رہا تھا۔اس نے اپنا "ڈاہ" نکال لیا۔(ڈاہ بنگالیوں کا ایک بہت بڑا چاقو

ہوتا ہے)۔اسے معلوم نہ تھا کہ جس سپاہی کو وہ ''ڈاہ'' مارنے والا ہے، اس کو ایک اور سپاہی نے فائر کور دیا ہوا ہے۔اس پر فائر کیا گیا، لیکن وہ ہلاک نہ ہوا۔ پہلے گراؤنڈ فلور کی تلاشی لی گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ تلاشی لینے والی پارٹی سیڑھیاں چڑھ کر فرسٹ فلور پر چلی گئی۔ وہاں بھی سب دروازے کھلے ہوئے تھے اور ان میں کوئی بھی ذی روح موجود نہیں تھا۔ البتہ ایک کمرہ اندر سے بند تھا۔ میں جب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو کسی نے کہا کہ اس کمرے کے اندر سے آوازیں آرہی ہیں۔ میں نے میجر بلال کو حکم دیا کہ دروازے کو توڑ دیا جائے۔ یہ کہہ کر میں نیچے آگیا کہ دیکھوں کہ کیپٹن سعید کا گروپ پہنچا ہے یا نہیں اور کیا اور لوگ تو مکان کے آس پاس اکٹھے تو نہیں ہو گئے۔''

''جب میں مکان سے باہر نکلا اور گلی میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ کیپٹن سعید تو آگیا ہے لیکن پانچ ٹن بڑی بڑی گاڑیاں شیخ مجیب کے مکان کے سامنے والی تنگ گلی میں پھنس کر رہ گئی ہیں۔ جب میں سعید کو یہ ہدایات دے رہا تھا کہ ان گاڑیوں کو تنگ گلی سے کیسے ہٹایا جائے تو مجھے ایک گرنیڈ پھٹنے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد ایس ایم جی (سب مشین گن) کا ایک برسٹ بھی سنائی دیا۔ میں نے سوچا شائد مجیب کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ میں گھر کی طرف بھاگا اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اس کمرے میں چلا گیا جو اندر سے بند تھا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ مجیب اس کمرے کے سامنے ایک عجیب ہیئت کذائی میں کھڑے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ میرے ساتھ آیئے۔ انہوں نے کہا کہ کیا وہ اپنی فیملی کو چند الوداعی الفاظ کہہ سکتے ہیں؟ میں نے انہیں کہا کہ اجازت ہے۔ وہ اس کمرے میں چلے گئے، جہاں ان کی فیملی کمرے کو بند کر کے اندر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جلد ہی باہر آگئے اور جہاں ہماری گاڑیاں کھڑی تھیں، اس طرف چل دیئے۔ کیپٹن سعید نے ابھی تک گاڑیوں کو کلیئر نہیں کیا تھا، وہ ابھی تک وہیں پھنسی کھڑی تھیں اور مڑ نہیں سکتی تھیں۔ میں نے وائرلیس پر ایسٹرن کمانڈ کو اطلاع دی کہ ہم نے شیخ مجیب کو پکڑ لیا ہے۔''

''دریں اثناء شیخ مجیب نے مجھے کہا کہ وہ پائپ کمرے میں بھول آئے ہیں۔ میں کمرے تک ان کے ہمراہ گیا اور وہ پائپ لے کر میرے ساتھ واپس آگئے۔ اب شیخ مجیب کو معلوم ہو چکا تھا کہ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اس لئے خاصے پر اعتماد نظر آرہے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی۔ مجھے بلا لیتے تو میں خود چلا آتا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہم آپ کو یہ باور کروانا چاہتے تھے کہ آپ کو گرفتار بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم نیچے پہنچے اور

گلی میں آئے تو کیپٹن سعید گاڑیوں کو موڑ کر انہیں ایک لائن میں سیدھا پارک کر چکا تھا۔ ہم نے شیخ صاحب کو درمیان والی بڑی گاڑی میں بٹھایا اور چھاؤنی کی طرف چل دیئے۔"

"بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ جب میں میجر بلال کو دروازہ توڑنے کا کہہ کر واپس نیچے آیا تھا تو کسی نے اس کمرے پر پستول سے فائر کر دیا تھا، جس میں میجر بلال کے آدمی جمع تھے ، یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ کوئی بھی زخمی نہ ہوا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اسے روکتا، ہمارے ایک سپاہی نے برآمدے میں گرنیڈ پھینک دیا اور پھر فوراً بعد اپنی سب مشین گن سے فائرنگ شروع کر دی۔ اس گرنیڈ کے دھماکے اور مشین گن کی تڑتڑ سن کر شیخ مجیب بند کمرے کے عقب سے آوازیں دینے لگے: "اگر مجھے یہ یقین دہانی کروادی جائے کہ مجھے قتل نہیں کیا جائے گا تو میں باہر آنے کو تیار ہوں"۔ ان کو جان کی سلامتی کا یقین دلایا گیا اور تو وہ کمرے سے باہر آ گئے۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلے تو حوالدار میجر (بعد میں صوبیدار) خان وزیر نے ان کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔"

"مجھے حکم دیا گیا تھا کہ شیخ مجیب کو گرفتار کروں، لیکن یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ گرفتاری کے بعد انہیں کہاں رکھنا ہے اور کس کے حوالے کرنا ہے۔ واپسی پر میں نے اس بارے میں سوچنا شروع کیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ان کو نیشنل اسمبلی کی بلڈنگ میں لے جا کر اور کسی محفوظ کمرے میں ٹھہرا کر مزید ہدایات حاصل کی جائیں، چنانچہ میں نے نیشنل اسمبلی کی عمارت کے سامنے جا کر جیپ کھڑی کر دی۔ اس کی ایک سیٹ باہر نکالی اور اسمبلی کی اوپر والی منزل میں لے جا کر فرش پر وہ سیٹ ڈال دی اور انہیں کہا کہ وہ اس سیٹ پر بیٹھ جائیں۔ جب ہم یہ کارروائی کر رہے تھے تو "فارم گیٹ" کی جانب سے ہزاروں لوگوں کے بھاگنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے سوچا یہ لوگ شاید ہماری طرف بھاگے آ رہے ہیں۔ ہم نے اپنے دفاعی انتظامات کر لئے تو یہ آوازیں آہستہ آہستہ پہلے مدھم اور پھر ختم ہو گئیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وہ فورس تھی، جسے عوامی لیگ نے اس شب چھاؤنی پر یلغار کرنے کے لئے تیار کیا تھا اور جو اب بھاگ رہی تھی۔"

"میں نیشنل اسمبلی بلڈنگ سے مارشل لاء ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کئے ہوئے تھے۔ میں بریگیڈیئر غلام جیلانی خان سے ملا، جنہوں نے حال ہی میں ایسٹرن کمانڈ کے چیف آف سٹاف کا عہدہ سنبھالا تھا۔ میں نے انہیں بتایا

کہ میں نے شیخ مجیب کو گرفتار کر لیا ہے اور اب وہ نیشنل اسمبلی کی بلڈنگ میں بیٹھے ہیں۔ وہ مجھے لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان کے دفتر کے دروازے تک لے گئے اور کہا کہ اندر جنرل ٹکا خان بیٹھے ہیں، انہیں جا کر بتاؤ۔ میں اندر گیا تو ٹکا خان بڑے پرسکون موڈ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے انہیں پہلے ہی بتایا جا چکا ہوگا کہ شیخ مجیب کو گرفتار کیا جا چکا ہے، تاہم وہ میرے منہ سے رسمی طور پر اس گرفتاری کی خبر سننے کیلئے تیار بیٹھے تھے۔ میں نے ازراہ مذاق جنرل ٹکا خان کو بتایا کہ میں نے ایک ایسے شخص کو گرفتار کیا ہے جو ہو بہو شیخ مجیب کا ہم شکل لگتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ شیخ مجیب ہی ہے لیکن مجھے پکا یقین نہیں ہے.......... یہ سن کر جنرل ٹکا نے تقریباً چیختے ہوئے بریگیڈیئر جیلانی کو آواز دی۔ بریگیڈیئر جیلانی جو میرے پیچھے ہی کھڑے یہ سارا منظر دیکھ اور سن رہے تھے۔ انہوں نے کور کمانڈر کو یقین دہانی کروائی کہ وہ فوراً چیک کریں گے۔ کرنل ایس ڈی احمد کو بلایا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ فوراً سے پیشتر نیشنل اسمبلی بلڈنگ میں جائیں اور چیک کر کے بتائیں کہ جو شخص پکڑا گیا ہے، آیا وہ اصلی شیخ مجیب ہے یا نقلی۔"

"اب کرنل ایس ڈی احمد کا انتظار ہونے لگا۔ میں نے دریں اثناء دفتر سے نکل کر سگریٹ کا کش لینے کا ارادہ کیا۔ میں جب باہر کھڑا سگریٹ پی رہا تھا تو بلڈنگ کے احاطے میں ایل ایم جی کے ایک برسٹ کی آواز سنائی دی۔ شائد یہ ایل ایم جی اتفاقاً چل گئی تھی۔ اس کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی لیکن پھر معاً جیسے چھاؤنی کے ہر ہتھیار نے فائر کھول دیا ہو! ڈھاکہ شہر سے بھی فائر کا شور آنے لگا حتیٰ کہ طیارہ شکن توپیں بھی آگ اگلنے لگیں۔ ہر طرف سبز اور زرد ٹریسر فضاء میں لہرانے لگے اور سارے ڈھاکہ پر آتش بازی کا سا منظر پیدا ہو گیا۔ پھر اچانک ہی جس تیزی سے یہ فائر کھلے تھے، اسی تیزی سے بند ہو گئے۔"

"تقریباً 20 منٹ کے بعد کرنل ایس ڈی درانی واپس آئے اور مجھے کہا کہ جو شخص گرفتار ہوا ہے، وہ واقعی اصلی مجیب الرحمٰن ہی ہے۔ جب میں نے پوچھا کہ انہیں کہاں لے جاؤں تو کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ انہیں، اسی کمرے میں ٹھہرایا جائے، جس میں وہ اگرتلہ سازش کیس کی سماعت کے دوران گرفتار کر کے ٹھہرائے گئے تھے۔ ہم انہیں 14 ڈویژن آفیسرز میس میں لے گئے اور انہیں ایک سنگل بیڈ روم میں ٹھہرایا اور ان پر پہرہ لگا دیا۔ اگلے روز میجر جنرل مٹھا نے مجھ سے پوچھا کہ شیخ مجیب کو کہاں ٹھہرایا ہے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ انہیں

14 ڈویژن کے آفیسرز میس میں ایک سنگل بیڈ روم میں ٹھہرایا گیا ہے تو وہ بہت برہم ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کو معاملے کی نزاکت کا کچھ علم نہیں۔ عین ممکن ہے کہ انہیں وہاں سے چھڑانے کی کوشش کی جائے۔ انہوں نے بعد میں شیخ مجیب کو ایک سکول کی عمارت کی تیسری منزل میں ٹھہرانے کا بندوبست کر دیا۔"

چٹا گانگ کا سانحہ (28 مارچ 1971ء)

پس منظر

غازی کمپنی، 2 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) کا حصہ تھی۔ یہ کمپنی 27 مارچ 1971ء کو مغربی پاکستان سے ائر لفٹ ہو کر ڈھاکہ ائر پورٹ پر لینڈ ہوئی۔ اگلے روز یعنی 28 مارچ 1971ء کو اسے بذریعہ طیارہ چٹا گانگ بھیج دیا گیا۔ وہاں صورت حال انتہائی کشیدہ تھی۔ ایسٹ بنگال رجمنٹ، ایسٹ پاکستان رائفلز اور ایسٹ پاکستان پولیس نے بغاوت کر دی تھی۔ لاتعداد بنگالی نوجوانوں کو بھارت نے اپنے ہاں ملٹری ٹریننگ دے کر مشرقی پاکستان کے طول و عرض میں داخل کر دیا تھا۔ ان کے پاس تخریب کارانہ اور سبوتاژ کارروائیوں کے لئے جس قدر ہتھیار اور گولہ بارود وغیرہ ضروری ہوتا ہے، سب موجود تھا اور یہ سب کچھ انہیں بھارت نے فراہم کیا تھا۔

صورت حال

24 ایف ایف کو کومیلا سے چٹا گانگ موو کرنے کے احکامات دیئے گئے تھے، لیکن وہ ابھی راستے میں ہی تھی کہ اس پر باغیوں نے گھات لگا دی۔ وائرلیس کا رابطہ منقطع ہونے سے پہلے جو پیغام یونٹ کی طرف سے موصول ہوا، وہ یہ تھا کہ دشمن کا دباؤ شدید ہے اور ایمونیشن خطرناک حد تک کم ہو چکا ہے۔ خود چٹا گانگ شہر میں بغاوت ہو چکی تھی، کنٹونمنٹ کا ایک چھوٹا سا حصہ اور ہوائی اڈا فوج کے پاس باقی رہ گیا تھا۔ باقی تمام شہر پر باغیوں کا کنٹرول تھا۔ بندرگاہ پر بھی بحریہ کے صرف مٹھی بھر افسر اور جوان تھے، جو پاکستان کے وفادار تھے۔ چھاؤنی اور ائیر فیلڈ کے مابین سڑک کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ چٹا گانگ شہر میں چونکہ ایسٹ بنگال رجمنٹل سنٹر تھا اور اس کے تمام

عناصر نے بغاوت کر دی تھی، اس لئے وہاں کے اسلحہ خانوں سے باغیوں کو ہتھیار اور گولہ بارود تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ عوامی لیگ کے غنڈے گلیوں اور بازاروں میں دندناتے پھرتے تھے اور انہوں نے سڑکوں، چوراہوں اور تمام بڑی بڑی عمارتوں پر روڈ بلاک اور ناکے لگا دیئے تھے۔

دوپہر کے دو بجے (1400) ہوں گے، جب غازی کمپنی چٹاگانگ ایئر فیلڈ پر لینڈ ہوئی۔ کچھ ہی دیر بعد ایس ایس جی کی ایک اور کمپنی (شاہین کمپنی) بھی وہیں اتر گئی۔

پلاننگ

لینڈنگ کے فوراً ہی بعد دونوں کمپنیاں چٹاگانگ نیول بیس کی طرف روانہ کر دی گئیں۔ مشرقی پاکستان میں اس وقت دو کمانڈو بٹالینیں (2 کمانڈو اور 3 کمانڈو) تھیں۔ ان کے کمانڈنگ آفیسروں کے نام بالترتیب لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیمان خان اور لیفٹیننٹ کرنل ظہیر عالم خان تھے۔ وہ دونوں نیول بیس میں موجود تھے۔

ہیڈ کوارٹرز 53 بریگیڈ اور 24 ایف ایف چونکہ کومیلا سے چٹاگانگ آتے ہوئے راستے میں باغیوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے، اس لئے 24 ایف ایف سے جلد از جلد رابطہ قائم کرنے کیلئے 3 ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ غازی کمپنی کے کچھ ٹروپس کو 3 کمانڈو بٹالین کی حمزہ کمپنی کے زیر کمان کر دیا گیا، جبکہ غازی کمپنی کے باقی ٹروپس اور شاہین کمپنی کو ملا کر دو ٹیمیں بنائی گئیں۔ اس طرح ایک موبائل فورس بن گئی۔ اس موبائل فورس کا مشن ڈھاکہ ٹرنک روڈ کو کلیئر کرنا تھا۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیمان خان اس فورس کے مشن لیڈر مقرر کئے گئے۔ انہوں نے اپنا آرڈر گروپ اکٹھا کیا اور انہیں جو زبانی احکامات دیئے، وہ اس طرح تھے: ''24 ایف ایف چٹاگانگ سے 8 میل پہلے ڈھاکہ ٹرنک روڈ پر راستے میں کہیں ''لاپتہ'' ہوگئی ہے۔ یونٹ کے پاس ایمونیشن کی شدید قلت ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یونٹ باغیوں کے نرغے میں گھر چکی ہے۔ ایس ایس جی کی یہ فورس اگلے روز پہلی روشنی سے پہلے پہلے اس محصور 24 ایف ایف سے لنک اپ کرے گی'' .... وقت بہت کم تھا اور مشن اس طرح کا تھا کہ گاڑیوں کو جلد از جلد موو کرانا ضروری ہوگیا تھا۔

مشن کی تکمیل اور سانحہ

یہ کانوائے 28 مارچ 1971ء کو تقریباً شام 4 بجے آٹھ فوجی ٹرکوں میں سوار ہو کر نیول بیس سے روانہ ہوئی۔ سب سے اگلی گاڑی میں غازی کمپنی کے کمپنی کمانڈر میجر محمد اقبال تھے۔ دوسری گاڑی ایک کھلا ٹرک تھی۔ جس میں ایڈ جوٹنٹ، کیپٹن محمد سکندر خان، کمپنی سینئر جے سی او صوبیدار اللہ دین اور بیس دوسرے عہدیدار سوار تھے۔ تیسرا ٹرک بھی کھلا ٹرک تھا، جس میں لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیمان، کیپٹن ڈاکٹر محمد حسین (رجمنٹل میڈیکل آفیسر)، کیپٹن ارجمند ملک اور تقریباً بیس جوان سوار تھے۔ چوتھے کھلے ٹرک میں نائب صوبیدار کبیر خان تھے، ان کے ساتھ بھی بیس جوان تھے۔ باقی چار ٹرکوں میں شاہین کمپنی کے آفیسر اور جوان تھے، جن میں کیپٹن افضل جنجوعہ اور کیپٹن عارف خان شامل تھے۔

یہ کانوائے نیول بیس سے نکل کر دریائے کرنافلی کے کنارے کنارے موو کرتی چٹاگانگ شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شہر مکمل سنسان اور ویران تھا، جیسے ہر طرف بھوت ناچ رہے ہوں۔ کوئی متنفس نظر نہیں آتا تھا۔ ویسے یہ سارا علاقہ بے حد آباد تھا۔ پکے مکانات ڈھاکہ ٹرنک روڈ کے دائیں بائیں بنے ہوئے تھے۔ ابھی یہ قافلہ اس روڈ پر بمشکل ایک میل ہی گیا ہوگا کہ باغیوں کی طرف سے لگائی گئی ایک زبردست گھات (Ambush) کا شکار ہو گیا۔

سڑک کے دائیں طرف ریڈیو پاکستان کا سٹور ہاؤس تھا۔ یہ ایک دو منزلہ عمارت تھی، جس کے گرداگرد ایک چاردیواری بنی ہوئی تھی اور اس چاردیواری کے باہر کی طرف ایک نالہ تھا۔ اس عمارت کے سامنے ایک سفید رنگ کی عمارت اور بھی تھی، دائیں بائیں فوجی بیرکیں اور کچی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں، جہاں سے ریڈیو پاکستان کی اس بلڈنگ کے سامنے کورنگ فائر گرایا جا سکتا تھا۔ اس دو منزلہ عمارت کی ہر کھڑکی پر ریت کی بوریاں رکھ کر ان میں ایک ایک مشین گن نصب کی ہوئی تھی۔ گولہ بارود اور راشن پانی کا ایک بڑا ذخیرہ اس بلڈنگ میں موجود تھا۔ گویا یہ علاقہ ایک بہترین قتل گاہ (Killing Ground) تھا!

تقریباً شام کے پانچ بجے ہوں گے کہ شرپسندوں نے فائر کھولا، آٹھ گھنٹے تک مسلسل فائر ہوتا رہا اور اس کی شدت میں کمی نہ آئی۔ ٹروپس کا فوری ردعمل یہی تھا کہ وہ گاڑیوں سے نیچے کود گئے اور پوزیشنیں لے لیں، لیکن اس دوران اکثریت فائر کی زد میں آ گئی۔ دو منزلہ بلڈنگ کی

چھت پر سے باغیوں نے تاک تاک کر گرنیڈ پھینکے، جن میں سے بہت سے عین ٹرکوں کے اندر آن گرے۔ کیپٹن سکندر خان نے گراونڈ فلور تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ابھی وہ گیٹ تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ بہت سی گولیاں ان کے جسم میں پیوست ہو گئیں، وہ ایسے گرے کہ پھر نہ اٹھ سکے۔ کیپٹن اشتیاق احمد صدیقی ایک بہاری آفیسر، جو رخصت پر گھر آئے ہوئے تھے، انہوں نے رضا کارانہ طور پر بطور گائیڈ ساتھ چلنے کی حامی بھر لی تھی، وہ بھی مارے گئے۔ تمام آفیسرز اور جے سی او ماسوائے میجر محمد اقبال اور نائب صوبیدار کبیر خان کے یا تو مارے گئے یا زخمی ہو گئے۔

دو منزلہ عمارت کی چار دیواری کے ساتھ ساتھ ایک نالہ تھا۔ اس کے علاوہ آس پاس کوئی اور ایسی جگہ نہ تھی، جہاں آڑ لے لی جاتی۔ اس عمارت کے بالمقابل سفید رنگ کی بلڈنگ سے، نیز بیرکوں اور جھونپڑیوں سے بے تحاشہ فائر آ رہا تھا۔ زخمی ٹروپس نے اور جو زندہ بچ گئے تھے انہوں نے بھی فائر لوٹایا۔ نائب صوبیدار کبیر خان نے چوتھی گاڑی کی "سواریوں" کو ساتھ ملایا اور دائیں سمت والی کھڑکی میں لگی مشین گن کو راکٹ مار کر اڑا ڈالا۔ لیفٹیننٹ کرنل سلیمان نے بھاگ کر سڑک عبور کرنے اور ڈبل سٹوری بلڈنگ کے نالے تک جانے کی کوشش کی، لیکن ایک لائٹ مشین گن کے برسٹ نے ان کو شدید زخمی کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ نائیک حسن اور نائیک غلام رسول نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کی لاش واپس لانے کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ان کی لاش نالے سے صرف چند فٹ دور پڑی تھی۔ حوالدار قادر شاہ اور نائب صوبیدار کبیر خان نے دوسری بار کوشش کی اور اس مرتبہ وہ اپنے سی او کی لاش کو نالے میں ایک محفوظ جگہ تک لانے میں کامیاب ہو گئے۔

پہلے تین ٹرک گھات کی زد میں آ کر بری طرح ناکارہ ہو گئے تھے۔ ان کے ٹائر پھاڑ ڈالے گئے تھے۔ دوسرے نمبر پر جو ٹرک تھا، اس کے پٹرول ٹینک سے (باغیوں کی فائرنگ کی وجہ سے) پٹرول باہر رس کر سڑک پر پھیل گیا تھا۔ معاً ایک گولی آ کر اس میں لگی، ایک شعلہ بلند ہوا اور آس پاس پڑی لاشوں اور زخمیوں کو جلا کر خاکستر کر ڈالا۔ باغی لاشوں کو بار بار گولیوں کا نشانہ بناتے اور بار بار ''جیو بنگلہ'' کے فلک شگاف نعرے لگاتے۔ ان شیطانی نعروں سے ساری فضا گونج اٹھتی۔

میجر محمد اقبال جو اس گھات میں بچ نکلے تھے، انہوں نے خود کار ہتھیاروں اور راکٹوں کی بارش کر کے اس دو منزلہ عمارت کو کچھ عرصے کے لئے خاموش کیا تو زخمیوں کو نکالنا ممکن ہو سکا۔

اب شام کے سائے گہرے ہو گئے تھے اور اندھیرا بڑھنے لگا تھا۔

شاہین کمپنی سے رابطہ کر کے فیصلہ کیا گیا کہ ٹرکوں کے آس پاس جو لاشیں بکھری پڑی ہیں، ان کو نکالا جائے۔ تیسرے ٹرک کا ایک انڈیکیٹر غلطی سے آن رہ گیا تھا۔ اس کی جلتی بجھتی روشنی بار بار پورے علاقے کو روشن کر دیتی اور زخمیوں تک رسائی مشکل بنا دیتی۔ سپاہی احمد خان نے بھاگ کر اس روشنی کو بجھانے کی کوشش کی، لیکن غلطی سے اس کا سوئچ دبانے کی بجائے اگنیشن کا سوئچ دبا دیا، جس سے انجن کا شور اٹھا تو باغیوں نے فائر کی شدت میں مزید اضافہ کر دیا۔ اب یہ طریقہ اپنایا گیا کہ راکٹوں اور خودکار ہتھیاروں کی زبردست بارش کی جاتی اور اس بارش میں کسی ایک لاش کو گھسیٹ کر نالے میں لایا جاتا۔ اس طرح بہت سی لاشیں نالے کے اندر لائی گئیں۔ اب اگلی صبح کے دو بجے (0200) تھے۔ تمام لاشوں اور زخمیوں کو نکال لیا گیا تھا۔ شاہین کمپنی گھات کی جگہ سے 500 گز پیچھے رکی ہوئی تھی۔ ان زخمیوں اور لاشوں کو دو ٹرکوں میں لاد کر واپس نیول بیس کی طرف روانہ کیا گیا۔ ان کے آگے پیچھے پیدل دستے بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ باغیوں نے اگرچہ کسی کمک کا راستہ روکنے کے لئے ایک روڈ بلاک لگا لیا تھا، لیکن اسے جلد ہی اکھاڑ ڈالا گیا۔ اور اس طرح سے زخمیوں کو نیول بیس کے ہسپتال میں لانے میں کامیابی ممکن ہوئی۔ دریں اثناء بعض تازہ دم ٹروپس کے ساتھ میجر محمد اقبال کی قیادت میں ایک دستہ جائے حادثہ کی طرف روانہ کیا گیا اور 29 مارچ کی صبح نو بجے تک اس دو منزلہ عمارت پر قبضہ کر کے تمام لاشوں اور ہتھیاروں وغیرہ کو واپس لایا گیا۔ معلوم ہوا کہ سپاہی فضل رحمن اور سپاہی محمد شیراز ابھی زندہ ہیں.......... یہ سچ ہے کہ جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے۔ تین لاشوں کا پتہ نہ چل سکا۔ ان کو حسب ضابطہ لاپتہ تصور کر لیا گیا۔

اس سانحے میں تین آفیسر ہلاک ہوئے، جن میں لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیمان خاں کمانڈنگ آفیسر 2 کمانڈو بٹالین بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ 20 دوسرے عہدیداران بھی مارے گئے۔ نیوی کے دو جوان، ایف ایف بٹالین کا ایک جوان اور سویلین ڈرائیور بھی کام آئے اور تین جوان لاپتہ ڈکلیئر کئے گئے۔ زخمیوں کی تعداد 15 تھی، جن میں آفیسر بھی تھے۔ ان سب کے نام اور دوسری تفاصیل ضمیمہ جات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

گھات یا گھیرے میں آنا کاروبار حرب وضرب کا حصہ ہے، یہ کوئی انہونی بات نہیں۔

دنیا کی ساری افواج میں اس قسم کے واقعات وسانحات ہوتے رہتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ گھات میں آجانے کے بعد جوانوں اور افسروں کا ردعمل کیا اور کیسا تھا۔ چٹاگانگ کی اس گھات کے بعد میجر اقبال کے پاس جو لوگ باقی بچ گئے تھے، انہوں نے نہ تو اپنے زخمی اور مارے جانے والے رفیقانِ کار کو پیچھے چھوڑا اور نہ کسی بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ بلکہ جرات کی اعلیٰ ترین روایات کے مطابق اپنے دشمنوں پر جوابی وار کیا اور ان کو بھگا دیا.......... یہی ایس ایس جی سپرٹ تھی!

چٹاگانگ ٹرانسمیٹر پر چھاپہ (29مارچ1971ء)

پس منظر

چٹاگانگ شہر میں بغاوت ہو جانے کے بعد شر پسندوں نے ریڈیو ٹرانسمیشن پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے "ریڈیو بنگلہ دیش" کے نام سے مسلسل نشریات شروع کر دیں۔ یہ ٹرانسمیٹر باغیوں کو مختلف موضوعات پر ہدایات بھی نشر کر رہا تھا اور بیرونی دنیا کو یہ تاثر بھی مل رہا تھا کہ بغاوت کا سکیل کوئی چھوٹا موٹا نہیں۔

صورت احوال

یہ ٹرانسمیٹر چٹاگانگ شہر سے باہر تقریباً دس میل کے فاصلے پر چاٹگام۔ کپتائی روڈ پر واقع تھا۔غازی کمپنی کو مشن دیا گیا کہ اس ٹرانسمیٹر پر چھاپہ مار کر اسے ناکارہ کر دیا جائے، تنصیبات کو منہدم کر دیا جائے اور جو عملہ اس ٹرانسمیشن کو چلا رہا ہے، اسے بھی ہلاک کر دیا جائے۔

چنانچہ دو ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ غازی کمپنی کی ٹیم 30افراد پر اور ایچ (H) کمپنی کی ٹیم 14افراد پر مشتمل تھی، یعنی ٹوٹل فورس 44افراد تھی۔ مشن لیڈر میجر عبدالمنان تھے، جن کا تعلق ایچ (H) کمپنی سے تھا۔کیپٹن سجاد اکبر (ایچ کمپنی) اور کیپٹن سلمان احمد (غازی کمپنی) بھی ہمراہ تھے۔ یہ فورس 29اور 30مارچ 1971ء کی درمیانی شب رات کے آٹھ بجے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہوئی۔دریائے کرنافلی میں جہاز رانی ہوتی تھی، اس لئے اس فورس کو ایک بحری جہاز میں سوار کر کے منزل مقصود کی طرف لے جایا گیا۔ باغیوں نے دو بار اس جہاز پر فائرنگ کی، لیکن اس فائرنگ کا جواب نہ دیا گیا۔رات کے بارہ بجے یہ فورس دریائے کرنافلی کے مغربی کنارے پر ایک پل کے

نزدیک اتاری گئی۔ تقریباً آدھ میل چلنے کے بعد دریائے کرنافلی کا ایک چھوٹا معاون دریا راستے میں آ گیا، جس کی چوڑائی 60 فٹ اور گہرائی تقریباً پانچ فٹ تھی۔ تقریباً 15 افراد، جن میں اکثریت افسروں کی تھی، دریا کے پار پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن پھر ایک طوفانی لہر آئی، دریا کا پانی چڑھ گیا اور نتیجتاً بہت سے ہتھیار اور سازوسامان پانی میں بہہ گئے۔ ان میں تین کاربائن، ایک جی تھری رائفل، ایک مشین گن اور ایک جنریٹر کے علاوہ وہ تھیلا بھی تھا، جس میں ایکسپلوسو بھرا ہوا تھا۔

اب رات کا ڈیڑھ (0130) بج رہا تھا۔ تین میل پیدل چلنے کے بعد باغیوں کے ایک پٹرول نے فورس کو چیلنج کیا، فائر کا تبادلہ ہوا، باغی فرار ہو گئے، جبکہ میجر عبدالسنان کے ہاتھ کی ہتھیلی میں گولی لگی۔ صبح کے تین بج رہے تھے۔ دھان کے کھیتوں میں سفر جاری رہا۔ جب ٹرانسمیٹر تقریباً 800 گز دور رہ گیا تو غلطی سے راکٹ فائر ہو گیا۔ راکٹ بردار لانس نائیک محمد وزیر کہیں ٹیم کے درمیان میں چل رہا تھا۔ اس فائر سے اپنے ہی 15,14 آدمی زخمی ہو گئے، جن کی مرہم پٹی کر کے انہیں ایک قریبی بلڈنگ میں منتقل کر دیا گیا۔

مشن ناکام ہو چکا تھا۔ اب واپسی کا پلان بنایا گیا۔ شام پڑنے پر اس بلڈنگ سے ایک ایک شخص نے باہر نکلنا تھا، جسے کیپٹن سلمان اور ایم کے فاروق نے کورنگ فائر دینا تھا۔ ٹیم کے تمام افراد کو جو ملن گاہ (RV) دکھائی گئی، وہاں وقت مقررہ پر اکٹھا ہونے کی بجائے لوگ وہاں سے واپس نیول بیس اور چھاؤنی کی طرف جاتے رہے، جو ایک سخت غلطی تھی۔ دو جوان واپس نہ پہنچے تو ان کو لاپتہ متصور کر لیا گیا۔

اس مشن کی ناکامی میں فائر کنٹرول کی کمزوری، ڈسپلن کی کمزوری اور زبان اور علاقے سے ناواقفیت شامل تھی۔ غازی کمپنی صرف دو روز پہلے مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان پہنچی تھی۔ اسے یہاں کی زمینی مشکلات کا نہ اندازہ تھا اور نہ ان پر قابو پانے کی پریکٹس کی گئی تھی۔ کمزور فائر کنٹرول کے باعث راکٹ لانچر فائر ہو گیا، جس نے مشن کو ناکام کر دیا اور واپسی پر جب ملن گاہ (RV) پر سب کو اکٹھا ہو کر ایک خاص وقت میں واپسی کا پروگرام دیا گیا تو اس پر بھی بہت کم لوگوں نے عمل کیا۔

یہ ٹرانسمیٹر بعد میں پاک فضائیہ نے تباہ کیا۔ ہوا یہ کہ لیفٹیننٹ کرنل زیڈ اے خان، کو جب یہ معلوم ہوا کہ ٹرانسمیٹر پر ایس ایس جی کا چھاپہ کامیاب نہیں ہوا تو انہوں نے جنرل آفیسر

کمانڈنگ 14 ڈویژن میجر جنرل خادم حسین راجہ کو کہا کہ چونکہ ٹرانسمیٹر کی لوکیشن کا علم ہو چکا ہے، اس لئے پاک فضائیہ ہوائی حملہ کر کے اس کو تباہ کر سکتی ہے۔ ڈھاکہ میں پاک فضائیہ کے متعلقہ حکام سے بات چیت کی گئی۔ دو گھنٹے بعد پاک ائرفورس کے دو ایف-86 سیبر فضاؤں میں نمودار ہوئے، راکٹ اور مشین گن سے گولیاں برسائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ریڈیو پاکستان کا یہ ٹرانسمیٹر، جو بنگلہ دیش کی خبریں نشر کر رہا تھا، خاموش ہو گیا۔

پھر ایک ہفتہ بعد جب چٹاگانگ میں صورت حال بہتر ہو گئی تو جنرل مٹھا نے کرنل زیڈ اے خان کو ڈھاکہ سے ٹیلی فون پر کہا کہ ریڈیو پاکستان کے چٹاگانگ سٹیشن کی نشریات بحال کی جائیں۔ انہوں نے شاید احساس کر لیا تھا کہ پبلک اور پولیس کے ساتھ رابطہ کے لئے ریڈیو پاکستان کے علاوہ اور کوئی دوسرا متبادل ذریعہ موجود نہیں۔ کرنل خان کا خیال تھا کہ پاک فضائیہ کے ایکشن کے بعد ٹرانسمیٹر اور دوسرے آلات مکمل طور پر ناکارہ اور برباد ہو چکے ہوں گے۔ چونکہ وہ خود اس قسم کے ٹرانسمیٹر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اس لئے انہوں نے پاک بحریہ سے مدد مانگی۔ وہاں سے ایک لیفٹیننٹ (پاک فوج میں کیپٹن کے برابر) کو بھیج دیا گیا۔ چنانچہ جب کرنل خان اور یہ لیفٹیننٹ ٹرانسمیشن بلڈنگ میں پہنچے تو دیکھا کہ ساری عمارت گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی، تاہم جب بلڈنگ کے اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ تکنیکی ساز و سامان کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ ٹرانسمیٹر کو آن کیا گیا تو اس نے کام کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک تو یہ ٹیم حیران ہوتی رہی کہ یہ ٹرانسمیٹر خاموش کیسے ہو گیا تھا، جبکہ تمام آلات ٹھیک ٹھاک چالو حالت میں تھے۔ پھر یہ لوگ عمارت سے باہر نکلے اور اینٹینا وغیرہ کی پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ صرف ایک تار رائفل کی ایک گولی سے کٹی ہوئی ہے۔ اسے جوڑ دیا گیا اور ٹرانسمیٹر آن کیا گیا تو نشریات شروع ہو گئیں، لیکن جب نشریات شروع ہوئیں تو براڈ کاسٹ کرنے کیلئے کچھ بھی نہ تھا۔ الماریوں اور شیلفوں کی تلاشی لی گئی تو پاکستان کے قومی ترانے کی ریکارڈنگ مل گئی۔ جب یہ ترانہ ختم ہوا تو اعلان کیا گیا:

"............ یہ ریڈیو پاکستان چٹاگانگ ہے۔" اس کے بعد قومی ترانہ کا ریکارڈ دوبارہ بجایا گیا۔ اس طرح سارا دن یہی ہوتا رہا تا آنکہ اگلے روز ریڈیو پاکستان کا سارا سٹاف ڈیوٹی پر آ گیا اور باقاعدہ نشریات کا آغاز ہو گیا۔

سٹیمروں پر قبضہ (9 اپریل 1971ء)

پس منظر

مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) دریاؤں کی سرزمین ہے۔ گنگا، جمنا، برہم پتر اور میگھنا بڑے بڑے دریا ہیں، جن میں دیو ہیکل سٹیمر اور بڑی بڑی کشتیاں چلتی ہیں، جو نقل و حمل کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ 1971ء کے اوائل میں باغیوں نے دریاؤں سے سارے سٹیمر غائب کر دیئے اور ان کو ایسے مقامات پر لے گئے، جہاں آمد و رفت زیادہ نہ تھی۔ 57 بریگیڈ سبالے (Sbalay) میں دریائے جمنا کے پار پڑا تھا اور وہاں دریا پر کوئی پل نہیں تھا۔ ٹروپس کو دریا کے اس طرف لانے کیلئے کشتیوں اور سٹیمروں کی ضرورت تھی جو باغیوں نے غائب کر دی تھیں۔ 57 بریگیڈ نے ڈھاکہ میں ایسٹرن کمانڈ سے درخواست کی کہ وہ جلد از جلد ان کشتیوں کا انتظام کریں۔

میجر جنرل ابوبکر عثمان مٹھا ہیلی کاپٹر میں دریائے جمنا پر پرواز کر رہے تھے کہ انہیں دو بڑے سٹیمر دکھائی دیئے جو سبالے سے چالیس میل دور لنگر انداز تھے۔ انہوں نے شاہین کمپنی کو حکم دیا کہ ان سٹیمروں کو پکڑ کر بارہ گھنٹوں کے اندر اندر 57 بریگیڈ کے حوالے کیا جائے تاکہ بریگیڈ کی موبلٹی (حرکیت) بحال ہو سکے۔

قرعہء فال میجر طارق محمود (TM) کے نام نکلا۔ انہوں نے کیپٹن اختر قادر کو ساتھ ملایا اور کہا کہ انہیں اس مقام کے آس پاس ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ڈراپ کر دیا جائے، جس کی خبر جنرل مٹھا نے دی تھی۔

تکمیل مشن

چنانچہ 9 اپریل 1971ء کو شام چھ بجے دو عدد ایم آئی-8 ہیلی کاپٹروں کے ذریعے شاہین کمپنی کی دو ٹیموں کو ٹارگٹ سے ایک میل پیچھے ڈراپ کر دیا گیا۔ دونوں سٹیمر وہیں کھڑے تھے جہاں جنرل مٹھا نے نشان دہی کی تھی، چنانچہ پہلی ٹیم نے فوراً ہی ایک سٹیمر پر قبضہ کر لیا۔ سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اتنی آسانی سے کامیابی کا آغاز ہو گیا ہے، تاہم جب سٹیمر کے اندر پہنچے تو معلوم ہوا سارا عملہ غائب ہے۔ دریں اثناء دوسرا اسٹیمر بھی انجن سٹارٹ کر کے رفو چکر ہو گیا۔ اب ایس ایس جی والوں کی خوشی، مایوسی میں بدل رہی تھی۔ ایک سٹیمر ویسے ہی خالی تھا، جبکہ دوسرا

فرار ہونے میں کامیاب رہا۔ اب جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا۔ لیکن ایس ایس جی والے ناامید نہیں ہوتے۔ مرض کا علاج اگر ایک ڈاکٹر نہ کر سکے تو دوسرے ڈاکٹر کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ میجر ٹی ایم نے یہی کیا۔ خوش قسمتی سے ایک کارگو لانچ مل گئی۔ اسے پکڑ لیا گیا اور دونوں ٹیمیں اس میں سوار ہو کر مفرور سٹیمر کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ جلد ہی وہ سٹیمر بھی مل گیا اور اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ تاہم کارگو لانچ کو بھی ساتھ رکھا گیا۔ چونکہ حکم یہ تھا کہ دو سٹیمر درکار ہیں، اس لئے اب دوسرے سٹیمر کی تلاش ہوئی۔

حسن اتفاق سے دریا کے دوسرے کنارے پر چند میل دور جا کر ایک اور بڑا اسٹیمر نظر پڑا۔ اب چونکہ کنارا نزدیک تھا، اس لئے اندیشہ تھا کہ اس کا عملہ جونہی فوجیوں کو دیکھے گا، کنارے پر اتر کر غائب ہو جائیگا۔ چنانچہ سات جوانوں نے فوراً پانی میں چھلانگ لگا دی اور اس سے پہلے کہ سٹیمر کا عملہ کنارے پر قدم رکھتا، یہ لوگ تیر کر ان سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ وہاں سے بھاگم بھاگ سٹیمر کے سامنے جا پہنچے اور رائفلیں تان لیں۔ اب عملے کے کسی فرد کو ساحل پر اترنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ یہ ایک بہت بڑا اسٹیمر تھا۔ اس میں 20 فوجی گاڑیاں اور 800 آدمی سما سکتے تھے۔

اب شاہین کمپنی کی دونوں ٹیموں کے پاس دو سٹیمر اور ایک کارگو لانچ تھی۔ مشن لیڈر نے سوچا کہ بارہ گھنٹے پورے ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے تو کیوں نہ تیسرے سٹیمر کی تلاش کی جائے۔ کہتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ تیسرا سٹیمر نظر پڑا۔ اس کا تعاقب کیا گیا۔ اس کے عملے نے دریا میں کودنے کا ارادہ کیا، لیکن اس سے پہلے کہ یہ لوگ ایسا کرتے، شاہین کمپنی کے شاہین ان پر جھپٹے اور کریو سمیت سٹیمر کو قبضے میں لے لیا۔ اس طرح تین سٹیمروں اور ایک کارگو لانچ پر مشتمل اس "بحری بیڑے" نے وقت مقررہ سے 15 منٹ پہلے "او کے" رپورٹ دے دی اور اسے 57 بریگیڈ کے حوالے کر دیا۔ بریگیڈیئر جہاں زیب ارباب، کمانڈر 57 بریگیڈ نے فوراً ہی سبالے سے موو کیا اور ٹروپس کو دریا کے پار اتارنا شروع کر دیا۔

بھیراب پُل پر چھاپہ (15 اپریل 1971ء)

پس منظر

بھیراب بازار پل ایک بڑا پل تھا جو دریائے میگھنا پر بنا ہوا تھا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ

اگر ایسٹرن سیکٹر سے باغیوں اور شر پسندوں کا صفایا مقصود تھا تو ان پر یلغار لانچ کرنے کیلئے اس کا صحیح وسالم حالت میں پاک فورسز کے ہاتھوں میں رہنا ضروری تھا۔لیکن باغیوں نے اس پر قبضہ کر رکھا تھا اور وہ اس کی ٹیکٹیکل اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ان کی تقریباً ایک بٹالین اس پل پر تعینات تھی، جس میں ای بی آر (ایسٹ بنگال رجمنٹ)، ای پی آر (ایسٹ پاکستان رائفلز) نیوی اور دوسرے عناصر شامل تھے۔اگر باغی اس پل کو اڑا ڈالتے تو نہ صرف یہ کہ اس سے ایک بہت بڑا مالی نقصان ہوتا، بلکہ پاک فورسز کو مشرق کی سمت ایڈوانس میں بھی تاخیر ہو جاتی۔

ٹاسک

ایس ایس جی کو ٹاسک دیا گیا کہ وہ بھیراب پل پر قبضہ کرے اور اسے دشمن کے ہاتھوں کسی قسم کے نقصان سے بھی محفوظ رکھے۔

پلان

شاہین اور جنگجو کمپنیوں کو ہیلی بورن آپریشن کے ذریعے اس پل پر قبضہ کرنا تھا۔شاہین کمپنی کی کمانڈ میجر طارق محمود (TM) کر رہے تھے۔ان کے ساتھ کیپٹن افضل جنجوعہ، کیپٹن عارف اور کیپٹن شوکت بھی بطور ٹیم لیڈر شامل تھے۔چار عدد ہیلی کاپٹر استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ پہلی پرواز کے ذریعے دو ایم آئی۔8 اور دو ایلوٹ ہیلی کاپٹروں نے شاہین کمپنی کو ڈراپ کرنا تھا اور 40 منٹ بعد دوسری لفٹ میں انہی ہیلی کاپٹروں نے جنگجو کمپنی کو ڈراپ کرنا تھا۔ایم آئی۔8 میں 24 مسافر لے جانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ چار افراد کا کریوان کے علاوہ ہوتا ہے۔ یہ ہیلی کاپٹر اس 4 ایوی ایشن سکواڈرن کا حصہ تھے جو Gallant کے نام سے مشہور تھا.......... اور واقعی اسم بہ مسمیٰ تھا۔

تکمیل

15 اپریل 1971ء کو صبح چھ بجے پہلا ایم آئی۔8 میجر طارق محمود کو لے کر پل سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر اترا۔لیفٹیننٹ کرنل شکور جان اس آپریشن کے اوور آل کمانڈر تھے۔ وہ دوسرے ہیلی کاپٹر کے ذریعے اترے۔باغیوں نے اگرچہ فائر کھولا، لیکن لینڈنگ کو نہ روک سکے اور یہ پارٹی بڑے اطمینان سے منصوبے کے مطابق ڈراپ ہوگئی۔ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی ہیلی کاپٹر اس قسم کے مشن کیلئے کسی جگہ اترتا ہے تو سب سے پہلا کام ہیلی پیڈ کو محفوظ کرنا ہوتا ہے تاکہ

دشمن اس پر قبضہ کر کے دوسرے ہیلی کاپٹروں کی لینڈنگ کو دشوار نہ بنا دے، لیکن یہاں سوال وقت کا تھا۔ باغیوں نے پل پر بارود لگا رکھا تھا اور وہ کسی بھی وقت اس کو آگ دکھا کر پل کو اڑا سکتے تھے، اس لئے شاہین کمپنی نے اترتے ہی پل کی جانب دوڑ لگا دی۔

تاہم جنگجو کمپنی کے ڈراپ کو محفوظ بنانے کیلئے ایک جے سی او اور سات جوانوں کو ہیلی پیڈ پر چھوڑ دیا گیا۔ شاہین کمپنی تقریباً 45 منٹ میں پل سے ایک سو گز کے فاصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ جو ٹیم ریلوے اسٹیشن کی طرف سے پیش قدمی کر رہی تھی، اس پر باغیوں نے مشین گن سے فائرنگ کر دی۔ سپاہی اصغر علی اسی فائرنگ کا جواب دیتے ہوئے شر پسندوں کی فائرنگ سے مارا گیا۔ میجر طارق محمود، کیپٹن افضل جنجوعہ اور 20 جوان، جو گولیوں کی بارش میں آگے بڑھ رہے تھے، زخمی ہو گئے۔ ان میں سے سات شدید زخمی تھے۔ تاہم اب ٹارگٹ سامنے تھا، اس لئے کسی نے بھی زخموں کی پرواہ نہ کی۔ دریں اثناء جنگجو کمپنی بھی شاہین کمپنی سے آملی۔ کیپٹن شوکت اس کمپنی کی کمانڈ کر رہے تھے۔ بارش رک رک کر ہو رہی تھی، جب میجر طارق محمود پل پر پہنچے تو ایک باغی فیوز کو آگ لگانے کی کوشش میں پوری ایک ماچس خالی کر چکا تھا۔ میجر ٹی ایم نے یکے بعد دیگرے دیا سلائی نکال نکال کر جلانے کی کوشش کرنے والے اس باغی کو دیکھا تو چیتے کی سی پھرتی سے اس کی طرف جھپٹے۔ باغی کی خوش قسمتی سے آخری دیا سلائی تو جل اٹھی، لیکن اس کی بدقسمتی سے میجر ٹی ایم اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک جست لگا کر اس کے ہاتھ سے جلتی دیا سلائی چھین لی اور اس طرح یہ پل صحیح سالم حالت میں پاک فورسز کے ہاتھ لگا۔

اس ایکشن میں دشمن کے 200 آدمی ہلاک ہوئے۔ چار کو جنگی قیدی بنا لیا گیا، جبکہ اپنا بھی ایک جوان ہلاک ہوا، تین شدید اور 20 معمولی زخمی ہوئے۔ جو ہتھیار حملہ آور فورس کے ہاتھ لگے، ان میں دو عدد 75 ایم ایم آر آر (ریکائل لیس رائفل) ایک ایم جی (مشین گن) دو لائٹ مشین گنیں، 100 رائفلیں، ایک پورا سگنل سنٹر اور ہزاروں کی تعداد میں مختلف ہتھیاروں کے راؤنڈز شامل تھے۔

چھوا کھلی آپریشن (18 اپریل 1971ء)

پس منظر

چھوا کھلی میں شر پسندوں نے بغاوت کے بعد باقاعدہ ایک متوازی سول ایڈمنسٹریشن

قائم کر لی تھی، جس میں ای بی آر، ای پی آر اور رضا کار شامل تھے۔ پاکستانی سول ایڈمنسٹریشن بے اثر ہو کر رہ گئی تھی۔ شرپسندوں نے پتوا کھلی پولیس لائنز کو اپنی کارروائیوں کا گڑھ بنا رکھا تھا۔

پلان

شاہین کمپنی کو اس مایوس کن صورت حال کی بحالی کا حکم دیا گیا۔ ایس ایس جی کی اس کمپنی کے ساتھ 30 ایف ایف کی ایک اور کمپنی نے بھی آپریٹ کرنا تھا۔ یہ ٹاسک فورس لیفٹیننٹ کرنل محمد حنیف ملک کے زیر کمان تھی، جبکہ شاہین کمپنی کو میجر طارق محمود (TM) کمانڈ کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ کیپٹن طاہر اور کیپٹن ظفر محمود بھی بطور ٹیم لیڈر شامل تھے۔ پہلی لفٹ میں دو عدد ایم آئی ۔8 کے ذریعے شاہین کمپنی کو ڈراپ کیا جانا تھا اور دوسری لفٹ میں 30 ایف ایف کی کمپنی نے اترنا تھا۔ پاک فضائیہ کی مدد بھی اس آپریشن کو حاصل تھی۔

تکمیل

18 اپریل 1971ء کو صبح چھ بجے دو عدد ایم آئی ۔8 کے ذریعے شاہین کمپنی پتوا کھلی پولیس لائن سے تقریباً ایک ہزار گز کے فاصلے پر اتری۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد حنیف ملک، جو اس فورس کے اوورآل کمانڈر تھے، وہ پہلے ہیلی کاپٹر سے اترے۔ شاہین کمپنی نے اترتے ہی پہلے ہیلی پیڈ کو محفوظ بنایا یعنی ہاں پر گارڈ وغیرہ تعینات کی اور پھر دشمنوں کے گڑھ یعنی پولیس لائنز کی طرف دوڑ لگا دی۔ 15 منٹ بعد 30 ایف ایف کی کمپنی بھی اسی ہیلی پیڈ پر اتری اور شاہین کمپنی کے دائیں بازو پر مارچ کرتی ہوئی اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھی۔ یہ ایکشن باغیوں کے لئے اتنا غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ وہ زیادہ مزاحمت نہ کر سکے۔ ان کی رائفلیں لوڈ تھیں اور لوڈ ہی رہیں، استعمال نہ کی جا سکیں۔ پولیس لائنز پر قبضہ کر لیا گیا۔ ڈھیروں گولہ بارود ہاتھ لگا اور مختلف قسم کا ساز و سامان بھی ملا۔ نیشنل بینک سے لوٹے ہوئے پانچ لاکھ روپے بھی ملے، جو کرنل حنیف ملک نے منیجر نیشنل بینک کے حوالے کر دیے۔ لوکل جیل پر بھی چھاپہ مارا گیا اور بہت سے مغربی پاکستانی قیدیوں کو رہائی دلائی۔ ڈی سی، ایس پی اور حکومت کے جن دوسرے سینئر اہلکاروں نے بغاوت کر رکھی تھی، ان سب کو حراست میں لے لیا گیا۔ شہر کو شرپسندوں سے پاک کیا گیا اور آس پاس کے دیہاتوں میں جو باغی چھپ گئے تھے، ان کو بھی پکڑ کر قرار واقعی سزا دی گئی۔ تقریباً ایک سو سے زیادہ باغی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اپنی فورس میں سے صرف دو جوان معمولی زخمی ہوئے۔

طبل چاری پر چھاپہ (6 جون 1971ء)

پس منظر

چٹا گانگ کی پہاڑیوں میں پاک بھارت سرحد پر طبل چاری نام کی ایک بارڈر آؤٹ پوسٹ تھی۔ یہاں بنگالی مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادی تھی۔ تقریباً 40 ہزار مسلمان تھے جو باغیوں کے بہکاوے میں آئے ہوئے تھے اور ان کی مدد کر رہے تھے۔ یہاں پر چکما قبیلے کے کچھ لوگ بھی آباد تھے، جن کی تعداد زیادہ نہ تھی، لیکن ان لوگوں کو سیاست سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ نہ وہ پاکستان کے مخالف تھے اور نہ بھارت کے۔ تاہم باغیوں نے ان چکما قبائل کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ ان کا گھر بار لوٹ لیتے تھے اور ان کی خواتین کو اغواء کر لیتے تھے۔ باغیوں کی تعداد تقریباً 150 بتائی گئی، جن میں ایسٹ بنگال رجمنٹ، ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس کے علاوہ وہ نوجوان بنگالی طلباء بھی تھے، جن کو بھارت اپنے ہاں فوجی تربیت دے کر پاکستان میں داخل کر رہا تھا۔ طبل چاری سے کچھ آگے کھگرا چاری نام کی ایک پاکستانی پوسٹ اور بھی تھی جو عین سرحد پر واقع تھی۔ بھارتی اور باغی اب یہاں آ کر بھی لوٹ مار مچانے لگے تھے۔ خطرہ تھا کہ اگر جلد کوئی اقدام نہ کیا گیا تو یہ باغی پاک فوج کی سپلائی جیپوں اور کشتیوں پر حملے شروع کر دیں گے۔

مشن

چنانچہ غازی کمپنی کو مشن دیا گیا کہ وہ باغیوں کا قلع قمع کرے اور انہیں اپنی سرحد سے نکال کر بھارت کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کرے۔ چھاپہ مار پارٹی 27 افراد پر مشتمل ہوگی۔ ان کے علاوہ 30 قلی اور 3 گائیڈ بھی ساتھ لئے جانے تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ یہ لوگ 6 جون 1971ء کو رانگا متی سے بذریعہ کشتی روانہ ہوں گے اور پنچاری بازار میں ایک فرم بیس (Firm Base) قائم کر کے باغیوں کی نفری اور ان کی صحیح لوکیشن کے بارے میں معلومات اکٹھی کریں گے اور اس کے بعد حالات جس طرح اجازت دیں گے، اس کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔

تکمیل

چنانچہ 6 جون 1971ء کو یہ فورس، جس میں تین آفیسر، ایک جے سی او، دو سگنل مین اور 21 جوانوں کے علاوہ، جیسا کہ اوپر لکھا گیا، تین گائیڈ اور 30 پورٹر بھی شامل تھے، صبح دس بجے

بذریعہ لانچ رانگامتی سے روانہ ہوئی اور شام چھ بجے محلا چاری پہنچ گئی۔ محلا چاری سے کھگرا چاری تک پیدل مارچ کرنا تھا۔ راشن اور ایمونیشن وغیرہ کشتیوں کے ذریعے آنا تھا۔ 8 جون کو پنچاری بازار میں فرم بیس قائم کر دی گئی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرم بیس کی کچھ تشریح کر دی جائے اردو میں اس اصطلاح کا ترجمہ "استوار مستقر" کیا گیا ہے۔ عسکری اصطلاحات اور ان کی تشریحات کے بارے میں پاک آرمی میں جو پمفلٹ زیرِ استعمال ہے، اس کی رو سے فرم بیس، زمین کا وہ علاقہ ہے جو کسی خاص آپریشن (یا آپریشنوں) کیلئے جانے والے ٹروپس کی حفاظت، انتظام اور سپورٹ کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ یہ ایسی جگہ ہوتی ہے، جہاں سے گشتیں (پٹرول) روانہ کی جا سکتی ہیں اور کسی مداخلت کے بغیر ریکی اور پلاننگ کا کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ جب آپریشن شروع ہو جاتا ہے تو یہ فرم بیس ایک ایسا موزوں اور محفوظ مقام بن جاتا ہے، جہاں سے ریز روز منوور کر سکتے ہیں اور جہاں سے ٹینک اور موبائل ٹروپس آپریٹ کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات یہاں سے آپریشن کے لئے فائر سپورٹ بھی مہیا کی جاتی ہے۔ اگر آپریشن ناکام ہو جائے تو یہ فرم بیس ایک ایسی پناہ گاہ کا کام دے سکتا ہے جہاں ٹروپس آ کر پناہ لے سکتے ہیں۔ اس کا سائز مختلف ہو سکتا ہے، یعنی ایک سیکشن سے لے کر ایک بڑی فارمیشن (ڈویژن/کور) تک تمام سائز کی فورسز یہ فرم بیس قائم کر سکتی ہیں۔

9 اور 10 جون 1971ء کے دو روز ان چکما قبائل سے باغیوں کی لوکیشن اور ان کی نفری کی تفصیلات حاصل کرنے میں گزرے، جن کے گھر بار شر پسندوں نے لوٹ کر ویران کر دیئے تھے اور انہیں بے دخل کر کے طبل چاری سے بھگا دیا تھا۔ فیصلہ کیا گیا کہ ناگہانی حملہ کرنے کے لئے ایک مشکل اور غیر معروف راستہ اختیار کیا جائے گا۔

11 جون 1971ء کو یہ چھاپہ مار فورس دوپہر کے ایک بجے فرم بیس سے روانہ ہوئی۔ دشمن کی طرف سے کسی گھات سے بچنے کے لئے فورس کو دو ٹیموں میں تقسیم کر دیا گیا۔ تاہم جونہی یہ فورس روانہ ہوئی، شدید بارش شروع ہو گئی اور اگلے روز صبح پانچ بجے تک ہوتی رہی۔ (یعنی 16 گھنٹے تک موسلا دھار مینہ برستا رہا)۔ راستے گیلے اور پھسلواں ہو گئے اور ایڈوانس کی رفتار مجبوراً آہستہ کرنی پڑی۔ صبح پانچ بجے کے بعد ایک ٹیلہ سا نظر آیا۔ یہ ٹیلہ ٹارگٹ سے تین میل

دور تھا، تاہم یہاں سے ٹارگٹ تک کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ یہاں دریائے فینی (Feni) بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے۔ دریا کے پار سلا چاری نام کا انڈین کیمپ بھی تھا۔

لوکل گائیڈوں نے باغیوں کے جوگڑھ اور علاقے دکھائے، ان میں ایک ہسپتال اور ایک سکول بھی تھا۔ یہ دونوں عمارتیں دریائے فینی کے پاکستانی کنارے سے صرف ایک سوگز کی مسافت پر تھیں۔ باغی انہی میں رہتے تھے۔ فیصلہ کیا گیا کہ ایمونیشن، قلیوں اور دوسرے نامطلوب ساز وسامان کو اس ٹیلے پر چھوڑ دیا جائے۔ چار آدمی بھی یہاں رہنے دیئے جائیں، جن میں دو سگنل والے شامل ہوں اور باقی 23 آدمیوں کو تین ٹیموں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ٹیم نمبر ایک، بارہ افراد پر مشتمل تھی جس کی کمانڈ میجر محمد اقبال کر رہے تھے۔ نائب صوبیدار عبدالمجید جو اس ٹیم کا سیکنڈ ان کمانڈ تھا، وہ بھی اس ٹیم میں شامل تھا۔ اس ٹیم کے پاس دو مشین گنیں، دو 140 ایم ایم راکٹ اور ایک 160 ایم ایم مارٹر تھا۔ یہ ٹیم ایک بڑے فائرنگ گروپ کے طور پر تشکیل دی گئی۔ اس کا کام ہسپتال اور سکول کی عمارات کو برباد کرنا اور دشمن کے سارے علاقے پر مشین گنوں کی باڑ برسانا تھا۔

ٹیم نمبر دو، کیپٹن ارجمند کے زیر کمانڈ تھی اس کی نفری سات افراد پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس ایک ایل ایم جی تھی۔ ان کا کام ان عمارات کو محصور کرنا تھا، جن میں باغی مقیم تھے۔

ٹیم نمبر 3، کیپٹن اختر قادر کے زیر کمانڈ تھی اور 4 افراد پر مشتمل تھی۔ اس کے پاس ایک ایل ایم جی اور ایک 183 ایم ایم راکٹ (بلانڈا سائیڈ) تھا۔ اس کا ٹاسک، طبل چاری بازار سے 100 گز کے فاصلے پر دریائے فینی کے نزدیک پڑاؤ کرنا تھا۔ یہاں دریائے فینی پر باغیوں نے بھارت کی مدد سے بانسوں کا ایک پل بھی بنایا ہوا تھا۔ اگر بھارتی اس پل کو استعمال کر کے پاکستان میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو ان کو روکنا اور بھارتی کیمپ پر راکٹ باری کرنا بھی مقصود تھا............ ساعت حملہ (H Hour) علی الصبح چار بجے مقرر کی گئی۔

یہ تینوں ٹیمیں رات بارہ بجے تک ٹیلے ہی پر قیام پذیر رہیں اور پھر 15 منٹ بعد سوا بارہ بجے شب اپنے اپنے اہداف کی طرف مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئیں۔ بارش سے دھان کے کھیتوں میں گھٹنوں تک پانی بھر گیا تھا اور نالوں میں طغیانی آ گئی تھی۔ ٹیم نمبر ایک جو مین فائرنگ گروپ تھی، اس کے ہمراہ جو گائیڈ تھے، ان کی حالت دیدنی تھی۔ وہ سخت خوفزدہ اور گھبرائے

ہوئے تھے۔ چنانچہ جیسے جیسے ٹارگٹ نزدیک آ رہا تھا، ان کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر طرف دھند کی دبیز چادر طاری تھی۔ تاہم جب ٹارگٹ قریب آ گیا تو خطرہ تھا کہ کہیں دشمن کو خبر نہ ہو جائے۔ چونکہ باقی دو ٹیمیں اس فائرنگ گروپ سے دور تھیں اور ان کو ساعت حملہ آگے پیچھے کرنے کی خبر نہیں دی جا سکتی تھی، اس لئے میجر اقبال نے فیصلہ کیا کہ اصل منصوبے کے مطابق صبح چار بجے ہی فائر کھولا جائے۔

چار بجے تینوں پارٹیوں نے فائر کھولا۔ تین منٹ فائر کرنے کے بعد ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پلان کے مطابق یہ خاموشی ضروری تھی۔ تمام باغی فائر کی آواز سنتے ہی بغیر کوئی جوابی گولی فائر کئے، دریا عبور کر کے بھارتی علاقے کی طرف فرار ہو گئے۔ یہاں دریا کی چوڑائی صرف 50 گز تھی۔

باغیوں کا یہ خیال کہ پاکستان آرمی اس دور دراز جگہ پر مون سون کے موسم میں آپریٹ نہیں کر سکتی، خیال خام ثابت ہوا۔ وہ مکمل طور پر ناگہانیت کا شکار ہوئے اور سکول اور ہسپتال کی عمارتوں سے صرف اپنی دھوتیوں میں جان بچا کر بھاگے۔ ان عمارتوں کی تلاشی لی گئی تو 150 یونیفارمیں اور بچھے ہوئے بستر ملے، جنہیں باغی بدحواسی میں چھوڑ گئے تھے۔ اکثر کی جیبوں میں صرف دو دو اور ایک ایک روپیہ تھا! تاہم وہ اپنے ہتھیار ساتھ لے جانے یا اُنہیں دریا میں پھینکنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بعد میں لوگوں نے بتایا کہ صرف 50 باغیوں کے پاس ہتھیار تھے اور باقی 100 ابھی ابھی بھارت سے ٹریننگ لے کر یہاں آئے تھے۔ ان کو اپنی ہائی کمانڈ کی طرف سے ہتھیار اور ایمونیشن فراہم کیا جاتا تھا۔ مقامی لوگوں نے بعد میں یہ بھی بتایا کہ تقریباً آٹھ دس باغی زخمی بھی ہو گئے تھے۔ جو گولہ بارود اور ساز و سامان ہاتھ آیا، اس میں ٹینک شکن اور آدم شکن بارودی سرنگیں، گرنیڈ، دوربینیں اور رائفلوں کے بہت سے راؤنڈ شامل تھے۔

یہ مشن اگرچہ کامیابی سے ہمکنار ہوا اور شرپسند تتر بتر ہو کر انڈیا فرار ہو گئے، تاہم اگر ساعت حملہ آدھا گھنٹہ لیٹ کر دی جاتی تو دھند چھٹنے کے بعد اکثر باغیوں کو زندہ بچ نکلنے کا موقع نہ ملتا۔ اس مشن کی تکمیل کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ بنگلہ زبان اور علاقے سے واقفیت نہیں تھی۔ اس لئے سویلین گائیڈوں سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان کو "ڈی کوڈ" کرنے میں مشکلات پیش آئیں۔ اگر وہ معلومات 100% درست طور پر سمجھ لی جاتیں تو دشمن کا زیادہ نقصان کیا جا سکتا تھا۔

سلہٹ میں (جون 1971ء)

پس منظر

سلہٹ مشرقی پاکستان کے شمال مغرب میں واقع ہے اور یہاں سے بھارت کی بین الاقوامی سرحد بہت نزدیک ہے۔ اوائل 1971ء میں برہمن باڑیا اور سلہٹ کے درمیان ریل اور روڈ کے تمام راستوں پر دشمن نے بارودی سرنگیں لگا دی تھیں اور چھوٹے بڑے پل بارود سے اڑا دیئے تھے۔ سڑکوں اور ریلوے لائن پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ 25 مارچ کے بعد اس علاقے کو بنگلہ دیش کا حصہ ڈکلیئر کیا جا چکا تھا۔ 117 بریگیڈ کو ٹاسک دیا گیا کہ باغیوں کا قبضہ ختم کر کے سابق صورت حال بحال کرے۔ 39 بلوچ اور 30 ایف ایف کو سلہٹ۔ برہمن باڑیا روڈ پر حملہ کر کے اسے کلیئر کرنے کے احکامات دیئے گئے۔

10 جون 1971ء کو شاہین کمپنی جیسور سے ڈھاکہ پہنچی اور وہاں سے بذریعہ ٹرین برہمن باڑیا روانہ کر دی گئی۔ کمپنی کی کمانڈ میجر طارق محمود کر رہے تھے۔ کیپٹن ظفر محمود اور کیپٹن شوکت انور بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کے علاوہ 60 جوان اور دوسرے عہدیدار بھی تھے۔ یعنی کل ملا کر کمپنی 63 افسروں اور عہدیداروں پر مشتمل تھی۔ کمپنی کو تین ٹیموں میں تقسیم کر کے دونوں ریگولر انفنٹری بٹالینوں کی سپورٹ میں دے دیا گیا۔

مشن کی تکمیل

117 بریگیڈ نے 13 جون کو اپنا فائنل پلان دیا، جس کے مطابق شاہین کمپنی کی ٹیموں نے اپنے اپنے علاقوں کی ریکی کی۔ آخر 13 جون کو شاہین کمپنی اپنی لانچنگ بیس سے روانہ ہوئی اور 15 اور 16 جون کی درمیانی شب باغیوں کے علاقے میں نفوذ (Penetrate) کر گئی۔ یہ سارا علاقہ چونکہ دشمنوں اور شرپسندوں کی گشتوں اور پکٹوں سے اٹا ہوا تھا، اس لئے نفوذ کا کام ایک انتہائی دشوار کام تھا۔ بھارتی سرحد بھی بالکل نزدیک تھی۔ ساری کی ساری آبادی آمادۂ بغاوت تھی۔ انہیں یقین دلایا جا چکا تھا کہ وہ آزاد بنگلہ دیش کے باشندے ہیں، اس لئے ان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے تھے۔ تاہم ان تمام دشواریوں کے باوجود نفوذ کامیاب رہا۔ منزل مقصود تک پہنچنے کے عمل میں دو تین جگہ کمپنی پر فائر آیا، لیکن کمپنی نے اس کا جواب نہ دیا تا کہ اصل مشن کی تکمیل کا ٹائم ٹیبل متاثر نہ ہو۔

جب باغیوں کو خبر ہوئی کہ پاک فوج وہاں پہنچ گئی ہے تو ان کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ سب باغی، شر پسند اور سویلین سرحد کی طرف بھاگے کہ اسے عبور کر کے بھارت میں داخل ہو جائیں جو ان کی یقینی جائے پناہ تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ پاکستانی فورسز بارڈر کے اس پار فائرنگ نہیں کریں گی۔

تاہم شاہین کمپنی نے بھی اپنا ہوم ورک کر رکھا تھا۔ اس نے بھارت جانے والے سارے کچے پکے راستے بلاک کر دیئے تھے۔ اس لئے جونہی کوئی باغی پاک بھارت سرحد عبور کرنے کی کوشش کرتا، ہلاک کر دیا جاتا۔ اس طرح تقریباً 200 باغی مارے گئے۔ ان کے اس طرح بھاگ جانے کے بعد ایس ایس جی نے ان کے تمام گڑھ، پکٹیں اور ناکے وغیرہ توڑ ڈالے یا مسمار کر دیئے۔

بعد ازاں شاہین کمپنی کو بھارت کے ساتھ ملحق سرحدی علاقے کی طرف آگے بڑھنے کے احکام دیئے گئے۔ اس علاقے کی ریکی نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے دو تین جوان باغیوں کی لگائی ہوئی اینٹی پرسانل بارودی سرنگوں کا شکار ہوئے اور اپنی ٹانگوں سے محروم ہو گئے۔ 17 جون کو کمپنی واپس ڈھاکہ ائرلفٹ کی گئی۔

بھومرا بند پر چھاپہ (جون 1971ء)

پس منظر

جیسور سیکٹر میں پاک بھارت سرحد پر ایک پاکستانی چوکی کا نام بھومرا تھا۔ اس کے نزدیک بھومرا بند (Bhomra Bund) واقع تھا۔ 25 مارچ 1971ء کو جب مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن کا آغاز ہوا تو سارے مشرقی پاکستان میں بغاوت پھیل گئی۔ شر پسندوں نے بھارت کے ساتھ مل کر جگہ جگہ پاک فوج کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ ایسٹ پاکستان رائفلز جو نیم مسلح فوجی دستوں پر مشتمل تھی اور جو بارڈر آؤٹ پوسٹوں پر تعینات تھی، اس کے افراد نے بھی بغاوت کر دی اور دشمن کے ساتھ مل کر دشمن بن گئے۔ ان باغیوں اور بھارت کی بارڈر سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں نے مل کر بھومرا چوکی اور بھومرا بند پر قبضہ کر لیا۔ اب کل ملا کر تقریباً دو کمپنیوں کی نفری اس پوسٹ اور بند پر دشمن کی شکل میں موجود تھی۔

ٹاسک

شاہین کمپنی کو ٹاسک دیا گیا کہ وہ بھومرا چوکی پر چھاپہ مارے، جبکہ 22 ایف ایف کی دو ریگولر کمپنیاں بھومرا بند پر قبضہ کریں۔ ایس ایس جی کمپنی کا کام ریگولر انفنٹری کمپنیوں کے ایڈوانس میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے ساعت حملہ (H-Hour) سے پندرہ منٹ پہلے بھومرا چوکی پر چھاپہ مارنا تھا۔

پلان

شاہین کمپنی نے اس ٹاسک کی تکمیل کے لئے جو فورس ترتیب دی، اس کی نفری 25 جوانوں پر مشتمل تھی۔ اس ٹیم کے کمانڈر خود میجر طارق محمود (TM) تھے، جو شاہین کمپنی کے کمپنی کمانڈر بھی تھے۔ ساعت حملہ صبح چار بجے مقرر کی گئی۔ اس ٹیم نے 15 منٹ پہلے یعنی علی الصبح پونے چار بجے چھاپہ مار کارروائی کا آغاز کرنا تھا۔

تکمیل

یہ ٹیم پونے چار بجے صبح (0345) فرم بیس سے روانہ ہوئی اور بھومرا بارڈر آؤٹ پوسٹ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ (فرم بیس کی تعریف ہم قبل ازیں اسی باب میں کہیں دے چکے ہیں)۔ 26 افراد پر مشتمل اس ٹیم کا اصل کام چوری چھپے اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا تھا۔ چنانچہ سٹاکنگ کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے جب یہ ٹیم بھومرا چوکی سے صرف 50 گز دور رہ گئی تو اپنے راکٹ لانچروں اور مشین گنوں کے دہانے کھول دیئے۔ دشمن مکمل ناگہانیت کا شکار ہوا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ وہ اپنے پیچھے سات لاشیں اور تین مشین گنیں بھی چھوڑ گیا۔

اب منصوبے کے مطابق 22 ایف ایف کی کمپنیوں کو صبح چار بجے بھومرا بند پر پہنچنا تھا، لیکن ابھی تک ان کے وہاں پہنچنے کے کوئی آثار نہ تھے۔ دشمن کی شدید مزاحمت کی وجہ سے انفنٹری والے، حسب پلان بند پر نہ پہنچ سکے۔ اس کشمکش میں 22 ایف ایف کا ایک آفیسر اور چار جوان بھی خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس صورت حال میں شاہین کمپنی نے بغیر کسی سابق تیاری کے فیصلہ کیا کہ بند پر بھی حملہ کرے گی۔ یہ حملہ کیا گیا۔ طرفین نے فائر کا تبادلہ کیا لیکن اپنی انفنٹری مزید پیش رفت نہ کر سکی۔ اگلے روز دشمن نے بند کو خود خالی کیا تو 22 ایف ایف اس پر قبضہ کر سکی۔

اس چھاپہ مار کارروائی میں کامیابی کا راز دو باتوں میں مضمر تھا۔ ایک سٹاکنگ اور دوسرے فائر کنٹرول۔ سٹاکنگ کا مطلب ہے چھپ کر چپکے چپکے دشمن کے اتنا نزدیک پہنچ جانا کہ اس پر حملہ کیا جا سکے اور فائر کنٹرول سے مراد یہ ہے کہ صرف دیئے گئے لمحے پر مختلف ہتھیاروں کا فائر کھولنا۔ یہ دونوں باتیں بظاہر سادہ اور آسان نظر آتی ہیں، لیکن در حقیقت نہ سادہ ہیں اور نہ آسان ہیں۔ چیتے کی طرح بغیر آواز نکالے اپنے شکار کے اتنا نزدیک پہنچ جانا کہ شکار کو خبر نہ لگے، ایک بہترین فیلڈ کرافٹ شمار ہوتا ہے۔ دوسرے فائر کنٹرول کا مسئلہ بھی خاصا پیچیدہ ہے۔ پریکٹس، خود اعتمادی، ڈرل اور نظم و ضبط نہ ہو تو ٹریگر دبانا اور بے مقصد دبانا معمولات میں شمار ہوتا ہے۔ اصل جنگ میں تھڑدلے اور ڈسپلن سے عاری ٹروپس فضول ایمونیشن ضائع کرتے رہتے ہیں اور ذرا سی آہٹ پر فائر کھول دیتے ہیں۔ تاریخ جنگ گواہ ہے کہ بڑے بڑے آپریشنوں میں اس خامی نے اچھی بھلی فتح کو شکست سے دوچار کیا اور بعد میں پچھتاوا "مفت" میں ہاتھ آیا............

ایس ایس جی کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اس خامی اور کمزوری پر قابو پا کر فائر کنٹرول کو کاملیت (perfection) کی انتہاؤں تک لے جاتی ہے۔ مرحوم ٹی ایم کی شاہین کمپنی نے اس ایکشن (اور اس کے علاوہ درجنوں دوسرے معرکوں میں) میں یہی کچھ کیا!

ٹی ایم کا ذکر آیا تو یہ بات تحریر کرنے میں شائد کچھ مضائقہ نہ ہو کہ انہوں نے اس چھاپے کے بعد واپس آ کر جو رپورٹ اپنے ہیڈ کوارٹر کو بھیجی، اس میں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کیا کہ انہوں نے اس چھاپے میں ایس ایس جی کی بنیادی ٹریننگ کے ایک اصول سے انحراف کیا تھا۔ اصول یہ ہے کہ ایس ایس جی ٹیم کو کسی انفنٹری کمانڈر کے زیرِ کمان رکھ کر روایتی انفنٹری سپورٹ کے ماحول میں آپریٹ نہیں کرنا چاہئے۔ جب کوئی ایس ایس جی ٹیم انفنٹری سپورٹ میں جائے تو اسے ایک آزادانہ اور خود مختارانہ ٹاسک ملنا چاہئے جو انفنٹری کمانڈر سے ربط و ارتباط پر استوار کیا جائے۔ اس چھاپے میں انفنٹری کمانڈر نے ایس ایس جی ٹیم کو نہ کوئی خصوصی ٹاسک دیا اور نہ ربط و ارتباط کی تفاصیل طے کیں۔

لیکن اس اصول کا دوسرا مطلب یہ بھی تو ہے کہ ایس ایس جی کمانڈر کو ایسا کوئی ٹاسک قبول ہی نہیں کرنا چاہئے، جس میں اوورآل کامیابی کا امکان ہی موجود نہ ہو۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں ایس ایس جی نے اس اصول کی نفی کر کے اپنے 200 افسروں اور جوانوں کو

''ضائع'' کر دیا تھا۔ پٹھانکوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ پر ائر ڈراپ کی ناکامی اسی اصول کی خلاف ورزی کا براہ راست شاخسانہ تھی۔اس کی تفصیلات آپ ایک گزشتہ باب میں پڑھ چکے ہیں۔ میجر طارق محمود (TM) کے تحت الشعور میں یہ ناکامی ضرور موجود ہوگی، جبھی تو انہوں نے اس چھوٹے سے ایکشن کے بارے میں اپنی رپورٹ میں یہ جملہ بھی لکھا:

The mistake for accepting the task was mine. I must admit that I made this mistake personally which I regretted later on"

(ترجمہ: اس ٹاسک کو قبول کرنے کی غلطی میری اپنی تھی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ذاتی طور پر یہ غلطی کی، جس پر مجھے بعد میں افسوس ہوا)۔

ارتکابِ زیاں کے بعد جب احساس زیاں بیدار ہو جائے تو یہ ایک نیک فال ہے۔

آسالانگ میں (جولائی 1971ء)

پس منظر

چٹاگانگ کے پہاڑی علاقوں کو چٹاگانگ ہل ٹریکٹ (Hill Tracts) کہا جاتا ہے۔بھارت کی ریاست تری پورہ اور چٹاگانگ ہل ٹریکٹ کے درمیان دریائے فینی (Feni) بہتا ہے جو پاک بھارت سرحد کا کام بھی دیتا ہے۔اس دریا کے بالائی علاقوں سے ایک نالہ آکر اس دریا میں گرتا ہے، جسے آسالانگ چارا کہا جاتا ہے۔دریائے فینی اور آسالانگ چارا کے درمیان کا علاقہ آسالانگ موضع کہلاتا ہے اور اگست 1947ء ہی سے یہ بھارت اور پاکستان کے درمیان وجہ نزاع تھا۔دونوں ممالک اس کو اپنا حصہ قرار دیتے تھے اور مارچ 1971ء سے پہلے دونوں ملکوں کے ٹروپس کے درمیان یہاں شدید جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں۔

یہ سارا علاقہ نیم کوہستانی اور جنگلاتی ہے۔ گھنے اور لہلہاتے استوائی درخت یہاں کی خاص خصوصیت ہیں۔چھوٹے چھوٹے نالوں اور ندیوں کی بہتات ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسانی آبادیوں کی قلت نے حیوانی آبادیوں کی کثرت کو جنم دے رکھا ہے۔قسم قسم کے جانور اس علاقے میں ملتے ہیں۔انسانی آمد و رفت کے لئے صرف پگڈنڈیاں کام دیتی ہیں۔ مارچ 1971ء میں پاکستان کی ایک سرحدی چوکی پنچاری (Panchari) سے

آسالانگ موضع تک ایک لائق جیپ (Jeepable) کچی سڑک موجود تھی، جس پر جگہ جگہ جھاڑ جھنکار اور گھاس پھونس اُگی ہوئی تھی، جس کے باعث نقل و حمل مشکل تھی۔ اس سڑک پر جو پل بنے ہوئے تھے، وہ بنگالی شرپسندوں نے مسمار کر دیئے تھے تاکہ پاک فورسز کی آمد کو اگر ناممکن نہیں تو از حد مشکل بنا دیا جائے۔

اس علاقے میں جو اِکا دُکا آبادیاں تھیں، ان میں بدھ، چکما اور مغ قبائل آباد تھے۔ ایک ہندو قبیلہ بھی ٹپرا (Tapra) کے نام سے ان علاقوں میں پایا جاتا تھا۔ ان قبائل کے رسوم و رواج بہت قدیم اور زبان مختلف اور مشکل تھی۔ یہ قبائل باہر کی مہذب اور ماڈرن دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔

بھارت نے اس کوہستانی علاقے میں اپنی چار سرحدی چوکیاں بنا رکھی تھیں، جن کے نام سلا چاری، جے چند باڑی، جولیا اور بھگوان ٹلا تھے۔ یہ تمام سرحدی چوکیاں متنازعہ علاقے سے صرف دو تین میل کے فاصلے پر تعمیر کی ہوئی تھیں۔ ان بھارتی پوسٹوں کے سامنے پاکستانی چوکیاں بھی تھیں، جن کے نام طبل چاری، ٹینڈم اور پنچاری تھے۔ لیکن ماسوائے پنچاری کے، ایسٹ پاکستان رائفلز نے عمداً بغاوت کر کے باقی دونوں چوکیوں کو خالی کر دیا تھا۔

اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے اس سرحدی علاقے میں اپنی گشتیں بڑھا دی تھیں۔ انٹیلی جنس رپورٹیں یہ تھیں کہ بھارت یہاں اپنی پسند کی انتظامیہ قائم کرنا چاہتا ہے اور اس متنازعہ علاقے کو مستقل طور پر بھارت میں ضم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ شروع دن ہی سے بھارت کی یہ روش رہی ہے کہ وہ کسی بھی قسم کے متنازعہ علاقے کو اپنا علاقہ سمجھتا ہے اور اس پر جلد از جلد قابض ہونا اپنا حق گردانتا ہے۔

ایکشن

پاکستان نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا حق ملکیت تسلیم کروانے کیلئے یہاں ملٹری ایکشن کرے گا۔ پلان یہ تھا کہ ایس ایس جی کے 20 آدمی لے کر اتنے ہی آدمی میزو قبیلے سے اکٹھے کئے جائیں اور اپنی سرحدی چوکیوں (طبل چاری اور ٹینڈم) پر قبضہ بحال کیا جائے۔ چنانچہ غازی کمپنی کے 20 افسروں و جوانوں اور 20 میزو قبائلیوں پر مشتمل یہ فورس 28 جولائی 1971ء کو شام چھ بجے کیپٹن ارجمند ملک کی قیادت میں پنچاری سے روانہ ہوئی۔ نائب صوبیدار کبیر خاں

سیکنڈ ان کمانڈ تھے۔ اس فورس کے ہمراہ تین بدھ مترجم بھی تھے۔ مون سون کا موسم تھا۔ بارشوں کی کثرت نے ایڈوانس مشکل بنا دیا تھا۔ جنگلی درندے بھی راستے میں مزاحم تھے۔ اگلے روز یعنی 29 جولائی کو علی الصبح یہ فورس آسالانگ موضع کے علاقے میں جا پہنچی۔ اثنائے سفر جو قبائلی نظر پڑے انہیں گرفتار کرلیا گیا اور اپنے ہمراہ رکھا گیا تا کہ دشمن کو مخبری نہ کرسکیں۔ اس علاقے میں ایک نہایت چھوٹا سا گاؤں مغ پاڑا نام کا بھی تھا، جہاں مغ قبیلے کے لوگ آباد تھے۔ منصوبہ یہ بنایا گیا کہ اس گاؤں کے نزدیک ایک چھپاؤ (Ambush) لگایا جائے اور بھارتی ٹروپس جب گشت کر تے ہوئے اس راستے سے گزریں تو ان کو ہلاک کر کے بھارت کو یہ پیغام دیا جائے کہ مشرقی پاکستان کے حالات مشکل ضرور ہیں، لیکن پاک فوج کے آفیسرز اور جوان اپنی سرحدوں کی حفاظت کے فریضے سے غافل نہیں۔

تین ٹیمیں تشکیل دی گئیں، جن میں چھ چھ ایس ایس جی کے آدمی اور چھ چھ میزو گوریلا رکھے گئے۔ یہ میزو قبائل 1947ء سے ہی بھارت سے ایک الگ مملکت کا مطالبہ کرتے چلے آئے ہیں اور آج بھی بھارت کے خلاف ان کی تحریک آزادی کی حرارت سرد نہیں ہوسکی۔

صبح کے آٹھ بجے تھے اور تینوں چھاپہ مار ٹیمیں اپنے شکار کی تلاش میں تیار ہو کر بیٹھی تھیں۔ لوکل قبائلیوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ مشن لیڈر کیپٹن ارجمند ملک نے چائے بنانے کا حکم دیا اور لوگوں کو کہا کہ ایک ایک شخص آتا جائے اور اپنی چائے لے کر واپس اپنی جگہ پر چلا جائے۔ ایک گھنٹہ بعد تقریباً نو بجے ایک بھارتی گشت جو 17 آدمیوں پر مشتمل تھی، اس طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ ہمارا ایک آدمی جب چائے لے کر واپس جا رہا تھا تو بھارتی سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا اور اس پر فائر کر دیا۔ ایس ایس جی پارٹی کی طرف سے بھی فائر کا جواب دیا گیا، جس کے نتیجے میں دشمن کے دو سپاہی زخمی ہو گئے۔ ان میں سے ایک کانسٹیبل راج بلاب شرما تھا جو 93 بی ایس ایف (بارڈر سکیورٹی فورس) بٹالین کا سپاہی تھا۔ اس کی تلاشی لی گئی اور پوچھ گچھ کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ بھارت کی سرحدی چوکی جولیا کا سپاہی ہے۔ دوسرا سپاہی مردہ پایا گیا۔ باقی جنگل میں روپوش ہو گئے۔ وائرلیس مواصلات کے ذریعے کھگرا چاری پوسٹ سے رابطہ قائم کیا گیا تو ایریا کمانڈر میجر محمد اقبال نے چھاپہ مار فورس کو واپس پنچاری آنے کا حکم دیا، چنانچہ رات گیارہ بجے ایس ایس جی کی یہ پارٹی ایک جنگی قیدی کے ہمراہ اپنی پوسٹ پر واپس پہنچ گئی۔

قائد کمپنی کی کارکردگی

گزشتہ صفحات میں ہم نے غازی کمپنی، شاہین کمپنی اور جنگجو کمپنی کی کارکردگی کے بارے میں چندواقعات کا ذکر کیا۔قائد کمپنی جو2 کمانڈو بٹالین کا حصہ تھی، اس کو بھی بعض آپریشنل ٹاسک دیئے گئے، جو25مارچ 1971ء کے بعد پیش آمدہ صورت حال سے نمٹنے اور گورنمنٹ کا دبدبہ (Write) بحال کرنے کے لئے ضروری تھے۔ذیل کے صفحات میں ہم ان میں سے بعض واقعات کا مختصراً ذکر کریں گے۔

رانگامتی۔چٹاگانگ روڈ کی کلیرنس

2 کمانڈو بٹالین نے15اپریل 1971ءکو رانگامتی پر قبضہ کرلیا تھا۔یہ شہر باغیوں کے قبضے میں تھا۔اس شہر سے ملحق ایک جھیل بھی اسی نام سے موجود ہے، جسے رانگامتی جھیل کہا جاتا ہے۔کمانڈوز نے اسی جھیل کے راستے شہر پر قبضہ کیا تھا۔تاہم رانگامتی سے چٹاگانگ جانے والی سڑک پر جگہ جگہ باغیوں کی ٹولیاں موجود تھیں۔ 31مارچ 1971ءکو چونکہ چٹاگانگ پر باغیوں کا زور ٹوٹ چکا تھااور پاک فوج نے حکومت کا کنٹرول بحال کردیا تھا، اس لئے خدشہ تھا کہ چٹاگانگ سے فرار ہونے والے شرپسند چٹاگانگ، رانگامتی روڈ پرناکے اور گھاتیں لگا کر پاک فوج کی نقل وحمل میں مشکلات پیدا نہ کردیں اور پاک فوج کو رسدات کی فراہمی میں مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

قائد کمپنی کو ٹاسک دیا گیا کہ وہ رانگامتی سے راؤسان اور چٹاگانگ تک سڑک کو کلیئر کرے اور20بلوچ کے ساتھ جو راؤسان میں تھی، لنک اپ کرے۔اس ٹاسک کیلئے کیپٹن مسعود پرویز کو مامور کیا گیا۔25جوان ان کی کمانڈ میں دیئے گئے۔چار عدد جیپیں اور ایک وین بھی اس فورس کے حوالے کی گئی کہ ان جیپوں پر مشین گنیں نصب کر کے سڑک کے طول وعرض میں گشت کی جائے اور اثنائے سفر اگر کسی شرپسند سے سامنا ہو اور اگر وہ مزاحمت کرنے کی کوشش کرے تو اس کا خاطر خواہ ازالہ کیا جائے۔

اس مشن کے لئے دو جیپیں بطور سکاؤٹ آگے رکھی گئیں، ان میں ایک ایک ڈرائیور اور ایک ایک مشین گنر تھا۔اس طرح دونوں جیپوں میں کل ملا کر چھ جوان تھے، جبکہ باقی جوان اور

آفیسر بطور مین فورس (Main Force) ان جیپوں کے پیچھے تقریباً 500 گز کے فاصلے پر موو کر رہے تھے۔ دونوں سکاؤٹ جیپوں کے درمیان 100 گز کا فاصلہ تھا۔

قائد کمپنی کی یہ فورس حسب پلان رانگامتی سے چاٹگام کی جانب روانہ ہوئی۔ سات میل کی مسافت طے کرنے کے بعد باغیوں کی طرف سے آگے والی جیپ پر فائرنگ ہوئی۔ جیپ میں سوار جوانوں نے فوراً جیپ روک کر نیچے چھلانگ لگائی اور پوزیشن لے کر فائرنگ کا جواب دیا۔ دوسری جیپ نے بھی شرپسندوں پر فائرنگ کر دی۔ باغی بھاگ کر رام گڑھ کی طرف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ فورس شام ہونے تک راؤسان جا پہنچی اور 20 بلوچ سے لنک اپ مکمل کر لیا۔

یہ مشن اگرچہ بظاہر معمولی تھا لیکن ان مخصوص حالات میں کہ جن سے اس دور میں مشرقی پاکستان گزر رہا تھا، اس قسم کی صورت حال گھمبیر موڑ بھی لے سکتی تھی۔ اس روڈ کلیئرنس کے بعد چاٹگام اور رانگامتی کے درمیان معمول کی نقل و حمل شروع ہو گئی اور فوج کی رسدات وغیرہ کی فراہمی میں بھی کوئی مشکل باقی نہ رہی۔

باغی پلاٹون پر چھاپہ

رانگامتی پر قبضے کے بعد 2 کمانڈو کی ایک پلاٹون محلا چاری کی طرف جا رہی تھی کہ وہاں کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکیں کہ وہاں پر شرپسندوں کی مزاحمت کی شدت کیسی اور کتنی ہے۔ ابھی یہ پلاٹون صرف چار میل تک گئی ہو گی کہ ایک نسبتاً بلند پوزیشن سے دشمن نے خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ شروع کر دی۔ موسم خراب تھا اور علاقہ بھی جنگلاتی تھا، مزید برآں دشمن ایک ہائی گراؤنڈ پر دفاعی پوزیشن لئے بیٹھا تھا۔ اندازہ لگایا گیا کہ اس کی نفری تقریباً ایک پلاٹون (30 آدمی) سے زیادہ ہو گی۔

فیصلہ کیا گیا کہ دشمن کی اس پوزیشن پر چھاپہ مارا جائے۔ میجر ایم یو جان مشن لیڈر مقرر کئے گئے، کیپٹن خالد محمود کو ان کا سیکنڈ ان کمانڈ بنایا گیا اور 50 جوانوں اور عہدیداروں پر مشتمل ایک فورس بھی ان افسروں کے ہمراہ دے دی گئی۔ اس فورس کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک گروپ کو سامنے سے اور دوسرے کو چھپ کر عقب کی طرف سے دشمن پر جا پڑنا تھا۔ ان دونوں گروپوں کے ہمراہ ایک ایک سویلین گائیڈ بھی دے دیا گیا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ رات کے وقت یہ فورس اس علاقے میں جا نہیں سکتی تھی اور دن کے وقت دشمن کے اونچی جگہ پر ہونے کے باعث تمام نقل وحرکت اس کی نظروں کے سامنے تھی۔ بہر حال دوسرا گروپ راستے کو باز وکش کر کے عقب کی طرف نکل گیا، جبکہ سامنے والا گروپ دشمن کے سامنے ہی رہا۔ جب یہ سامنے والا گروپ تقریباً 1000 گز کے فاصلے پر پہنچا تو دشمن کا فائر شروع ہو گیا۔ وہ لائٹ مشین گنیں اور رائفلیں استعمال کر رہے تھے۔ تاہم ان کا فائر زیادہ کارگر نہ تھا۔ گائیڈوں نے جب فائر کی آوازیں سنیں تو آگے جانے سے انکار کر دیا۔ تاہم جب سامنے والے گروپ نے ایڈوانس جاری رکھا اور فائر کا جواب بھی مزید فائر سے دیا تو دشمن نے پس قدمی شروع کر دی۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ پس قدمی کے راستے میں ایک اور گروپ اس کا منتظر ہے۔ جونہی دوسرے گروپ نے فائر کھولا دشمن بوکھلا گیا اور جدھر جس کا منہ اُٹھا، بھاگ نکلا۔ بہت سارا اسلحہ، گولہ بارود اور ساز وسامان اس چھاپہ مار فورس کے ہاتھ لگا۔ بھاگتے ہوئے دشمن کا دو میل تک تعاقب کیا گیا، لیکن پھر از راہ احتیاط تعاقب ترک کر دیا گیا۔ بعد میں فورس صحیح سالم واپس رانگامتی پہنچ گئی۔

چٹاگانگ کپتائی روڈ پر چھاپہ

مارچ 1971ء کے تیسرے ہفتے 8 ایسٹ بنگال رجمنٹ نے کالج کے طلباء اور انصار کے ساتھ مل کر چٹاگانگ کپتائی روڈ پر چندر گونا کے مقام پر ایک مضبوط دفاعی پوزیشن قائم کر لی تھی۔ اس پوزیشن میں تقریباً 200 باغی صف بند تھے۔ قائد کمپنی کو 53 بریگیڈ نے یہ مشن دیا کہ وہ باغیوں کی اس پوزیشن کے عقب میں پہنچ کر ایک روڈ جنکشن پر گھات لگائے۔ میجر ایچ یو جان اور کیپٹن خالد محمود کی زیر کمانڈ قائد کمپنی کے 40 جوان اور دوسرے عہدیدار بھی تھے۔ بارشیں زوروں پر تھیں اور علاقہ جنگلاتی تھا اس لئے رات کے وقت نقل وحرکت مشکل تھی۔ چنانچہ بریگیڈ کمانڈر نے فیصلہ کیا کہ یہ فورس (جو 42 افراد پر مشتمل تھی) دن کے وقت رنگونیا سے موو کرے گی اور شام کے 4 بجے تک گھات کے مقام پر پہنچ جائے گی۔

مشن لیڈر نے اس گھات کو تین مرحلوں میں پلان کیا۔ پہلے مرحلے میں کمپنی نے رنگونیا سے موو کر کے فارورڈ اسمبلی ایریا میں پہنچنا تھا، دوسرے مرحلے میں شام ہونے سے پہلے مقام

گھات (Ambush Site) پر پوزیشنیں لے لینی تھیں اور تیسرے مرحلے میں مشن کی تکمیل کے بعد اگلے روز صبح دس بجے تک 53 بریگیڈ کے ساتھ لنک اپ کرنا تھا۔

قائد کمپنی دوپہر بارہ بجے حسب پلان، رنگونیا سے روانہ ہوئی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، بارش شدید تھی اور جنگل گھنا تھا اس لئے فارورڈ اسمبلی ایریا تک پہنچتے پہنچتے رات کے 9 بج گئے۔ سویلین گائیڈ جو کمپنی کے ساتھ تھا، اس نے باغیوں کو خبردار کر دیا.......... وہ ایک روز قبل ہی چندر گونا خالی کر گئے تھے!

قائد کمپنی رات نو بجے اسمبلی ایریا سے نکل کر مقام گھات کی طرف روانہ ہوئی اور دو گھنٹے بعد رات کے گیارہ بجے رانگامتی چندر گونا روڈ جنکشن پر جا کر گھات میں بیٹھ گئی۔

یہ دونوں سڑکیں سنسان تھیں۔ کسی بھی طرح کی کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آتی تھی۔

دوسری طرف 20 بلوچ کو چونکہ اس گھات کی کوئی خبر نہ تھی، اس لئے اس کی دو گاڑیاں علی الصبح ساڑھے چار بجے مقام گھات کے قریب پہنچیں تو اگلی گاڑی پر قائد کمپنی نے فائر کھول دیا۔ اس میں گولہ بارود لدا تھا جو سب کا سب خاکستر ہو گیا اور ایک آدمی بھی زخمی ہو گیا۔

نیتجتاً 20 بلوچ کا ایڈوانس رک گیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ بٹالین کی ہراول گاڑی پر شر پسندوں نے، نہیں بلکہ ایس ایس جی والوں نے فائر کیا ہے۔ وہ تو خیریت گزری کہ جلد ہی پتہ چل گیا ورنہ طرفین کا زیادہ نقصان ہو سکتا تھا۔ دراصل بریگیڈ ہیڈ کوارٹر نے 20 بلوچ کو جب اس سڑک پر موو کرنے کے احکامات دیئے تھے تو اس وقت ایس ایس جی سے رابطہ کرنے یا اس کی موجودگی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ قائد کمپنی کے پاس جو GRC-9 وائرلیس سیٹ تھا، اس سے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سے رابطہ ممکن نہ تھا۔ اگر اس کی بجائے PRC-10 قسم کا وائرلیس سیٹ ہوتا تو یہ اطلاع دی جا سکتی تھی۔ بہر کیف یہ واقعہ اس لئے بیان کیا گیا کہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ اصل جنگ میں اس نوع کے واقعات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں اور انہیں کسی بھی طور غیر معمولی قرار نہیں دیا جاتا.......... جنگ میں اس قسم کی بدحواسیاں " کھیل " کا حصہ شمار ہوتی ہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

سامان جو میں نے بٹالین یا کمپنی واپس دینا ہے۔
۱۔ سنز پیک
۲۔ ہائی نیک جرسی
سمو کر ڈنشن جو میرے نام ایشو ہیں۔ طلا صاحب نے دیا تھا!'

بل (ورثا کے لئے)
۱۔ لنگر کا جتنا بل بھی بنتا ہے' وہ ہر حالت میں ادا کرو۔
۲۔ میس کا بل جتنا بھی بنتا ہے' وہ ہر حالت میں ادا کرو۔
۳۔ دھوبی کا بل' ہر حالت میں ادا کرو۔
۴۔ موچی کے پانچ روپے دینے ہیں۔

.وزے)

۲۔ چوبیس مئی ۱۹۸۰ء کو میں نے بنک سے قرضہ لیا تھا۔ میرے خیال میں تقریباً =/۹۰۰۔ یہ پیسے یعنی قرضہ فنڈبی۔ ایس۔ سی سائنس سٹوڈنٹس کو ملا کرتا تھا۔ پشاور یونیورسٹی ایڈمنسٹریشن بلاک سے اس کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ رقم میرے ذمہ ہے جو میں نے بنک کو دینا ہے۔

۳۔ میرے قبر کو پختہ نہ کیا جائے اور اسلامی شریعت کے مطابق اس کی اونچائی رکھی جائے اور نہ میرے قبر پر پھولوں کی چادر یا سہرے یا کوئی اور دوپٹہ وغیرہ بچھایا جائے۔ کیونکہ یہ سب کچھ رسومات ہیں۔ قرآن اور حدیث میں ان چیزوں کا کوئی حکم نہیں۔ اصل چیز دعا ہے۔

۴۔ بجائے چاول وغیرہ پکا کر لوگوں کو بلایا جائے۔ اس رقم سے کسی نالی یا راستے کا تعمیر کیا جائے یا پھر مسجد میں دے دیا جائے۔ یہ صدقہ جاریہ رہے گا۔ نمود و نمائش کی کوئی ضرورت نہیں۔

۵۔ میرے مرنے کے بعد اگر حکومت کی طرف سے کوئی پیسے وغیرہ مل جائیں اور یہ اگر پچاس ہزار ہیں یا اس سے زیادہ ہیں تو چالیس ہزار میری قضاء نمازوں اور روزوں کے فدیہ کے طور پر غرباء اور مساکین میں تقسیم کئے جائیں

اور میرے مرنے کے بعد کوئی میرے ساتھ احسان کرنا چاہے تو جتنا زیادہ ہو سکے وہ درود شریف پڑھے اور ثواب میرے لئے بخش دیں"۔

مجھ میں اتنی تاب نہیں رہ گئی کہ مزید کچھ تبصرہ کر سکوں۔ صرف اتنا کہوں گا کہ پاکستان ایسے ہی چند درویش صفت مجاہدوں کے دم سے قائم ہے اور انشاء اللہ دائم رہے گا۔ تفصیل تو میں نہیں جانتا لیکن سردار قیوم کے بیان اور حکومت پاکستان کے لہجے میں جو تازہ اعتماد نظر آیا ہے۔ ایسی ہی شہادتوں کی دین لگتا ہے۔

کے والد صاحب ... ہیں ...
بھی ان کو دکھ پہنچا ہوگا۔ باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔
آخر میں میرے طرف سے آپ سب کو دعا سلام قبول ہو۔ عبداللہ
بکر والد صاحب، پیش امام مسجد کو بھی دعا سلام۔ اللہ آپ سب
کا نگہبان رہے۔ میں آپ کے خط کا منتظر رہوں گا۔

آپ کا بھائی اقبال۔

۳

خط اس پتہ پر ارسال کریں:

CAPT M. IQBAL KHAN
EBRAHIM COY (SSG)
C/O 323 BDE CAPO-Q

عکس وصیت کیپٹن محمد اقبال خان

قلعہ اٹک کا ایک دروازہ
(ہاتھیوں کی یلغار روکنے کیلئے موٹے موٹے آہنی کیل نمایاں ہیں)
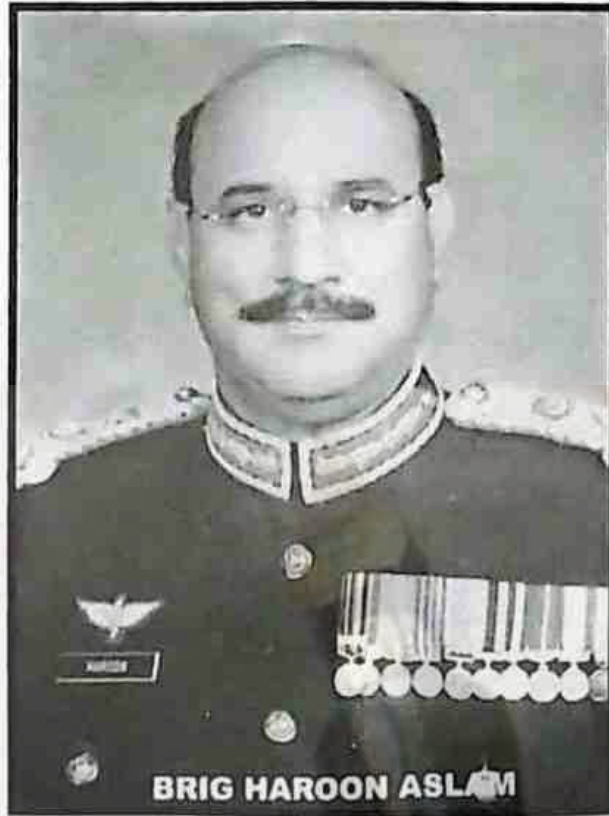
بریگیڈیئر محمد ہارون اسلم (Fsc (B), Afwc, Psc)
(15-8-01)

میجر جنرل امیر فیصل علوی (Afwc, (ch), Psc)
(14-6-03)

TURR.........VI

WILL

This is the last WILL and TESTAMENT of me, Colonel Syed Ghaffar Mehdi, born on 24 December, 1921, S/o Syed Khaslat Hussain (Late) resident of Room No.12-A, Sind Club, Abdullah Haroon Road, Karachi, in the following manner:

(i) I hereby revoke all forms of WILLS by me at any time heretofore made.

(ii) I appointed Syed Haider Raza Mehdi, my elder son, to be the Executor and direct that all my just debts shall be paid by him as soon as may be convenient after my death and after arranging burial of my last remains at CHERAT. The Eagle's Nest, the H.Q of the Special Service Group (S.S.G), N.W.F.P.

(iii) I hereby bequeath that before burial my kidneys, corneas, heart, liver and pancreas are to be used for TRANSPLANTATION for the treatment of other needy persons.

(iv) Should the burial arrangements at the "Eagle's Nest", "CHERAT"

-3-

S G Mehdi. Monday 28 Jan 2002

Signed by the Testator and acknowledge by him to be his last will and testament in the present of us, present at the same time, who at Testator's. request, in his presence and in the presence of each other have hereto subscribed our names as witnesses.

Witnesses

1. Ardeshir Cowasjee
Ardeshir Cowasjee
10, Mary Road,
Bath Island
Karachi

Monday
28 Jan 2002
NIC 514-26-050753

2. Feroz Shah Gilani,
Advocate,
High Court of Sindh,
Karachi NIC 516-38-066817

Dated 28th. January 2002

عکس وصیت کرنل ایس. جی مہدی

بریگیڈئیر وحید ارشد گجیال (Psc)
(21-8-78)

بریگیڈئیر رفیع الدین احمد (Afwc, Psc)
(26-7-79)

بریگیڈئیر طارق محمود (ستارۂ جرات اینڈ بار، ستارۂ بسالت)
(3-1-82)
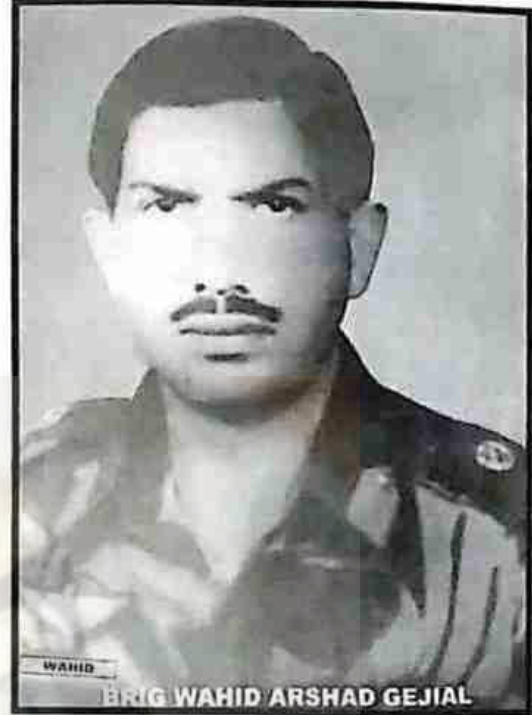
بریگیڈئیر محمد اکرم (T.Bt, Psc)
(25-6-89)
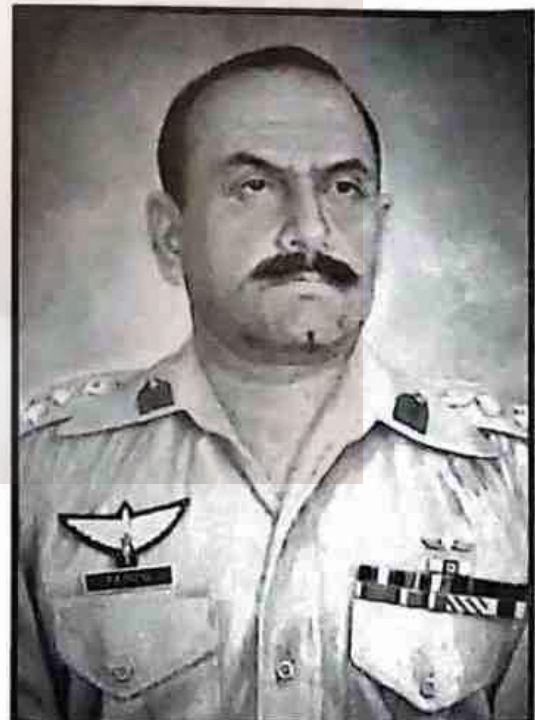
بریگیڈیئر محمد نذیر (Afwc، Psc، ستارۂ بسالت)
(24-6-92)

بریگیڈیئر حامد رب نواز (Psc)
(4-9-95)

بریگیڈیئر کمال شوکت (Afwc, Psc)
(2-8-96)

بریگیڈیئر امیر فیصل علوی (Afwc, Psc)
(15-8-99)
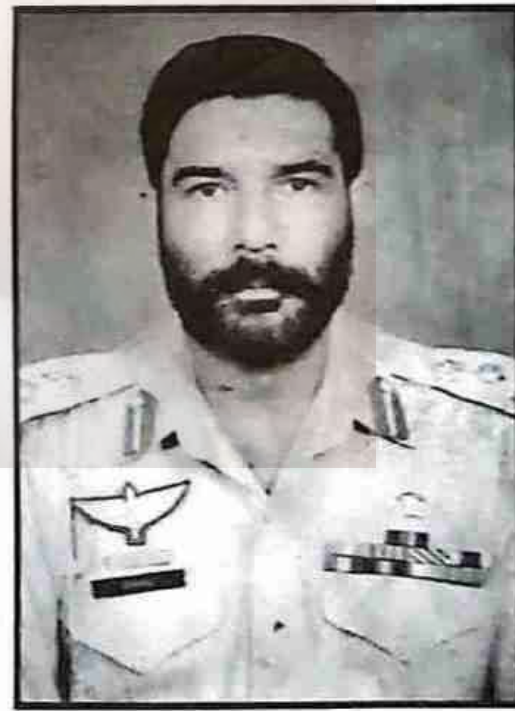
کمانڈرز ایس ایس جی بمعہ تاریخ تعیناتی

لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا (تمغۂ پاکستان)
(29-9-55)

لیفٹیننٹ کرنل محمد اسلم (ملٹری کراس)
(24-6-61)

کرنل ایس جی مہدی (ملٹری کراس)
(6-1-64)

بریگیڈیئر چوہدری نصیر احمد (تمغۂ قائد اعظم، Psc)
(21-9-65)

بریگیڈئیر شیر اللہ بیگ
(4-2-68)

بریگیڈئیر غلام محمد (Psc)
(12-5-71)

بریگیڈئیر محمد سلیم ضیاء (Psc)
(3-8-75)

بریگیڈئیر حکیم ارشد قریشی (ستارۂ جرات، Psc)
(1-4-77)

تیرھواں باب

ایس ایس جی آپریشنز
(مغربی پاکستان میں)

پس منظر

اسلام آباد اور راولپنڈی کے ایوان ہائے اقتدار میں یہ تاثر یقین کی حد تک عام تھا کہ مشرقی پاکستان کا دفاع، مغربی پاکستان پر منحصر ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم مشرقی پاکستان کو یہ باور کرواتے رہے کہ ہم اپنے مشرقی بازو کا دفاع تو نہیں کر سکتے، البتہ مغربی پاکستان سے بھارت پر حملہ کر کے اسے مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ مشرقی پاکستان سے ہاتھ کھینچے اور اس کی طرف بری نگاہوں سے نہ دیکھے۔

جیسا کہ قبل ازیں کہا جا چکا ہے، مارچ 1971ء کے آخری ہفتے میں جب مشرقی پاکستان میں بغاوت ہوئی تو وہاں صرف ایک انفنٹری ڈویژن (14 ڈویژن) موجود تھا۔ مغربی پاکستان سے 9 ڈویژن اور 16 ڈویژن بعد میں بھیجے گئے۔ بایں ہمہ جولائی 1971ء تک پاک فوج نے صورت حال کو کافی حد تک کنٹرول کر لیا اور حکومت پاکستان کا اقتدار (Write) بحال ہو گیا۔ بھارت کیلئے ایک سنہری موقع ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ 9 اگست 1971ء کو سوویت یونین اور بھارت کے درمیان ایک معاہدہ ''دوستی و تعاون'' طے پایا۔ جس نے 20 برس تک نافذ العمل رہنا تھا۔ اس کے آرٹیکل نمبر 9 (IX) میں کہا گیا تھا کہ جنگ کی صورت میں دونوں ممالک ایک

دوسرے کی مدد کو آئیں گے۔ دوسری طرف اس قسم کا کوئی معاہدہ نہ تو پاکستان اور امریکہ کے مابین ہوسکا اور نہ ہی پاکستان اور چین کے درمیان۔

تاہم جنرل یحییٰ (صدر پاکستان) اور جنرل حمید (چیف آف آرمی سٹاف) اتنے بے خبر اور انجان نہ تھے کہ انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں صرف تین ڈویژن پاکستانی فوج، بھارت کی طرف سے یلغار کی صورت میں انڈین حملہ آور فورس کو شکست دے سکے گی۔ البتہ وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ اگر بھارت پر مغربی پاکستان کی طرف سے حملہ کردیا جائے اور دباؤ بڑھایا جائے تو پھر شائد (جنگ بندی کے بعد) مذاکرات کی میز پر لین دین کر کے حساب برابر کیا جاسکے۔ ان حضرات کے تحت الشعور میں شائد یہ خیال خام بھی کہیں موجود تھا کہ بین الاقوامی رائے عامہ بھارت کو یہ اجازت نہیں دے گی کہ وہ مشرقی پاکستان کو ہڑپ کرلے اور اقوام متحدہ کے ایک خود مختار ملک کو دو نیم کر ڈالے!

24 اکتوبر 1971ء کو وزیراعظم بھارت مسز اندرا گاندھی دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے دورے پر روانہ ہوئیں۔ جنرل ہیڈ کوارٹر کا تجزیہ یہ تھا کہ جونہی مسز اندرا گاندھی واپس وطن لوٹیں گی، بھارت مشرقی پاکستان پر حملہ کردے گا.......... اور یہی ہوا۔

بھارت نے بغیر اعلان جنگ کئے 21 نومبر 1971ء کو مشرقی پاکستان پر حملہ کردیا۔ پاکستان نے اقوام متحدہ سے رجوع کیا، لیکن نومبر کے اواخر میں یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آچکی تھی کہ بھارت مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے سے پہلے وہاں سے اپنی افواج واپس نہیں بلائے گا۔ 2 دسمبر کو جب مشرقی پاکستان میں عسکری صورتحال بہت بگڑ گئی تو 3 دسمبر 1971ء کی شام کو پاکستان نے بھارت کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ تیرہ دن کے بعد 16 دسمبر کو جب ڈھاکہ فال ہوگیا تو مغربی پاکستان میں بھی جنگ بندی کردی گئی۔ ہم مغربی پاکستان میں ملٹری آپریشنز کی تفصیل میں نہیں جائیں گے کہ یہ اس کتاب کے سکوپ میں نہیں، البتہ جیسا کہ اس باب کے آغاز میں کہا گیا تھا، ایس ایس جی کی 1 کمانڈو بٹالین کی کارکردگی کا ایک مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

لیاقت کمپنی

لیاقت کمپنی وقت مقررہ پر 12 ڈویژن کے ایریا میں پہنچ گئی تا کہ علاقے سے واقفیت

حاصل کی جا سکے۔ میجر ممتاز خان اس کمپنی کے کمانڈر تھے۔ کمپنی کو جو مشن دیا گیا وہ یہ تھا کہ 3 اور 4 دسمبر کی درمیانی شب چندک پل تباہ کیا جائے اور پھر چندک۔ سورن کوٹ روڈ کو زیر فائر رکھا جائے۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے کمپنی کمانڈر نے کئی پلان بنائے، جن میں ایک بات مشترک تھی کہ کمپنی کو ٹارگٹ تک پہنچنے کیلئے کم از کم تین راتیں درکار تھیں۔ دشمن کے علاقے میں چھپ چھپا کر رات کو ہی سفر ممکن تھا۔ لیکن اس میں خطرہ یہ تھا کہ ان تین دنوں میں اگر دشمن کو اس کمپنی کا سراغ لگ گیا تو ڈویژن کا سارا پلان تلپٹ ہو جائے گا، چنانچہ 2 دسمبر 1971ء کو کمپنی کے مشن میں ترمیم کی گئی اور نئے مشن میں اسے ایک ایسا ٹارگٹ دیا گیا، جہاں صرف ایک رات میں پہنچا جا سکتا تھا۔ اب مشن یہ تھا کہ دشمن کے ریزرو (ایک بٹالین) کو موضع منڈی میں الجھا کر رکنے پر مجبور رکھا جائے اور ازاں بعد سورن کوٹ۔ چندک مواصلاتی لائن پر اس کی نقل و حرکت میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں۔

جنگ بندی لائن پر قبراں والی پاکستان کی طرف ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ 2 دسمبر 1971ء کو کمپنی صبح چار بجے اس گاؤں میں پہنچ گئی۔ دشمن کے علاقے میں نفوذ کرنے کے لئے یہی جمپ آف پوائنٹ بھی تھا، یعنی یہاں سے کارروائی کا عملی آغاز ہونا تھا۔ تین دسمبر 1971ء کو کمپنی کمانڈر بھی علی الصبح تین بجے وہاں پہنچ گئے۔ کمپنی کی کل نفری 101 افراد پر مشتمل تھی، جس میں چار آفیسر، تین جے سی او اور چورانوے دوسرے عہدیدار شامل تھے۔ 17 اے کے رجمنٹ نے 20 باربردار (Porters) فراہم کرنے تھے۔ وہ 2 دسمبر کو موضع کرنی (Kirni) میں آکر فورس سے مل گئے۔ لیکن ان میں سے صرف دس لوگوں نے ساتھ جانے کی حامی بھری۔ باقی دس نے انکار کر دیا۔ مجبوراً لوڈ کم کرنا پڑا۔ اس لوڈ میں ایک جی آر سی ۔ 9 (GRC-9) وائرلیس سیٹ بھی شامل تھا۔ یہ سیٹ بطور ریزور ساتھ جانا تھا۔ اصل میں کمپنی کے پاس چار وائرلیس سیٹ اس قسم کے تھے۔ ایک ڈویژنل ہیڈ کوارٹر میں، ایک بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں اور دو کمپنی کے ساتھ تھے۔ ریزرو سیٹ کو پیچھے چھوڑنے کے بعد صرف ایک سیٹ باقی رہ گیا تھا۔ ایف آئی یو (FIU) کی طرف سے ایک سویلین گائیڈ بھی ساتھ جانا تھا لیکن پوچھ گچھ کے بعد اسے مشکوک قرار دے دیا گیا۔ اس کی جگہ جو گائیڈ ساتھ دیا گیا، وہ منڈی کے راستے سے مکمل طور پر

باخبر نہ تھا۔ لیکن مجبوراً اسے ساتھ لینا پڑا۔ 17ے کے رجمنٹ نے تین آرمی گائیڈ بھی دیئے تھے۔ 1965ء کی جنگ میں جو لوگ منڈی ایریا میں آپریٹ کر رہے تھے، ان کو ساتھ چلنے کو کہا گیا لیکن وہ اپنی بٹالین میں اہم پوزیشنوں پر کام کر رہے تھے، چنانچہ ان کی جگہ جو تین افراد فراہم کئے گئے، وہ زیادہ آزمودہ کار نہیں تھے، نیز علاقے سے کم آگاہ تھے۔

3 دسمبر 1971ء کو قبراں والی میں تین بجے بعد دوپہر وائرلیس سیٹ آن کیا گیا اور 26 بریگیڈ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ چار بجے شام ڈویژن ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کیا گیا تو دونوں رابطے بحال ہو گئے۔ لیکن دس منٹ کے بعد وائرلیس آپریٹر نے کہا کہ ایک کیبل جل جانے کے باعث رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ سگنل مکینک کو بلایا گیا، لیکن تمام کوششوں کے باوجود وائرلیس سیٹ کو کارآمد نہ بنایا جا سکا۔ اس طرح بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سے کمپنی کا رابطہ کٹ گیا۔ میجر ممتاز خان نے کسی نہ کسی طرح لائن مواصلات کے ذریعے 26 بریگیڈ سے رابطہ کیا اور بریگیڈ کمانڈر کو مطلع کیا کہ کمپنی بغیر وائرلیس سیٹ کے ایکشن میں جا رہی ہے۔ بریگیڈ کمانڈر نے منظوری دے دی۔ تاہم کہا کہ جب کمپنی ریگولر حملہ آور فورس کے اگلے ٹروپس کے ساتھ لنک اپ کرے گی تو وہاں ایک وائرلیس سیٹ فراہم کر دیا جائے گا.......... وائرلیس رابطے کا یہ فقدان اس آپریشن کی ناکامی کا پہلا سگنل تھا۔

17ے کے رجمنٹ کی طرف سے فراہم کئے گئے گائیڈ کا نام محمد اکرم تھا، اس کی رہنمائی میں یہ کمپنی 3 دسمبر کی شام کو ٹارگٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ راستہ خاصہ مشکل اور دشوار گزار تھا۔ جگہ جگہ برف پڑی ہوئی تھی اور پھسلن نے سفر میں دشواری پیدا کر دی تھی۔ چڑھائیاں اور اترائیاں شدید تھیں۔ پھر چاند نکل آیا۔ برف پوش علاقوں میں چاندنی اجالے کی ایک سفیدی چادر زمین پر بچھا دیتی ہے، جس سے نقل و حرکت آسان ہو جاتی ہے۔ اگلے روز 4 دسمبر کو صبح پونے سات بجے کمپنی نے ایک جنگلاتی علاقے کی سلوپ پر ایک مستور گاہ میں پہلا پڑاؤ کیا۔

4 دسمبر کو دوپہر ایک بجے تک کمپنی نے اسی مستور گاہ میں قیام کیا اور پھر وہاں سے نکل کر جنوب کی سمت روانہ ہوگئی۔ راستے میں چھمبر کناری نام کا ایک گاؤں آیا۔ وہاں دشمن کی نقل و حرکت محسوس کی گئی۔ پتہ چلا کہ دشمن کے تقریباً 40 افراد، جن کا تعلق ایک جموں اینڈ کشمیر بٹالین سے ہے، اس گاؤں میں آرام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ دودا (Doda) یا کرنی (Kirni) جانے کے

لئے منڈی روڈ کے راستے یہاں پہنچے تھے اور اب بغرض آرام پڑاؤ کررہے تھے۔اب تقریباً شام ہوگئی تھی۔ کمپنی نے دودا جانے والے ایک راستے پر چھپاؤ لگایا لیکن دشمن کی اس نفری نے اس راستے کی بجائے ایک اور راستہ اختیار کیا اور گھات سے بچ نکلی۔گائیڈ چونکہ راستے سے بے خبر تھے، اس لئے کمپنی کمانڈر نے فیصلہ کیا کہ اسی منڈی روڈ پر سفر کیا جائے جس پر سے دشمن کی نفری سفر کرتی ہوئی چھمبر کناری پہنچی تھی .... (لیکن یہ اقدام ایس ایس جی کی بنیادی سکھلائی اور اصولوں کی خلاف ورزی تھا)۔راستے میں ایک نالہ آیا جس میں گھٹنوں گھٹنوں پانی تھا۔اسے عبور کر کے آگے بڑھے تو دشمن کی ایک پلاٹون کا سامنا ہوا۔دونوں طرف سے فائرنگ کی گئی۔(اس پلاٹون کو بھی نظر انداز کیا جاسکتا تھا کہ یہ ٹارگٹ نہیں تھی!)۔اس جھڑپ کے بعد منڈی روڈ پر سفر کرنا غیر محفوظ ہوگیا تھا۔پتہ چلا کہ موضع منڈی میں دشمن کی ایک فورس موجود ہے۔اس گاؤں کا مغربی علاقہ میدانی اور غیر جنگلاتی تھا اور کمپنی سائز کی فورس وہاں چھپ نہیں سکتی تھی۔اس لئے منڈی سے دور منڈی۔سو.جی روڈ کے کنارے ایک مستورگاہ میں قیام کا فیصلہ کیا گیا۔

5اور6دسمبر کی درمیانی رات ایک اور نالہ عبور کیا گیا۔عبور کے بعد گنتی کی گئی تو سویلین گائیڈ غائب تھا۔یہاں بعض گاؤں والوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پونچھ کا قصبہ خالی ہوچکا ہے اور پاکستانی اس علاقے پر حملہ آور ہیں۔اس طرح یہ فورس آگے بڑھتی رہی۔8اور9دسمبر کی شب کیپٹن محمد افضل نے 20 مسلح افراد کے ساتھ امرناتھ کیمپ پر چھاپہ مارا اور اسے تباہ کردیا۔ اس میں انجینئرنگ وغیرہ کا سازوسامان تھا۔

9دسمبر کی صبح خبر ملی کہ دشمن کو ہماری کمپنی کی اس علاقے میں موجودگی کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ جگہ جگہ چھاپے مار کر کمپنی کی تلاش میں ہے۔جنگلوں،گاؤں اور متوقع مستورگاہوں کی تلاشی لی جارہی ہے۔دشمن چھوٹے طیارے اور ہیلی کاپٹر بھی استعمال کررہا ہے۔جنگلوں کو آگ لگائی جارہی ہے اور گھر گھر تلاشی کے دوران مقامی آبادی کا ناطقہ بند کیا جارہا ہے۔

11اور12دسمبر 1971ء کی رات کیپٹن سعید اختر کو منڈی۔چندک روڈ اور شیخ لو (Sheikhlu) نامی ایک گاؤں پر دشمن کے ایک کیمپ پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا گیا۔دوسری طرف دشمن بھی غافل نہ تھا۔اس نے بھی اپنے ایجنٹ جگہ جگہ پھیلا رکھے تھے۔ جونہی دشمن کسی ایک

ہے۔ تاہم مواصلات کی سکیورٹی بھی اسی تناسب سے اہم ہوگئی ہے۔آج ایک موبائل فون پوری فورس کی لوکیشن کو طشت از بام کرسکتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ اس نوع کے آپریشنوں میں جسمانی قوت اور جدید ٹیکنالوجی کو ملا کر استعمال کیا جائے۔

پاکستان کے ساتھ گزشتہ تین جنگیں لڑنے کے بعد دشمن نے اب بعض ایسے اقدامات لینے شروع کر دیئے ہیں، جو پاکستان کی طرف سے نفوذ کی کوششوں کے سکوپ کو کم سے کم کر دیتے ہیں۔ مستقبل میں کسی روائتی جنگ کی صورت میں اگر کسی ایس ایس جی یونٹ کو کشمیر کے ان علاقوں میں آپریٹ کرنا پڑا تو اسے وہ سہولتیں شائد حاصل نہ ہوں جو 1971ء سے قبل حاصل تھیں۔ مثلاً (1) بھارت نے تمام قابل ذکر کوہستانی بلندیوں پر دفاعی مورچے کھود رکھے ہیں تاکہ جونہی کسی پاکستانی "گھس بیٹھئے" کی خبر آئے، ٹروپس فوراً ان مورچوں میں جابیٹھیں (2) دیہات کے اکثر دُکانداروں کو حکم دیا گیا ہے کہ جونہی جنگ وغیرہ شروع ہو، اپنی دُکانیں فوراً بند کر دیں۔ آٹا، دال، چینی، پتی، سگریٹ اور دوسری اشیائے خورد ونوش کی دُکانوں کو سختی سے اس پر کار بند رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں (3) تمام آبادی کے شناختی کارڈ بنا دیئے گئے ہیں (4) تمام دیہاتوں میں باقاعدہ جاسوس اور مخبر موجود ہیں، جنہیں پرکشش ماہانہ مشاہرہ دیا جاتا ہے (5) کسی بھی گھر میں تین روز سے زیادہ خشک راشن ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا (6) شام پڑنے کے بعد کسی بھی سویلین کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں (7) غروب آفتاب کے بعد کسی گھر میں روشنی نہیں کی جا سکتی (8) چوکیدار اور نمبرداری نظام سختی سے رائج ہے اور پولیس کے ساتھ ان کے قریبی رابطے ہیں (9) چھوٹے ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر نزدیکی ائرفیلڈز پر تیار رکھے جاتے ہیں تاکہ وقت پڑنے پر فوراً استعمال کئے جا سکیں۔ ان کو نہ صرف تلاشی کیلئے بلکہ نفوذ کاروں پر آرٹلری فائر گرانے کیلئے بطور اوپی بھی استعمال کیا جاتا ہے (10) ہر گاؤں کی بکریوں بھیڑوں کا ایک رجسٹر گاؤں کے چوکیدار کے پاس موجود ہوتا ہے، کوئی شخص بکری یا بکرا یا کوئی بڑا جانور بغیر اجازت کے ذبح نہیں کرسکتا اور (11) بارڈر سکیورٹی فورس کا خوف، موت کے سائے کی طرح ہر دیہاتی کے سر پر سوار رہتا ہے۔

چودھواں باب

بلوچستان میں
(کاؤنٹر انسرجنسی آپریشنز)

حرفِ آغاز

بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 3,47,188 مربع کلومیٹر اور آبادی 45 لاکھ ہے۔ فی مربع کلومیٹر کا حساب لگایا جائے تو یہاں ایک کلومیٹر میں صرف 12 انسان بستے ہیں۔ یہ علاقہ عہدِ قدیم سے اب تک شہرت اور گمنامی کے ادوار کے مابین گردش کرتا رہا ہے۔ لیکن اس کی جیوسٹریٹجک اہمیت ہمیشہ ہی سے مسلم رہی ہے۔ یہ شرق اوسط، وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور بحر ہند کی قربت کی وجہ سے ہمیشہ ہی سے ایک اہم علاقہ رہا ہے۔ یہی وہ چٹیل اور ریگستانی علاقہ ہے جہاں سے ماضی میں ایرانی، یونانی، عرب، منگول اور برطانوی افواج برصغیر کی زرخیز وادیوں کا رخ کرتی رہیں۔ آجکل یہاں گوادر کی گہرے پانی کی نئی بندرگاہ تعمیر کی جا رہی ہے، جس کے باعث مستقبل قریب میں یہ خطہ دنیا کی چھوٹی بڑی طاقتوں کے لئے کشش کا باعث بنے گا اور یہاں انشاءاللہ خوشحالی کا ایک ایسا دور شروع ہوگا جو ماضی کے تمام یادگار اور خوشحال ادوار کو گہنا کے رکھ دے گا!

بلوچستان کے محل وقوع پر غور کیجئے۔ مغرب میں 520 میل کا بارڈر ایران سے اور شمال میں 720 میل کا افغانستان سے ملتا ہے۔ مشرق میں سندھ اور پنجاب کے صوبے ہیں (صوبہ

سرحد کا بھی ایک چھوٹا حصہ مشرق ہی میں واقع ہے) اور جنوب میں بحیرۂ عرب کا 470 میل طویل ساحلی علاقہ ہے۔ یہی وہ گرم پانی ہے، جس کی آرزو میں 25 دسمبر 1979ء کو سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا تھا اور آٹھ برس بعد سپر پاور سے سکڑ کر ایک علاقائی طاقت اور سوویت یونین سے روس بن کر واپس جانے پر مجبور ہوا تھا!

ایس ایس جی یا کسی بھی ملٹری تنظیم کو یہاں جنگی کارروائیاں کرنے میں کن کن سہولتوں یا دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کا کھوج لگانا ہو تو ایسا کرتے ہوئے انسان حیرت میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ گھاتیں لگانے اور چھاپہ مار کارروائیاں کرنے کے لئے گویا قدرت نے اس ساڑھے تین لاکھ مربع کلومیٹر کے وسیع وعریض علاقے کو ایک ٹیکسٹ بک بنا دیا ہے۔ برف پوش پہاڑ، خشک اور چٹیل میدان اور وسیع صحرائی ساحلی قطعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بلوچستان کو آسانی کی خاطر چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، یعنی: (1) اپر ہائی لینڈ (زیادہ بلند علاقے) (2) لوئر ہائی لینڈ (کم بلند علاقے) (3) میدانی علاقے اور (4) ریگستانی علاقے۔ اپر ہائی لینڈ میں شمال مشرقی اور وسطی بلوچستان، لوئر ہائی لینڈ میں سلسلۂ کوہ سلیمان اور کیر تھر، میدانی علاقوں میں کوئٹہ اور قلات کی سطح مرتفع اور ریگستانی علاقوں میں خاران کا صحرا شامل ہیں۔ بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ سالانہ اوسط 2 سے 3 انچ ہے۔ اگرچہ بہت سے دریا ہیں، لیکن کوئی بھی دوامی نہیں۔ بارشیں ہوں تو طغیانی آتی ہے وگرنہ سارا سال دریا، ندیاں اور نالے خشک رہتے ہیں۔ پانی کی یہ عدم دستیابی فوجی مہمات پر شدید اثرات ڈالتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ زراعت، صنعت، کان کنی اور اس طرح کے دوسرے ترقیاتی منصوبوں کی راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ یہی پانی کی کمیابی، بلکہ نایابی ہے۔

سکندرِ اعظم کی افواج بلوچستان ہی کے راستے واپس گئی تھیں۔ محمد بن قاسم نے اسی بلوچستان سے فوج کشی کر کے راجہ داہر کو شکست دی تھی اور ملتان تک چلا گیا تھا۔ نصیر الدین ہمایوں اسی بلوچستان سے گزر کر ہی ایران گیا تھا اور پھر واپس بھی اسی راستے سے آیا تھا۔ مارکو پولو بھی یہاں سے گزرا تھا۔ الغرض یہ علاقہ بڑے بڑے فاتحین اور سیاحوں کی گزرگاہ رہا ہے۔ کوئٹہ، قلات، ژوب، خضدار، لس بیلا، پنجگور، نوشکی، سبی اور چمن بڑے اہم شہر ہیں۔ گوادر اور چاغی کی اہمیت وافادیت پر کچھ کہنا گویا تحصیل حاصل ہوگا۔

1885ء میں انگریزوں نے بلوچستان کو سندھ سے بذریعہ ریل ملانا شروع کیا۔ جھٹ پٹ نام کا شہر سندھ بلوچستان کی صوبائی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں سے سبی اور سبی سے درۂ بولان ہوتی ہوئی ایک ریلوے لائن کوئٹہ تک پہنچائی گئی، پھر اسے کوئٹہ سے نوشکی اور پھر وہاں سے دالبندین، احمد وال اور تفتان، زاہدان تک توسیع دی گئی۔ یہ سب توسیع عسکری وجوہات کی بناء پر دی گئی۔ انگریز چاہتے تھے کہ ان کی سپلائی لائن افغانستان اور ایران تک بلا روک ٹوک اور بہت کم وقت میں قائم ہو اور ہر موسم میں جاری وساری رہے۔ کوئٹہ سے ایک اور ریلوے لائن درۂ خوجک سے ہوتی ہوئی چمن تک جاتی ہے جو پاک افغان سرحد پر واقع ہے اور جہاں کے انگور بہت مشہور ہیں۔ لیکن میں جب بھی چمن گیا ہوں، مجھے انگور کی کوئی بھی بیل ایسی نظر نہیں آئی جو بلوچستان کے دوسرے حصوں میں جگہ جگہ نہ ملتی ہو۔

فوج میں ایک کہاوت مشہور ہے کہ دوران ملازمت ہر فوجی آفیسر کو ایک بار کوئٹہ ضرور جانا پڑتا ہے۔ راقم السطور نے بھی اپنی ملازمت کی ایک ٹرم کوئٹہ میں اور دوسری خضدار میں پوری کی۔ ان سرکاری گھروں میں جتنی افراط سے انگور اور دوسرے پھلدار درخت موجود تھے اور ان کے پھل اور انگور جس قدر لذیذ تھے، چمن کا انگور مجھے ان سے کہیں کم خوش ذائقہ لگا۔

اس جملۂ معترضہ کے لئے معذرت........ بات چمن ریلوے لائن کی ہو رہی تھی۔ خوجک سطح سمندر سے 6398 فٹ بلند ہے اور اس کے نیچے سے ریلوے لائن کے لئے جو سرنگ بنائی گئی ہے، اس کی لمبائی 12870 فٹ (تقریباً اڑھائی میل) ہے۔ یہ جنوبی ایشیا میں طویل ترین سرنگ ہے۔ اس کے داخلی سرے پر شیلا باغ کا ریلوے سٹیشن واقع ہے جو کوئٹہ سے 90 کلومیٹر دور ہے۔ اس سرنگ سے تھوڑا سا پہلے ایک ریلوے پل بھی آتا ہے جو 150 فٹ لمبا اور 234 فٹ اونچا ہے۔ قندھار سے بذریعہ چمن پاکستان آنے کے لئے یہ سرنگ اور پل دونوں کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کیلئے یہ ریل کا رابطہ کسی مزید اہمیت کا محتاج نہیں۔ اس پل اور سرنگ کی عسکری اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب انگریز یہ سرنگ تعمیر کر رہے تھے تو اس وقت کے افغان حکمران امیر عبدالرحمٰن خان نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا: ''انگریز درۂ خوجک کی راہ سے جو یہ سرنگ تعمیر کر رہے ہیں، یہ گویا ایک تیز دھار چھری ہے جو

میرے ملک کے نازک اعضاء میں اتاری جا رہی ہے" .... کوئٹہ جنکشن سے ایک اور برانچ ریلوے لائن ژوب تک بھی جاتی ہے۔

بلوچستان میں سڑکیں بہت کم ہیں۔ آر سی ڈی (RCD) ہائی وے سب سے بڑی سڑک ہے جو کراچی کو لس بیلا، خضدار، قلات، مستونگ، نوشکی اور احمد وال کے راستے ایران اور پھر وہاں سے ترکی سے ملاتی ہے۔ ایک پرانی سڑک کوئٹہ سے سبی اور پھر وہاں سے سندھ سے ہوتی ہوئی کراچی جاتی ہے۔ زیادہ تر سڑکیں کچی (Shingle) ہیں، لیکن اب یہاں گوادر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی پہلے کراچی گوادر کوسٹل ہائی وے کی تعمیر ایک نہایت حوصلہ افزاء اقدام ہے۔ سینڈک پراجیکٹ نے بھی حال ہی میں پیداوار شروع کر دی ہے۔ یہاں سے تانبا، سونا، لوہا اور چاندی نکالے جا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تیل، گیس، یورینیم، میگنیشیم، سکہ، سرمہ اور دوسری معدنی پیداوار بلوچستان کے مختلف علاقوں سے حاصل کی جا رہی ہے۔

کوئٹہ شہر میں پاکستان آرمی کا کمانڈ اینڈ سٹاف کالج قائم ہے۔ سکول آف انفنٹری اور ٹیکٹکس بھی یہیں ہے۔ یہ دونوں ادارے پاک فوج کی جونیئر اور درمیانے درجے کی لیڈر شپ کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی نشوونما اور ان کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ حالیہ بین الاقوامی صورت حال کے پیش نظر بلوچستان جو پہلے ہی سٹریٹجک اہمیت کا حامل خطہ تھا، اب اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ گوادر کی تعمیر کے بعد ایک دنیا کی تجارتی سرگرمیاں وہاں پر مرکوز ہونے کی امید ہے۔ افغانستان اور سنٹرل ایشین ری پبلکس (CARs) کی تمام تجارت بھی اسی راستے سے متوقع ہے۔

افغانستان کی اس عمومی جغرافیائی کیفیت کو بیان کرنے کے بعد مناسب ہوگا اگر ہم اس محدود خطے کی بھی تھوڑی سی تفصیل بیان کر دیں، جہاں 1970ء کے عشرے میں ایس ایس جی اور پاکستان آرمی مل کر تخریب کاروں اور علیحدگی پسندوں کے خلاف فوجی آپریشن کرتی رہیں۔

مری بگٹی علاقے

مری بگٹی علاقہ بلوچستان کے شمال مشرق میں واقع ہے (نقشہ دیکھئے) اس کا کل رقبہ 7129 مربع میل ہے۔ شمالی حصہ جو 3268 مربع میل بنتا ہے، مریوں کے پاس ہے اور

باقی ماندہ 3861 مربع میل پر بگٹی آباد ہیں۔ مری علاقے کے شمال مشرق میں دکی اور بارکھان کی تحصیلیں ہیں جو لورالائی کا حصہ ہیں۔ جنوب میں نصیر آباد ہے۔ اس کی مشرقی سرحد ڈیرہ غازیخان سے جا ملتی ہے، جبکہ مغرب میں کچھی اور سبی کے اضلاع واقع ہیں۔ مریوں کی زیادہ آبادی دکی، سنجاوی، بارکھان اور سبی میں آباد ہے، جبکہ ان علاقوں سے باہر بھی تقریباً پچیس تیس ہزار مری آباد ہیں۔ ان علاقوں میں کچھ زرقون پٹھان قبائل بھی بستے ہیں جو زیادہ تر کوہلو کے گردونواح میں رہتے ہیں۔ وادئ کوہلو 1877ء سے قبل زرقونوں کے پاس تھی۔ اس کے بعد بگٹیوں نے حملہ کر کے اس علاقے پر قبضہ کر لیا اور زرقون اپنی زمین چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ 1878ء میں مریوں نے زرقونوں سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وادی کا تین چوتھائی حصہ انہیں دے دیا جائے اور وہ اس کے بدلے میں انہیں بگٹیوں سے تحفظ دیں گے۔ تب سے اب تک ان علاقوں میں مری قبائل کا پلہ بھاری رہا ہے، ماسوائے ونچیوں کے کہ جو ہمیشہ سے ان کے ساتھ برابر کی ٹکر لیتے رہے ہیں۔ یہاں اکثر جھگڑے چراگاہوں اور پانی کے ذخیروں پر ہوتے ہیں، یعنی وہی بات جو مولانا حالی نے اپنی مسدس میں عربوں کے دورِ جاہلیت کے بارے میں کہی تھی:

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

مریوں کے اس علاقے میں میدانی علاقہ کم ہے اور کوہستانی علاقوں کی کثرت ہے۔ مریوں میں ایک کہاوت مشہور ہے: ”سارے پہاڑ مریوں کے اور میدان دوسروں کے“..... یعنی

محفل ان کی، ساقی ان کا
آنکھیں میری، باقی ان کا

سبی ایک میدانی علاقہ ہے، جس کی شکل ایک پیالے کی سی ہے، جس کے چاروں طرف

پہاڑ ہیں۔اس سے جب مری علاقے کی طرف بڑھیں تو پہاڑ شروع ہو جاتے ہیں، جن کی بلندی دو ہزار سے اڑھائی ہزار فٹ تک ہے۔اس سے آگے شمال مشرق کی طرف جائیں تو اونچائی بڑھتی جاتی ہے۔ رنگن پہاڑ کی اونچائی 5270 فٹ ہے، جبکہ بلند ترین پہاڑ کا نام سہالو ہے، جس کی اونچائی 8113 فٹ ہے

مری علاقے کی ڈھلوان مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔سب سے بڑا برساتی نالہ(جسے یہاں کے لوگ دریا کہتے ہیں) ناڑی ہے۔یہ سارا سال بہتا ہے،لیکن بس پانی کی ایک پتلی سی دھار ہے جو دور تک چلی جاتی ہے۔البتہ بارشوں کے موسم میں یہ واقعی دریا بن جاتا ہے۔اسے ''بیجی'' دریا بھی کہتے ہیں۔دوسرا دریا (یا نالہ) ''تلی'' ہے۔

مری بگٹی علاقے کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے۔گرمیوں میں جہنم اور سردیوں میں نقطۂ انجماد سے بھی کم۔گرمیوں میں تیز بارش اچانک آتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے خشک ندیاں اور نالے تیس چالیس فٹ بلند پانی سے بھر جاتے ہیں۔ پھر اسی سرعت سے پانی اتر بھی جاتا ہے۔مئی اور جون میں گرد و غبار اور آندھیوں کی کثرت کی وجہ سے حد بصارت صرف 50 گز رہ جاتی ہے۔ درختوں کی بجائے چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں عام ملتی ہیں۔دور سے سارا علاقہ جھلسا ہوا لگتا ہے۔ہاں جب بارش ہوتی ہے اور سبزۂ خوابیدہ بیدار ہو جاتا ہے تو پیاسی زمین سے قسم قسم کے پھول لہلہا کر باہر نکل آتے ہیں۔ان رنگا رنگ پھولوں میں چرتی سفید بھیڑیں ایک عجیب منظر دکھاتی ہیں۔شام کو جب بھیڑوں کے یہ ریوڑ واپس لوٹتے ہیں تو بقول انشاء ایک دھندلکا سا چھا جاتا ہے۔

ہوئی شام اور وہ اک دھندلکا سا چھا چلا ہر سُو
چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے

اس علاقے کا زیر زمین سروے ہو چکا ہے، یہاں پانی موجود ہے، ٹیوب ویل لگائے گئے ہیں اور اب کئی مقامات پر نئی آبادیاں ابھر آئی ہیں، تاہم جگہ جگہ برساتی پانی کو ذخیرہ کرنے کی ضرورت آج بھی ہے تاکہ خشک موسم میں اسے کام میں لایا جاسکے۔

انسر جنسی

قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک بلوچستان میں گاہے گاہے شورش اور تخریب کاری

کی لہریں اٹھتی رہی ہیں۔ ویسے تو کوئی عشرہ ایسا نہیں گزرا، جس میں یہ لہریں نہ اٹھی ہوں، لیکن 1960ء اور 1970ء کے عشرے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ان دونوں عشروں میں پاک فوج کو یہ شورشیں دبانے کیلئے بلایا گیا۔ پہلے عشرے میں ایوب خان کے دور میں اور دوسرے عشرے میں مسٹر بھٹو کے دور میں کاؤنٹر انسر جنسی آپریشن بروئے عمل لائے گئے۔آگے چل کر ہم کچھ تفصیل سے 1970ء والے عشرے میں چند ایسے آپریشنوں کا ذکر کریں گے، جن میں ایس ایس جی کو استعمال کیا گیا۔

تمام آپریشنوں کی تفصیلات کو بیان کریں تو گویا یہ ایک قسم کی تکرار ہوگی، اس لئے ''بطور نمونہ'' دو تین کارروائیوں کا ذکر کیا جائیگا تا کہ قارئین کو اندازہ ہو کہ ان علاقوں میں عسکری مشکلات کا گراف کیا تھا۔ یہ تفصیلات بیان کرتے ہوئے یہ ذکر کر دینا ضروری ہوگا کہ مسلح افواج سیاسی قیادت کے ہاتھ میں ایک ایسا انسٹرومنٹ ہیں، جن کا استعمال کرنا اس کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔فوج کو تو جب اور جس طرح حکم دیا جاتا ہے، وہ حکم کی تعمیل کرنے کی پابند ہے، تاہم قارئین جاننا چاہیں گے کہ آخر کیا وجہ تھی کہ ملک کی سیاسی لیڈر شپ اس علاقے میں فوج بھیجنے پر مجبور ہوئی۔ یہ فیصلہ ایک ناخوشگوار فیصلہ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس فیصلے کی خوشگواری یا ناخوشگواری کا تعلق فوج سے نہیں۔ مسلح افواج کو تو جب بھی حکم ملے گا، وہ اس کی بجا آوری کو اپنا پیشہ ورانہ فریضہ سمجھتے ہوئے میدان میں اتر جائیں گی۔

ذرا تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں.......... ستمبر 1958ء میں خان آف قلات کو حکومت پاکستان سے کئی شکائتیں تھیں۔ دراصل 1947ء میں قیام پاکستان کے بعد ریاست قلات کا پاکستان سے جو الحاق ہوا تھا، وہ بھی کوئی ہموار عمل نہیں تھا۔ افغانستان اور بھارت، خان آف قلات کو پاکستان کے خلاف اکساتے رہتے تھے، چنانچہ 23 ستمبر 1958ء کو خان صاحب نے پاکستان سے اپنا الحاق ختم کر دیا، اپنے محل سے پاکستان کا جھنڈا اتار دیا اور اپنے قبائل کو حکومت پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کی کال دے دی.......... یہ بلوچستان انسر جنسی کی ابتداء تھی۔

اس کے بعد کی داستان طویل بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ خان احمد یار خان، خان آف قلات کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ 6 اکتوبر 1958ء کا واقعہ ہے۔ 7 اکتوبر 1958ء کو اس وقت

کے صدر پاکستان سکندر مرزا نے ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔ بلوچوں کی اپنی روایات تھیں جو صدیوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے خان کی اس طرح گرفتاری کا برا منایا۔ خان آف قلات کو سرداروں کا سردار یعنی ''خانِ اعظم'' کہا جاتا تھا۔ سکندر مرزا کے بعد جب ایوب خان نے اقتدار سنبھالا اور اس علاقے میں فوج کو قیام امن کے لئے بھیجا تو قبائلیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اسلحہ لے کر کھلے عام بازاروں میں نہیں گھوم سکتے۔ ٹینک اور توپخانہ بلا لیا گیا اور انہیں کلیدی مقامات پر متعین کر دیا گیا، لیکن یہ شورش پھیلتی چلی گئی۔ زہری قبیلے کے سردار نوروز خان نے 500 قبائلیوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا اور جھالاوان کے پہاڑوں میں پاک فوج کے خلاف صف آراء ہو گیا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ خان آف قلات کو رہا کیا جائے۔ خضدار سے 60 کلومیٹر کراچی کی طرف آر سی ڈی ہائی وے پر وڈھ نام کا گاؤں ہے جو مینگل قبیلے کا روایتی ہیڈ کوارٹر ہے۔ فوج نے وہاں باغیوں کے ایک لشکر کو جالیا اور کافی نقصان پہنچایا۔

1960ء کا آغاز ہوا تو حکومت نے شر پسند عناصر کے خلاف ایک بڑا آپریشن شروع کیا۔ بہت سے قبائلی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ ایک سپیشل ملٹری کورٹ میں 163 باغیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ نوروز خان اور اس کے کئی ساتھیوں کو سزائے موت دی گئی۔ البتہ نوروز کی سزا بڑھاپے کی وجہ سے عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ چار سال بعد 1964ء میں نوروز خان کوہلو جیل میں وفات پا گیا۔ لیکن یہ شورش اندر ہی اندر سلگتی رہی اور اس نے سیاسی رنگ اختیار کر کے مرکز گریز کا رخ اختیار کر لیا۔ اس عمل نے کئی شدت پسند گوریلا لیڈروں کو جنم دیا، جن میں شیر محمد مری کا نام مشہور ہے۔ وہ 14 برس تک جیل میں بند رہا، لیکن حکومت وقت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا۔ وہ پکا کمیونسٹ تھا اور خود کو شیروف کہلاتا تھا۔ جب اسے رہا کیا گیا تو اس نے مری، بگٹی اور مینگل علاقوں میں شورش کی اس تحریک کو وسعت دی اور کلاسیکل گوریلا وارفیئر کا بہت بڑا مبلغ بن گیا۔ فوجی قافلوں پر گھات لگانا اور چھاپہ مار کارروائیاں کرنا اس کا معمول تھا۔ اس نے ایک ''فراری فورس'' قائم کی اور پہاڑوں میں چھپ کر کارروائیاں کرنے لگا۔ 1967ء میں جنرل موسیٰ خاں سابق آرمی چیف کو گورنر بلوچستان بنایا گیا۔ عام معافی کا اعلان ہوا اور 1300 ''فراری'' جیلوں سے رہا کر دیئے گئے۔ ایوب خان کے بعد یحییٰ خان نے عنانِ اقتدار سنبھالی، ون یونٹ توڑ

دیا اور صوبوں کے اختیارات بحال کر دیئے تو انسر جنسی میں کمی آگئی، لیکن 1971ء میں جب پاکستان کو بھارت کے ہاتھوں شکست ہوئی تو بلوچستان میں شورشی عناصر کے حوصلے پھر بلند ہو گئے .... ان کا خیال تھا کہ اس قسم کا کھیل بلوچستان میں بھی دہرایا جا سکتا ہے!

1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو صدر پاکستان اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن گئے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بلوچستان کے ان شورشی عناصر کو ہمیشہ ہی سے افغان لیڈروں کی پشت پناہی حاصل رہی۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد مسٹر بھٹو نے اقتدار سنبھال کر بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی (NAP) کی حکومت قائم کر دی اور سردار عطاء اللہ مینگل کو صوبے کا وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا۔ 10 فروری 1973ء کو اسلام آباد میں عراقی سفارت خانے پر چھاپہ مارا گیا اور وہاں سے سوویت یونین کے بنے ہوئے اسلحہ اور بارود کی ایک بھاری کھیپ پکڑی گئی۔ مسٹر بھٹو نے نیپ (NAP) پر الزام لگایا کہ یہ اسلحہ اس نے منگوایا تھا تا کہ بلوچستان میں مرکز کے خلاف استعمال کیا جائے۔ چنانچہ 12 فروری 1973ء کو بھٹو نے عطاء اللہ مینگل کی حکومت برطرف کر دی اور نیپ کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ اس طرح اب انسر جنسی کا دوسرا دور شروع ہوا!

اپریل 1973ء میں شورشی عناصر کی سرگرمیاں اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔ میر شیر محمد مری اگر چہ قید تھا، لیکن تخریب کار عناصر "شیروف" کے ایک نہایت معتمد ساتھی میر ہزار کی قیادت میں بغاوت اور سرکشی کے تمام حربے بروئے کار لا رہے تھے۔ حکومت نے پاکستان آرمی کے پورے تین ڈویژن وسطی اور مشرقی بلوچستان میں بھیجے تا کہ باغی عناصر کا قلع قمع کیا جا سکے۔

زیادہ شورش ساراوان، جھالاوان اور مری بگٹی علاقوں میں تھی۔ اب سرکش عناصر کا سر غنہ ایک ستر سالہ مرد پیر سردار لونگ خان تھا۔ میر لونگ خان مشہور و معروف بلوچی سردار اور شاعر میر گل خان نصیر کا بڑا بھائی تھا۔ میر لونگ خان نے مالی (Mali) میں اپنا سیکٹر ہیڈ کوارٹر قائم کر رکھا تھا۔ فوج نے حملہ کر کے لونگ خان اور اس کے 35 بلوچ ساتھیوں کو مار دیا۔ اس جھڑپ میں فوج کے بھی 14 جوان مارے گئے۔

انسر جنسی کا یہ زمانہ 1970ء کے عشرے کی شورش کا نکتۂ عروج تھا۔ مینگل قبائل نے آر سی ڈی ہائی وے بند کر دی اور مستونگ مکران روڈ پر بھی رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ ہرنائی سبی

ریلوے لائن کو تخریب کاری کا نشانہ بنایا۔ مری بگٹی ایریا میں تیل اور گیس کی تلاش میں جو ٹیمیں کام کر رہی تھیں، ان پر گھاتیں لگائیں اور فوجی قافلوں اور کیمپوں پر متعدد حملے کئے۔ فوج کو از راہ مجبوری نقل و حرکت کے لئے پکٹنگ کا وہی پرانا طریقہ اختیار کرنا پڑا جو انگریز کے زمانے میں ان علاقوں میں عام تھا۔

سطور ذیل میں ہم ایس ایس جی کے تین ایسے ایکشن بیان کریں گے، جو ان ایام میں مری بگٹی علاقے میں بروئے عمل لائے گئے۔ دوران آپریشن جن جن مشکلات کا سامنا ہوا، ان کی تفصیل اس لئے بیان کی جا رہی ہے تا کہ قارئین کو اندازہ ہو کہ فوج نے بالعموم اور ایس ایس جی نے بالخصوص پاکستان کی یکجہتی کو قائم رکھنے کے لئے کتنی قربانیاں دیں اور کن کن جانگسل مراحل سے گزر کر مادر وطن کو متحد رکھا!

3 کمانڈو بٹالین

29 اکتوبر 1973ء کو 3 کمانڈو بٹالین کو یہ ٹاسک دیا گیا کہ وہ لورالائی سے دکی پہنچے اور سند تھل (Sund Thal) ایریا میں، جو دکی کے نواح میں واقع ہے، شر پسندوں کے خلاف ایک بلاکنگ پوزیشن قائم کرے۔ اس کا دوسرا ٹاسک یہ تھا کہ 1 کمانڈو بٹالین، جو انہی ایام میں اسی ایریا کے نواح میں شر پسندوں کو ڈھونڈنے اور انہیں گرفتار کرنے پر مامور تھی، کے ساتھ لنک اپ کرے اور اس سارے علاقے کو کلیئر کرنے کے بعد 5 نومبر 1973ء تک واپس آ جائے۔

مشن کی تکمیل کیلئے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ جھولے میں ایمونیشن لے جانے کا جو سکیل مقرر تھا اس کو کم کر دیا گیا تا کہ فورس کی نقل و حرکت میں سبک رفتاری آ سکے۔ ایمونیشن کی کچھ مقدار خچروں پر لادنے کا بندوبست کیا گیا، 75 فی صد سلیپنگ بیگ بھی خچروں پر لادے گئے۔ پینے کے پانی کی ایک چھاگل اور ایک واٹر بوتل فی کس کے علاوہ، جو ہر آدمی نے اپنے ساتھ لے جانی تھی، چار بٹالیس فی کمپنی خچروں کے ''حوالے'' کی گئیں۔ اس طرح خچروں پر جو مزید سامان لادا گیا، اس میں زخمیوں کے لئے سٹریچر، جی آر سی۔9 وائرلیس سیٹ اور لمبے فاصلوں کی مواصلات کے لئے پی آر سی۔10 وائرلیس سیٹ بھی شامل تھے۔

30 اکتوبر کو بٹالین سیکنڈ ان کمانڈ کے ساتھ ایڈوانس پارٹی دکی بھیجی گئی تا کہ بٹالین کے

وہاں پہنچنے کی تیاریاں کرے۔ اگلے روز شام ہونے تک ساری بٹالین دکی میں اکٹھی ہوگئی۔ یہاں آکر اسسٹنٹ کمشنر دکی سے رابطہ کیا گیا اور ان سے تین سویلین گائیڈ اور مترجم فراہم کرنے کو کہا گیا، علاوہ ازیں مقامی لوگوں سے مری قبیلے کے طور اطوار اور راستوں وغیرہ کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئیں۔ پیدل سفر کرنے کے اوقات کا تعین کیا گیا اور جس جگہ بلاکنگ پوزیشنیں لگانی تھیں، وہاں تک بذریعہ جیپ اور پیدل سفر کا دورانیہ معلوم کیا گیا۔

معلوم ہوا کہ وڈیرا بنگول (Bangol) کے کنٹرول میں 8000 کے قریب مری پاواتی ہیں، جن میں سے بعض مسلح ہیں۔ (پاواتی مریوں کا ایک ذیلی قبیلہ ہے)

معلوم ہوا کہ وڈیرہ بنگول دکی میں رہتا ہے اور کبھی کبھار اپنے گاؤں پازا (Paza) میں جیپ یا ٹریکٹر میں آتا جاتا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ دکی کے مقامی لوگ گورنمنٹ نرخوں پر راشن خرید کر شرپسندوں کو مہنگے داموں فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ تخریب کار مہینے میں ایک دو بار رات کی تاریکی میں راشن لینے کے لئے دکی آتے ہیں۔ ان کے ساتھ گدھے، خچر اور اونٹ وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔

وڈیرہ بنگول سے رابطہ کیا گیا تو اس نے حکومت سے تعاون کرنے کی قسمیں کھائیں اور کہا کہ میرے ساتھ میرے مری علاقے میں چلیں اور میری ذمہ داری پر چلیں۔ اس نے کہا کہ میرے پواتی، اپنا اسلحہ حکومت کے حوالے کرنے کو تیار ہیں، بشرطیکہ دوسرے قبائل بھی ایسا ہی کریں۔ اگر دوسرے قبائل کو مسلح رہنے دیا گیا تو وہ پاواتیوں کو تنگ کریں گے اور مار ڈالیں گے۔ وڈیرہ بنگول نے یہاں تک کہا کہ وہ اپنے سارے آدمی حسب الحکم کسی ایک وقت میں کسی بھی جگہ اکٹھا کرنے کو تیار ہے۔ اس نے کہا کہ مقامی لوگ مریوں کی اس لئے مدد اور اعانت کرتے ہیں کہ یہ سارا معاشی معاملہ ہے۔ مہنگے داموں راشن فروخت کر کے جو کچھ ملتا ہے، اس سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ ان کی کوشش یہی ہے کہ یہ شورش طول کھینچے، فوج اس شورش کو فرو کرنے میں ملوث رہے اور ان کا کام چلتا رہے۔ اس نے مزید یہ استدلال پیش کیا کہ بلوچوں اور پٹھانوں کی رقابت کوئی نئی بات نہیں، یہ صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ مری، پواتی اور ترین ایک دوسرے کے دشمن اور رقیب ہیں۔

66 پنجاب رجمنٹ اور 14 آزاد کشمیر رجمنٹ بھی اس آپریشن میں ایس ایس جی کے ساتھ معاونت کر رہی تھیں۔ ان کے ذمے یہ کام تھا کہ جب 3 کمانڈو بٹالین یکم نومبر 1973ء سے 5 نومبر 1973ء تک پازا گاؤں اور آس پاس کے علاقے کو شورشیوں اور تخریب کاروں سے صاف کرنے کی کارروائی کرے تو ان کے بچ نکلنے کے راستوں کو سیل کیا جائے۔ ایس ایس جی کی ایک کمپنی کو دکی میں ہی چھوڑا گیا۔ دکی میں ایس ایس جی کا ہیڈ کوارٹر بھی قائم کیا گیا۔ ایم آئی۔8 ہیلی کاپٹروں کو بوقت ضرورت تیار رہنے اور ان کے لئے دکی والی کمپنی کو استعمال کرنے کا نظام الاوقات طے کیا گیا۔

وڈیرہ بنگول کو پہلے سے خبر نہیں دی گئی تھی کہ اسے ساتھ لیا جائیگا۔ مقصد رازداری قائم رکھنا تھا۔ 2 اور 3 نومبر 1973ء کی رات دو بجے (0200) وڈیرہ بنگول کو اچانک دکی میں اس کے گھر سے بلوایا گیا اور ساتھ چلنے کو کہا گیا۔ تین گھنٹے کے سفر کے بعد پازا گاؤں کے نواح میں پہنچے۔ وہاں سے بڑی گاڑیوں سے اتر کر تقریباً ایک سیکشن کو ساتھ لیا گیا اور چھ جیپوں میں سوار ہو کر آگے بڑھے۔ باقی فورس کو حکم دیا گیا کہ پیدل جائے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے پازا کے گرد گھیرا ڈال دے۔ صبح ساڑھے سات بجے جیپیں پازا میں پہنچیں تو فورس پہلے ہی گاؤں کو گھیرے میں لے چکی تھی اور ڈیپلائے تھی۔ اثنائے سفر دو خچر ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور زخمی ہو گئے۔ ان کو واپس دکی روانہ کیا گیا۔

ساڑھے دس بجے (1030) تک پازا کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ایک سکول، ایک شفا خانہ حیوانات (بغیر ڈاکٹر اور دوسرے سٹاف کے) اور وڈیرہ بنگول کا ڈیرہ تھا۔ اس کے علاوہ چند خستہ حال جھونپڑے تھے۔ صرف دو دکانیں اور ایک مسمار شدہ پولیس تھانہ بھی تھا۔ بظاہر وڈیرہ بنگول نے جو کچھ کہا تھا، وہ سچ ثابت ہوا۔ وہاں کوئی بھی شرپسند یا شورشی نظر نہ آیا۔ نہ ہی کسی نے فوج پر فائر کیا، بلکہ لوگوں نے فوجیوں کو دیکھ کر ان کا استقبال کیا، خوشی کا اظہار کیا اور مصافحے کئے۔

پازا کے بارے میں ہماری معلومات یہ تھیں کہ یہاں تخریب کار عناصر موجود ہیں، لوگ مسلح ہیں اور وہ فوج کو اپنا دشمن گردانتے ہیں۔ یہاں آ کر جو الٹا منظر نظر آیا تو بعض لوگوں نے اس

کی توجیہہ یہ کی کہ مریوں کا انٹیلی جنس سسٹم فوج کے سسٹم سے کہیں زیادہ چوکس، تیز اور موثر ہے۔ عین ممکن ہے وڈیرہ بنگول نے اپنے سکاؤٹس بھیج کر پازا کو "خالی" کروادیا ہو اور ہدایت کی ہو کہ چند لوگ موجود رہیں اور فوج کا استقبال کریں۔

پازا سے دریائے بیجی کے کنارے کنارے ایڈوانس شروع کیا گیا۔ وڈیرہ کے پاس اپنے پانچ مسلح محافظ تھے، جن میں سے دو کو ہمارے ساتھ کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک اس کا فرسٹ کزن بھی تھا۔ یہ دونوں مشن کی تکمیل تک ہمارے ساتھ رہے اور سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے ہماری کافی مدد کی۔ راستے میں کہیں کہیں آبادیاں تھیں۔ یہاں پانی کی کمی نہیں اور زمین زرخیز ہے۔ لیکن یہ شاداب اور سرسبز ٹکڑے زیادہ وسیع وعریض نہ تھے۔ کچھ دور جا کر پھر وہی چٹیل پہاڑی علاقہ اور وہی سنسانی کا عالم! .... 4 نومبر 1973ء کو ہیلی کاپٹروں کی مدد سے دو دن کا کھانا منگوایا گیا۔

اب اگلا مرحلہ 1 کمانڈو کے ساتھ سند تھل کے علاقے میں لنک اپ کرنا تھا۔ 1 کمانڈو اپنی کارروائیوں میں مصروف تھی اور ہمیں بتایا گیا تھا کہ شرپسند مختلف راستوں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہیڈکوارٹر ایس ایس جی کو مطلع کیا گیا کہ وہ مسلح ہیلی کاپٹر بھیجے تا کہ کچے راستوں پر فرار ہوتے شرپسندوں کو انگیج کیا جا سکے۔ نیز یہ ہیلی کاپٹر موبائل مشاہداتی چوکیوں کا کام بھی دے سکتے تھے، لیکن یہ درخواست نہ مانی گئی............ شائد ہیلی کاپٹر کم تھے اور ان کی ضرورتیں کئی علاقوں کو محیط تھیں!

اب اس علاقے میں ایس ایس جی کی دونوں بٹالینیں (1 کمانڈو اور 3 کمانڈو) آپریٹ کر رہی تھیں اور سند تھل کا علاقہ سامنے تھا۔ فیصلہ کیا گیا کہ 1 کمانڈو سند تھل کی تلاشی لے گی اور 3 کمانڈو فراریوں کے بچ نکلنے کے راستوں کو مسدود کرنے کے لئے بلاکنگ پوزیشنیں لگائے گی، چنانچہ 4 نومبر 1973ء کی شام تک بلاکنگ پوزیشنیں لگا دی گئیں۔ 5 نومبر کو صرف ایک مری ایک رائفل کے ساتھ پکڑا گیا۔ دو گھوڑے بھی ہاتھ لگے۔ یہاں ہمارا ایک اور خچر زخمی ہو کر گرا لیکن فرسٹ ایڈ کے بعد چلنے کے قابل ہو گیا۔

دریں اثناء ایک آفیسر اور ایک سپاہی شدید بیمار ہو گئے۔ آفیسر کو ملیریا ہو گیا تھا۔ تیز بخار

اور مسلسل قے کرنے سے اس کی حالت مزید بگڑ رہی تھی۔ سپاہی کو پیچش ہو گئی تھی۔ فیصلہ کیا گیا کہ ایک پلاٹون کو پازا کے راستے واپس دکی بھیجا جائے۔ بیماروں کو خچروں پر لادا گیا اور پیچھے روانہ کر دیا۔ ہیلی کاپٹر کی درخواست کی گئی، جو نہ مل سکا۔ اسی پلاٹون کو جی آر سی۔9 وائرلیس سیٹ دے دیا گیا تا کہ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی سے مسلسل رابطہ رکھا جائے۔ شائد کوئی ہیلی کاپٹر فارغ ہو ہی جائے، لیکن شام تک ایسا نہ ہو سکا۔ شام ہونے پر یہ پلاٹون پازا پہنچ گئی۔

دوسری طرف 3 کمانڈو جس علاقے میں اب سرگرم سفر تھی، وہاں ایکدم شور وغل کی آوازیں سنائی دیں۔ زمین کی ساخت ایسی تھی کہ معلوم نہ سکا کہ یہ آوازیں کدھر سے آ رہی ہیں، تاہم جب زیادہ انہماک سے کان لگا کر سنا گیا تو یہ شور شرابا ایک ریورس سلوپ سے اٹھ رہا تھا۔ در اصل شر پسند اب بھاگ رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کے فرار کے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی فورس کا اظہار کر کے بٹالین کو بہکانا چاہتے تھے۔ فوراً ایکشن کیا گیا۔ سات تخریب کار گرفتار ہوئے اور بہت سے گدھے، بکریاں اور بھیڑیں ہاتھ لگیں۔ یہاں ایک اور جوان کو تیز بخار نے آ لیا۔ ہیلی کاپٹر کے لئے درخواست کی گئی۔ جواب آیا کہ 30، 40 منٹ میں بھیج رہے ہیں، لیکن جب شام ہونے لگی تو ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ ہیلی کاپٹر کو ٹیک آف کے دوران نقصان پہنچا ہے، اس لئے نہیں آ سکتا۔ ناچار مریض کو سٹریچر پر لٹا کر پیچھے بھیج دیا گیا۔ راشن ختم ہو گیا تھا۔ احکامات ملے کہ مقامی دیہات یا آبادی سے جو ملتا ہے، خرید کر کھا لیا جائے۔ پانی بھی ختم تھا۔ اس علاقے میں پانی انتہائی نمکین اور کڑوا ہے۔ کافی تگ و دو کے بعد ایک ایسا چشمہ ملا جس کا پانی قدرے بہتر تھا۔ چھاگلیں بھر لی گئیں اور ٹروپس کو ایک روز کے لئے یہی پانی ایشو کیا گیا۔

کچھ آگے بڑھے تو ایک جگہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ نظر آیا۔ چرواہا کوئی نہیں تھا۔ یہاں کا معمول ہے کہ بھیڑوں کو چرنے کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے اور چرواہے جو ماہر نشانہ باز (Snipers) ہوتے ہیں، وہ کسی موزوں جگہ پر چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص ریوڑ کی طرف رخ کرتا ہے تو فائر کر کے اسے ڈھیر کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے گرد و نواح کے بلند ٹیلوں اور چوٹیوں پر پکٹنگ کر کے ریوڑ کو قبضے میں لیا گیا۔ یہ ریوڑ یہاں کے باشندوں کی گویا زندگی ہے۔ وہ

ان بھیڑوں کو نہیں چھوڑ سکتے ،اس لئے دائیں بائیں کے کلیدی مقامات کا بندوبست کر کے بھیڑوں کو ہانکنا شروع کیا گیا۔ اچانک ایک بلند جگہ سے فائر آنا شروع ہوا۔ تقریباً دس بارہ رائفل برداروں کا فائر تھا۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ پسپا ہونے والی فورس کو آڑ مہیا کرنے والا فائر ہے۔ فوراً گردونواح کے علاقے کی تلاشی اور چھان بین کی گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لکھے پڑھے لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔ یہاں سے کئی خطوط اور کتابیں، خالی کارتوس، ڈبہ بند خوراک کے کارٹن اور کچھ دھماکہ خیز بارود بھی ہاتھ لگا۔ پانچ شرپسندوں کو پکڑا جا سکا، باقی بھاگ گئے۔ مختلف راستوں اور پگڈنڈیوں پر خون کی لکیریں نظر آ رہی تھیں، یہ ان لوگوں کا خون تھا جو ہماری فائرنگ سے زخمی ہوئے تھے۔ ایک دس سالہ لڑکی کی لاش بھی ملی اور ایک عورت بھی ملی، جس کا بازو زخمی تھا۔ یہاں کا رواج ہے کہ وہ عورت اور بھیڑ میں سے بھیڑ کا انتخاب پہلے کرتے ہیں۔ اس مڈھ بھیڑ میں ہمارے اپنے تین جوان زخمی ہوئے، لیکن وہ شدید زخمی نہیں تھے۔ کسی کی ٹانگ میں گولی لگی تھی اور کسی کے بازو پر۔ بٹالین کو واپس آنے کے احکامات ملے۔ اگلے روز شام کو اسی جگہ پہنچے، جہاں سڑک شروع ہوتی ہے۔۔ زخمیوں کو سٹریچر پر لایا گیا۔ یہاں سب نے کھانا کھایا، گاڑیوں پر سوار ہوئے اور دولا ونگا (Daula Wanga) کی جانب چل دیئے۔ مویشیوں (گدھے، گھوڑے، بکریاں اور بھیڑیں) کو پیدل چلایا گیا۔

اس طرح یہ آپریشن ختم ہوا۔ جب ایس ایس جی ہیڈ کوارٹر میں اس آپریشن کا عسکری تجزیہ کیا گیا تو مندرجہ ذیل نکات اور مشکلات سامنے آئیں۔ ان کی روشنی میں آئندہ آپریشنوں میں ان سے استفادہ کیا گیا۔

☆ یہ علاقہ چونکہ کٹا پھٹا اور کوہستانی ہے، اس لئے پیدل حرکت کرنے والوں کو مشاہدے کی مشکلات پیش آتی ہیں، یعنی حد مشاہدہ محدود ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف شرپسند چونکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھے ہوتے ہیں، ان کو ایک ایک چپے سے واقفیت ہوتی ہے اور ان کو معلوم ہوتا ہے کہ کہاں چھپنا اور کہاں دوبارہ نمودار ہونا ہے، اس لئے وہ پیدل ٹروپس پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ساری چٹانیں، جھاڑیاں، تودے، ٹبے، ٹیلے اور آڑیں ان کو ازبر ہوتی ہیں۔ اگر ٹروپس ان کو دیکھ بھی لیں تو وہ ایک پہاڑی نشیب سے

اتر کر دوسری سلوپ کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور کٹی پھٹی زمین ہونے کے باعث نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ شر پسندوں اور فراریوں کی اس فوقیت کو ختم کرنے کیلئے سفارش کی جاتی ہے کہ جب بھی ٹروپس اس نوع کے آپریشنوں میں موو کروائے جائیں، ہیلی کاپٹروں کو بھی شامل کیا جائے اور "آن کال" رکھا جائے۔ جہاں کہیں اس قسم کی نقل و حرکت ہو اور معلوم ہو کہ شر پسند کسی جگہ موجود ہیں تو فوری طور پر ہیلی کاپٹر آئیں اور وائرلیس رابطے پر ٹروپس کو ان کی نقل و حرکت کی سمت سے آگاہ کریں۔ یہ گویا ریئل ٹائم (Real Time) انٹیلی جنس ہو گی۔

☆ شر پسندوں کا سلسلۂ مواصلات فوج کے الیکٹرانک سلسلۂ مواصلات سے تیز تر ہوتا ہے۔ اس آپریشن میں بلاکنگ پوزیشنیں قائم کرنے اور فراریوں کے فرار کے راستے مسدود کرنے کی سٹریٹجی اپنائی گئی، لیکن کوئی ایک بھی بلاکنگ پوزیشن بار آور ثابت نہ ہوئی۔ شر پسند اسے بازو کش کر کے نکل جاتے تھے۔ ان کو بہت پہلے معلوم ہو جاتا تھا کہ بلاکنگ پوزیشن کہاں لگائی جا رہی ہے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ آئندہ ایسا نہ کیا جائے۔ اس کی بجائے کسی بھی وادی میں دو فورسز مختلف سمتوں سے بیک وقت پیش قدمی کریں اور شر پسندوں کو موثر طور پر گھیرے میں لے لیں۔

☆ شر پسندوں اور امن پسند شہریوں کے مابین تمیز کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ایس ایس جی فورس کے ہمراہ جو سویلین گائیڈ اور مترجم دیئے گئے تھے، وہ زبان تو جانتے تھے، راستوں اور سڑکوں کا ان کو کم کم علم تھا۔ سفارش کی جاتی ہے کہ ایسے مقامی لوگ بطور ایجنٹ بھرتی کئے جائیں جو مترجم کا رول بھی ادا کریں اور یہ شناخت بھی کر سکیں کہ کون حکومت کا دشمن ہے اور کون حکومت کا دوست ہے۔

☆ نقل و حرکت کا پلان بناتے وقت نقشوں سے مدد لی جاتی ہے۔ نقشے پر فاصلے، اصل فاصلوں کی نسبت کم ہوتے ہیں۔ راستے کی لاجسٹک دشواریاں اور زمین کی کٹی پھٹی ساخت نقشے پر دیئے گئے فاصلوں سے مطابقت نہیں رکھتی۔ سفارش کی جاتی ہے کہ آئندہ زیادہ سے زیادہ صرف دس بارہ کلومیٹر کی مسافت (فی

یوم) کا سکیل مقرر کیا جائے۔

☆ دوران آپریشن جو مال مویشی پکڑے گئے، ان کی دیکھ بھال کے لئے پوری ایک کمپنی (بعد از آپریشن) 6 دنوں تک مامور رہی۔ سفارش کی جاتی ہے کہ کوئی ایسا طریقہ کار وضع کیا جائے کہ جونہی آپریشن ختم ہو، اگلے روز یہ تمام مویشی سول حکام کے حوالے کر دیئے جائیں۔

☆ زخمیوں کے فوری انخلاء کا بندوبست نہیں تھا۔ متعدد بار ہیلی کاپٹر کے لئے درخواستیں کی گئی، جن کو پذیرائی نہ ملی۔ اس وجہ سے فورس کی نقل و حرکت میں مشکلات پیش آئیں۔ تجویز دی جاتی ہے کہ اس قسم کے آپریشنوں میں زخمیوں اور ہلاک ہونے والوں کو فوری طور پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے اٹھالیا جائے۔

☆ اگر ممکن ہو تو گولہ بارود، راشن اور پانی کی فراہمی کے لئے بھی ہیلی کاپٹروں سے کام لیا جائے۔ خچروں کی دیکھ بھال ایک وقت طلب اور مشکل کام ہے۔

1 کمانڈو بٹالین

اس ایکشن کا کوڈ نام آپریشن کراس سورڈ (Cross Sword) تھا۔ اس میں 1 کمانڈو کے علاوہ کنسٹرکشن انجینئرز، مارٹر اور ہیلی کاپٹر بھی استعمال کئے گئے۔ اس کا دورانیہ تیرہ دنوں (18 نومبر تا 30 نومبر 1973ء) پر محیط تھا اور جن علاقوں میں یہ جنگی کارروائیاں کی گئیں، ان کے نام فاضل چھل، کالا بوہا، تریمن اور ڈل تھے۔ اس آپریشن کا مقصد بھی شرپسندوں کو ان کی کمیں گاہوں سے باہر نکالنا اور ان کا قلع قمع کرنا تھا۔ یہ علاقہ مری قبیلے کی ایک شاخ عالیانی مری کا علاقہ کہلاتا تھا۔ لوگوں کا رہن سہن اور طرز بود و ماند وہی تھی، جو 1947ء میں قیام پاکستان کے وقت تھی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور آتی بھی کیسے کہ یہ علاقے تو سرداروں کی عملداری میں تھے، جو نہیں چاہتے تھے کہ ان میں کسی بھی قسم کی کوئی ترقی یا تبدیلی آئے۔

ان علاقوں کی آب و ہوا شدید ہے، یعنی گرمیوں میں زیادہ گرم اور سردیوں میں زیادہ سرد۔ بیشتر علاقہ میدانی ہے۔ کہیں کہیں پہاڑیاں ہیں۔ البتہ چھوٹے چھوٹے نالوں کا سلسلہ دور و نزدیک تک پھیلا ہوا ہے۔ لوگوں کا پیشہ گلہ بانی ہے۔ ان علاقوں میں کہیں کہیں آبادیاں ہیں۔

پانی بہت کم دستیاب ہے۔ سارا دارومدار بارشوں پر ہے۔ ضروریات زندگی کے لئے کوہلو پر انحصار کیا جاتا ہے۔ گورنمنٹ کوہلو ایجنسی میں سڑکیں بنانا چاہتی تھی، اگر سڑکیں بن جاتیں تو یہاں کے لوگ بیرونی دنیا سے آشنا ہو جاتے، لیکن کوئی بھی سردار اپنی ''رعایا'' کو بیرونی دنیا سے شناسائی دینے پر راضی نہ تھا۔ فاضل چھل سے کاہان تک ایک کچی سڑک بنانا مقصود تھی۔ ایس ایس جی کی اس 1 کمانڈو بٹالین کو حکم دیا گیا کہ وہ سڑک سازی کے اس کام میں پاک فوج کے انجینئرز کو تحفظ دے اور ضرورت پڑے تو شرپسندوں سے یہ علاقہ کلیئر بھی کروایا جائے۔

18 نومبر کو ایوب، شاہین اور لیاقت کمپنیوں کو مختلف راستوں پر پیش قدمی کا حکم دیا گیا۔ جب ایوب کمپنی واڈی ونگا اور گاری کے علاقے میں پہنچی تو اس پر فائر آنا شروع ہوا جس کا جواب دیا گیا۔ ایک شرپسند زخمی ہوا اور بہت سوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اگلے روز گاری سے چل کر فاضل چھل پہنچے۔ راستے میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ 19 نومبر سے یکم دسمبر 1973ء تک بٹالین فاضل چھل میں مقیم رہی اور سڑک کے تعمیری کام کو تحفظ دیتی رہی۔ 30 نومبر کو فاضل چھل سے ڈل پہنچے۔ یہ اس آپریشن کی آخری منزل تھی۔ یہاں علاقے کے سرداروں کو اکٹھا کیا گیا اور انہیں اپنے ہتھیار جمع کروانے کا حکم دیا گیا۔ یکم دسمبر کی شام تک سب لوگوں نے ہتھیار جمع کروا دیئے، لیکن پھر درخواست کی کہ یہ ہتھیار ان کے ذاتی تحفظ کے لئے ضروری ہیں، چنانچہ حکام بالا سے پوچھ کر ان کو واپس دے دیئے گئے۔

اسی طرح کا ایک اور آپریشن 17 سے 23 دسمبر 1973ء تک سپن تنگی کے علاقے میں لانچ کیا گیا۔ یہ علاقہ دریائے بیجی کے کنارے جنوب کی طرف واقع ہے اور اس میں پور کنڈی، ساماچ، گمبولی اور تو تنگ وغیرہ گاؤں شامل ہیں۔ یہاں بھی شرپسندوں کا زور تھا۔ علاقہ پہاڑی ہے اور سطح سمندر سے 1000 فٹ سے لے کر 7000 فٹ تک کی بلندیاں پائی جاتی ہیں۔ درجہ حرارت گرمیوں میں 120 ڈگری اور سردیوں میں 18 ڈگری تک چلا جاتا ہے۔ اس علاقے میں مری قبائل آباد ہیں۔ کوئی سڑک نہیں، صرف کچے راستے ہیں اور کسی بھی قسم کی بندوبستی (Administrative) سہولت موجود نہیں۔

گمبولی تک جانے کا راستہ لورالائی، دکی اور پازا سے گزرتا ہے۔ خبریں یہ تھیں کہ کٹر قسم کے تخریبی عناصر یہاں موجود ہیں۔ 1 کمانڈو بٹالین اپنے کمانڈنگ آفیسر کی قیادت میں لورالائی سے روانہ ہوکر جب دکی سے پازا جارہی تھی تو احکامات موصول ہوئے کہ صبح کی روشنی میں نقل و حرکت نہ کی جائے تاکہ ناگہانیت حاصل کی جاسکے۔ چنانچہ بٹالین تمام دن ایک پناہ گاہ میں چھپی رہی، لیکن خبر ملی کہ اکا دکا شرپسند پناہ گاہ کے آس پاس منڈلاتے دیکھے گئے ہیں، چنانچہ جب 19 دسمبر کو (یعنی اگلے روز) علی الصبح گمبولی پر چھاپہ مارا گیا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا! آس پاس کی پہاڑیوں سے فائرنگ ہونے لگی، جس کا جواب دیا گیا۔ 23 دسمبر 1973ء کو یہاں سے سپن تنگی کی طرف روانگی شروع ہوئی۔ لیکن وہاں پہنچنے پر بھی ماسوائے بھیڑ، بکریوں، گھوڑوں اور مویشیوں کے کچھ نہ ملا۔ ان مویشیوں کی تعداد 3000 سے زیادہ تھی۔ سپن تنگی سے ذرا نیچے جنوب کی طرف 2000 مویشیوں کا ایک اور ریوڑ ملا، جس میں اونٹ بھی تھے۔ ان سب کو گرفتار کر کے سول حکام کے حوالے کیا گیا۔

1 کمانڈو کا ایک اور کاؤنٹر انسر جنسی آپریشن 7 جنوری اور 12 جنوری کے مابین رو بہ عمل آیا۔ اس کا کوڈ نام آپریشن ریڈ بیریٹ (Red Beret) رکھا گیا۔ یہ آپریشن جن علاقوں میں لانچ کیا گیا، وہ دریائے چاکر سے شراف تنگی اور گرنڈتھل تک کا علاقہ تھا۔ تنگی دراصل اس جگہ کو کہا جاتا ہے، جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسا تنگ راستہ ہو، جہاں سے گزرا جاسکے اور نقل و حرکت کی جاسکے۔ اسے درہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ درہ اور تنگی میں فرق یہ ہے کہ تنگی ایک چھوٹا درہ ہے، جبکہ درے کو ایک بڑی تنگی کہا جاسکتا ہے۔

ان علاقوں میں بھی آبادی نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف سردیوں میں یہاں چند لوگ آتے ہیں اور اپنی بھیڑوں بکریوں کے ریوڑ یہاں لاکر چراتے ہیں۔ آب و ہوا اتنی شدید نہیں۔ چند جھگیوں کو ایک گاؤں کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اور یہ جھگیاں بھی صرف چرواہے ہی آکر آباد کرتے ہیں، یعنی مستقل مکانیت کا تصور نہیں ہے۔ سردیوں میں جب بارشیں ہوتی ہیں اور کہیں کہیں سبزہ اُگ آتا ہے تو چرواہے ادھر کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں کے تمام مکین بالعموم مری قبیلے کے لوگ ہیں۔ دریائے چاکر میں سارا سال پانی موجود رہتا ہے، لیکن اس کے

کنارے نہایت عمودی ہیں۔ اس لئے یہاں سے پینے یا آبپاشی کیلئے پانی کا حصول ناممکن ہے۔آس پاس کی پہاڑیاں سخت اور خشک ہیں۔ پانی کی مقدار بھی بہت کم ہوتی ہے۔اب تو دریائے چاکر کے کنارے کنارے بی سے میوند تک پکی سڑک بن چکی ہے، لیکن 1974ء میں یہ سڑک موجود نہیں تھی۔

1 کمانڈو بٹالین کا مشن یہ تھا کہ وہ 3 کمانڈو کی ایک کمپنی کے ساتھ 7 اور 8 جنوری 1974ء کی رات تنگی سے نفوذ کرتی ہوئی دریائے چاکر کے ساتھ ساتھ تمام علاقے کو شرپسندوں سے خالی کروائے۔ایوب کمپنی کو گرنڈ تھل کا علاقہ کلیئر کرنے کا ٹاسک دیا گیا تھا۔ 3 کمانڈو کے باقی عناصر (دو کمپنیاں) نے مخالف سمت سے آپریٹ کرتے ہوئے 1 کمانڈو سے لنک اپ کرنا تھا اور اسی دوران جو شرپسند بھی راستے میں حائل ہوتے، ان کو حراست میں لے کر سول حکام کے حوالے کرنا تھا۔

اس مشن کی تکمیل کے لئے 1 کمانڈو 7 جنوری 1974ء کو تین بجے سہ پہر بی روانہ ہوئی اور اڑھائی گھنٹے کے سفر (گاڑیوں پر) کے بعد تنگی پہنچ گئی۔ تنگی عبور کر کے دریائے چاکر کے کنارے بلاکنگ پوزیشن لگائی اور ایک کمپنی وہاں چھوڑ دی۔اس طرح راستے میں پہلے سے بتائے گئے مقامات پر بلاکنگ پوزیشنیں لگائی گئیں اور ایک ایک کمپنی وہاں چھوڑ دی گئی تا کہ اردگرد کے علاقے کی کلیئرنس کی جاسکے۔ آمدورفت کے راستے یہی تھے، اس لئے مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی فراری ان راستوں پر آ کر بھاگ نکلنے کی کوشش کرے تو اس کو پکڑ لیا جائے۔10 جنوری کو آخری بلاکنگ پوزیشن پر چند شرپسندوں کو دیکھا گیا۔ان کو رکنے کا اشارہ کیا گیا، لیکن انہوں نے فائر کھول دیا۔اس کے جواب میں جب ہم نے فائر کھولا تو اس کے نتیجے میں تین شرپسند ہلاک ہو گئے۔ان کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، وہ بھی ہلاک ہوگئی۔ایوب کمپنی کا ایک لانس نائیک صفدر بھی زخمی ہوا۔اسے فوراً ہی بی کے ایم ڈی ایس (مین ڈریسنگ سٹیشن) میں بھجوایا دیا گیا۔300 بھیڑوں کا ایک ریوڑ بھی پکڑ لیا گیا۔ڈویژنل کمانڈر اور کمانڈر ایس ایس جی نے بھی ایوب کمپنی کو وزٹ کیا اور اس کی کارکردگی پر شاباش دی۔ 11 جنوری کو 3 کمانڈو سے لنک اپ مکمل ہو گیا اور 12 جنوری 1974ء کو دونوں بٹالینیں مشن مکمل کر کے واپس بی آ گئیں۔

حرف اختتام

سطور بالا میں جو تین چار ایکشن تحریر کیے گئے ہیں، ان کی تفصیلات بظاہر ایک جیسی معلوم ہوں گی، اصل صورت حال بھی یہی تھی۔ بلوچستان کے اصل مسائل وہاں کی غربت، سرادری نظام، پانی کی نایابی (یا کمیابی)، حکومت کی طرف سے کوئی لانگ ٹرم فلاحی منصوبے شروع کرنے میں مجرمانہ غفلت، تعلیم اور صحت کی سہولیات کا فقدان اور زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی عدم فراہمی ہیں۔

بعض سرداروں کے اکسانے پر جب یہاں کے قبائل نے شورش برپا کرنے کی کوشش کی تو پاک فوج کو مجبوراً یہاں بھیجنا پڑا۔ ایس ایس جی کے عناصر بھی انہی ایام میں یہاں آئے اور صرف اتنی ہی فورس استعمال کی، جتنی ضرورت تھی۔

اپریل 1974ء میں حکومت نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور آرمی ایکشن کو منجمد کرنے کا حکم دیا، لیکن بعض شر پسندوں نے اسے حکومت کی کمزوری سمجھا۔ ان میں مری قبائل کے لوگوں کی اکثریت شامل تھی، چنانچہ ایک بار پھر حکومت کو متحرک ہونا پڑا۔ 3 ستمبر 1974ء کو فوج نے آپریشن شامالانگ شروع کیا۔ یہ ایک بڑا آپریشن تھا۔ اس میں 120 شر پسند مارے گئے اور 900 نے ہتھیار ڈال دیئے۔ (ان میں 500 مری اور 400 بگٹی تھے)۔ ایک ہفتے کے اندر مزید ایک ہزار مریوں نے اپنے آپ کو فوج کے سپرد کر دیا۔ بلوچستان انسرجنسی کی تاریخ میں آپریشن شامالانگ (Chamalang) ایک خونریز آپریشن تھا، جس نے شر پسندوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ فوج نے پہاڑوں میں چھپے باغی عناصر کو رفتہ رفتہ فلش آؤٹ کر کے انہیں ہتھیار ڈالنے اور حکومت پاکستان کی اطاعت پر مجبور کر دیا۔

اس آپریشن کے ساتھ ساتھ فوج نے کوہلو، میوند، بی اور دوسرے شورش زدہ علاقوں میں ترقیاتی منصوبے شروع کر دیئے۔ سڑکیں تعمیر ہونے لگیں، سکول اور ڈسپنسریاں کھول دی گئیں، تالاب اور کنویں تعمیر کیے گئے، راشن کی فراہمی کو یقینی بنایا گیا اور آبادکاری کی طرف توجہ دی گئی۔

پاک فوج کے ایک آفیسر، بریگیڈئیر محمد عثمان حسن (ستارۂ جرات) جو اس دور میں ان علاقوں میں ان باغیوں کی شورش رفع کرنے پر مامور تھے، انہوں نے ان مشکل ایام پر ایک مختصر

کتاب (اردو میں) لکھی جو جنوری 1976ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔ کتاب کا عنوان تھا "بلوچستان۔(ماضی، حال اور مستقبل)"۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اس کتاب کے آخری صفحے کا یہ اقتباس پیش کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ بریگیڈیئر عثمان حسن لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کوہلو تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ جنرل ٹکا خان بھی تھے۔ وزیراعظم کی آمد سے پہلے ہمیں ان کے ہمراہ آنے والے مہمانوں کی تعداد بھیج دی گئی تھی۔ اس کے مطابق ہیلی پیڈ پر گاڑیوں کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ جب سارے ہیلی کاپٹر نیچے اتر گئے تو معلوم ہوا کہ مہمان فہرست میں دی گئی تعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔ گاڑیاں بھر چکی تھیں۔ جنرل ٹکا خان آرام سے ایک جیپ میں پیچھے جا کر بیٹھ گئے۔ ہم اپنی نااہلی پر پشیمان ہوئے کہ ایک علیحدہ جیپ ان کے لئے کیوں مقرر نہیں کی گئی تھی۔ بھاگ دوڑ کر کے ایک اور جیپ منگوائی، مگر جنرل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا: "کوئی بات نہیں، کوہلو میں جیپ مہیا کرنا آسان کام نہیں ہے"۔

وزیراعظم ہیلی پیڈ سے نظر بندوں کو دیکھنے گئے۔ سب ان کی آمد کے منتظر تھے۔ تمام لوگ چاروں طرف جمع ہو گئے۔ سلام دعا کے بعد ہر ایک نے ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔ اسی دوران ایک مری قرآن شریف اوپر اٹھائے ہوئے آگے بڑھا اور کہا: "ہمارا فیصلہ آپ اس کتاب پر کریں" قرآن پاک کو دیکھ کر ہم سب شروع میں گھبرائے۔

کلام پاک اٹھانے والا زور زور سے کہہ رہا تھا: "آپ ہمیں معافی دے دیں، ہم سے غلطی ہو گئی..........آئندہ ایسا کوئی قصور سرزد نہیں ہوگا"۔

وزیراعظم نے بڑے تحمل سے کہا: "ٹھہریئے ٹھہریئے۔ اگر آپ لوگوں نے کلام پاک پر ہی فیصلہ کرنا ہے تو آپ سب کلام پاک پر ہاتھ رکھئے میں بھی اس پر ہاتھ رکھتا ہوں"۔

معلوم ہوتا تھا کہ سب اسی بات کے منتظر تھے۔ اب سب نے جلدی جلدی کلام پاک کو چومتے ہوئے اس پر ہاتھ رکھا اور یک زبان ہو کر بولے: "ہمیں معاف کر دیا جائے، آئندہ ہم حکومت پاکستان کے وفادار رہیں گے۔" کچھ جذباتی بھی ہو گئے۔ آخر میں یک زبان ہو کر چیخے: "پاکستان ہماری جان اور زندگی ہے۔ پاکستان زندہ باد" ....جب یہ نعرے ختم ہو چکے تو

وزیراعظم صاحب نے بڑے تحمل اور سنجیدہ انداز میں کہنا شروع کیا۔ بات کہنے کے انداز سے ظاہر تھا کہ ان پر خوف خدا طاری ہے، کیونکہ ہاتھ کلام پاک پر ہی تھا، وہ کہہ رہے تھے: ''میں بھی آپ سب سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی............ آپ سب کو رہا کیا جاتا ہے۔''

SKETCH 1
SIACHIN GLACIER

سیاچن ...... اُنگل نیچر جس کی شکل انسانی اُنگلی کی طرح ہے۔

سیاچن ...... مختلف پوسٹیں وغیرہ

نقشہ بلوچستان..........حدود اربعہ وغیرہ

نقشہ بلوچستان.........مری بگٹی علاقے

نقشہ مشرقی پاکستان ۔ بھارتی فوج کی ڈیپلائے منٹ
(دسمبر 1971ء)
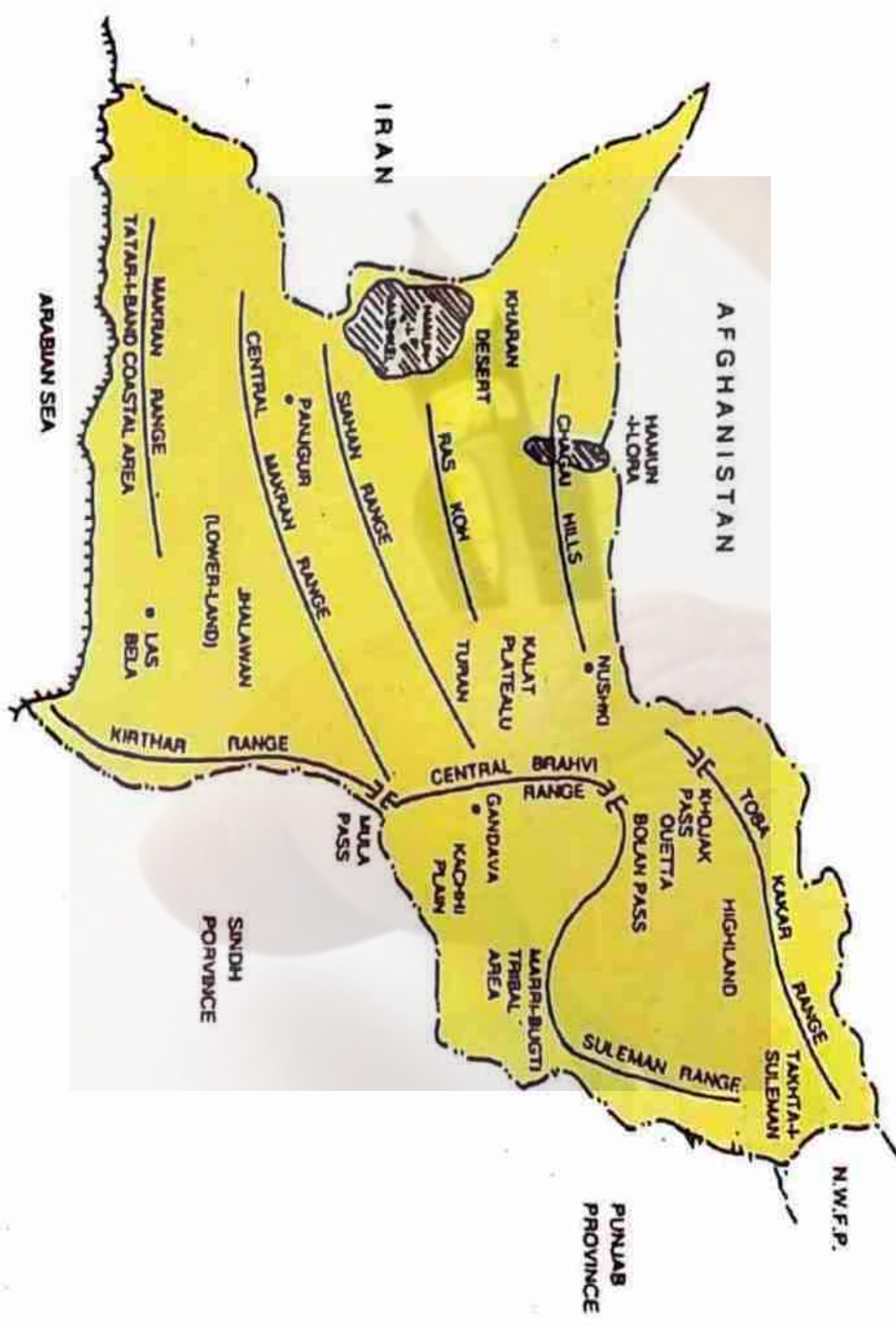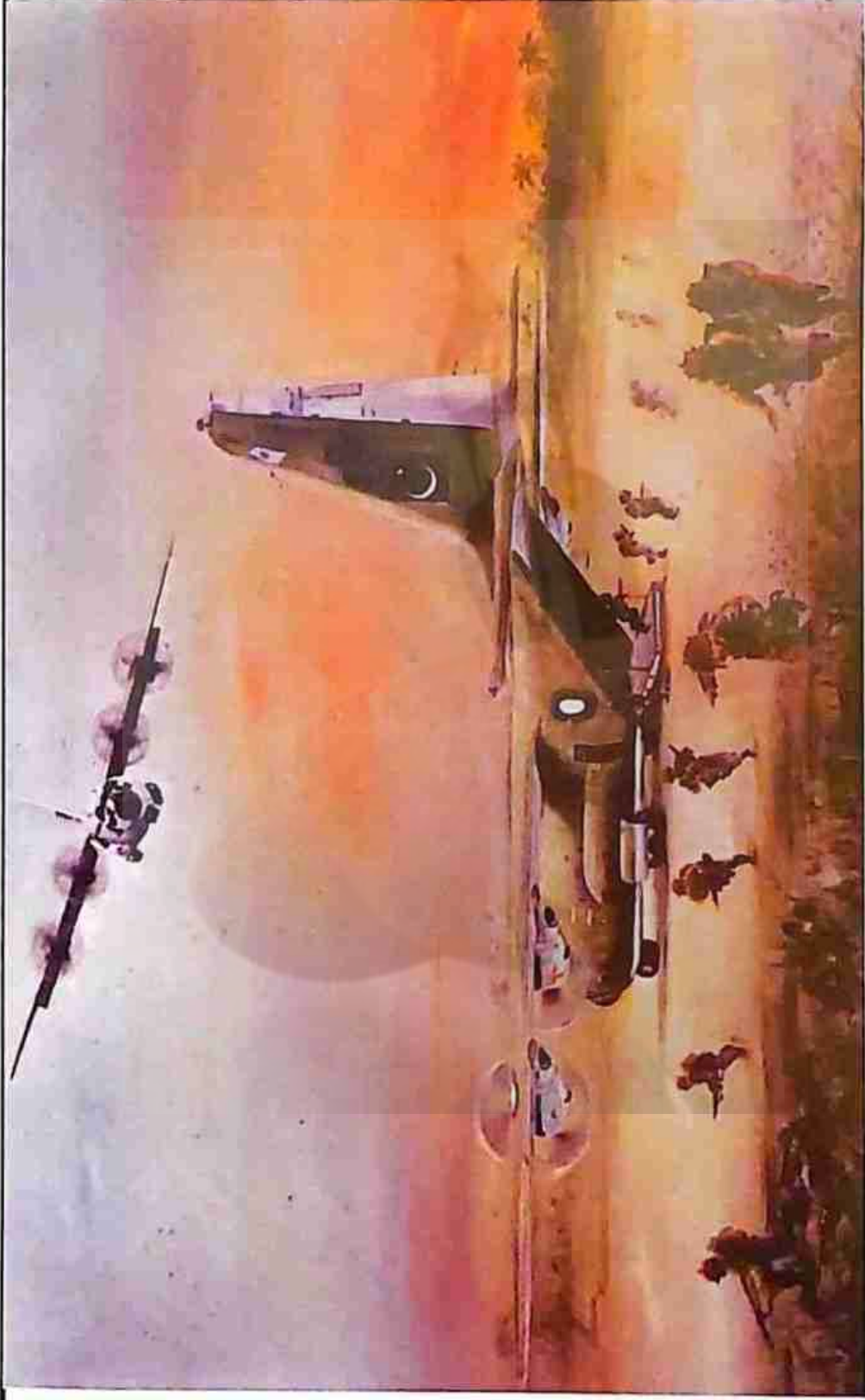
ایک کمانڈو ایکشن (مشرقی پاکستان ..... دسمبر 1971ء)
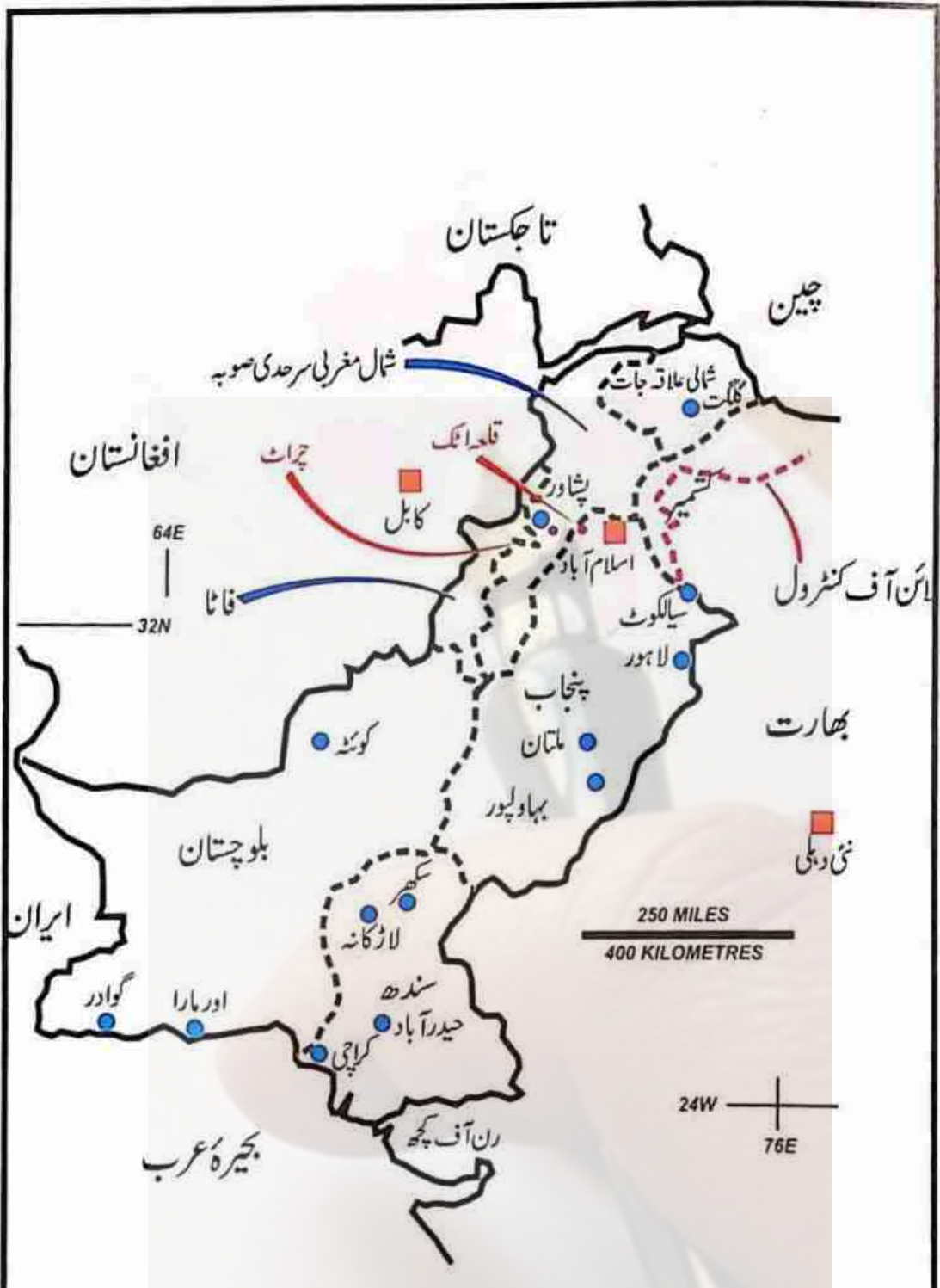
چراٹ اور قلعہ اٹک کی لوکیشن

قلعہ اٹک کا ایک خوبصورت منظر

پندرھواں باب
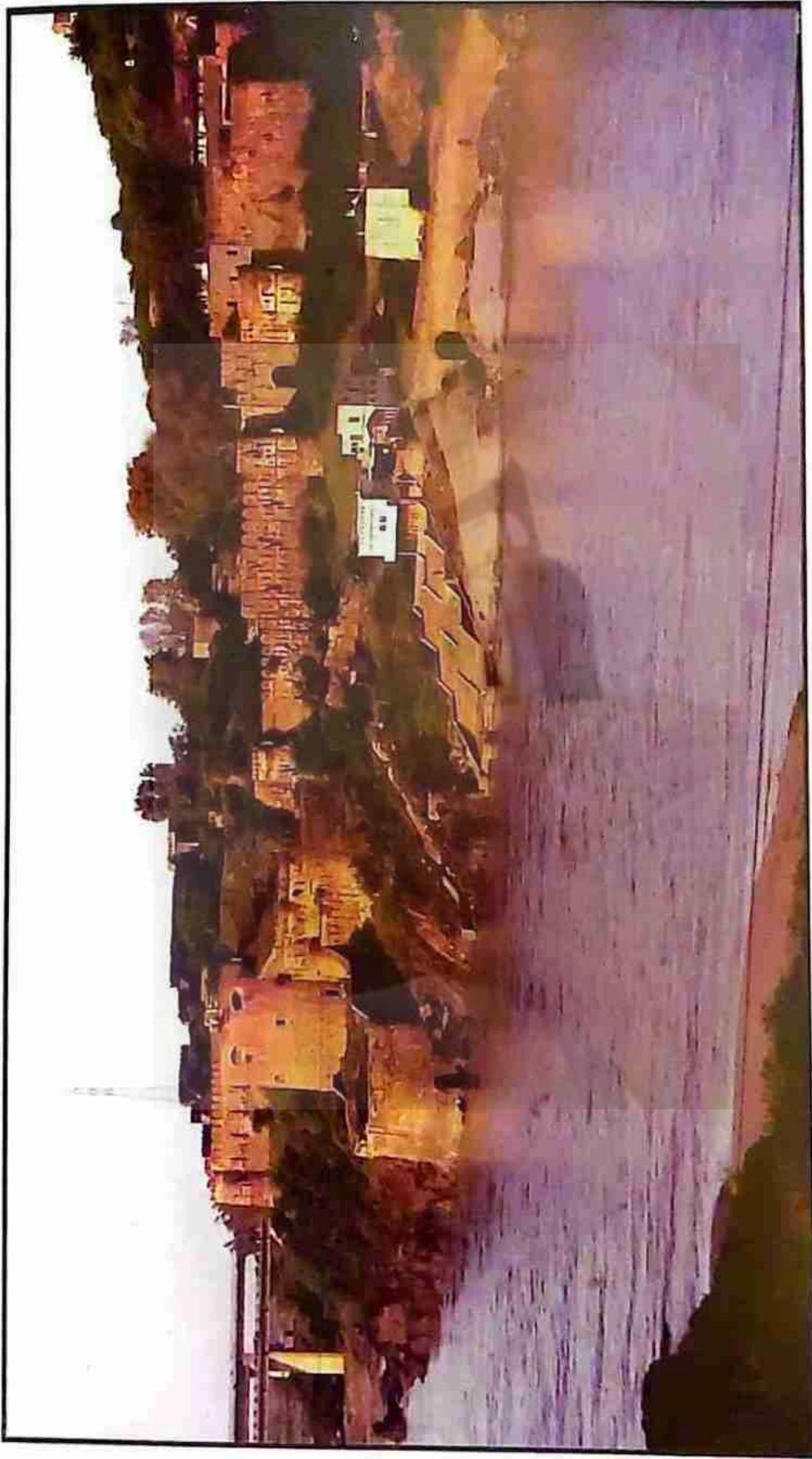
سیاچن میں

تعارف

سیاچن گلیشئر، قطب شمالی اور قطب جنوبی میں واقع گلیشئروں کو چھوڑ کر دنیا کا سب سے بڑا گلیشئر ہے۔ یہ سلسلہ کوہ قراقرم کے شمال مشرق اور درہ سالتورو کے عین شمال میں واقع ہے۔ اس کا آغاز مغرب میں کے ٹو کے راستوں پر گشر بروم کے نزدیک ہوتا ہے اور مشرقی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ماضی بعید میں کشمیر اور بلتستان کے لوگوں کے لئے یارقند اور کاشغر جانے کا راستہ اسی برف زار کے اوپر سے گزرتا تھا اور ترکستان کے لوگ بھی اسی راستے سے جنوب کی طرف آیا کرتے تھے۔ زیادہ بلندی پر جس قدر برف گرتی ہے، اتنی پگھلتی نہیں اور اس طرح سالہا سال کے عمل سے گلیشئر وجود میں آ جاتے ہیں۔ باور کیا جاتا ہے کہ ماضی بعید میں گلیشیائی عوامل زیادہ نہ تھے اس لئے آمدورفت ممکن تھی۔

399ء میں ایک چینی سیاح فاہیان اور پھر 603ء میں ہیون سانگ قراقرم کے راستے برصغیر میں آئے۔ دسویں صدی میں ابن بطوطہ اور تیرھویں صدی میں مارکوپولو نے ان علاقوں کا سفر کیا۔ پھر کئی اور مسلمان مبلغین، تاجر اور سیاح بھی انہی راستوں پر آتے جاتے رہے۔ حضرت شاہ علی ہمدان بھی وادئ سالتورو سے گزر کر سیاچن کے راستے، چینی ترکستان پہنچے تھے۔ سالتورو کے زیریں دہانے پر گیاری میں آٹھ سو سال پرانی ایک مسجد اور گلیشئر کے راستے میں علی برنگسا (علی کا ڈیرہ) نام کا گاؤں ان روایتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ تاریخی کتب میں علی طوسی،

ناصر طوسی اور سید محمد نور بخش کی آمد و رفت کی کہانیاں بھی مذکور ہیں۔ یہ تمام لوگ بہت عالم فاضل اور بزرگ اور مبلغین تھے جن کی کوششوں سے یہاں اسلام پھیلا۔ تاہم گزشتہ دو صدیوں میں گلیشیائی عمل تیز تر ہو گیا، جس کی وجہ سے یہ گلیشئر اب انسانی قدموں کی گزرگاہ نہیں رہا۔

سیاچن گلیشئر کی چوڑائی مختلف جگہوں پر دو کلومیٹر سے آٹھ کلومیٹر تک ہے جبکہ لمبائی 74 کلومیٹر ہے۔ اس کے نام کے بارے میں مشہور روایت یہ ہے کہ گلیشیائی تغیر و تبدل سے پہلے یہاں کثرت سے جنگلی گلاب کھلا کرتے تھے، جن کی وجہ سے سال کے بیشتر مہینوں میں ساری فضا میں گلاب کی خوشبو رچی رہتی تھی۔ اہل تبت آٹھویں صدی عیسوی تک ان علاقوں پر قابض رہے۔ تبتی زبان میں سیاقن کا مطلب ہے ''گلاب کی جھاڑیوں والا''۔ جنگلی گلابوں کی یہ جھاڑیاں آج بھی گلیشئر کے دہانے کے غیر برفانی علاقے میں پائی جاتی ہیں۔ کثرت استعمال سے خیال کیا جاتا ہے کہ اس گلیشئر کا نام سیاقن سے سیاچن ہو گیا۔

اس گلیشئر کی آب و ہوا اور اس کا موسم بہت منفرد ہے۔ گرمیوں میں بھی درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے رہتا ہے۔ یہاں کے اجالے سرمئی اور اندھیرے چمپئی ہیں۔ روشن دمکتی صبحیں اور سنگین و تاریک راتیں ہیں۔ یہاں کڑکتی بجلیوں کی چھاتی دہلتی ہے، زمین خاموش رہتی ہے اور ہوا تھرا کے چلتی ہے۔ بلزرڈ، ایوالانچ، جھکڑ اور طوفان ہائے باد و باراں چلتے رہتے ہیں۔ جغرافیہ دانوں نے اس کی سمتیں اور جہتیں معلوم کرنے کی کوشش کی مگر کوئی بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکا۔ اور کرتا بھی کیسے؟ برف زاروں کی اس سرزمین کی تندی اور تیزی کو لفظوں میں تو قلم بند نہیں کیا جا سکتا! ہاں کئی لوگوں نے کوشش کی ہے کہ اس کے سراپا کی تعریف و توصیف کر سکیں۔

کچھ عرصہ قبل میجر جنرل ظہور ملک نے ایک ملاقات میں مجھے سیاچن پر ایک نظم سنائی جو انہوں نے لندن میں کسی لائبریری میں اتفاقاً دیکھی تھی۔ شاعر کا نام کیپٹن محمد شہزاد نیر تھا اور یہ روزنامہ جنگ، لندن کے 9 مئی 2001ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ نظم یہ ہے:

جہاں میں ہوں وہاں پر ذی نفس کوئی نہیں رہتا
سوا اس کاروانِ سخت جان کے کوہ نوردوں کے

جو اپنی سرزمیں دشمن کے قدموں سے بچانے کو
ان اونچے کوہساروں، برف زاروں پر اتر آیا
جہاں میں ہوں وہاں پر برف اندر برف اگتی ہے
جہاں پر ارتفاع اتنا کہ سانسیں ڈگمگا جائیں
ہوائیں بے حیات اتنی کہ موسم تھرتھرا اٹھے
جہاں پر زندگی کرنے کے امکاں ٹوٹ جاتے ہیں
عدو کے تنگ سینے کی طرح ہیں تنگ یہ رستے
شبوں کے بے کرم لمحوں میں ان راہوں پہ چلتا ہوں
کہ جن پر برف کی چادر رگوں کو سرد کرتی ہے
جہاں میں ہوں وہاں سورج نظر آتا ہے مشکل سے
جہاں پر دھوپ میں بس روشنی کا نام ہوتا ہے
جہاں گرمی کے موسم میں گماں ہوتا ہے جاڑے کا
جہاں پارا نہیں اٹھتا
جہاں گلشن نہیں ہوتے، جہاں سبزہ نہیں اگتا
جہاں رنگوں کی پریوں کا کوئی میلہ نہیں لگتا
جہاں خوشبو گلابوں کی، پرندے، تتلیاں، جگنو
اسی صورت پہنچتے ہیں کہ جب اپنوں کے خط آئیں
عدو کی بے حسی دیکھو کہ اس اندھی بلندی پر
نجانے کتنے سالوں سے
کسی بارود کی صورت ہمارا رزق آتا ہے!
جہاں میں ہوں وہاں تصویر کا چہرہ خیالی ہے
کمالِ فن سے خالی ہے، وجودِ زن سے خالی ہے
جہاں بچوں کی باتوں کا کوئی جھرنا نہیں بہتا

جہاں بوڑھوں کی لاٹھی کی کوئی ٹک ٹک نہیں سنتا
جہاں میلوں مسافت پر کوئی گاؤں نہیں آتا
جہاں میں ہوں وہاں پر لذتِ کام ودہن کیسی
جہاں مخصوص کھانا ہے جو باسی ہے پرانا ہے
یہ میرے نوجوان ساتھی
کہ جن کے عزم کا پرچم ہمالہ سے بھی اونچا ہے
یہ برفانی فضاؤں میں
مخالف سمت سے آتی ہواؤں سے بھی لڑتے ہیں
دلوں میں یہ ارادہ ہے، لبوں پہ یہ دعائیں ہیں
کہ پرچم اور وردی کا یہاں پر مان اونچا ہو
عدو کی سرحدوں کے پاس
پاکستان اونچا ہو!!

جغرافیہ دانوں کے خیال کے مطابق قراقرم کے سلسلۂ کوہ کی عمر چھ کروڑ سال سے بھی زائد ہے۔ اس کے بہت سے علاقوں میں عمل عریاں کاری کے سبب چٹانیں نمودار ہوئی ہیں اور ابتداء سے لے کر اب تک یہ خطہ ہزار ہا تبدیلیوں سے گزر چکا ہے............ تازہ ترین تبدیلی یہ ہے کہ 1983ء سے یہ خطہ دنیا کے بلند ترین میدان جنگ میں تبدیل ہو چکا ہے۔

جنگ کی یہ ابتداء کیسے ہوئی اور اس میں ایس ایس جی کا غالب رول کیا تھا (اور کیا ہے) اس کا تذکرہ ہم ذرا بعد میں کریں گے۔ پہلے اس ''میدان جنگ'' کے زمینی نقوش کے بارے میں بعض حقائق مختصراً بیان کرنا چاہیں گے۔

سکردو سے آگے شمال مشرق کی طرف بڑھیں تو خپلو آتا ہے اور اس کے بعد ڈینسم نام کا قصبہ ہے۔ (نقشے پر نگاہ ڈالئے) اس ''میدان جنگ'' کی شکل وصورت ہاتھ کی ہتھیلی سے ملتی نظر آئے گی، جس کی کلائی پر ڈینسم واقع ہے۔ اس کے بعد شمال کی طرف انگلیوں کی صورت میں مختلف

سڑکیں اور راستے پھیلے ہوئے ہیں۔ڈینسم میں پاک فوج کا ایک بریگیڈ ہیڈ کوارٹر ہے۔سیاچن آپریشنز کے کنٹرول اور دیکھ بھال کی ذمہ داری اسی بریگیڈ کے ذمہ ہے۔اس کے آگے دائیں طرف بڑھیں تو گوما، گیاری اور عادل واقع ہیں۔عادل ہماری آخری پوسٹ ہے اور اس کے آگے چولنگ لا (لا کا مطلب درہ ہے) ہے۔گوما میں بٹالین ہیڈ کوارٹر ہے۔گیاری سے ذرا اوپر ایک راستہ شمال کی طرف جارہا ہے، جہاں ساتھ ساتھ دو درے اور بھی واقع ہیں جن کے نام یرمالا اور گیا نگ لا ہیں۔گیاری میں سے ایک اور راستہ نکل کر عین شمال کی طرف جاتا ہے۔اس پر علی برنگسا کا مشہور گاؤں واقع ہے۔علی برنگسا کے بعد آبادی ختم ہو جاتی ہے۔زمینی نقوش بھی کوئی نہیں، البتہ پاکستان اور بھارت نے اس برف زار پر جو پوزیشنیں قائم کرلی ہیں، ان کے نام ان پوزیشنوں کے دریافت کنندگان پر رکھے گئے ہیں۔مثلاً علی برنگسا سے اوپر رہبر ون اور رہبر ٹو نام کی پوسٹیں ہیں۔ان سے پیچھے غازی بیس اور غازی بیس سے آگے اور اوپر قائد بیس اور قائد بیس کے اوپر قائد او پی (Observation Post) ہے۔رہبر ون اور رہبر ٹو کے عین سامنے بیلا فونڈ لا ہے جو بھارت کے قبضے میں ہے۔

اب پھر نیچے ڈینسم پر آتے ہیں۔یہاں سے دو سڑکیں نکل کر دائیں بائیں جارہی ہیں۔دائیں طرف جانے والی سڑک کچھ دور جا کر صرف کچے اور برفانی راستے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اسی راستے پر گرم پانی کے چشمے واقع ہیں۔قدرت کی صناعی دیکھئے کہ جہاں ہر طرف برف ہی برف اور درجہ حرارت منفی چالیس ڈگری سینٹی گریڈ تک چلا جائے اور جہاں بارودی ہتھیار فائر کرنا چھوڑ دیں، وہاں اتنے گرم چشمے ہیں کہ جن پر سے اٹھنے والی بھاپ دور سے نظر آتی ہے۔اس میں مرغی کا انڈہ ڈال کر پانچ منٹ بعد نکال لیں تو ابل چکا ہوگا۔پانی کے ان گرم چشموں میں گندھک ملی ہوئی ہے اور ان میں غسل کرنے سے بہت سی جلدی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔پاک فوج کے ٹروپس جب ہفتوں بعد گلیشئر کی یخ بستہ فضاؤں سے واپس آتے ہیں تو ان گرم چشموں میں سرد پانی ملا کر تازہ دم ہونے کی ''عیاشی'' کرتے ہیں۔ان چشموں سے آگے انگلی فیچر ہے۔یہ ایک تودہ سا ہے جس کی شکل انسانی ہاتھ کی انگلی کی طرح ہے۔اس کے اوپر وزیر پوسٹ ہے اور اس کے اوپر سامنے رانا اور اکبر نام کی پوسٹیں ہیں، جو دشمن کے پاس ہیں۔گرم پانی کا یہ چشمہ آگے شمال کی

جانب جا کر P-36 نامی گلیشئر سے مل جاتا ہے جو اکبر پوسٹ اور سایالا کے درمیان سے ہو کر جاتا ہے۔

اب ایک بار پھر واپس ڈینسم آئیں اور بائیں طرف شمال میں اوپر کی طرف چل پڑیں تو پہلا پڑاؤ کرمنڈنگ آتا ہے۔ یہ بھی بٹالین ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس سے اوپر شمال کی طرف محوسفر ہیں تو کندوس تک چلے جائیں گے جو پاکستان کی آخری پوسٹ ہے۔ کندوس سے دائیں طرف اللہ دین پوسٹ ہے۔ اس پوسٹ کے سامنے سایالا ہے جو بھارت کے زیر قبضہ ہے۔

بطور خلاصہ ایک بار پھر جان لیجئے کہ ان علاقوں میں ڈینسم، گوما، گیاری اور کرمنڈنگ تک تو سول آبادیاں ہیں لیکن ان کے بعد کوئی سول آبادی نہیں اور کوئی گاؤں نہیں۔ صرف فائبر گلاس سے بنے ان خیموں کی پوسٹیں ہیں جو 1983ء سے 1988ء تک کے درمیان دشمن کے ساتھ جنگ کے دوران اس برف زار پر قائم کی گئیں۔ ان علاقوں میں پانچ مشہور درے ہیں یعنی چولنگ لا، یرمالا، گیانگ لا، بیلافونڈ لا اور سایالا۔ یہی وہ درے ہیں جن سے گزر کر سیاچن گلیشئر تک جایا جاسکتا ہے۔ اگر سیاچن گلیشئر کو ایک عمارت فرض کرلیا جائے تو یہ پانچ درے، اس عمارت کے گویا پانچ داخلی گیٹ ہیں۔ لیکن ستم یہ ہے کہ ان داخلی دروازوں پر تو دونوں ممالک (پاکستان اور بھارت) کی افواج مورچہ زن ہیں، لیکن یہ افواج جس عمارت کی حفاظت کر رہی ہیں، وہ برف کا 74 میل لمبا اور دو سے آٹھ میل چوڑا ایک تودا ہے، جس پر گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں اگتا اور کوئی ذی روح فائبر گلاس میں چند روز سے زیادہ قیام نہیں کرسکتا!

اگر ایسا ہے تو پھر سوال کیا جاسکتا ہے کہ آخر 1983ء سے لے کر اب تک دونوں ملکوں نے اپنی افواج کو اس بے آب و گیاہ اور یخ بستہ ویرانے میں لاکر کیوں ڈال رکھا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ سینکڑوں ہزاروں آفیسر اور جوان دنیا کے اس سب سے اونچے میدان جنگ میں لڑتے لڑتے جان کی بازی ہار چکے ہیں؟ کیا یہ محض حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے یا اس کی پشت پر کوئی وزنی اور ٹھوس جواز موجود ہے؟............. ان سوالوں کا جواب یہ ہے کہ نہ یہ حماقت اور نادانی ہے اور نہ ہی یہ عاقبت نااندیشی ہے، بلکہ یہ سٹریٹجک مفادات کے حصول کی ایک گیم ہے جو جنوبی ایشیا کی ان دو جوہری قوتوں کو Disengage نہیں ہونے دیتی!

سیاچن پر اچانک نمودار ہو جانا بھارت کی ایک سٹر یٹجک چال تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ان دروں سے ہوتے ہوئے گیاری، گوما، ڈینسم ،چلو اور سکردو تک اور پھر وہاں سے گلگت تک اور دوسری طرف مانسہرہ ،ایبٹ آباد تک کے علاقوں تک کو زیر خطر (Threatened) کر دیا جائے.........اور ایسا کرنا ناممکن نہیں تھا۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ بھارت نے اس ''گیم'' کی تیاریاں بہت پہلے سے کر رکھی تھیں۔ وہ بہت عرصے سے اپنی گشتیں (Patrols) ان علاقوں میں بھیجتا رہا تھا، ٹروپس کی ٹریننگ کرتا رہا تھا، لاجسٹک سپورٹ کے تمام انتظامات کرتا رہا تھا اور اس طرح (آجکل کی اصطلاح میں) کراس بارڈر ٹیررازم کا ارتکاب کرتا رہا تھا۔ کارگل پر اعتراض کرنے والوں کو یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہئے کہ اگر پاک فوج بروقت دشمن کی اس چال کو بھانپ کر اس کا سد باب نہ کرتی اور اگر ایس ایس جی کے آفیسر اور جوان بالخصوص ان اولین ایام (86-1983ء) میں اپنی جانوں پر کھیل کر بھارت کے ان ''گھس بیٹھیوں'' کو بیلافونڈلا ، سایالا اور چولونگ لا دروں پر نہ روکتے تو آج تاریخ مختلف ہوتی۔ بھارت کی لاجسٹک تیاریوں کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں پاک آرمی نے 84-1983ء تک سنو لائن ایکوپمنٹ پر تکیہ کیا اور افسروں اور جوانوں کے پاس صرف بلند ارتفائی ساز وسامان موجود نہ تھا، وہاں بھارت نے باقاعدہ پلاننگ کے تحت فائبر گلاس کے خیمے (اگلو)، وردیاں، چولہے، رسے اور تپان تک بہت بڑی تعداد میں اکٹھے کر رکھے تھے۔ پاک آرمی کے پاس صرف ایڈہاک بنیادوں کا بندوبستی نظام تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ کریڈٹ پاک فوج کی سینئر قیادت کو جاتا ہے کہ اس نے بہت جلد مطلوبہ لاجسٹک سپورٹ کا بندوبست کر کے دشمن کی توسیع پسندی کو لگام دے دی۔

سیاچن آپریشنز ،ایک غیر معمولی ماحول میں شروع ہوئے اور آگے بڑھے۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس غیر معمولی ماحول میں غیر معمولی انداز کے آپریشنوں کو بروئے کار لانے کے لئے جس غیر معمولی فورس کی ضرورت تھی، وہ پاکستان آرمی کے پاس سپیشل سروس گروپ کی شکل میں موجود تھی۔ علاوہ ازیں ناردرن لائٹ انفنٹری کی تمام نفری چونکہ شمالی علاقہ جات سے بھرتی کی جاتی تھی، اس لئے ان شمالی علاقوں میں آپریٹ کرنے کے لئے این ایل آئی ایک نہایت موزوں

فورس تھی۔ چنانچہ اولیں ایام میں ایس ایس جی اور این ایل آئی نے ہی سیاچن آپریشنز میں حصہ لیا۔ پاک فوج کی ریگولر یونٹیں آہستہ آہستہ بعد میں انڈکٹ ہوئیں۔

پس منظر

کشمیر میں پہلی پاک بھارت جنگ 31 دسمبر 1948ء کو ختم ہوئی تھی اور یکم جون 1949ء سے دونوں ملکوں کے درمیان جنگ بندی لائن وجود میں آئی تھی۔ یہ لائن چھمب سے لے کر شمال میں ایک ایسے مقام تک مارک کی گئی تھی، جس کا نقشے پر نام NJ-9842 ہے۔ اس مقام سے آگے چونکہ علاقہ برفانی اور انتہائی دشوار گزار تھا، اس لئے دونوں ملکوں نے "بغیر سوچے سمجھے" اس معاہدے میں یہ فقرہ شامل کیا کہ: "اس مقام یعنی NJ-9842 سے آگے جنگ بندی لائن شمال کی طرف جائے گی" .... درحقیقت اس مقام سے دریائے شائی اوک اور اس سے بھی آگے درۂ قراقرم تک 90 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ اس 90 کلومیٹر ٹکڑے کی نشان دہی اس وقت کسی نے بھی نہ کی!

مارچ 1963ء میں چین اور پاکستان کے درمیان ایک سرحدی سمجھوتہ ہوا، جس میں درۂ قراقرم تک کا علاقہ پاکستانی علاقہ شمار کیا گیا (بھارت اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتا)، تاہم اس معاہدے کی ایک شق یہ بھی ہے کہ "جب پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کا فیصلہ ہو جائے گا تو اس سمجھوتے پر دوبارہ مذاکرات ہوں گے، تب تک یہ معاہدہ ایک عارضی اور مشروط معاہدہ شمار کیا جائے"۔

1971ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد جنگ بندی لائن کو لائن آف کنٹرول میں تبدیل کر دیا گیا، (یہاں اس کی تفصیلات مقصود نہیں)، تاہم پوائنٹ NJ-9842 سے اوپر شمال کی طرف کا علاقہ 1971ء کی جنگ کے بعد بھی غیر نشان زدہ (Undemarcated) ہی رہا۔ 1971ء کی جنگ کے بعد بھارت نے اس علاقے میں کئی مہمیں بھیجیں جن کا تذکرہ غیر ملکی پریس میں کیا گیا۔ تاہم پوائنٹ NJ-9842 سے درۂ قراقرم تک کا علاقہ، پاکستانی علاقہ تسلیم کیا گیا۔ اور پاکستانی حکام ہی اس علاقے میں جانے والے سیاحوں اور کوہ پیماؤں کو پرمٹ وغیرہ ایشو کرتے رہے۔

درج ذیل سطور میں اب ہم سال وار ایس ایس جی کے ان آپریشنوں کا ذکر کریں گے

جو سیاچن میں بروئے عمل لائے گئے۔

1983ء

1982ء کے اوائل میں خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بھارت اس علاقے میں اپنی مہمات بھیج رہا ہے۔ بعض اطلاعات یہ بھی تھیں کہ گاہے گاہے انڈین ٹروپس یہاں دیکھے گئے ہیں۔ یہ معلومات بیشتر ان غیر ملکی کوہ پیماؤں کی طرف سے ملتی تھیں جو پاکستان کی طرف سے پرمٹ لے کر ان علاقوں میں بغرض کوہ پیمائی آیا کرتے تھے۔ چنانچہ 1982ء کے موسم گرما میں این ایل آئی کی ایک پلاٹون کو ٹاسک دیا گیا کہ وہ ان خبروں کی تصدیق یا تردید کرے لیکن اس پلاٹون کی اپنی عدودیات تھیں۔ چنانچہ یہ نہ تو سایالا کراس کر سکی اور نہ بیلا خونڈ لا کے پار جا سکی۔ یہ صرف گیاری، گیانگ اور چولنگ کی چھوٹی چھوٹی وادیوں میں گھوم پھر کر واپس آ گئی اور رپورٹ دے دی کہ کوئی بھارتی ٹروپس اس علاقے میں نہیں ہیں۔ خبریں اس کے بعد بھی آنا بند نہ ہوئیں تو جنرل ہیڈ کوارٹر نے ایس ایس جی کو ٹاسک دیا کہ وہ گوما اور سیاچن ایریا میں پٹرولنگ کرے اور رپورٹ دے کہ آیا کوئی بھارتی نفوذ کاری ان علاقوں میں ہو رہی ہے یا نہیں اور اگر ہو رہی ہے تو اس کی حدود اور حجم کیا اور کتنا ہے؟ ....

چنانچہ جولائی 1983ء میں 1 کمانڈو بٹالین کی لیاقت کمپنی کو یہ فریضہ سونپا گیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی طرف سے یہ پہلی سنجیدہ کوشش تھی جو اس ایریا میں بھارتی دخل اندازی کا سراغ لگانے کے لئے کی گئی۔ لیکن لیاقت کمپنی کے پاس بلند ارتفاع (High Altitude) علاقوں میں آپریٹ کرنے کے لئے کوئی ساز و سامان نہ تھا، چنانچہ اس نے صرف کوہستانی علاقوں میں آپریشنز کرنے کا ساز و سامان ساتھ لیا، 5 اگست 1983ء کو بیس کیمپ قائم کیا اور سایالا کے راستے سیاچن گلیشیئر کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچنے کے بعد کمپنی کو پہلی بار معلوم ہوا کہ اس علاقے میں بھارتی کیمپ قائم ہیں۔ 21 اگست 1983ء کو کمانڈر ایس ایس جی نے علاقے پر پرواز کی اور دیکھا کہ واقعی بھارت نے اپنے ٹروپس اس علاقے میں بھیج رکھے ہیں۔ دشمن نے جب اس پاکستانی فورس کو دیکھا تو جلدی میں واپسی کی راہ لی۔ پاکستان نے فوراً ہی اقوام متحدہ کے مبصروں سے رابطہ کیا۔ انہیں اس علاقے میں لے جایا گیا اور دکھایا گیا کہ بھارت نے ان جگہوں

پر قبضہ کر رکھا ہے، جو معاہدے کی صریح خلاف ورزی ہے اور بین الاقوامی قانون کی رو سے پاکستانی علاقے میں مداخلت ہے۔ واپسی پر ایس ایس جی نے اپنا درج ذیل تجزیہ جنرل ہیڈ کوارٹرز، ہیڈ کوارٹر 10 کور اور ہیڈ کوارٹر ایف سی این اے (فورس کمانڈر ناردرن ایریاز) کو بھجوایا:

"آئندہ کسی تنازعے کی صورت میں بھارت اس علاقے میں ایک بڑی فورس کے ساتھ دوشاخہ (Two Pronged) حملہ کر سکتا ہے۔ وہ ایک بریگیڈ سیاچن کی طرف لائے گا تا کہ بیلا فونڈ لا اور سایالا پر قبضہ کر لے اور چولنگ کی طرف سے ایک بٹالین گروپ سے حملہ کر کے وادیٔ چولنگ پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا مندرجہ ذیل مقامات پر جلد از جلد قبضہ کیا جائے:۔

1۔ بیلافونڈ لا

2۔ سایالا

3۔ گلیشیر جنکشن

4۔ ترم شیر (چوٹی کا نام) کے آس پاس کا علاقہ

دسمبر 1990 کے انڈین آرمی کے ایک پیشہ ورانہ میگزین "انڈین ملٹری ریویو" میں لیفٹیننٹ جنرل چھبر (Chhiber) کا ایک آرٹیکل شائع ہوا تھا۔ جنرل چھبر 84-1982 میں آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی میں ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز تھے۔ اس آرٹیکل میں انہوں نے لکھا تھا کہ سیاچن آپریشن کی تیاریاں بھارت نے 1982ء سے بھی پہلے شروع کر دی تھیں اور مارچ 1983ء میں انڈین آرمی نے باقاعدہ سایالا اور بیلافونڈ لا پر قبضہ کر لیا تھا)۔

1984ء

1983ء کے اواخر اور 1984ء کے اوائل میں ایف سی این اے اور ہیڈ کوارٹر 10 کور نے اپریل 1984ء میں سیاچن پر ایک بھرپور حملے کا پلان بنایا۔ ایس ایس جی کی ایک بٹالین ان آپریشنوں کے لئے ایف سی این اے کو دے دی گئی۔ اس پلان کے خدوخال یہ تھے کہ ایس ایس جی کی تقریباً دو کمپنیاں حملے میں حصہ لیں گی۔ ایک کمپنی بیلافونڈ لا پر، ایک پلاٹون سایالا پر اور ایک سیکشن گیانگ لا اور چولنگ لا ایریا پر حملہ کر کے انہیں زیر قبضہ لائے گا۔ ان کے ساتھ این ایل آئی کے عناصر بھی ہوں گے اور مجاہد فورس بطور پورٹر ساتھ جائے گی۔ ڈینسم، چپلو، گوما اور کندوز

پرڈمپنگ وغیرہ وسط اپریل 1984ء تک مکمل ہو جائے گی۔ جی ایچ کیو کے ڈائریکٹو کے مطابق یہ حملہ آور فورس، اپریل کے تیسرے ہفتے میں اپنے اہداف کی طرف موو ہونی تھی۔ لیکن 17 اپریل 1984ء کو جب ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز (DMO) اور کمانڈر 62 بریگیڈ نے ایریا کی فضائی ریکی کی تو معلوم ہوا کہ دشمن بیلافونڈلا اور سایالا پر قابض ہو چکا ہے۔

تاہم ایس ایس جی ٹروپس کو فوری طور پر بغیر کسی لاجسٹک سپورٹ کے "اپنی مدد آپ" کے تحت ان دونوں مقامات کی طرف موو (Move) کروا دیا گیا۔ ایس ایس جی نے تین دنوں میں دفاعی پوزیشنیں قائم کر لیں اور دشمن کو مزید نشیبی وادی کی طرف آنے سے روک دیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ اس واقعے کے پورے چار ماہ بعد تک (یعنی 17 اگست 1984ء تک) ایس ایس جی کے پاس صرف سب مشین گنیں (SMG)، لائٹ مشین گنیں (LMG)، 60 ایم ایم مارٹر اور آر پی جی۔7 قسم کے ہتھیار اور (RPG-7) قسم کے مواصلاتی سیٹ تھے اور کچھ نہیں تھا! دفاعی پوزیشنوں میں ہونے کے باوجود ایس ایس جی ٹروپس نے اپنے طور پر آس پاس کے علاقوں کا اتہ پتہ اور سراغ لگانے کا کام جاری رکھا اور کئی ایک اہم پوزیشنوں پر قبضہ کر لیا۔ مثلاً گیانگ لا، یرمالا، کے 12 لا، لیاقت لا (جسے بعد میں یعقوب پوسٹ کا نام دیا گیا) اور کانوائے سیڈل وغیرہ۔ ان میں گیانگ لا 19000 فٹ، کے۔12 لا 20000 فٹ اور لیاقت لا 12000 فٹ بلند درے ہیں۔ کانوائی سیڈل پر اگرچہ ایس ایس جی نے براہ راست قبضہ تو نہ کیا لیکن ایک بالواسطہ کردار ضرور ادا کیا۔ اگر یہ اہم درہ بھارت کے پاس چلا جاتا تو آج انڈین ٹروپس K-2 پر بیٹھے ہوتے!

1984ء کے دوران ان مشنوں کے علاوہ بھی کئی اور چھوٹے چھوٹے "دریافتی مشن" بروئے کار لائے گئے، جن میں کامیابیاں ہوئیں۔ ایس ایس جی نے دوران سال جارحانہ دفاع کا اپنا انداز برقرار رکھا۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1984ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جتنی بھی فلیگ میٹنگز ہوئیں، وہ سب کی سب بھارتی کمانڈروں کی درخواست پر ہوئیں۔

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں اور 1985ء میں بروئے کار لائے جانے والے ایس ایس جی کے آپریشنوں پر اجمالی نظر ڈالیں، مناسب ہوگا اگر سال 1984ء میں چند ایسے

موضوعات کا معروضی تجزیہ پیش کیا جائے جو سیاچن پر بھارتی قبضہ کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوئے۔ اول انٹیلی جنس کو لیتے ہیں۔

سیاچن گلیشیر کا زمینی تجزیہ، آب وہوا اور موسم وغیرہ کا جو جائزہ ہمارے انٹیلی جنس سٹاف نے مرتب کر رکھا تھا، وہ کوئی زیادہ دقیع اور "معتبر" ثابت نہ ہوا۔ مثلاً جائزے میں کہا گیا تھا کہ سیاچن گلیشیئر ایریا میں اکتوبر سے مئی تک کوئی عسکری آپریشن بروئے عمل نہیں لایا جا سکتا۔ یہ اسی غلط مفروضے کے باعث تھا کہ ہیڈ کوارٹر ایف سی این اے نے یوم حملہ 18 اپریل 1984ء کو رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ بھارت بھی چونکہ مئی سے پہلے یہاں نہیں آسکتا، اس لئے وسط اپریل میں حملہ کر کے ہم بھارت پر ناگہانیت (Surprize) وارد کر سکیں گے۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! ۔۔۔۔۔۔ جب 17 اپریل 1984ء کو ڈی ایم او اور کمانڈر 62 بریگیڈ نے ہیلی کاپٹر کے ذریعے سایالا اور بیلافونڈ لا پر پرواز کی تو ان دروں پر پہلے سے موجودہ بھارتی ٹروپس نے ان پر فائرنگ کر دی۔ ان دونوں بریگیڈیئر صاحبان کے دلوں پر اپنی گراؤنڈ انٹیلی جنس اور گراؤنڈ ریکی اہلیتیوں اور صلاحیتیوں کی ناکامی پر کیا گزری ہوگی، یہ تو ان کو ہی معلوم ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ناکامی نے ہم سے سیاچن گلیشئر کا ایک بڑا حصہ چھین لیا۔ اس کے بعد بھی ہماری انٹیلی جنس کے اندازے یہی تھے کہ اس غضب کی سردی اور یخ بستگی میں بھارتی ٹروپس موسم سرما میں واپس لوٹ جائیں گے ۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ امید بھی بر نہ آئی۔

دوسرے یہ کہ مقررہ مقامات پر راشن اور ایمونیشن وغیرہ کی ڈمپنگ نہ کی گئی۔ 18 اپریل 1984ء تک جن جن مقامات پر یہ لاجسٹک سپورٹ مہیا کر دینی چاہئے تھی، وہ نہ کی جا سکی اور ایس ایس جی ٹروپس کو "اپنی مدد آپ" کرنی پڑی۔ بیس کیمپ تک ایک محدود پیمانے کی لاجسٹک سپورٹ ضرور مہیا کی گئی (پوما ہیلی کاپٹروں کے ذریعے) لیکن اس سے آگے اور ڈینسم سے پرے کوئی سڑک نہ تھی۔ (تاہم جب سر پر آن پڑی تو 1984ء کے نصف آخر میں تمام انتظامی بندوبست خاطر خواہ طریقے سے انجام پانے لگے۔ سڑکیں بھی بن گئیں اور انصرامی دشواریوں پر بھی کافی حد تک قابو پا لیا گیا۔)

تیسرے یہ کہ بلند ارتفاعی ساز و سامان کی فراہمی ناکافی تھی۔ ایس ایس جی کے 60

افراد کے لئے یہ سامان موجود تھا، جو کافی نہ تھا۔ بعد میں یہ سامان حاصل کر لیا گیا۔ تاہم 1984ء کا موسم سرما ٹروپس نے فائبر گلاس سے بنے خیموں میں گزارا جو برفانی خیموں کی نسبت کہیں بہتر اور آرام دہ ہوتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ ان بلند اور برفانی علاقوں میں اول اول ایس ایس جی کو تمام سیکٹروں میں دفاعی رول میں رکھا گیا۔ جہاں تک دفاعی پوزیشنوں پر ابتدائی قبضہ کرنے یا ان پوزیشنوں کو قابل اطمینان اور تسلی بخش بنانے کا سوال ہے تو یہ قابل قبول بات تھی۔ لیکن ایک دو ماہ کے بعد ان کو دفاعی رول سے فارغ کر کے ایسے رول میں استعمال کرنا چاہیے تھا، کہ جس کے لئے ان کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو نتائج بہتر نکلتے۔ ایک طویل عرصے تک ایس ایس جی ٹروپس کو دفاع میں لگائے رکھنا کسی بھی صورت مستحسن نہ تھا۔

1985ء

1985ء کے آغاز ہی سے ایس ایس جی کی ڈیپلائمنٹ (صف بندی) میں 323 بریگیڈ کی جانب سے بعض تبدیلیاں کی گئیں، مثلاً 3 کمانڈو بٹالین کی حمزہ کمپنی کو گیانگ لا کی ذمہ داری دی گئی، ون کمانڈو بٹالین کی ایوب کمپنی کو یرمالا کی دیکھ بھال پر مامور کیا گیا، جبکہ سایالا، بیلافونڈلا اور چولنگ لا ایریا کو این ایل آئی اور آزاد کشمیر یونٹوں کے حوالے کیا گیا۔

جولائی 1985ء میں فیصلہ کیا گیا کہ ایس ایس جی کی صرف ایک کمپنی، ہیڈ کوارٹر ایف سی این اے کے زیر کمانڈ رہے گی۔ گیانگ لا سیکٹر بھی ایس ایس جی ٹروپس سے لے کر این ایل آئی یونٹوں کو دے دیا گیا اور اس پر مامور ایس ایس جی کمپنی کو گوما میں جارحانہ آپریشنوں کیلئے مختص کر دیا گیا۔ ایس ایس جی نے 1985ء کے باقی ایام علاقے کی تفصیلی ریکی، نئے راستے، درے اور اپروچز (Approaches) تلاش کرنے میں گزارے۔

1986ء

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں بھارت نے 1984ء کے اوائل میں سیاچن کے دونوں بڑے دروں (بیلافونڈلا اور سایالا) پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس قبضے کے بعد بھارت کی عسکری پوزیشن اس سیکٹر میں غالب (Dominating) ہوگئی تھی۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ زمین کی بناوٹ

(Lay of the Land) بھارت کے حق میں تھی۔ گلیشئر کی جانب سے اگر دروں سے ہوتے ہوئے جنوب کی طرف آئیں تو سطح زمین کی بلندی بتدریج کم ہوتی جاتی ہے تا آنکہ برف ختم ہو جاتی ہے اور انسانی آبادیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ علاقے پاکستان کا حصہ ہیں۔

ہر درے کے دو کاندھے (شولڈر) ہوتے ہیں۔ بیلا فونڈ لا درے کے بھی دو کندھے ہیں۔ ایک دایاں اور دوسرا بایاں کندھا کہلاتا ہے۔ ان کاندھوں تک اگر گلیشئر کی جانب یعنی بھارت کی طرف سے آئیں تو ڈھلان تدریجی (Gradual) ہے، عمودی نہیں۔ لیکن اگر علی برنگسا کی طرف سے (یعنی پاکستان کی طرف سے) درے کی طرف جائیں تو ان دونوں کاندھوں کی سلوپ عمودی ہے اور اس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس علاقے کی جغرافیائی کیفیت نے بھارت کیلئے آسانی پیدا کر دی ہے۔ بیلا فونڈ درے کی اونچائی چونکہ زیادہ ہے اور علی برنگسا کی کم، اس لئے جب دشمن نے 1984ء کے اوائل میں ناگہانیت کے ذریعے اس درے پر قبضہ کیا تو وہاں سے علی برنگسا پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ علی برنگسا سے بیلا فونڈ لا تک دس بارہ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ 1984ء میں ہم نے علی برنگسا پر جو پوسٹ قائم کی تھی، دشمن اس پر گولہ باری کر سکتا تھا اور اول اول وہ یہی کرتا رہا۔ علی برنگسا کی پاکستانی پوسٹ پر دن کے وقت ہمارے ٹروپس کی نقل و حرکت ممکن نہ رہی، چنانچہ تمام نقل و حرکت صرف رات کے وقت ہوتی تھی۔ اس صورت حال کا کوئی نہ کوئی علاج نکالنا بہت ضروری تھا، وگرنہ مزید نقصان ہو سکتا تھا اور پاکستان اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ مزید نقصان برداشت کر سکے۔ چنانچہ 1984ء کے موسم گرما میں ایس ایس جی کو ٹاسک دیا گیا کہ وہ علی برنگسا سے آگے بیلا فونڈ لا تک کے بارہ کلو میٹر کے علاقے میں پوسٹیں لگائے اور فٹ ہولڈ (Foothold) قائم کرے۔ ایسا کرنا آسان کام نہ تھا لیکن ایس ایس جی کی تو تشکیل ہی مشکل کاموں کے لئے کی گئی تھی!

علی برنگسا سے بیلا فونڈ لا تک کے علاقے پر نظر ڈالیں تو ویسے تو یہ ایک وادی سی بن جاتی ہے لیکن کہیں کہیں بڑے بڑے برف کے تودے بھی نظر آتے ہیں، جن کے نیچے پتھریلی زمین ہے۔ (تصویر دیکھئے)۔ بریگیڈیئر مشتاق نیازی جو اس زمانے میں 323 بریگیڈ کے کمانڈر تھے، انہوں نے ایس ایس جی کی رہبر کمپنی کو ٹاسک دیا کہ وہ اس مشکل صورت حال میں آسانی پیدا

کرنے کے لئے جلد از جلد اس جگہ کوئی فٹ ہولڈ قائم کرے۔ چنانچہ میجر لالی اور کیپٹن فرخ نے علی برنگسا سے دس میل آگے دشمن کی طرف جا کر ایک پوسٹ قائم کی۔ یہ پوسٹ گویا بیلافونڈلا کے عین منہ میں بنائی گئی تھی اور اس کا نام رہبر بٹالین کے نام پر "رہبر پوسٹ" رکھا گیا۔ بعد میں اس پوسٹ کو برقرار (Maintain) رکھنے کے لئے ایک اور پوسٹ بنائی گئی تو پھر ان دونوں پوسٹوں کو شناخت کے لئے رہبر 1 اور رہبر 2 کے نام دیئے گئے۔ آج بھی ان کے نام یہی ہیں اور یہ دونوں پوسٹیں پاکستان کے پاس ہیں۔ پاکستان کے لئے اب یہ ممکن ہو گیا کہ وہ ان پوسٹوں پر قدم جما کر مزید آگے کے علاقے کی تلاش و جستجو (Explore) کرے اور مزید پوسٹیں قائم کرے۔

دریں اثناء بریگیڈیئر مشتاق نیازی کی جگہ بریگیڈیئر خالد نواز نئے بریگیڈ کمانڈر تعینات ہو کر آئے تو انہوں نے نہایت سنجیدگی سے نئی پوسٹوں کا ڈول ڈالا۔ تاہم مشکل یہ تھی کہ پاکستان کی طرف سے درے کی طرف جاتے ہوئے شرح ڈھلان زیادہ ہو جاتی ہے اور جیسا کہ پہلے کہا گیا جب تک انسانی جرأتوں کی انتہائی آزمائش نہ کی جائے، ان برفانی عمودی بلندیوں پر چڑھنے اور وہاں پر کوئی مستقل چوکی قائم کرنے کے امکانات کچھ زیادہ روشن نہیں ہیں۔ نہ صرف ایس ایس جی بلکہ 1 این ایل آئی بٹالین جو ان ایام میں وہاں صف بند تھی، اس کو بھی تلاش و جستجو کا ٹاسک دیا گیا اور اس نے بھی یہی رپورٹ دی کہ یہ کام آسان نہیں۔ اس طرح ایک تعطل سا پیدا ہو گیا۔ پاکستانی کمانڈر دن رات اس سوچ میں غلطاں تھے کہ کسی نہ کسی طرح ایک ایسی بلندی پر قبضہ کیا جائے، جہاں پر بیلافونڈ درے پر بیٹھے ہوئے دشمن کو مغلوب کر کے اسے وہاں سے نکالا جا سکے۔

1 این ایل آئی کی جگہ اب اس علاقے میں 8 این ایل آئی کو تعینات کیا گیا تو اس میں ایک آفیسر ایسا بھی تھا جس کو قبل ازیں ان برفانی علاقوں میں آپریٹ کرتے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ وہ خنجراب اور قلندرچی وغیرہ پر کافی عرصہ تک رہا تھا۔............ اس کا نام کیپٹن اے غنی تابش تھا۔

کیپٹن تابش کو کمانڈر ایف سی این اے (جنرل صفدر) اور کمانڈر 323 بریگیڈ (بریگیڈیئر خالد نواز) نے اپنے ہیڈکوارٹر میں طلب کیا اور کہا کہ تم ایک عرصے سے ان علاقوں میں آپریٹ کرتے رہے ہو۔ علاقے سے واقفیت کی بنا پر اس امکان کا جائزہ لو کہ بیلا

فونڈلا کا ایک کندھا زیرِ قبضہ لایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سے آگے کا جو احوال ہے خود میجر تابش نے مجھے ایک انٹرویو میں بتایا، وہ انہی کی زبانی سنیے :

''میں 8 این ایل آئی میں پوسٹ تھا اور وہاں ایک کمپنی کمانڈ کر رہا تھا۔ ہم نے جب 1 این ایل آئی کو سبکدوش کیا تو مجھے کہا گیا کہ بیلافونڈلا کے بائیں شولڈر کی ریکی کروں اور وہاں ایک پوسٹ قائم کروں۔ ان علاقوں کے کوئی مصدقہ نقشے تو ہمارے پاس تھے نہیں۔ اگر ہوتے تو 1949ء میں پاک بھارت کے درمیان جو کراچی معاہدہ ہوا تھا، اس میں NJ 9842 کے بعد شمالی علاقوں کی حد بندی بھی کر دی جاتی...........!''

''اطلاعات و معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ ہمارے پاس وہ پورٹر تھے جو غیر ملکی کوہ پیماؤں کے ہمراہ ان علاقوں میں آتے جاتے رہے تھے۔ چنانچہ مجھے کسی ایسے پورٹر کی تلاش ہوئی جو بیلافونڈلا کے بائیں شولڈر تک اور اس کے پار گیا ہو۔ تلاش بسیار کے بعد آخر کار مجھے ایک پورٹر مل ہی گیا۔ اس کا نام غلام نبی تھا اور وہ ڈینسم (Dansam) کا رہنے والا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں اس ایریا میں جا چکا ہوں۔ اس بائیں شولڈر پر جانے کا راستہ یہ ہے کہ اسے بائیں طرف سے بازو کش کیا جائے۔ اس طرف ایک نالہ ہے جو گرم چشموں کی طرف سے آکر P-36 گلیشیر میں مل جاتا ہے۔ یہ P-36 گلیشر، سیاچن گلیشر ہی کا ایک حصہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں غلام نبی کہہ رہا تھا کہ ہم اس شولڈر پر پاکستان کی طرف سے نہیں، بلکہ بھارت کی طرف سے چڑھ سکتے ہیں۔''

''میں نے غلام نبی کو ساتھ لیا۔ میرے ساتھ دس پندرہ سپاہی اور بھی تھے۔ ہم اس شولڈر سے مغرب کی طرف چلے گئے اور پھر P-36 گلیشر کی طرف جا نکلے۔ یہ گلیشر سایالا کی طرف سے آتا ہے اور سیاچن میں آکر مل جاتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ بیلافونڈلا کی تمام رسدات اسی راستے سے بھارت کو مل رہی ہیں۔ یعنی سایالا کی طرف سے خچروں، گھوڑوں اور پورٹروں کا ایک قافلہ بیلافونڈلا کی طرف رواں دواں رہتا اور سپلائی برقرار رکھتا ہے۔ ہم ایک بولڈر کے پیچھے چھپ گئے اور شام کا انتظار کرنے لگے۔ رات آئی تو ہم نے دیکھا کہ رات کے وقت وہاں کوئی نقل و حرکت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم دو راتوں تک وہیں چھپے رہے اور دشمن کا مشاہدہ کرتے رہے کہ وہ کن کن اوقات میں وہاں سے گزرتا ہے۔ دو دنوں کے بعد جب ہم آخر کار اس شولڈر پر چڑھنے میں

کامیاب ہوئے تو سامنے عجیب منظر دیکھا............ لگتا تھا کہ بیلا فونڈ لا کی سکرین ہمارے قدموں میں بیٹھی ہے (سکرین پوزیشن، ہراول دفاعی پوزیشن ہوتی ہے۔ یہ ایک چھوٹی فورس ہوتی ہے جو مدفوعہ علاقے سے کچھ آگے بطور فارورڈ پوزیشن لگا دی جاتی ہے اور جس کا مقصد دشمن کے ریکی دستوں کو روکنا اور کسی ناگہانیت کی روک تھام کرنا ہوتا ہے۔) اور ہم اس کے سر پر چڑھے ہوئے ہیں۔ ان کی مارٹر اور گن پوزیشنیں یہاں سے صاف نظر آ رہی تھیں۔ ان کا کیمپ شمال مشرق کی طرف دو سے تین کلومیٹر تک پھیلا ہوا تھا۔''

میرے اس سوال پر کہ بھارت نے اس شولڈر پر اپنی کوئی پوزیشن قائم کیوں نہ کی، جبکہ ان کی طرف سے ڈھلان بھی تدریجی تھی۔ اگر ایک ایک پوسٹ دونوں کاندھوں پر قائم کر دی جاتی تو کیا پاکستان کے لئے مزید مشکلات نہیں پیدا ہو سکتی تھیں؟............ میجر تابش نے جواب دیا کہ یہ واقعی ان کی غلطی تھی۔ اس قسم کی ٹیکٹیکل غلطیاں بعد میں بڑے بڑے سٹریٹجک نتائج کا باعث بنتی ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے جا کر پڑھیں گے، پاکستان نے ان دونوں کاندھوں پر قائد اور رانا پوسٹ ضرور قائم کیں، جن کو ہم برقرار نہ رکھ سکے اور ہمیں انہیں چھوڑنا پڑا۔ آج یہ دونوں پوسٹیں (ایک پوسٹ اور ایک مشاہداتی چوکی) دشمن کے قبضے میں ہیں۔ لیکن ان پر قبضہ کرنے کے لئے بھارت کو بہت سی جانوں کا بلیدان دینا پڑا۔ میجر تابش نے تابش پوسٹ کے قیام کی مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا:

''اب ہم نے اپنی طرف لائن آف سپلائی تعمیر کرنی تھی۔ رہبر ون ہمارے پاس قبل ازیں موجود تھی۔ اس کے علاوہ علی برنگسا سے تھوڑا سا آگے بیلا فونڈ کی طرف جا کر ہم نے غازی پوسٹ بھی بنائی تھی۔ خوش قسمتی سے ان دنوں ایس ایس جی کے ایک آفیسر کیپٹن فرخ بھی اس علاقے میں موجود تھے۔ وہ سایالا سے پی۔36 گلیشئر تک جانے کے راستے کی ریکی کرنے آئے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ اس مقام پر ایک پوسٹ تعمیر کرنے میں ہماری مدد کریں۔ وہ رہبر 2 پر موجود تھے، انہوں نے بڑی تندہی سے یہ کام انجام دیا اور ہماری بہت مدد کی۔

''اگر پاکستانی علاقے (علی برنگسا) کی طرف سے بیلا فونڈ لا کے اس بائیں کندھے کی طرف نگاہ ڈالیں تو ہماری طرف سے اس شولڈر کی چوٹی پر جانے کا راستہ بہت عمودی ہے۔ تاہم

چوٹی سے ذرا سا نیچے پاکستانی علاقے کی طرف۔ خوش قسمتی سے ایک بہت بڑا تودا موجود تھا جس کا طول وعرض 35 x 25 فٹ ہوگا۔ ہم نے وہاں سے برف صاف کی اور پکے مورچے بنا لئے۔ میرے ساتھ 15 آدمی اور 5 پورٹر تھے، کوئی جے سی او نہ تھا۔ ایک این سی او اور باقی 14 جوان تھے۔ رسوں اور پتانوں کی مدد سے ہم نے اس شولڈر کے دامن سے تودے تک راستہ بنا لیا اور یہاں سے اوپر ٹاپ پر ایک مشاہداتی چوکی (او پی) بھی بنالی، جن پر دن رات چار جوان موجود رہتے تھے۔ ہم یہ خیال رکھتے تھے کہ دن کے وقت اتنا ''سر اونچا'' نہ کریں کہ دشمن کی نظر ہم پر پڑ سکے۔ البتہ ہم اس کی تمام نقل وحرکت کا مشاہدہ کر سکتے تھے۔ اس زمانے میں ہمارے پاس کلاشنکوف رائفلیں تھیں، جنہیں ایس ایم جی (SMG) کہا جاتا ہے۔ یہاں جی تھری رائفل ناکارہ ہو جاتی ہے۔ منفی 40 ڈگری سینٹی گریڈ ٹمپریچر میں یہ ہتھیار کام نہیں کرتا۔ لیکن کلاشنکوف ایک روسی رائفل ہے اور اس قسم کے موسم کے لئے ہی بنائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور بھاری ہتھیار نہ تھا۔ تاہم بعد میں سب کچھ آ گیا۔ حتیٰ کہ طیارہ شکن میزائل بھی!''

''جب یہ پوسٹ بن گئی تو ایک بہت بڑا بریک تھرو اور ایک بڑی کامیابی تھی۔ یہ پوسٹ دشمن کے فائر کی زد میں نہیں تھی۔ ہم نے ٹیلی فون کی لائن بچھا کر پوسٹ سے او پی تک سلسلہ مواصلات قائم کیا تا کہ دشمن اگر اس طرف آنے کی کوشش کرے تو او پی والے جوان ہمیں فوری طور پر مطلع کر سکیں۔ اب یہاں سے ہم بیلا فونڈ لا پر دشمن کی سکرین اور اس کے پیچھے اصل پوزیشنوں تک کو زیرِ نگاہ (Over look) رکھنے پر قادر تھے۔ جب یہ خبر بالا ہیڈ کوارٹر تک پہنچی تو وہاں مسرت کا اظہار کیا گیا۔ کمانڈر ایف سی این اے نے اس پوسٹ کا نام میرے نام پر ''تابش پوسٹ'' رکھا اور جنرل ہیڈ کوارٹر کو میری اس کارکردگی کے بارے میں آگاہ کیا، جس پر مجھے تمغۂ بسالت دیا گیا۔ میں سات آٹھ ہفتے اس پوسٹ پر رہا اور پھر واپس آ گیا۔ جون 1986ء میں مجھے گورنر بلوچستان کا اے ڈی سی منتخب کر لیا اور میں 8 این ایل آئی گلگت سے کوئٹہ جا پہنچا۔''

جب کیپٹن تابش واپس آیا تو اس کی جگہ جس آفیسر کو تابش پوسٹ پر بھیجا گیا۔ اسے کہا گیا کہ وہ اس پوسٹ سے آگے ایک اور پوسٹ قائم کرنے کے امکانات کا جائزہ لے۔ یہ آفیسر بھی 8 این ایل آئی میں تعینات تھا۔ اس نے جب جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ٹاپ پر جو چوٹی لائن ہے،

وہ تلوار کی دھار کی طرح تیز ہے اور اس پر کوئی پوسٹ یا او پی نہیں لگائی جا سکتی۔ البتہ اس سے ذرا آگے تقریباً سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ریورس سلوپ پر ایک چھوٹی سی جگہ موجود تھی۔ اس آفیسر نے اس پر ایک پوسٹ قائم کرنے کی تجویز دی، جسے منظور کر لیا گیا۔ یہاں صرف دو خیموں کی گنجائش تھی اور اس کا رابطہ تابش پوسٹ کے ساتھ (بذریعہ لائن ٹیلی فون) قائم تھا۔ اس آفیسر کا نام حیات رانا تھا۔ چنانچہ اس پوسٹ کا نام ''رانا پوسٹ'' رکھا گیا۔ یہ بھی وسط 1984ء کی بات ہے۔

اب صورت حال اس طرح تھی کہ بیلا فونڈلا کے بائیں شولڈر کی دونوں ریورس ڈھلانوں پر پاکستانی پوسٹیں قائم ہو چکی تھیں۔ علی برنگسا کی طرف تابش پوسٹ اور اس کی ریورس سلوپ پر بھارت کی جانب رانا پوسٹ............... لیکن یہی رانا پوسٹ ہماری آئندہ مشکلات کا سبب بنی!............ رانا پوسٹ کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ یہ دشمن کو نظر آتی تھی۔ چنانچہ ایک رات اس نے اس پوسٹ پر چھاپہ مارا اور ہمارے چار آدمی لا پتہ ہو گئے۔ مزید برآں وہ اپنے مارٹروں اور گنوں کا فائر اسی رانا پوسٹ پر لے آیا اور ہمیں از راہ مجبوری اسے خالی کرنا پڑا۔

اس پوسٹ کے مزید مغرب میں ایک اور پوسٹ اکبر بھی تھی۔ اس پر بھی ہم نے قبضہ کر لیا۔ دراصل یہ پوسٹ دشمن کی آرٹلری کی ایک او پی تھی۔ انڈین آرمی میں اکبر نام کا کوئی مسلمان آفیسر یا جے سی او تھا جس کے نام پر اس نے اپنی اس آرٹلری او پی کا نام اکبر او پی رکھا۔ بعد میں اس نے یہ او پی خالی کر دی تو ہم نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اب رانا اور اکبر دونوں پوسٹیں ہمارے قبضے میں تھیں، لیکن دونوں دشمن کی طرف سے مغلوب ہوتی تھیں اور جلد ہی دشمن نے ان دونوں پوسٹوں پر قبضہ کر لیا۔ اب بھی یہ پوسٹیں بھارت ہی کے پاس ہیں۔

لا بنکر پوسٹ بھی سیالا کی طرف ہے اور یہ رانا اور اکبر پوسٹوں کے گرد و نواح میں ان سے تھوڑا سا مغرب کی جانب واقع ہے اور اس پر بھارت قابض ہے۔

اس زمانے میں جب یہ پوسٹیں قائم کی گئیں تو بیلا فونڈ درے پر دشمن کی نفری ایک کمپنی سے زیادہ تھی۔ دس پندرہ جھونپڑیاں (Hutments) سامنے ہی نظر آتی تھیں اور پھر سایالا کی طرف سے جو راشن وغیرہ آتا تھا، اس کی تعداد اور مقدار کو دیکھ کر ہم نے اندازہ لگایا تھا کہ بیلا فونڈ میں دشمن کی نفری ایک کمپنی سے زیادہ ہے۔

جب تابش پوسٹ قائم ہوگئی اور اس پر ہر قسم کے ہتھیار جمع کر لئے گئے تو دشمن کی سپلائی لائن جو سایالا سے آیا کرتی تھی، وہ بند ہوگئی۔ اب وہ بیلافونڈلا سے 144 کلومیٹر عقب سے پیدل چل کر سپلائی لاتے تھے۔ ہم نے ان کی سکرین بھی پیچھے دھکیل دی اور آرٹلری کا ایک دیدبانی آفیسر (FOO) لاکر علی برگنسا سے ان کے اوپر توپخانے کا فائر گرایا تو ان کی گن پوزیشنوں، مارٹر پوزیشنوں اور اصل (Main) مورچوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ چونکہ ہم نے طیارہ شکن میزائل بھی منگوالئے تھے اور طیارہ شکن توپیں بھی آگئی تھیں، اس لئے دشمن اب اس علاقے میں ہیلی کاپٹر اور جہاز وغیرہ بھی نہیں لاسکتا تھا۔

تابش پوسٹ سے ذرا پیچھے وزیر پوسٹ بنائی گئی تھی۔ یہ پوسٹ تابش سے بھی پہلے بنائی گئی تھی۔ لیکن یہ زیادہ محفوظ نہیں تھی اور دشمن کا فائر کسی بھی وقت اس پر آسکتا تھا۔ دراصل میجر تابش کو جب بائیں شولڈر کے نزدیک ایک پوسٹ کے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈنے کا ٹاسک دیا گیا تو اس نے وزیر پوسٹ پر چڑھ کر ہی تابش کو منتخب کیا تھا۔ اس پوسٹ کو 8 این ایل آئی کے ایک آفیسر کیپٹن دلنواز وزیر کے نام پر وزیر پوسٹ کا نام دیا گیا تھا۔ البتہ جب کیپٹن تابش یہاں پہنچے تو یہ پوسٹ خالی تھی۔ تابش نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کو کہا کہ اگر کسی وقت ہمیں تابش چھوڑنی بھی پڑے تو ہم اس پوسٹ پر تو آسکتے ہیں، اس لئے اس کو خالی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ چنانچہ تابش کی سفارش پر کمانڈنگ آفیسر نے ایک سیکشن وہاں بھیجی اور خود تابش کو فارغ کر کے مزید آگے بھیجا گیا۔

اس طرح بائیں شولڈر پر اپنی پوزیشن محفوظ کرنے کے بعد پاکستان نے اب دائیں شولڈر پر بھی توجہ مرکوز کی تاکہ دونوں بازوؤں سے بیلافونڈ کو زیرِ خطر (Threaten) کر دیا جائے۔

17 جولائی 1986ء کو 323 بریگیڈ نے ایس ایس جی کی قائد کمپنی کو ٹاسک دیا کہ بیلافونڈ درے کے دائیں شولڈر پر بھی ایک پوسٹ قائم کرنے کا جائزہ لیا جائے۔ چنانچہ دس دنوں کے اندر اندر یہ پوسٹ قائم کر دی گئی اور اس کا نام قائد کمپنی کے نام پر قائد پوسٹ رکھا گیا۔ اس کی بلندی 21 ہزار فٹ ہے۔ اس قائد پوسٹ کو سپورٹ کرنے کے لئے غازی پوسٹ اور قائد پوسٹ کے درمیان ایک وسطانی کیمپ قائم کرنا ضروری تھا، جس کا نام ''قائد بیس'' رکھا گیا (تصویر

دیکھیئے)۔ان ناموں کا کوئی تعلق حضرت قائدِ اعظم سے نہیں تھا(جیسا کہ بھارت نے بعد میں پراپیگنڈہ کیا۔ یہ قائد کمپنی کے نام پر بنائی گئی ہیں، پوسٹ اور او پی تھی) غازی پوسٹ سے قائد پوسٹ تک پہنچنے میں گیارہ بارہ گھنٹے لگ جاتے تھے اور آخری دو ہزار فٹ کی اونچائی تو نہایت عمودی تھی اور سلوپ کی شرح بلندی(Gradient) 70 سے 85ڈگری تک تھی۔ تاہم قائد پوسٹ پر جا کر سامنے اور آس پاس نگاہ دوڑائیں تو دور دور تک منظر صاف کھل جاتا تھا۔لہٰذا قائد پوسٹ زبردست اہمیت کی حامل تھی۔ تاہم اس پوسٹ کے اوپر چونکہ جگہ بہت تنگ تھی، اس لئے مستقل طور پر یہاں ٹروپس کا مقیم رکھنا ازبس دشوار تھا۔اس پوسٹ سے چند سو گز نیچے ایک اور جگہ تھی، جہاں ٹروپس کے خیمے وغیرہ بنائے جاسکتے تھے۔اس جگہ سے اوپر پوسٹ تک رسوں کی مدد سے ہی جایا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اوپر والی پوسٹ کو''قائد او پی'' کا نام دیا گیا اور نیچے والی پوسٹ کو، جہاں ایک دو خیمے نصب کئے جاسکتے تھے،قائد پوسٹ کا نام دیا گیا۔قائد پوسٹ سے قائد او پی تک جانے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگتا تھا۔ چنانچہ اب معمول یہ بن گیا کہ صبح پہلی روشنی سے پہلے''او پی'' پر جا کر قبضہ کرلیا جاتا اور شام کو آخری روشنی کے بعد لوگ واپس''پوسٹ'' پر آجاتے۔ دوسری طرف یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ دشمن چونکہ بیلا فونڈلا پر بیٹھا تھا اور بیلا فونڈلا سے قائد پوسٹ اور قائد او پی تک جانے والے روٹ پر فائر گرایا جاسکتا تھا،اس لئے ازراہ احتیاط ہماری تمام نقل و حرکت رات کے وقت کی جاتی تھی۔ یعنی وہی پریکٹس جس کا ذکر قبل ازیں تابش پوسٹ کے قیام کے ضمن میں کیا گیا۔

1986 کا موسم سرما شروع ہوا تو اس کے تیور اس بار کچھ زیادہ ہی بگڑ گئے۔ قائد پوسٹ کو قائد بیس کی جانب روزانہ بنیادوں پر سپورٹ کیا جاتا تھا۔یعنی راشن پانی اور اسلحہ بارود وغیرہ کی سپلائی روزانہ بنیادوں پر ہوتی تھی، جس کے لئے پورٹر(قلی) درکار تھے۔سردیاں زیادہ شدید ہوگئیں اور موسم زیادہ طوفانی ہوگیا تو پورٹروں نے اوپر جانے سے انکار کردیا۔ پاکستان کے پاس اس وقت صرف برفانی خیمے تھے جو نائلون فیبرک کے بنے ہوئے تھے۔اگلو جو فائبر گلاس سے بنائے جاتے ہیں، وہ بعد میں خریدے گئے۔ 22 نومبر 1986ء کو کمپنی کمانڈر قائد کمپنی نے ہیڈ کوارٹر 323 بریگیڈ کو درخواست کی کہ یا تو اس پوسٹ کو سردیوں میں ترک کردیا جائے یا فائبر

گلاس سے بنے ہوئے اگلو ہیلی کاپٹر کی مدد سے گرائے جائیں اور بعد میں تمام رسدات کی مسلسل فراہمی بھی ہیلی کاپٹروں کی مدد سے قائم رکھی جائے کہ پیدل مارچ کرنا اب تقریباً ناممکن ہوگیا تھا۔ بعض لوگ بیمار ہوگئے، جن کو ہیلی کاپٹروں کے ذریعے واپس لے جایا گیا۔

24 نومبر 1986ء کو 323 بریگیڈ نے فیصلہ کیا کہ قائد پوسٹ موسم سرما میں بھی ترک نہیں کی جائے گی۔ لیکن دو روز بعد جب موسم بہت زیادہ خراب ہوگیا تو کمانڈر 323 بریگیڈ کو عارضی طور پر یہ قائد پوسٹ ترک کرنا پڑی۔

دریں اثناء قائد کمپنی کی جگہ لینے کے لئے کمال کمپنی آ چکی تھی۔ 30 نومبر 1986ء کو کمال کمپنی کے لوگ قائد کمپنی کو سبکدوش کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ لیکن موسم کی خرابی کے باعث وہ بھی اس پوسٹ کو برقرار نہ رکھ سکے اور دسمبر 1986ء میں اسے ترک کرنا پڑا۔ انہی ایام میں کمانڈر ایس ایس جی بھی یہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل چار سفارشات پیش کیں:

1۔ موسم اور آب و ہوا کی شدت کے باعث یہ امر از بس مشکل ہوگا کہ قائد پوسٹ پر خیمے نصب کر کے ان میں رہائش رکھی جا سکے۔ ایس ایس جی اور این ایل آئی ٹروپس نے گزشتہ ایک دو ماہ میں اپنی سی کوششیں کی ہیں لیکن ان کو کامیابی نہیں مل سکی۔ طویل فاصلوں تک مارچ کرنے کے بعد تکان اور سردی کی شدت ان کے عزم میں حائل ہو جاتی ہے اور وہ مستقل طور پر پوسٹ پر قیام نہیں کر سکتے اس لئے بہتر ہوگا کہ موسم کے بہتر ہونے تک ایس ایس جی اور این ایل آئی ٹروپس پر مشتمل قائم پٹرول (Standing Patrols) صبح کو قائد پوسٹ تک بھیجے جائیں جو شام کو قائد بیس پر واپس آ جائیں۔

2۔ قائد بیس سے قائد پوسٹ اور پھر قائد او پی تک جانے میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ ایک تو مسافت بہت زیادہ ہے، دوسرے موسم بہت خراب رہتا ہے۔ طوفان اور جھکڑ ہر وقت چلتے رہتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ کمپنی کمانڈر اور دوسرے کلیدی افراد کو آپریشنل ایریا تک پہنچانے کے لئے لاما ہیلی کاپٹر استعمال کئے جائیں۔

3۔ قائد بیس اور قائد پوسٹ پر راشن اور مٹی کے تیل وغیرہ کی ڈمپنگ کا کام 323 بریگیڈ کے ''کیو'' سٹاف کی زیر نگرانی انجام پائے۔ لڑاکا ٹروپس کے لئے

ڈمپنگ کرنا اور پھر آپریشنل ٹاسک بھی خود انجام دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

4۔ موسم سرما میں ان بلندیوں پر قیام کرنا بہت سی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ اس میں افرادی قوت کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ لوگ بیماری کا زیادہ شکار ہوتے ہیں اور راشن کی ڈمپنگ کے لئے زیادہ نفری درکار ہوتی ہے، اس لئے جب ایس ایس جی کی کوئی کمپنی ان آپریشنوں میں استعمال کی جائے تو اسے ایک وقت میں ایک ہی کام دیا جائے۔

1987ء

ایک ماہ تک یہ سلسلۂ آمد و رفت اسی طرح چلتا رہا۔ کبھی ایک پوسٹ ترک کر دی جاتی اور کبھی دوسری پر قبضہ کر لیا جاتا۔ آخر 6 جنوری 1987ء کو کمال کمپنی قائد پوسٹ پر آ گئی۔ فائبر گلاس کے خیمے بھی مل چکے تھے اور راشن اور مٹی کے تیل کی ڈمپنگ بھی ایک حد تک ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ''قائد او پی'' پر مقیم رہنا دشوار ہو چکا تھا۔

اب تک بہت کوشش کی گئی تھی کہ قائد او پی کی لوکیشن کا دشمن کو علم نہ ہو۔ لیکن مارچ 1987ء میں 323 بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کے احکامات کے مطابق دشمن پر براہ راست فائر گرایا گیا تو او پی کی لوکیشن کی پوشیدگی ختم ہو کے رہ گئی۔ کمال کمپنی کو حکم دیا گیا کہ اس او پی سے دشمن کے زمینی اور فضائی اہداف کو نشانہ بنایا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے قائد او پی اور قائد پوسٹ کو رجسٹر کر لیا اور اس پر توپخانے کا شدید فائر آنا شروع ہو گیا۔ اب کمال کمپنی کا دورانیہ پورا ہو چکا تھا اور اس کی جگہ لینے کے لئے مارچ 1987ء کے اوائل میں شاہین کمپنی آ چکی تھی۔

پاکستان کی یہ قائد او پی دشمن کو بہت تنگ کر رہی تھی۔ اس کی قوت یہ تھی کہ یہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی تھی، اس کی لاجسٹک سپورٹ اور سپلائی لائن کے لئے خطرہ تھی اور اس کی آزادئ عمل کی راہ میں حائل تھی۔ اور اس کی کمزوری یہ تھی کہ اس کو برقرار (Maintain) رکھنا مشکل تھا۔ پاکستان کی طرف سے اس کی سلوپ شدید (Sheer) اور عمودی تھی، جبکہ بھارت کی طرف سے آسان اور تدریجی تھی۔ اس کے علاوہ بھارت کی طرف سے اپروچ میں بہت سے تودے (باؤلڈر) وغیرہ موجود تھے جو انفنٹری اٹیک کے لئے مددگار تھے۔ بھارت نے اس او پی

پر قبضے کا جو منصوبہ بنایا اس کے نمایاں ترین خدوخال یہ تھے کہ ایک تو اس پر دن کے وقت چارج کیا جائے اور دوسرے وہ رسے کہ جن کی مدد سے پاکستانی ٹروپس اس او پی پر چڑھتے ہیں، ان کو آرٹلری اور مارٹر فائر کر کے توڑ پھوڑ دیا جائے اور اس طرح او پی پر موجود پاکستانی ٹروپس کہ جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک سیکشن (دس گیارہ آدمی) تھی، ان کو قائد پوسٹ اور قائد بیس سے کاٹ کر تنہا کر دیا جائے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جب عقب سے اس او پی کو راشن پانی اور گولہ بارود ہی نہیں ملے گا، تو پھر یہ کب تک اپنا وجود برقرار رکھ سکے گی۔

اپنے اس پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھارت نے 29 مئی 1987ء کو دن کی روشنی میں پہلا حملہ کیا۔ یہ ایک قسم کا سراغی (Probing) حملہ بھی تھا۔ دشمن یہ جاننا چاہتا تھا کہ پاکستان اس او پی کی ڈیفنس میں کس طرح کا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ بھارتی ٹروپس جب او پی سے صرف 200 گز دور رہ گئے تو ان کی آمد کا علم ہوا۔ میجر ارشاد الرحیم کمپنی کمانڈر شاہین کمپنی خود او پی پر گئے اور جوانوں کا حوصلہ بڑھایا۔ صوبیدار غلام رسول اس وقت اپنے پانچ جوانوں کے ہمراہ اس او پی پر تھے۔ انہوں نے آگے بڑھتے دشمن پر فائر کیا اور یہ بھارتی حملہ آور دستہ سات لاشیں پیچھے چھوڑ کر پسپا ہو گیا۔ دشمن کی طرف سے اس او پی پر قبضہ کرنے کی یہ پہلی سنجیدہ کوشش تھی۔ اس کے بعد انہوں نے چار پانچ سو گز پیچھے جا کر پوزیشن سنبھال لی اور او پی پر ایک اور حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اگر فوری طور پر اسی او پی کی مدد سے توپخانے کا فائر ان بھارتی ٹروپس پر گرایا جاتا اور انہیں چار پانچ سو گز پیچھے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کی اجازت نہ دی جاتی تو صورت حال سنبھل سکتی تھی، لیکن یہ قیمتی وقت بے عملی کی نذر کر دیا گیا۔

قائد او پی کے سامنے دشمن یعقوب پوسٹ پر بھی قابض تھا۔ یعقوب پوسٹ 1984ء کے وسط میں 8 این ایل آئی نے قائم کی تھی۔ اس کا نام اسی 8 این ایل آئی کے صوبیدار یعقوب کے نام پر رکھا گیا تھا۔ بعد میں بھارت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ یعقوب پوسٹ کے ساتھ ہی مزید عقب میں اس کی ایک اور پوسٹ بھی تھی، جس کا نام پریم پوسٹ تھا۔ دشمن انہی پوسٹوں اور ان سے ذرا آگے پتھریلے برفانی تودوں کے پیچھے پوزیشن لے کر بیٹھا ہوا تھا۔

اب جون 1987ء کا وسط آ گیا تھا۔ صوبیدار غلام رسول کی جگہ نائب صوبیدار عطا محمد

کو اس او پی پر بھیجا گیا۔ قائد بیس سے کیپٹن نثار یوسف زئی نے 13 جون کی شب 8 بجے ان کو رخصت کیا اور وہ اڑھائی گھنٹے کے سفر کے بعد رات کے ساڑھے دس بجے قائد او پی پر پہنچ گئے۔

نائب صوبیدار عطا محمد 20 ستمبر 1944ء کو سرگودھا کے ایک گاؤں چک 125 شمالی میں پیدا ہوئے، سلاں والی ہائی سکول سے میٹرک کیا اور 7 جون 1965ء کو اے ایس سی (آرمی سروس کور) میں بھرتی ہو گئے۔ 20 جنوری 1970ء کو ایس ایس جی جوائن کی۔ انہیں شاہین کمپنی کے ساتھ مشرقی پاکستان بھیجا گیا جہاں سے جنگ دسمبر 1971ء سے کچھ پہلے وہ اپنی کمپنی کے ساتھ واپس مغربی پاکستان آ گئے۔ نہایت تنومند اور چاق و چوبند جسم کے مالک تھے، ذہین، دلیر اور نڈر جے سی او تھے، پابند صوم وصلوٰۃ تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وطن کی محبت سے ان کا رواں رواں سرشار تھا۔

18 جون 1987ء تک اس او پی پر ایک جے سی او اور پانچ جوان تھے۔ 19 جون کو دو جوان اور آ گئے اور اس طرح یہاں نفری کی کل تعداد آٹھ ہو گئی جس میں نائب صوبیدار عطا محمد کے علاوہ سپاہی نصر اللہ، جہاں زیب، فیاض، شیر علی، اللہ یار، ارشد اور ذوالفقار شامل تھے۔ دشمن کی مسلسل گولہ باری کی وجہ سے او پی کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پچاس پچاس فٹ لمبے 93 رسے تھے جن کی مدد سے اس او پی کو گولہ بارود اور راشن وغیرہ سپلائی کیا جاتا تھا۔ ان میں سے بیشتر گولہ باری سے تباہ ہو گئے۔ دشمن کا سارا زور سپلائی فراہم کرنے کے ان وسائل کو غارت کرنے پر تھا۔ 23 اور 24 جون کی درمیانی شب قائد بیس سے چار آدمیوں پر مشتمل ایک پارٹی قائد او پی کو روانہ کی گئی۔ مجوزہ طریقہ کار یہ تھا کہ او پی سے دو تین آدمی نیچے آنا شروع کرتے تو قائد بیس سے سپلائی لے کر آنے والی پارٹی اوپر جانا شروع کر دیتی۔ اس طرح درمیان میں ''لین دین'' کا عمل انجام پاتا۔ لیکن رسوں کے کٹ جانے کی وجہ سے مواصلات کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ او پی پر مٹی کا تیل، راشن اور ایمونیشن ختم ہو رہا تھا۔ 24 جون کو پھر کوشش کی گئی اور پھر ناکامی ہوئی۔ دشمن اپنا دباؤ بڑھا رہا تھا۔ دریں اثناء ایک گولہ عین او پی کے اوپر آ کر پھٹا اور ایک سپاہی کی ٹانگ کٹ کر دور جا پڑی۔ ایک اور گولہ نائب صوبیدار عطا محمد کو لگا اور اس کا بازو جسم سے الگ ہو گیا۔ وائرلیس کی بیٹری کہیں برف میں دب گئی تھی جس سے رابطہ منقطع تھا۔ پھر ایک اور گولہ گرا اور برف

سر کی تو بیٹری مل گئی۔ اس طرح ریڈیو رابطہ بحال ہوا تو نائب صوبیدار عطا محمد نے زور دے کر قائد پوسٹ والوں کو کہا کہ راشن بے شک نہ بھیجو، گولہ بارود ضرور بھیج دو۔ لیکن اگر کوئی پارٹی او پی تک پہنچ سکتی تو وہ یہ دونوں آئٹم لے کر جا سکتی تھی۔ دشمن فائر کرتا رہا اور او پی والوں کا جانی نقصان ہوتا رہا۔ 24 جون کو ایک اور سپاہی دشمن کے راکٹ سے شہید ہو گیا۔ عطا صاحب نے فیاض، ارشد اور ذوالفقار کو زور دے کر کہا کہ وہ کٹے پھٹے رسوں کا سہارا لے کر نیچے کود جائیں۔ ان تینوں نے انکار کیا تو عطا نے کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اپنی جان بچاؤ۔ میں خود آخری سانس تک لڑوں گا۔ انہوں نے مجبوراً چھلانگیں لگا دیں اور گرتے پڑتے بعد میں زندہ قائد پوسٹ تک پہنچ گئے۔

اب قائد او پی پر تین لاشیں اور ایک شدید زخمی سپاہی پڑا تھا۔ عطا خود بھی شدید زخمی تھا لیکن وہ سچ مچ آخری سانس اور آخری گولی تک لڑتا رہا۔ دشمن کو معلوم تھا کہ اب پاکستانی اس او پی پر زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے، چنانچہ انہوں نے او پی کی طرف ایڈوانس شروع کیا۔ اپنا توپ خانہ بھی فائر کر رہا تھا لیکن یہ جوابی فائر کارگر نہیں تھا۔ زمین کی جغرافیائی بناوٹ بھارت کی معاون تھی۔ بلکہ الٹا یہ ہو رہا تھا کہ بھارتی گولہ باری کے ساتھ ہی پاکستانی گولہ باری کی وجہ سے بھی رسوں کی توڑ پھوڑ ہو رہی تھی۔ قائد پوسٹ اور قائد او پی پر اب بیک وقت بھارت کی طرف سے چھ چھ گولے گر رہے تھے۔ نائب صوبیدار عطا محمد کے ساتھ جو زخمی جوان تھا، وہ بھی زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا تو عطا اکیلا رہ گیا۔

بھارت کی طرف سے 26 جون 1987ء کو جب صوبیدار بنا سنگھ او پی پر پہنچا تو وہاں خاموشی تھی۔ ایمونیشن ختم تھا اور دو لاشیں دائیں بائیں پڑی ہوئی تھیں۔ بنا سنگھ کو عطا محمد کی تلاش تھی۔ وہ ایک اگلو کی طرف بڑھا۔ اگرچہ اندر خاموشی تھی لیکن اس نے اپنی گن کی ساری گولیاں اس اگلو پر برسا کر یہ یقین کر لیا کہ اگر کوئی وہاں ہو بھی تو مزاحمت نہ کر سکے۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ عطا محمد کے پاس ایک گولی بھی باقی نہیں بچی تھی، سارے دستی بم استعمال ہو چکے تھے، اس کے بازو اور ٹانگیں کٹ کر نجانے کہاں کہاں جا پڑی تھیں اور اس کی روح بنا سنگھ کے برسٹ سے پہلے ہی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی!

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپریشن قیادت

27 جون 1987ء کو جب قائد اوپی پر دشمن کا قبضہ ہو گیا تو یہ اس کی ایک اہم کامیابی تھی۔ قائد اوپی کے پیچھے یعقوب اور پریم اس کی دو پوسٹیں اور بھی تھیں۔ اس طرح پریم سے یعقوب اور قائد اوپی تک ان کا ایک دفاعی سلسلہ قائم ہو گیا۔ اب وہ اس اوپی سے ہماری پوزیشنوں کو جو قائد اوپی کے نیچے تھیں، زیر نظر رکھ سکتے تھے۔ بیلافونڈلا میں ان کا اپنا ایک بازو محفوظ ہو گیا تھا۔ دوسرے بازو پر رانا اور اکبر پر وہ قبل ازیں قبضہ کر چکے تھے۔ اس طرح بیلافونڈ درے کے دونوں شولڈر اب بھارت کے قبضے میں تھے۔ جب کسی درے اور اس کے دائیں بائیں کے دونوں کاندھے آپ کے تسلط میں ہوں تو آپ چین کی نیند سوئیں گے اور سکھ کی بانسری بجائیں گے .... بھارتی اب یہی کر رہے تھے!

لیکن پاکستان ایسا ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بالا ہیڈ کوارٹروں میں اس موضوع پر کافی بحث و تمحیص ہوئی اور مستقبل کے پلان بننے لگے۔ قائد اوپی کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد قائد پوسٹ اب تک 2 این ایل آئی کے قبضے میں تھی۔ شاہین کمپنی کو سبکدوش کرنے کے لئے اب 3 کمانڈو بٹالین سے ابراہیم کمپنی کو بھیجا گیا۔ ابراہیم کمپنی آب و ہوا کے ساتھ مانوس ہونے کا عرصہ گزارنے کے بعد آپریشنوں کے لئے تیار تھی۔ اس کو ٹاسک دیا گیا کہ قائد اوپی دشمن سے واپس لی جائے۔ کمپنی نے اس ٹاسک کی تکمیل کے لئے ضروری ریکی شروع کر دی اور جو معلومات اسے اگلے مدفوعہ مورچوں (FDLs) سے حاصل ہوئیں، ان کی روشنی میں حملے کا پلان تشکیل پانے لگا تو ایک نئی پیشرفت سامنے آئی۔

وہ پیشرفت یہ تھی کہ 24 جولائی 1987ء کو 3 کمانڈو بٹالین کا ٹیکٹیکل ہیڈ کوارٹر بھی سکردو آن پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ یعقوب کمپنی بھی تھی، جو کامرہ سے ائرلفٹ کر کے سکردو لائی گئی تھی۔ 28 جولائی کو ٹیکٹیکل ہیڈ کوارٹر اور یعقوب کمپنی سکردو سے گیاری پہنچ گئے۔ پھر اگلے ماہ یعنی 13 اگست کو 2 کمانڈو بٹالین کی غازی کمپنی بھی گیاری میں ان سے آن ملی اور مزید دو دن بعد 3 کمانڈو کی زکریا کمپنی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اب گیاری میں ابراہیم، غازی اور زکریا یعنی تین کمپنیاں پہنچ گئی تھیں۔ یعقوب کمپنی پہلے سے اس علاقے میں تھی۔ اس طرح اب یہ چار ایس ایس

جی کمپنیاں 3 کمانڈو کے ٹیکٹیکل ہیڈ کوارٹر کے ساتھ یہاں پہنچیں تو سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ کوئی بڑا آپریشن شروع ہونے والا ہے۔

جلد ہی اطلاع ملی کہ صرف قائد او پی نہیں، بلکہ پورے بیلا فونڈ سیکٹر پر قبضہ کرنے کا پلان بنایا جا رہا ہے۔ حسب ضابطہ یہ پلان کمانڈر ایف سی این اے اور کمانڈر 323 بریگیڈ کو پیش کیا گیا اور وہاں سے منظوری لینے کے بعد کمانڈر 10 کور کو اس منصوبے کی تفصیلی بریفنگ دی گئی۔ ریکی پارٹیاں اپنے اپنے مفوضہ مشنوں پر روانہ کر دی گئیں اور راستوں کو مارک کرنے والی ٹیمیں بھی آگے بھیج دی گئیں۔ اب صرف جنرل ہیڈ کوارٹرز سے حتمی فیصلے کا انتظار تھا۔ دو چار روز بعد جی ایچ کیو کی طرف سے اطلاع ملی کہ بالا کمانڈروں نے بیلا فونڈ لا پر قبضہ کرنے کی منظوری نہیں دی۔ البتہ یہ حکم دیا ہے کہ بیلا فونڈ درے کے بائیں شولڈر پر واقع رانا اور اکبر پوسٹوں پر قبضہ کیا جائے اور جب یہ قبضہ ہو جائے تو پھر بیلا فونڈ لا پراپر (Proper) پر قبضے کا پلان بنایا جائے۔ چنانچہ ریکی اور ابزرویشن کی جو ٹیمیں بیلا فونڈ لا کی طرف بھیجی گئی تھیں، ان کو واپس گیاری بلا لیا گیا اور انہیں رانا اور اکبر پوسٹوں پر قبضہ کرنے کے نئے مشن سے مطلع کیا گیا۔

اس عمومی علاقے میں جو پوسٹیں اور فیچر موجود تھے، ان کی کچھ تفصیلات ہم نے سطور گزشتہ میں بیان کر دی تھیں، تاہم یاد دہانی کے لئے ایک بار پھر ان کا ذکر کر دیتے ہیں۔ رہبر ون، رہبر ٹو، تابش، قائد بیس، قائد پوسٹ، وزیر پوسٹ اور غازی بیس کے علاوہ انگل فیچر بھی اس علاقے میں تھے۔ (تصویر دیکھئے)۔

سایالا، بیلا فونڈ لا کے بائیں جانب واقع ہے۔ وہاں دشمن کی ایک پیالہ پوسٹ تھی جو خاصی مستحکم اور بڑی تھی اور اس میں تقریباً ایک پلاٹون کی نفری خیمہ زن تھی۔ وہاں سے دشمن کے فائر کو روکنے کے لئے پیالہ پوسٹ کے بالمقابل پاکستانی علاقے میں واقع الہٰ دین پوسٹ پر ایک آفیسر کو ایک سیکشن کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ دوران آپریشن دشمن کے اس بازو کا سر دبا (Pindown) کے رکھے۔ اس کا مزید ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ ایس ایس جی کی چاروں کمپنیوں نے حملے میں حصہ لینا تھا۔ پہلے مرحلے میں غازی کمپنی نے رانا پوسٹ پر اور دوسرے مرحلے میں اکبر پوسٹ پر قبضہ کرنا تھا۔ تیسرے مرحلے میں غازی کمپنی نے رانا و اکبر پوسٹوں پر قبضہ کر کے

ان دونوں پوسٹوں پر اپنا کنٹرول مستحکم بنانا تھا۔

یعقوب کمپنی نے رہبر 2 پر ایک فائر بیس قائم کرنا تھی اور غازی کمپنی کو اس کے تمام آپریشنوں میں فائر سپورٹ فراہم کرنا تھی۔ ڈی ڈے سے اگلے روز اکبر پوسٹ کے عقب میں ایک پلاٹون کے ساتھ دشمن کی ایک دفاعی پوزیشن پر چھاپہ مار کر وہاں ایک بلاکنگ پوزیشن قائم کرنا تھی۔

زکریا کمپنی کا رول ریزرو کمپنی کا تھا۔ اس نے ڈی ڈے اور اس کے بعد اگلے روز بیلا فونڈ ایریا میں ایک لڑاکا گشت بھیجنی تھی تاکہ دشمن کی توجہ اس طرف مبذول رکھی جائے اور اس کے بعد غازی پوسٹ کے علاقے میں واپس آکر غازی اور یعقوب کمپنیوں کو (بشرط ضرورت) سبکدوش (Relieve) کرنا تھا۔

ابراہیم کمپنی نے تمام آپریشن کے لئے بندوبستی (Administrative) سپورٹ فراہم کرنی تھی، زخمیوں اور شہداء کو نکالنا تھا اور غازی اور یعقوب کمپنیوں کو (ضرورت پڑنے پر) ضروری مدد فراہم کرنی تھی۔

اس آپریشن کو توپخانے کا فائر فراہم کرنے کے لئے آرٹلری فائر سپورٹ پلان بنایا گیا۔ 81 ایم ایم مارٹروں کی ایک پلاٹون، ٹو (TOW) میزائلوں کا ایک دستہ، 75 ایم ایم آر آر (ریکائل لیس رائفل) کا ایک دستہ اور سٹنگر میزائل دشمن کے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں سے نمٹنے کے لئے استعمال کیے جانے تھے۔

بیلافونڈ سیکٹر میں بھارت کی دفاعی پوزیشنوں میں نفری کی کیفیت کچھ اس طرح تھی کہ اکبر پوسٹ پر ایک سیکشن، رانا پوسٹ پر ایک سیکشن، لابنکر پر ایک سیکشن، قائد او پی پر ایک پلاٹون اور اس کے پیچھے یعقوب پوسٹ پر بھی ایک پلاٹون موجود تھی۔ سایالا سیکٹر میں پیالہ فیچر کے گردونواح میں بھی دشمن کی سرگرمیاں مشاہدہ کی گئی تھیں اور جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا، اس کی ایک پلاٹون اس پوسٹ پر خیمہ زن تھی۔ اس پیالہ پوسٹ کے عقب میں P-36 گلیشیر پر اس کی پوری ایک بٹالین موجود تھی جو ضرورت پڑنے پر اپنے اگلے مورچوں کو سپورٹ دے سکتی تھی۔ خود اکبر، رانا اور لابنکر کی بھارتی پوزیشنیں خاصی مستحکم تھیں اور وہاں بالائے سر حفاظت والے مورچے موجود تھے۔ ان تمام پوسٹوں پر دشمن کے پاس وسائل شب دید (NVDs) بھی موجود تھے۔ یعنی وہ رات کی تاریکی میں بھی آپریشن

جاری رکھ سکتا تھا۔ ان پوسٹوں سے دشمن کبھی کبھی پاکستان کی رہبرون پوزیشن پر فائرنگ کرتا رہتا تھا۔
اس خطرے کے سدباب کے لئے پاکستان نے الہ' دین پوسٹ پر ایک سیکشن بھیجا۔

اپریل 1987 میں 7 این ایل آئی میں ایک آفیسر، کیپٹن سہیل عامر خان کی پوسٹنگ ہوئی۔ اسے بٹالین میں پہنچنے کے بعد برفانی آب و ہوا سے مانوس ہونے کا عرصہ گزارنے کا موقع دیئے بغیر الہ' دین پوسٹ پر جانے کا حکم ملا۔ اس پوسٹ کا نام ایس ایس جی کے ایک شہید صوبیدار کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جو صابر پوسٹ پر ایک کریواس (برفانی دراڑ) میں گر کر ہلاک ہو گیا تھا۔ کرمنڈنگ سے الہ' دین تک جائیں تو راستے میں گرم چشمہ، صابر اور یاسین نام کی تین پوسٹیں آتی ہیں۔ کیپٹن سہیل ایک رات صابر پوسٹ پر ٹھہرا اور اگلے روز الہ' دین کیلئے روانہ ہو گیا۔ یہ پوسٹ 20000 فٹ بلند تھی۔ یہاں ایک سیکشن کی نفری تھی اور 120 ایم ایم کے دو مارٹر بھی پوسٹ سے تھوڑا سا نیچے لگے ہوئے تھے۔ مارٹروں کے اس دستے کی نفری سات تھی اور اس طرح ان کو ملا کر پوسٹ پر سترہ آدمی بن جاتے تھے۔ الہ' دین پوسٹ کے عین اوپر الہ' دین او پی بھی تھی، جس پر کوئی آدمی نہ تھا۔ اسے بوقت ضرورت مشاہدے وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس پوسٹ کے بالکل سامنے دشمن کی پیالہ پوسٹ تھی جس کا ذکر گزشتہ سطور میں بھی کیا گیا اور جس پر بھارت کی ایک پلاٹون موجود تھی۔ بھارت کی یہ پیالہ پوسٹ، پاکستان کی الہ' دین پوسٹ سے چند سو فٹ کم بلندی پر واقع تھی۔ درمیانی فاصلہ کوئی دس کلو میٹر ہو گا لیکن دوربین سے دیکھنے پر دشمن کا نہ صرف ایک ایک آدمی نظر آتا تھا بلکہ جب کبھی وہ لوگ دھوپ تاپنے کے لئے پیالہ پوسٹ کے اس کنارے پر آتے تھے کہ جو الہ' دین کے سامنے تھا، تو ان کے بازوؤں پر لگی ان کی عہدوں کی فیتیاں (Stripes) تک صاف نظر آتی تھیں۔

سہیل نے آتے ہی حکم دیا کہ دشمن کی اس پیالہ پوسٹ پر مارٹر فائر کئے جائیں لیکن اسے بتایا گیا کہ درجنوں بار مارٹر فائر کئے گئے ہیں لیکن اس پوسٹ کا بال بیکا نہیں ہوا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ گولہ فائر ہونے کے بعد نظر ہی نہیں آتا تھا کہ کہاں گیا۔ خود مارٹر دستے کے لوگ بھی بڑے پریشان تھے۔ بارہا کوشش کی گئی لیکن بارہا ناکامی ہوئی۔ کیپٹن سہیل سوچتا رہا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟

اتنی بلندی پر نیند ویسے بھی کم آتی ہے لیکن اس معمے کے حل کے بارے میں سوچتے سوچتے تھوڑی بہت نیند بھی اس کی آنکھوں سے غائب تھی۔ایک رات وہ اسی سوچ میں کھویا ہوا اگلو سے باہر نکلا اور پیالہ پوسٹ کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔چودھویں کا چاند اور وہ بھی سیاچن کے برف زاروں پر! یہ منظر دنیا کے حسین ترین فطری مناظر میں سے ایک ہوتا ہے۔............

ایک ایک تنکا تک صاف نظر آرہا تھا۔چاند کی نقرئی کرنیں جب پیالہ پر پڑیں تو اسے محسوس ہوا، بھارت کی اس پوسٹ پر کچھ نقل وحرکت ہورہی ہے۔اس نے اگلو سے دوربین منگوائی اور دیکھا کہ دشمن کے سات آٹھ سپاہی اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔اس نے سوچا کاش میرے مارٹر ان پر فائر گرا سکتے! ....وہ کافی دیر تک حسرت بھری نگاہوں سے پیالہ پوسٹ کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔معاً ایک این سی او کی آواز آئی۔

"سر! آپ اس پیالہ کی طرف دیکھ دیکھ کر کیا سوچتے رہتے ہیں؟"

اپنے این سی او کے اس سوال کے جواب میں جو کچھ اس کی زبان سے نکلا، اسے حافظ شیرازی نے اس شعر میں مجسم کر دیا ہے:

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم

اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدام ما

(ہم اس پیالے میں اپنے دوست کا عکس دیکھ رہے ہیں۔او بے خبر! تجھے کیا معلوم اس میں کیا لذت ہے؟)

حوالدار اسمٰعیل نے ڈرتے ڈرتے کہا: "سر! ایک بات کہوں، آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟" .... "نہیں نہیں............ جو کہنا چاہتے ہو، بلاخوف کہو۔" ....

"سر! ہمارے دونوں مارٹر غلط لگے ہوئے ہیں............ویسے تو سروے والوں نے باقاعدہ حساب کتاب کر کے یہ مارٹر لگوائے ہیں۔ان کا آٹھ ہندسی اور دس ہندسی ریفرنس نکال کر لگائے ہیں، فارورڈ اور بیک بیرنگ لی ہے۔لیکن سر! میں نے بھی اپنی یونٹ میں مارٹر پلاٹون میں نوکری کی ہے۔میرے حساب کے مطابق یہ مارٹر غلط لگے ہوئے ہیں۔وگرنہ کوئی وجہ نہیں کہ درجنوں گولے فائر کرنے کے بعد بھی آج تک یہ پتہ ہی نہ چلے کہ گولہ گرتا کہاں ہے جبکہ ٹارگٹ بالکل

سامنے نظر آرہا ہو! گولوں کی اڑان لائن تو ایک حد تک نظر آتی ہے اور اس کے بعد خبر نہیں رہتی کہ گولہ کدھر جاتا ہے.......... اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک مارٹر کو از سرنو لگا دوں۔ مارٹر لگانا (Laying) اگرچہ میرا کام نہیں، لیکن میں کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرواؤں۔ دوسرے لوگوں کی موجودگی میں، میں یہ ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میرا مذاق اڑاتے اور کہتے دیکھو یہ افلاطون کا بچہ سروے والوں کو غلط کہہ رہا ہے........ سر! اگر میں غلط ثابت ہو جاؤں تو جو چور کی سزا، وہی میری سزا''

حوالدار اسمٰعیل اس طرح دل کا غبار نکالتا رہا اور کیپٹن سہیل سنتا رہا۔ آخر سہیل نے اسے کہا: ''تمہیں معلوم ہے اگر ایک بار کسی مارٹر کی بیس پلیٹ اپنی جگہ سے ہل جائے تو دوبارہ صرف سروے والے ہی آکر لگا سکتے ہیں۔'' ....

''ہاں سر! مجھے معلوم ہے۔ اس لئے تو میں کہہ رہا ہوں کہ آپ ایک نہیں دونوں مارٹروں کو دوبارہ لگانے کی اجازت دیں اور پھر قدرت کا تماشہ دیکھیں۔''

اگلے روز کیپٹن سہیل نے اپنے کمانڈنگ آفیسر سے بات کی اور ان سے ایک طویل بحث کے بعد جب اجازت مل گئی تو مارٹروں کو از سرنو لے (Lay) کیا گیا اور اللہ کا نام لے کر پہلا گولہ فائر کر دیا۔ الہ دین پوسٹ والوں کی مسرت اور حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک بڑی ''ڈھپ پ پ'' کے ساتھ گولہ عین پیالہ پوسٹ کے اوپر جا گرا اور صدیوں کی پڑی سفید برف کو کجلا کے رکھ دیا۔ اس کے بعد تو گولوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ بٹالین ہیڈ کوارٹر کو مطلع کیا گیا تو کمانڈنگ آفیسر نے کہا: ''دشمن کو معلوم نہیں ہوگا کہ یہ فائر کہاں سے آرہا ہے۔ اب جبکہ ٹارگٹ رجسٹر ہو چکا ہے، دوبارہ فائر نہ کرنا۔ بہت جلد وقت آنے والا ہے کہ ہمیں اس فائر کی ضرورت پڑے گی........''

اس وقت تک سہیل کو معلوم نہیں تھا کہ رانا اور اکبر پوسٹوں پر ایک بڑے حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ڈی ڈے بھی مقرر کیا جا چکا ہے۔

یہ آپریشن جس کا کوڈ نام آپریشن قیادت تھا، ایک بٹالین سائز آپریشن تھا۔ تاہم گیاری کے بعد کوئی پوزیشن ایسی نہ تھی جہاں ایک بٹالین کی نفری اکٹھی کر کے وہاں سے حملے کا آغاز کیا جاتا۔ چنانچہ گیاری سے آگے بٹالین کی نفری کو تقسیم کر کے موو کروانا پڑا۔ 17 ستمبر 1987ء کو

ابراہیم کمپنی گیاری سے روانہ ہو کر غازی پوسٹ پہنچی اور وہاں سے رہبر 2 بیس پر اگلے مورچوں پر گولہ بارود اور راشن کی ڈمپنگ شروع کر دی۔ اگلے روز 18 ستمبر 1987ء کو غازی کمپنی گیاری سے نارام روانہ ہوئی۔ اسی طرح یعقوب کمپنی بھی فائر بیس قائم کرنے کے لئے رہبر 2 کی طرف چل دی۔ بٹالین ٹیکٹیکل ہیڈ کوارٹر بھی گیاری سے روانہ ہو کر غازی پوسٹ میں آ گیا۔ غازی کمپنی 19 ستمبر 1987ء کا پورا دن نارام میں ٹھہری رہی اور 19 اور 20 کی درمیانی شب غازی پوسٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ 20 اور 21 ستمبر کی درمیانی شب تمام کمپنیاں دیئے گئے مشن اور ٹاسک کے مطابق اپنی اپنی مقرر جگہوں پر پہنچ گئیں۔

21 ستمبر 1987ء ڈی ڈے تھا۔ سوموار کا دن تھا اور محرم الحرام کی 26 تاریخ تھی۔ لیکن سیاچن کے بارے میں ایک حقیقت جس پر دوست دشمن سب کو اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ وہاں آپ کا سب سے بڑا دشمن موسم ہے اور موسم کے بعد کسی دوسرے دشمن کی باری آتی ہے۔ انسان، انسان سے نبرد آزما ہو سکتا ہے، فطرت سے نہیں لڑ سکتا۔ بادل تھے کہ آج گھر کر آئے تھے اور فیل بے زنجیر کی صورت اڑے جا رہے تھے، برق سر کہسار گویا تازیانے برسا رہی تھی۔ برف باری بھی شروع ہوگئی۔ چونکہ حد بصارت محدود ہوگئی تھی۔ اس لئے توپخانے اور ٹو (TOW) میزائل کا "تیار فائر" ممکن نہ رہا۔ شام کے چھ بجے کمانڈر 323 بریگیڈ نے فیصلہ کیا کہ آپریشن کو 24 گھنٹے تک ملتوی کر دیا جائے۔ تاریخ جنگ شاہد ہے کہ آپریشن میں عین یوم حملہ کے دن اس طرح کا التواء کوئی اچھا شگون نہیں ہوتا۔ رات ہو چکی تھی اور ٹروپس سب کے سب کھلے آسمان تلے سرگرم سفر تھے۔ ساڑھے نو بجے شب احکامات موصول ہوئے کہ اگلے روز یعنی 22 ستمبر 1987ء کو موسم خواہ کیسا بھی ہو، آپریشن مزید ملتوی نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح 21 اور 22 ستمبر کی یہ درمیانی شب ٹروپس نے کھلے آسمان تلے گزاری۔

22 ستمبر 1987ء کا اجالا پھوٹا تو موسم کے تیور کچھ زیادہ اچھے نہ تھے۔ چار پانچ منٹ کے لئے مطلع صاف ہوتا اور پھر کالی گھٹائیں گھر کے آ جاتیں۔ صبح ساڑھے دس بجے اللہ کا نام لے کر پہلا ٹو (TOW) میزائل لا بنکر پر فائر کیا گیا جو عین بنکر پر جا کر لگا۔ دوسرا اکبر پوسٹ پر پھینکا گیا جو نہ لگ سکا۔ تیسرا ٹو اپنی ہی پوزیشن رہبر 2 کی سکرین پر جا گرا۔ البتہ چوتھے ٹو نے رانا

پوسٹ کو ہٹ (Hit) کر لیا۔ اس کے بعد آرٹلری کا فائر کھولا گیا شام سوا چھ بجے (1815) رانا پوسٹ کو بارود گرتو میزائلوں کا نشانہ بنایا گیا اور ساڑھے چھ بجے (1830) دیئے گئے وقت کے مطابق رانا پوسٹ پر دھاوا بول دیا گیا۔

غازی کمپنی کی ایک پلاٹون ہراول میں تھی۔ اس لیڈنگ پلاٹون نے کونیکل (Conical) فیچر کو دائیں جانب سے بازوکش کیا اور آگے بڑھنے لگی۔ کیپٹن اکبر، کیپٹن نظارت اور کیپٹن عمران اپنے اپنے دستوں کو لے کر ہدف کی طرف بڑھنے لگے۔ کیپٹن رشید ملک نے آگے بڑھ کر فائر بیس بنایا۔ میجر ثناء بھی پیش قدمی کرنے والے دستوں کے درمیان میں سے راستہ بناتا آگے روانہ ہوا۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے (2030) ہراول ٹروپس نے اطلاع دی کہ تازہ برف گرنے کی وجہ سے راستہ مسدود ہو چکا ہے اور آگے بڑھنے کے امکانات کم ہو رہے ہیں۔ فائر بیس کمانڈر کو فوری طور پر حکم دیا گیا کہ وہ کونیکل فیچر کے دائیں بائیں سے کسی نئے راستے کی فوری تلاش کریں۔ رہبر 2 سے یعقوب کمپنی کی ایک اور پلاٹون بھی لانچ کی گئی اور اسے حکم دیا گیا کہ وہ تابش تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ فائر بیس کمانڈر نے تلاش بسیار کے بعد رپورٹ دی کہ چونکہ آگے 400 فٹ کی عمودی نشیب ہے، اس لئے کونیکل فیچر کو بازوکش کر کے آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ یعقوب کمپنی کی باقی دو پلاٹونیں جو رہبر 2 پر رہ گئی تھیں، ان کو بھی فوری طور پر موو کروایا گیا۔ جب کوشش بسیار کے بعد ہراول پلاٹون، تابش پوسٹ کے دامن میں نسبتاً ایک ہموار جگہ پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تو دشمن نے توپخانے کا فائر اس پر گرانا شروع کر دیا۔ دریں اثناء غازی کمپنی کے بعض عناصر بھی اس ہراول پلاٹون سے آملے تھے۔ پھر دشمن نے جب آرٹلری فائر لفٹ کیا تو تابش کے دامن میں جتنے لوگ بھی موجود تھے، سب نے رانا پوسٹ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جیسا کہ آپ قبل ازیں پڑھ آئے ہیں، رانا پوسٹ، ہمارے علاقے کی طرف سے عمودی بلندیوں پر واقع تھی۔ بہر کیف برف باری اور یخ بستہ ہواؤں کے درمیان رسوں کی مدد سے ان بلندیوں کو عبور کرنے کی کوششیں جاری رہیں، تاآنکہ 22 ستمبر کی شب گزر گئی اور 23 ستمبر 1987ء کو صبح کی پہلی روشنی نمودار ہوئی۔ صبح صادق کے پانچ بج (0500) رہے تھے، جب ہمارے یہ جیالے دستے رانا پوسٹ سے صرف 150 گز پیچھے رہ گئے۔

زکریا کمپنی کی ایک پلاٹون نے پلان کے مطابق لا بنکر کے عمومی علاقے پر نا گہانی فائر گرایا اور مزید مغرب کی طرف سے کیپٹن سہیل کی الہ دین پوسٹ نے دشمن کی پیالہ پوسٹ پر اپنے 120 ایم ایم مارٹروں کے فائر سے وہاں پر موجود بھارتی پلاٹون کا سر دبائے رکھا اور اسے رانا اور اکبر پوسٹوں پر امدادی فائر کرنے کی اجازت نہ دی۔

الہٰ دین پوسٹ پر چار وائرلیس سیٹ کھلے پڑے تھے۔ سہیل پانچ ماہ سے اسی 20 ہزار فٹ بلند پوسٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ بٹالین کمانڈر نے اسے کئی بار کہا کہ اب واپس آ جاؤ۔ ان علاقوں میں ایک دو ماہ کے بعد باریاں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن سہیل نے جواب دیا: ''سر! میں یہاں سے دشمن کی ساری گفتگو بھی سن رہا ہوں اور ان کی ساری فری کوئینسیاں بھی مجھے ازبر ہو چکی ہیں، اس کے علاوہ مجھے ان کے وائرلیس سیٹ کھلنے کے اوقات بھی معلوم ہو چکے ہیں، حتیٰ کہ میں نے ان کے سارے کوڈ بھی میں توڑ لیے ہیں۔ وہ جس خفیہ زبان میں اپنے بالا ہیڈ کوارٹروں سے بات چیت کرتے ہیں، اس کا سارا ریکارڈ میں نے لاگ بک میں محفوظ کیا ہوا ہے۔ مجھے ان کی پوسٹ پر موجود ایک ایک سپاہی، این سی او، جے سی او اور آفیسر کا نہ صرف نام معلوم ہے بلکہ میں ان کے لب و لہجے اور تلفظ تک کو پہچانتا ہوں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ مجھے اس آپریشن کے اختتام تک یہیں رہنے دیا جائے۔ میں رضا کارانہ ایسا کر رہا ہوں۔ اگر کل کلاں مجھے کچھ ہو گیا تو میں تنہا اس کا ذمہ دار ہوں گا، کوئی اور نہیں۔''

کمانڈنگ آفیسر 7 این ایل آئی، لیفٹیننٹ کرنل عبدالغفور نے اس نوجوان کپتان کے جذبہ و جوش کے پیچھے، عقل و ہوش کا جو عنصر تھا، اس کو پڑھ لیا تھا، اور سہیل کو اختتام آپریشن تک الہٰ دین پر رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ یوم حملہ کے دن (21 ستمبر 1987ء) سہیل نے جب پیالہ پوسٹ پر اپنے مارٹر فائر کئے تھے تو وہ بھارتی پوسٹ کمانڈر مارا گیا تھا، جس کا نام میجر رومن کمار تھا، بمبئی کا رہنے والا تھا، جس کے دو چھوٹے چھوٹے بیٹے تھے اور جس کی بیوی اسے ہر دو ہفتے بعد لمبے لمبے خط لکھا کرتی تھی...... کیپٹن سہیل نے دشمن کے بارے میں اس قسم کی معلومات سے بھرا ہوا پورا ایک رجسٹر تیار کر رکھا تھا، جو اس نے اپنی پوسٹ سے سبکدوشی کے وقت اپنے جانشین کے حوالے کیا تھا تا کہ آئندہ کام آسکے۔

بہر حال 23 ستمبر کی صبح جب رانا پوسٹ پر چڑھنے کی تیاریاں جاری تھیں تو دشمن نے صبح سات بجے (0700) آرٹلری اور مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی۔ موسم اب ان کا ساتھ دے رہا تھا اور مطلع بالکل صاف ہو چکا تھا۔ ہراول پلاٹون کو پتھر کے تودوں میں آڑ لینی پڑی۔ پھر چونکہ راستے کی چوڑائی محدود تھی، اس لئے سنگل قطار کی شکل میں ایک ایک جوان کو پانچ پانچ منٹ کے وقفے کے بعد آگے بڑھایا گیا۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا اور شہیدوں کی لاشیں گر رہی تھیں۔ ابراہیم کمپنی کو حکم ملا کہ یعقوب کمپنی کمک دے اور شہداء اور زخمیوں کا انخلاء بھی کرے۔

ویسے تو ہر آپریشن میں گولہ بارود کی بہم رسانی ایک نہایت اہم عنصر ہوتی ہے لیکن سیاچن کے برف زار میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ مواصلاتی نظام کی مشکلات کے باعث یہ بہم رسانی آسان نہیں ہوتی۔ کیپٹن اقبال کے ہمراہ پورا ایک سیکشن گولہ بارود لے کر لڑنے والے مجاہدوں تک جا رہا تھا۔ اس پارٹی میں کیپٹن اقبال کے علاوہ، نائب صوبیدار شیر بہادر، نائیک نوران شاہ، نائیک نصیر، لانس نائیک ارشد، لانس نائیک رفیع، سپاہی حضرت یوسف، حاضر شاہ، شبیر اور رؤف شامل تھے۔ 23 اور 24 ستمبر کی درمیانی شب جب کیپٹن اقبال اپنے دستے کے ہمراہ میجر ثناء کے پاس پہنچا تو ثناء نے اطمینان کا اظہار کیا۔

دشمن کا زور اب بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہیلی کاپٹر پہاڑوں کی اوٹ میں اس کے مورچوں سے چند سو گز دور اترتے اور گولہ بارود اور دوسری رسدات پہنچا کر اپنے زخمیوں اور لاشوں کو واپس لے جاتے۔ لیکن پاکستان ایسا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ زمین کی بناوٹ اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کرنل پورن سنگھ دشمن کی آرٹلری کا اوور آل کمانڈر تھا، اس نے اپنی ساری توپوں کے دہانے رانا اور اکبر پوسٹ کی طرف بڑھتے پاکستانی ٹروپس کی طرف کر دیئے تھے۔ اکبر پوسٹ جو رانا پوسٹ سے بالکل نزدیک مغرب میں واقع تھی۔ وہاں سے میجر چیڑ جی اپنے 35 آدمیوں کو لے کر رانا پوسٹ میں آ چکا تھا۔

24 ستمبر کی شب میجر ثناء نے رانا پوسٹ پر تین طرف سے دھاوا بولنے کا منصوبہ بنایا۔ کیپٹن رشید ملک کو دائیں بازو، کیپٹن عمران کو بائیں بازو اور کیپٹن اقبال اور کیپٹن سالک نواز چیمہ کو قلب دشمن پر حملہ کرنے کی ذمہ داریاں دی گئیں۔ یہ حملہ ایک سامنائی (Frontal) حملہ تھا۔

جونہی ان مجاہدوں نے ایڈوانس شروع کیا، دشمن نے سارے ہتھیاروں کے دہانے ان پر کھول دیئے۔ عمران اور سالک زخمی ہو چکے تھے۔ اقبال ایک چٹان کا چکر کاٹ کر آگے بڑھا اور بائیں مورچے پر ایک گرنیڈ پھینکا۔ دشمن کا فائر درستگی (Accuracy) کی عمدہ مثال تھا۔ ایک گولی اقبال کے پاؤں میں لگی۔ رشید ملک کے سینے پر ایک دوسری گولی آ لگی۔ سالک شہادت پا چکا تھا، اقبال کے دستے کے تین آدمی شہید ہو چکے تھے، دو زخمی تھے، جنہیں نیچے بھیج دیا گیا تھا۔ رشید ملک اور عمران کے دستوں کے بیشتر لوگ بھی شہید یا زخمی ہو چکے تھے۔ اقبال کے پاس اب صرف چار آدمی (نوران شاہ، ارشد، رفیع اور حضرت یوسف) رہ گئے تھے۔ دریں اثناء توپ کا ایک گولہ آیا اور لانس نائیک رفیع کو زخمی کر گیا۔

کیپٹن اقبال کی کوشش اب یہ تھی کہ وہ دشمن کی رانا اور اکبر پوسٹوں کا درمیانی رابطہ منقطع کر دے تا کہ اکبر سے کمک کی فراہمی رک جائے۔ اسی اثناء میں بٹالین کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل صفدر اعوان نے اقبال سے بات کی۔ اقبال کی آواز لحظہ بہ لحظہ نحیف اور کمزور ہو رہی تھی۔ پاؤں پر پٹی بندھی تھی۔ لیکن خون زیادہ بہہ گیا تھا۔ اتنے میں ایک گولہ آیا اور سپاہی حضرت یوسف کے دو ٹکڑے کر گیا۔ کیپٹن اقبال کے ساتھ اب صرف نوران شاہ اور ارشد رہ گئے تھے۔

جب ارشد اور نوران شاہ بھی چند لمحوں کے بعد توپ کے گولوں سے شدید زخمی ہو گئے تو اقبال تنہا رہ گیا۔ اس کے سامنے دشمن کا ایک مورچہ تھا جس میں چار بھارتی سپاہی موجود تھے۔ اقبال نے للکار کر انہیں کہا: ''ہتھیار پھینک دو۔ ہم تمہیں امان دے دیں گے۔'' اتنے میں زخمی ارشد کہیں سے راکٹ لانچر ڈھونڈ کر لے آیا۔ راکٹ لانچر والا سپاہی شہید ہو چکا تھا اور اس کا راکٹ لانچر برف پر پڑا تھا۔ اقبال نے سب مشین گن اٹھا کر سیدھی کی اور گھسٹتے ہوئے دشمن کے مورچے کی طرف بڑھنے لگا۔ وائرلیس سیٹ کھلا ہوا تھا اور کمانڈنگ آفیسر ایک ایک لمحے کی کارروائی سن رہا تھا۔ جب اقبال دشمن کے مورچے سے صرف 10 گز دور رہ گیا تو یہاں سے راکٹ لانچر فائر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر آخری گرنیڈ نکالا اور دشمن پر پھینک دیا۔ ایک دھماکے کی آواز آئی اور مورچہ خاموش ہو گیا۔ اقبال آگے بڑھا تو مزید مورچوں کا ایک سلسلہ نظر آیا۔ اب گویا اقبال ایک نگینہ تھا اور دشمن کے مورچے اس کے چاروں طرف انگشتری کی

طرح حصار باندھے ہوئے تھے:

بگرد ا گردِ خود چندانکہ بینم
بلا انگشتری و من نگینم

اقبال نے اپنے آخری پیغام میں بٹالین ہیڈ کوارٹر کو بتایا کہ یہاں تو ایک نہیں کئی مورچے ہیں........ اتنے میں ایک مشین گن کا برسٹ اقبال پر آیا اور کئی گولیاں اس کے بدن سے پار ہو گئیں۔ ایس او ایس فائر کا ایک گولہ بھی سیدھا اسی مورچے پر آ کر گرا، جہاں چند لمحے قبل اقبال کے قدم پہنچ چکے تھے۔ اگلے ہی لمحے اقبال کا جسد خاکی خاک و خون میں مل چکا تھا! لیفٹیننٹ کرنل صفدر عتیق یہ ساری آوازیں وائرلیس پر سن رہا تھا۔ اس نے کئی بار اقبال کو پکارا لیکن جب کوئی آواز نہ آئی تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اقبال نے اپنی ایک وصیت میں جو آرزو کی تھی، وہ پوری ہو چکی تھی۔ اس کی وصیت کے احترام میں اس کی لحد کچی بنائی گئی۔ (مزید تفصیلات وصیت کی فوٹو کاپی میں دیکھئے) حکومت نے اقبال کو شجاعت کا دوسرا اعلیٰ ترین اعزاز ''ہلال جرأت'' پیش کیا جو کسی کپتان کو دیا جانے والا پہلا ہلال جرات ہے۔

سولہواں باب

ہائی جیکروں اور ڈاکوؤں کے خلاف

ضرار کمپنی کی تشکیل

ماضی میں پاکستان بہت سی دہشت گردانہ کارروائیوں کا شکار ہوتا رہا ہے۔ طیاروں کی ہائی جیکنگ بھی ان میں سے ایک تھی۔ کبھی الذولفقار نامی تنظیم نے پی آئی اے کا طیارہ اغوا کیا تو کبھی پانام (پان امریکن) ائیر کا طیارہ پی او ایل (تنظیم آزادیٔ فلسطین) کے ہاتھوں اغوا ہوا۔ اسی طرح سکھوں نے بھی انڈین ائیر لائنز کے طیارے اغوا کیے۔ اس قسم کی ہنگامی صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکومت نے جب فیصلہ کیا کہ ملٹری آپشن استعمال کرنی ہے تو نگاہیں صرف ایس ایس جی پر ہی جا کر رکیں کہ یہی وہ تنظیم ہے جو اپنے اجزائے ترکیبی اور اپنے کریکٹر کے حوالے سے اس قسم کے سانحات سے نمٹنے کی کماحقہ اہل تھی (اور ہے)

مارچ 1981ء میں الذوالفقار نے پی آئی اے کا ایک بوئنگ 737 اغوا کر لیا۔ اس کی وجوہات اور تفصیلات میں جانے کا یہ محل نہیں۔ آخر میں حکومت کو ہائی جیکروں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ان حالات میں ارباب اختیار نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا کہ مستقبل میں ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے ایک اینٹی ٹیررسٹ فورس کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ جنرل ہیڈ کوارٹر نے ایس ایس جی کو ہدایات جاری کیں کہ ملک کے اندر اور بیرون ملک اگر پاکستان کو اس قسم کی مصیبت کا سامنا ہو تو اس کے تدارک کے لئے ایس ایس جی کی ایک الگ کمپنی تشکیل دی

جائے۔ یہ ذمہ داری 3 کمانڈو بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر کے سپرد کی گئی۔ انہیں برطانیہ بھیجا گیا جہاں انہوں نے ایس اے ایس (سپیشل ائرسروسز) کا دورہ کیا اور واپس آ کر اپنی سفارشات پیش کیں کہ ایس اے ایس کی طرز پر ایک کمپنی کھڑی کی جائے، جسے مطلوبہ ہتھیاروں اور ساز وسامان سے مسلح کیا جائے۔ ان کی سفارشات پر 20 مئی 1981ء کو چیف آف جنرل سٹاف، پاکستان آرمی نے اس فورس کی منظوری دے دی۔

اس کمپنی کا نام "ریکی اینڈ سپیشل آپریشن کمپنی" رکھا گیا، جسے بعد میں "ضرار کمپنی" کا نام دیا گیا۔ اس کی ٹی او اینڈ ای (TO&E) بنا کر جون 1981ء میں انفنٹری ڈائریکٹوریٹ، جنرل ہیڈ کوارٹرز میں بھیجی گئی اور کمانڈر ایس ایس جی نے 17 جون 1981ء کو چیف آف دی جنرل سٹاف کو اس موضوع پر تفصیلی بریفنگ دی۔ فوری ضرورت کے پیش نظر چیف آف دی جنرل سٹاف (وائس چیف آف دی جنرل سٹاف بھی اس بریفنگ میں موجود تھے) نے ایڈہاک طور پر اس فورس کی تشکیل کی منظوری دے دی۔ طے پایا کہ اس کا نام ضرار کمپنی رکھا جائے اور اس کی افرادی قوت فی الحال تینوں کمانڈو بٹالینوں سے حاصل کی جائے۔ چنانچہ 1981ء میں اس کمپنی کا پہلا دستہ تشکیل دیا گیا، جسے برطانوی ایس اے ایس نے اٹک اور چراٹ میں ٹریننگ دی۔ جب ٹریننگ مکمل ہو چکی تو چیف آف دی جنرل سٹاف کو صورت حال سے مطلع کیا گیا۔ انہوں نے کمانڈر ایس ایس جی کو ہدایت کی کہ یہ نئی کمپنی اب باقاعدہ طور پر اینٹی ٹیررسٹ آپریشنوں میں استعمال کی جائے۔

اول اول کمپنی کو دو ٹیموں میں تقسیم کیا گیا۔ میجر محمد خورشید آفریدی اس کے پہلے کمپنی کمانڈر مقرر کئے گئے۔ ٹیم نمبر ایک میں کیپٹن محمد صفدر علوی، کیپٹن علی جعفر زیدی، نائب صوبیدار نور محمد اور نائب صوبیدار محمد عثمان شامل تھے اور ٹیم نمبر 2 میں کیپٹن محمد رفیق، کیپٹن خاور آفتاب، صوبیدار حق نواز اور نائب صوبیدار شبیر احمد شامل تھے۔ ان سب نے برطانوی ایس اے ایس تربیتی ٹیم سے ٹریننگ پائی............ پھر جلد ہی اس کمپنی کی آزمائش کا وقت آ گیا۔

بھارتی طیارے کے اغوا کا پہلا واقعہ

ہوا یہ کہ 29 ستمبر 1981ء کو انڈین ائرلائنز کا ایک بوئنگ معمول کی اندرون ملک

پرواز پر تھا کہ ہائی جیکروں نے اسے اغوا کر کے لاہور کے ہوائی اڈے پر اترنے کا حکم دیا۔ دو پہر کو ایک بج کر چالیس منٹ (1340) پر ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز (DDMO) نے کمانڈر ایس ایس جی کو اس واقعے کے بارے میں مطلع کیا۔ چنانچہ ایس ایس جی ٹیموں کو لاہور کے نزدیک والٹن ائرسٹرپ پر اکٹھا ہونے کے احکامات دے دیئے گئے۔ دونوں ٹیمیں اور دوسرے جوان اٹک اور چراٹ میں تھے۔ بعد از دو پہر سوا تین بجے (1515) دونوں ٹیموں کو اٹک اور چراٹ سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے لفٹ کر کے ایوی ایشن بیس دھمیال (راولپنڈی) لایا گیا۔ وہاں سے ایندھن وغیرہ بھرنے کے بعد ایس ایس جی کے یہ ٹروپس فوراً ہی والٹن کی جانب پرواز کر گئے۔ 29 ستمبر شام کے چھ (1800) بج رہے تھے جب یہ فورس والٹن میں اتری............ کرنل طارق محمود (TM) اس کی کمانڈ کر رہے تھے۔

طیارے میں کل 67 مسافر سوار تھے۔ ہائی جیکروں کی تعداد پانچ تھی، جو کرپانوں اور ککریوں سے مسلح تھے (ککری ایک چھوٹا سا تلوار نما خنجر ہوتا ہے جو عام طور پر گورکھا سپاہی استعمال کرتے ہیں، جبکہ کرپان بھی ایک چھوٹی تلوار ہے، جسے سکھ اپنے پاس رکھتے ہیں)۔

ایس ایس جی کی اینٹی ٹیررسٹ فورس 56 افراد پر مشتمل تھی جس میں پانچ آفیسرز، چار جے سی اوز اور 47 دوسرے عہدیدار اور جوان شامل تھے۔ افسروں کے نام کرنل طارق محمود، میجر محمد خورشید آفریدی، کیپٹن خاور آفتاب، کیپٹن محمد صفدر علوی اور کیپٹن ایس علی جعفر زیدی تھے جبکہ جے سی اوز کے نام صوبیدار حق نواز، نائب صوبیدار نور محمد، نائب صوبیدار شبیر احمد اور نائب صوبیدار محمد عثمان تھے۔

ہائی جیکروں پر قابو پانے کے لئے جو پلان بنایا گیا وہ یہ تھا کہ ایس ایس جی فورس کے تین گروپ بنائے جائیں گے۔ جس جس طرح ہائی جیکروں کے بارے میں معلومات ملتی رہیں گی، اس اس طرح پلان میں لچک پیدا کی جاتی رہے گی۔ مشن یہ تھا کہ مسافروں (یرغمالیوں) اور ہائی جیکروں کو زندہ گرفتار کیا جائے اور طیارے کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ پلان کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا گیا جو درج ذیل تھے:-

1۔ تینوں اسالٹ گروپوں کو کھلے اور پوشیدہ مقامات پر تعینات کرنا۔

2۔ مذاکرات کے بہانے (اور ان کے دوران) طیارے کے اندر ہائی جیکروں کی تعداد میں کمی کرنا۔ اوراس دوران ٹیم ممبران کوطیارے کے اندر داخل کرنا۔

3۔ گروپ نمبر ون کا طیارے پر دھاوا بولنااور گروپ نمبر 2اور گروپ نمبر 3 کافالواپ ایکشن۔

4۔ دہشت گردوں/ ہائی جیکروں کی تلاشی لینا، یرغمالیوں کو ہائی جیکروں سے الگ کرنااور طیارے کوکسی دھماکہ خیز موادوغیرہ سے صاف کرنا۔

مقامی افسروں نے ہائی جیکروں کے ساتھ مذاکرات شروع کئے اور صبح ہونے تک طیارے میں یرغمالیوں کے لئے کھاناوغیرہ پہنچانے کی اجازت لے لی۔ ایس ایس جی کے سات افراد پی آئی اے کی کیٹرنگ وین لئے ویٹروں کے بھیس میں طیارے کے اندر داخل ہو گئے جبکہ ڈپٹی کمشنر لاہور نے ہائی جیکروں کے لیڈر سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ دریں اثناء وہ دو ہائی جیکروں کو طیارے سے باہر لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اب 30 ستمبر 1981ء کی صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔ تین ہائی جیکر طیارے کے اندر تھے جبکہ دو ڈپٹی کمشنر لاہور کے ساتھ طیارے سے باہر آ گئے تھے۔ ہائی جیکروں نے پی آئی اے کے کیٹرنگ سٹاف کی اچھی طرح تلاشی لے کرانہیں اندر جانے دیا تھا جبکہ ڈپٹی کمشنر وغیرہ بھی بالکل نہتے اور غیر مسلح تھے۔ اس دوران ہائی جیکر ہر لمحے مسلح رہے۔

اسالٹ گروپ نمبر 1 جو سات افراد پر مشتمل تھا، وہ طیارے کے اندر داخل ہو گیا جبکہ اسالٹ گروپ نمبر 2 رن وے پر کھڑی کیٹرنگ وین میں چھپا رہا۔ اسالٹ گروپ نمبر 3 کو ایسے پوشیدہ مقامات پر تعینات کیا گیا، جہاں سے وقت پڑنے پر ہائی جیکروں پر فائر کیا جا سکے۔ یہ تیسرا گروپ ماہر نشانہ بازوں (Snipers) پر مشتمل تھا۔

ہائی جیکروں نے بھی بظاہر اپنا بندوبست کیا ہوا تھا۔ دو ہائی جیکر طیارے کے اندر موجود رہے، دورن وے پر مذاکرات کے لئے آ گئے اور ایک طیارے کے دروازے پر سیڑھیوں کے اوپر کھڑا رہا تا کہ اندر اور باہر کی صورت حال پر نظر رکھ سکے۔

30 ستمبر 1981ء کو عین صبح سات بجکر چالیس منٹ (0740) پر پہلے سے مقرر شدہ سگنل کے مطابق کارروائی شروع ہوئی۔ طیارے کے اندر دونوں ہائی جیکروں کو پی آئی اے کے سٹاف کی وردیوں میں ملبوس "بیروں (Bearers)" نے قابو کرلیا۔ جو ہائی جیکر دروازے پر کھڑا تھا اسے اسالٹ گروپ نمبر 2 کے ایک ممبر نے وین سے نکل کر انتہائی سرعت سے کارروائی کرتے ہوئے بے بس کردیا۔ وہ ہائی جیکر جو رن وے پر مذاکرات میں مشغول تھے، ان کو اسالٹ گروپ نمبر 2 کے افراد نے وین سے نکل کر ایک معمولی جھڑپ کے بعد گرفتار کرلیا۔ اسالٹ گروپ نمبر 3 کو استعمال کرنے کی نوبت نہ آئی۔

چند ہی لمحوں میں یہ ساری کارروائی مکمل ہوگئی۔ پانچوں کے پانچوں ہائی جیکر حکام کے حوالے کردیئے گئے۔ جبکہ سارے کے سارے 67 مسافروں کو رہا کرالیا گیا۔ طیارے کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچا۔

اس ایکشن کی کامیابی کی چھ وجوہات تھیں۔ اول: یہ کہ ہائی جیکر نہ اچھی طرح تربیت یافتہ تھے اور نہ ان کے پاس کوئی بارودی ہتھیار تھا۔ دوم: یہ کہ ہائی جیکروں کا خیال تھا کہ جب وہ پاکستان کی سرزمین پر اتریں گے تو انہیں سکھ سمجھ کر سپورٹ کیا جائے گا۔ سوم: یہ کہ ان کی سادہ لوحی نے صورت حال کا صحیح اندازہ نہ لگایا۔ چہارم: یہ کہ مقامی حکام نے مذاکرات کے پردے میں بڑی خوبصورتی سے ہائی جیکروں کی سادگی سے فائدہ اٹھایا۔ پنجم: یہ کہ اسالٹ گروپ نمبر 1 اور نمبر 2 نے پی آئی اے کے ورکروں اور بیروں کے بھیس میں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کارروائی کی اور ششم: یہ کہ ایس ایس جی فورس نے نہایت خوداعتمادی، دلیری اور جرات کا مظاہرہ کیا۔

اس کارکردگی کے صلے میں دو افسروں اور آٹھ جوانوں کو چیف آف آرمی سٹاف کی طرف سے سندات تحسین عطا کی گئیں۔

بھارتی طیارے کے اغوا کا دوسرا واقعہ

انڈین ائرلائن کا ایک اور بوئنگ 737 اغواء ہوگیا۔ اسے 25 جولائی 1984ء کو ہائی جیکروں نے ہائی جیک کرنے کے بعد ساڑھے پانچ بجے شام لاہور ائرپورٹ پر اترنے پر مجبور کر دیا۔ چاروں اغوا کنندگان آتشیں اسلحہ سے مسلح تھے۔ شام سات بجے ہیڈکوارٹر ایس ایس جی کو

پیغام ملا کہ ضرار کمپنی کو فوراً سی ۔130 پر سوار کر کے لاہور بھیجا جائے۔ ضرار کمپنی ابھی راستے ہی میں تھی کہ معلوم ہوا دہشت گردوں کے مطالبات منظور نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے پاکستانی فضائی حدود سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

بھارتی طیارے کے اغوا کا تیسرا واقعہ

پورے ایک برس بعد 25 جولائی 1985ء کو ایک اور بھارتی بوئنگ 737 کو اغوا کر کے بزور لاہور ائر پورٹ پر اتارا گیا۔ اس وقت دن کے ساڑھے دس بجے تھے۔ ضرار کمپنی چار پوما (PUMA) ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اسی روز بعد دوپہر تین بجے (1500) راولپنڈی پہنچی اور وہاں سے شام ہونے سے پہلے لاہور پہنچ گئی۔ حکومت نے دہشت گردوں پر واضح کر دیا کہ ان کو پاکستان سے جانا پڑے گا۔ ہیلی کاپٹروں پر سوار ایس ایس جی فورس جب ہائی جیکروں کی آنکھوں کے سامنے رن وے پر اتری تو ان کو یقین ہو گیا کہ حکومت پاکستان اس معاملے میں سنجیدہ ہے۔ چنانچہ ہائی جیکروں نے پاکستان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ طیارہ دو گھنٹے بعد دوبئی میں اترا، جہاں دہشت گردوں نے غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو حکام کے حوالے کر دیا۔ ضرار کمپنی اگلے روز 26 جولائی کو واپس چراٹ پہنچ گئی۔

پان امریکن طیارے کا اغوا

5 ستمبر 1986ء کو پان امریکن ائر لائن کا ایک جمبو 747 کراچی کے ہوائی اڈے پر کھڑا تھا۔ یہ پرواز بمبئی سے کراچی ہوتی ہوئی نیویارک جا رہی تھی اور اس میں 386 مسافر سوار تھے۔ سٹاپ اوور کے بعد جہاز کا عملہ کاک پٹ میں جا بیٹھا اور کیبن کریو نے جہاز کے اندر اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیں۔ ٹیک آف میں ابھی چند لمحے باقی تھے اور سیڑھیاں ابھی ہٹائی نہیں گئی تھیں کہ اچانک فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ فرسٹ کلاس کیبن اور ٹیل (Tail) کی طرف سے دو دو دہشت گرد نمودار ہوئے جو آتشیں اسلحہ سے مسلح تھے۔ انہوں نے ائر ہوسٹس کو حکم دیا کہ طیارے میں اعلان کر دو کہ لوگ آرام سے بیٹھے رہیں، طیارہ اغواء ہو چکا ہے۔.......... اس وقت صبح کے پونے چھ (0454) بج رہے تھے۔ طیارے کے کاک پٹ میں جو عملہ موجود تھا، اس نے یہ اعلان سنا تو فوراً اندر سے دروازہ بند کر لیا اور رسوں کی مدد سے کھڑکی سے باہر کود گئے اور اس

طرح جہاز کو نان آپریشنل چھوڑ دیا۔

دہشت گردوں کی تعداد پانچ تھی۔ یہ "الفتح" نامی اس فلسطینی تنظیم کے اراکین تھے، جس کے قائد ایک فلسطینی رہنما ابوندال تھے۔ان کے نام سید علی، فہد منصور، عبداللہ خلیل، سلیمان علی اور مصطفیٰ سعید تھے۔ان کے پاس 7.62 ایم ایم کی دو سب مشین گنیں، ایک پستول اور جہاز کو اڑانے کیلئے خاصی مقدار میں دھماکہ خیز مواد موجود تھا۔ ان سب نے ائر پورٹ سکیورٹی فورس (ASF) کی وردیاں پہن رکھی تھیں اور ایک ایسی سوزوکی وین میں سوار ہو کر ائر پورٹ کے اندر داخل ہوئے تھے جو اے ایس ایف کا عملہ استعمال کرتا تھا اور جس پر باقاعدہ (ASF) کا نشان بنا ہوا تھا۔انہوں نے آتے ہی اے ایس ایف کے سکیورٹی گارڈوں کو ہراساں کر کے طیارے کی طرف دوڑ لگا دی۔مسافروں میں سے ایک شخص راجیش کمار کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور لوڈنگ پلیٹ فارم پر لے جا کر سب کی آنکھوں کے سامنے کنپٹی پر پستول رکھ کر گولی مار دی۔راجیش چند لمحے تڑپا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ حرکت انہوں نے اس لئے کی کہ لوگوں کو یہ دکھایا جائے کہ ان کے پاس تلواریں یا کرپانیں نہیں، بلکہ باقاعدہ آتشیں اسلحہ موجود ہے۔اس کے بعد وہ طیارے کے اندر داخل ہو گئے اور دھماکہ خیز مادے کو پورے جہاز میں لگا دیا۔اب وہ کسی بھی لمحے فلیتے کو آگ دکھا کر جہاز کو بھک سے اڑا سکتے تھے۔

ہائی جیکر نہایت تربیت یافتہ لوگ تھے،ان کے مطالبات یہ تھے کہ سکیورٹی اور امن و امان برقرار رکھنے والی کوئی فورس طیارے کے نزدیک بھی نہ پھٹکے۔انہیں ایسا فضائی عملہ (ائر کریو) دیا جائے جو عربی زبان بولتا یا کم از کم عربی جانتا اور سمجھتا ہو، جہاز میں ایندھن بھرا جائے، اور اسے قبرص جانے کی اجازت دی جائے۔وہاں قبرص کے ایک شہر لارناکا (Larnaca) کی ایک جیل میں ایک انگریز اور دو فلسطینی، 1985ء میں تین اسرائیلیوں کو قتل کرنے کے جرم میں قید تھے۔

طیارے کے اغوا کے فوراً بعد ائر پورٹ سکیورٹی فورس نے طیارے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور سکیورٹی اقدامات سخت کر دیئے۔ گورنر سندھ، چیف منسٹر سندھ اور کور کمانڈر (5 کور) کو مطلع کر دیا گیا۔

پی آئی اے اور سول ایوی ایشن اتھارٹی (CAA) والوں نے ہائی جیکروں سے رابطہ

کرنے کی کوشش کی۔ پہلے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ تاہم بعد میں ائر ٹریفک کنٹرول (ATC) کے ذریعے وائرلیس پر رابطہ کرنے کے لئے راضی ہو گئے۔ سول حکام نے فوری طور پر جنرل ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کیا اور ایس ایس جی کی اینٹی ٹیررسٹ ٹیم بھجوانے کی درخواست کی۔ دریں اثناء اس ٹیم کے جو چار ممبر پہلے ہی کراچی میں موجود تھے اور پی آئی اے کے ساتھ کام کر رہے تھے، انہوں نے سروے لینس کی ڈیوٹیاں سنبھال لیں۔

5 ستمبر 1986ء کو صبح ساڑھے آٹھ بجے جنرل ہیڈ کوارٹر سے کمانڈر ایس ایس جی کو پیغام ملا کہ اینٹی ٹیررسٹ سٹینڈ بائی فورس کو لے کر فوری طور پر کراچی پہنچو اور پانام کے طیارے اور مسافروں کو رہا کراؤ۔ پشاور ائربیس سے ایک C-130 اس فورس کو کراچی پہنچانے کے لئے فراہم کر دیا گیا۔ ضرار کمپنی کی سٹینڈ بائی فورس کو فوراً الرٹ کیا گیا اور ساڑھے نو بجے ایس ایس جی کے 47 افراد، چراٹ سے پشاور کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان میں کمانڈر ایس ایس جی بریگیڈیئر طارق محمود (TM)، میجر ظہور احمد (سٹاف آفیسر ٹریننگ)، کیپٹن تنویر سلیم خان قائمقام آفیسر کمانڈنگ ضرار کمپنی اور 44 جے سی اوز، این سی اوز اور جوان شامل تھے۔ پشاور سے یہ فورس بذریعہ C-130 دوپہر کے بارہ بجے روانہ ہوئی اور ڈیڑھ بجے (1330) کراچی پہنچ گئی۔ یہاں کیپٹن خاور آفتاب، کمپنی کمانڈر بھی اس فورس کے ساتھ مل گئے اور اس طرح فورس کی تعداد 48 ہو گئی۔ دو بجے سے تین بجے سہ پہر تک جہاز کی ریکی کی گئی۔ ماہر نشانہ بازوں (Snipers) کو مناسب جگہ پر تعینات کیا گیا۔ فوری ایکشن کرنے والی ٹیم کو طیارے سے 200 میٹر کے فاصلے پر متعین کیا گیا۔ پی آئی اے سے ایک خالی جمبو 747 لے کر اس پر اسالٹ کرنے کی ریہرسل کی گئی۔ ضرار کمپنی کمانڈر کا ریڈیو رابطہ اپنی مختلف ٹیموں سے شروع ہو گیا.......... اور اس طرح 5 ستمبر 1986ء کو شام کے سات بجے (1900) ملٹری آپشن کے لئے او کے رپورٹ دے دی گئی۔

ہائی جیکر اپنے مطالبات پر بضد رہے۔ یہ کافی تجربہ کار لوگ تھے۔ انہوں نے مقامی حکام سے روبرو رابطہ کی ہر پیشکش ٹھکرا دی اور صرف وائرلیس رابطہ برقرار رکھا۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر 5 ستمبر 1986ء کو شام کے سات بجے (1930) تک ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے

گئے تو وہ طیارے کو دھماکے سے اڑا دیں گے۔ مقامی سول حکام کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ اس قسم کی صورت حال میں کیا ایکشن لیا جائے۔ تقریباً سوا نو بجے شب کمانڈر ایس ایس جی، ائر مارشل خورشید انور مرزا کو لے کر ٹارگٹ ایریا میں پہنچے تو معلوم ہو کہ طیارے کے اندر کی روشنیاں بتدریج مدہم ہو رہی ہیں۔ کمانڈر ایس ایس جی نے ائر مارشل صاحب کو بتایا کہ یہ ایک برا شگون ہے۔ اس لئے جلد سے جلد طیارے کے اندر روشنی کی فراہمی کا بندوبست کیا جائے ورنہ ہائی جیکر حواس باختہ ہو کر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ائر مارشل مرزا نے فوری طور پر الیکٹریشنوں کو حکم دیا کہ وہ طیارے کے باہر سے پاور کی فراہمی کا بندوبست کریں۔ لیکن وہ لوگ ابھی طیارے کے پاس پہنچے ہی تھے کہ طیارے کی روشنیاں مکمل طور پر گل ہو گئیں۔ ہائی جیکروں نے حکم دیا کہ ائر پورٹ کی روشنیاں آن کی جائیں لیکن حکام نے انکار کر دیا۔ اس پر ہائی جیکر متوحش اور متذبذب ہو گئے۔ ان کو شک ہوا کہ اب طیارے پر دھاوا بولا جانے والا ہے۔ چنانچہ دس بجے (2200) شب طیارے کے اندر فائر کی آوازیں سنائی دیں اور دھماکے ہوئے۔ جہاز کے سارے دروازے کھول دیئے گئے اور مسافروں نے بھاگ کر جان بچانے کے لئے طیارے سے باہر چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔

کمانڈر ایس ایس جی بریگیڈیئر طارق محمود جو فوری ایکشن ٹیم کے ساتھ تھے اور طیارے سے صرف 200 میٹر کے فاصلے پر موجود تھے، اپنی ٹیم کے ساتھ طیارے کی طرف لپکے اور جہاز کے عقب سے اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن بھگدڑ کی وجہ سے بہت سا وقت ضائع ہو گیا۔ چار ہائی جیکر، مسافروں کے ساتھ مل کر نیچے اتر گئے۔ وہ سول ڈریس میں ملبوس تھے۔ صرف ایک ہائی جیکر طیارے کے اندر تھا، جسے ایس ایس جی والوں نے گولی مار کر زخمی کر دیا اور پکڑ کر باہر لے آئے۔ ایس ایس جی کی وہ ٹیم، جو طیارے کو گھیرا ڈالے ہوئی تھی، اس نے مسافروں کی چیکنگ کی اور چاروں ہائی جیکروں کو گرفتار کر لیا۔ گنتی کرنے پر معلوم ہوا کو 22 مسافر ہلاک اور 65 زخمی ہوئے ہیں جبکہ ہائی جیکروں میں سے صرف ایک شخص زخمی ہوا............ یہ ایک بدترین سانحہ تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ایک دردناک انجام ضرور تھا۔ آئیے اس انجام کی وجوہات کو دیکھتے ہیں۔

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کاک پٹ کا عملہ سب سے پہلے جہاز سے نکل کر فرار ہو گیا جس کی وجہ سے طیارہ غیر آپریشنل ہو گیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ہائی جیکروں نے اپنی سروے لینس

اور مشاہدے وغیرے کا کوئی تسلی بخش انتظام نہیں کیا تھا، جس کے سبب وہ شکوک وشبہات اور بدحواسی کا شکار ہوگئے۔ تیسری وجہ ائرپورٹ حکام کی وہ بے خبری تھی کہ طیارہ غیر آپریشنل ہونے کے باعث کب تک "روشن" رہے گا۔ اگر باہر سے پاور سپلائی کا بروقت بندوبست کردیا جاتا تو ہائی جیکر مایوس نہ ہوتے اور اندھادھند فائر نہ کھولتے اور چوتھی وجہ یہ تھی کہ جب باہر سے بجلی کی فراہمی کا بندوبست کیا جارہا تھا تو طیارے کے گرداگرد متحرک سائے ہائی جیکروں کو مزید بدحواس کرگئے۔ ان کو شک ہوا کہ اب طیارے پر دھاوا بولا جانے والا ہے۔ ائرپورٹ کی روشنیاں آن نہ کی گئیں۔ طیارے کے اندر اندھیرے کی وجہ سے ایرکنڈیشننگ نظام بند ہوگیا تو ہائی جیکروں نے ناامیدی کے باعث آخری فیصلہ کرلیا۔

اس سانحے سے بچا جاسکتا تھا اگر: (1) مقامی حکام، ہائی جیکروں کے ساتھ مذاکرات کے فن میں کسی مہارت کا مظاہرہ کرتے، ان کو بلف کرتے اور ان کو امید کی ڈوری سے باندھے رکھتے (2) وقت پر باہر سے پاور فراہم کرکے طیارے کے اندر روشنیوں اور ایرکنڈیشننگ کے نظام کو چالو کیا جاتا اور (3) ماہر نشانہ بازوں کی ٹیم کو طیارے کے زیادہ سے زیادہ قریب رکھا جاتا۔ اس کے لئے کوئی ایمبولینس، پسنجر بس یا فائر بریگیڈ کی کوئی گاڑی وغیرہ کھڑی کرکے اس کی آڑ لی جاسکتی تھی۔

سکول بس کا اغوا

20 فروری 1994ء کو دن کے ایک بجے (1300) ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز (DDMO) نے ہیڈکوارٹرز ایس ایس جی کو مطلع کیا کہ پشاور کی ایک سکول بس جس میں 73 بچے سوار ہیں، پشاور میں اغوا کرلی گئی ہے۔ اغوا کنندگان کا تعلق افغانستان سے ہے، ان کی تعداد تین ہے، وہ پستولوں اور دستی بموں سے مسلح ہیں اور بس کو پشاور سے اغوا کرکے اسلام آباد لے آئے ہیں اور یہ کہ اب یہ سکول بس پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے کھڑی ہے۔

ایس ایس جی کی اینٹی ٹیررسٹ ٹیم (ATT) اس وقت تربیلا میں مقیم تھی۔ ہیڈکوارٹر ایس ایس جی نے اسے ٹیلی فون پر احکام دیئے کہ فوراً اسلام آباد جائے حادثہ پر پہنچے اور جتنا جلد ممکن ہوسکے راولپنڈی میں کمانڈر 111 انڈی پینڈینٹ انفنٹری بریگیڈ گروپ سے رابطہ کرے۔

یہ اطلاع بعد دوپہر دو بج کر بیس منٹ (1420) پر اے ٹی ٹی کو ملی۔ تقریباً اسی وقت کمانڈر ایس ایس جی چراٹ سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔

اطلاع ملنے پر فوراً ہی آفیسر کمانڈنگ اے ٹی ٹی اپنے ہمراہ ایک آفیسر اور تین جوانوں کو لے کر بطور ایڈوانس پارٹی تربیلا سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس کے ایک گھنٹہ بعد دوسری پارٹی بھی، جس میں ایک آفیسر، تین جے سی اوز اور 45 دوسرے عہدیدار اور جوان تھے، تین بڑے ٹرکوں کے ذریعے اسلام آباد کی جانب کوچ کر گئی۔

رمضان کا مہینہ تھا اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ایڈوانس ٹیم پونے پانچ بجے شام اسلام آباد پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دہشت گردوں نے یرغمالی بچوں اور اساتذہ میں سے 57 افراد کو رہا کر دیا ہے، وہ باقی 16 بچوں کو بس سے اتار کر افغان سفارت خانے میں لے گئے ہیں اور وہاں انہیں ایک ذیلی عمارت میں یرغمالی بنایا ہوا ہے۔ یہ پیشرفت وزیر داخلہ میجر جنرل نصیر اللہ بابر کے ہائی جیکروں سے مذاکرات کے بعد ہوئی ہے۔ ہائی جیکروں نے تین مطالبات کیے ہیں، یعنی (1) پانچ کروڑ ڈالر کیش مہیا کی جائے (2) اشیائے خوردنی سے لدے 200 ٹرک فوری طور پر کابل روانہ کیے جائیں اور (3) انہیں ایک ہیلی کاپٹر میں بحفاظت کابل پہنچایا جائے۔

ایس ایس جی کی ایڈوانس ٹیم جب افغان سفارت خانے کے سامنے پہنچی تو سکیورٹی فورسز نے بلڈنگ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ پریس، الیکٹرانک میڈیا اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے نمائندوں کی ایک فوج ظفر موج وہاں موجود تھی۔ کچھ دیر کے بعد افغان سفارت خانے کے گیٹ پر ایک پولیس آفیسر نمودار ہوا اور کمانڈر ایس ایس جی، اس کے ہمراہ سفارت خانے کے اندر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد آفیسر کمانڈنگ اے ٹی ٹی کو بھی کمانڈر ایس ایس جی نے اندر بلوا لیا۔ وہاں کمانڈر ایس ایس جی نے او سی (OC) ضرار کمپنی کو دہشت گردوں کی تعداد، یرغمالیوں کی تعداد، عمارت کی اکاموڈیشن، اور ہائی جیکروں کے ہتھیاروں وغیرہ کے بارے میں بریفنگ دی۔ دونوں نے ہنگامی بنیادوں پر مختلف منصوبوں پر غور و خوض شروع کر دیا اور ایس ایس جی کی بڑی (Main) پارٹی کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں وزیر داخلہ میجر جنرل نصیر اللہ بابر

افغان سفارت خانے کی مین بلڈنگ سے باہر آئے اور خوش خبری سنائی کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک جا رہا ہے، صورت حال کنٹرول میں ہے اور بچوں کو افطاری کے بعد کسی بھی وقت رہا کروا لیا جائے گا۔ دریں اثناء کمانڈر 111 بریگیڈ بھی وہاں پہنچ گئے، جنہیں اوسی ضرار کمپنی اپنے ساتھ عمارت کے اندر لے گئے۔ وہاں کمانڈر ایس ایس جی کے ساتھ تبادلہ خیالات شروع ہوا۔ اب شام کے چھ بج گئے تھے روزہ افطار ہو گیا تھا کہ ایس ایس جی کی مین پارٹی وہاں پہنچ گئی۔

ایس ایس جی افراد کی دو ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ ایک ٹیم میں کیپٹن طارق محمود خان، نائب صوبیدار محمد اختر، لانس نائیک شمشاد علی اور سپاہی صادق احمد رکھے گئے اور دوسری میں کیپٹن ارشد عدنان، نائب صوبیدار محمد یعقوب، حوالدار نذیر احمد اور نائیک خالد محمود شامل کیے گئے۔ کمانڈر ایس ایس جی کا پلان یہ تھا کہ ٹیم نمبر ون دہشت گردوں کو قابو کرے اور ٹیم نمبر 2 فالو اپ ایکشن کرے۔ ساتھ والی بلڈنگ میں آپریشن کنٹرول سنٹر قائم کیا گیا، جس میں رات آٹھ بجے (2000) سیکرٹری داخلہ، میجر جنرل سرفراز (آئی ایس آئی)، بریگیڈیر مجید، ڈپٹی کمشنر اسلام آباد اور ایس ایس پی اسلام آباد بھی پہنچ گئے اور اس بحران پر قابو پانے کی تجاویز پر سوچ بچار شروع ہو گئی۔ سیکرٹری داخلہ نے بتایا کہ وزیراعظم بےنظیر بھٹو کی ہدایات پر جنرل نصیر اللہ بابر کی جگہ ہر قسم کی کارروائیوں میں آئندہ وہ کوآرڈی نیٹ کریں گے۔ چنانچہ کمانڈر ایس ایس جی نے سیکرٹری داخلہ کو ملٹری ایکشن کے سلسلے میں تفصیلی بریفنگ دی۔ سیکرٹری داخلہ نے ساری باتیں غور سے سنیں تاہم یرغمالی بچوں کے جانی تحفظ کے سلسلے میں ان کے شکوک موجود رہے۔

رات کے نو بجے ہائی جیکروں کے ساتھ مذاکرات کا دوسرا دور شروع ہوا اور جب سیکرٹری داخلہ باہر آئے تو ان کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہائی جیکر اپنے مطالبات پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ موقع پر موجود تمام سینئر ملٹری اور سول آفیسرز نے بحران پر غور و خوض شروع کیا اور آخرکار ملٹری آپشن استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کمانڈر ایس ایس جی نے کہا کہ جلد از جلد مطلوبہ رقم کا بندوبست کیا جائے اور اسے دہشت گردوں کے حوالے کرنے کے لئے ایس ایس جی کی اسالٹ ٹیم کو سویلین اہلکاروں کے بھیس میں ساتھ رکھا جائے۔ 5 کروڑ ڈالر کی رقم لائی گئی۔ بریگیڈیئر مجید اور سیکرٹری داخلہ ہائی جیکروں کے پاس گئے۔ فیصلہ ہوا

کہ اگر بریگیڈیئر مجید مذاکراتی کمرے سے پہلے باہر آئیں تو اسالٹ ٹیم تینوں دہشت گردوں پر دھاوا بول دے اور اگر سیکرٹری داخلہ پہلے باہر نکلیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فی الحال معاملہ التوا میں ہے۔ سیکرٹری داخلہ مذاکرات کرنے کے بعد کمرے سے باہر نکلے اور بتایا کہ دہشت گردوں نے رقم لینے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ اس رقم کے ساتھ ایک ہیلی کاپٹر بھی لایا جائے جس میں سینئر سول اہلکار موجود ہوں۔ دہشت گرد رقم لے کر ہیلی کاپٹروں میں سوار ہوں گے اور حکومت کے سینئر اہلکاروں کو ہیلی کاپٹر میں اپنے ساتھ رکھ کر بچوں کو رہا کر دیں گے، اس کے بعد وہ ہیلی کاپٹر سے حکومتی اہلکاروں کو نیچے اتار دیں گے اور کابل پرواز کر جائیں گے۔

ایس ایس جی ٹیم نے صورت حال کا جائزہ لیا۔ اس کے نمایاں پہلو یہ تھے:

1۔ دہشت گردوں کی تعداد تین ہے۔ انہوں نے سبز رنگ کے ماسک پہن رکھے ہیں اور صرف ایک آنکھ ننگی ہے۔ دوسری آنکھ پر ماسک چڑھا ہوا ہے۔

2۔ عمارت کے پانچ کمرے ہیں۔ ایک ڈائننگ ہال، ایک ٹی وی لاؤنج، ایک کچن اور دو باتھ روم ہیں۔ ٹی وی لاؤنج، ایک بیڈروم اور دو غسل خانوں پر ہائی جیکروں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ یرغمالی بچے ٹی وی لاؤنج میں رکھے گئے ہیں۔ ان پر ایک ہائی جیکر باری باری پہرہ دیتا ہے، اس کے ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں دستی بم ہے۔ جبکہ دو دہشت گرد بیڈروم میں آرام کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں بھی ریوالور اور دستی بم پکڑے ہوئے ہیں۔ اس کمرے میں شیشے کا ایک پینل ہے جو کمرے کی ایک دیوار میں آویزاں ہے۔

3۔ دہشت گرد ہر 20,15 منٹ کے بعد اپنی پوزیشن تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ تمام حرکات ایس ایس جی کی ٹیم کے زیر مشاہدہ ہیں جو بطور ویٹر اور خدام وغیرہ عمارت کے اندر موجود ہیں اور کھانا اور مشروبات وغیرہ پیش کرنے کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

کچھ دیر بعد ہائی جیکروں نے ٹیلی ویژن، وی سی آر اور ریڈیو کا مطالبہ کیا جو فراہم کر دیئے گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ بچوں کی تفریح طبع کے لئے درکار ہیں حالانکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ گھریلو اور عالمی میڈیا پر ان کی کوریج کس انداز میں ہو رہی ہے۔

ایس ایس جی کی جو ٹیم یہ چیزیں لے کر ٹی وی لاؤنج میں گئی، اس نے بڑی تفصیل سے کمرے کا جائزہ لیا۔ مثلاً یہ کہ اس کا رقبہ کتنا ہے، کیا چیز کہاں پڑی ہے، دھاوا بولنے کی صورت میں کونسا پوز اور کونسی پوزیشن بہتر ہوگی۔ دیواروں، کونوں، کھڑکیوں، کرسیوں، میزوں اور پلنگوں وغیرہ کی لوکیشن کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دریں اثناء مذاکرات جاری رہے۔ یہ کریڈٹ اسلام آباد کی سول ایڈمنسٹریشن اور ملٹری حکام کو جاتا ہے کہ انہوں نے مذاکرات کی ڈور ٹوٹنے نہ دی۔ یہ شائد اسی کا اثر تھا کہ ایک دہشت گرد تو چوکنا اور سنجیدہ رہا جبکہ باقی دو کی سنجیدگی اور چوکسی ڈھیلی پڑ گئی۔ اب وہ کمرۂ آرام میں زیادہ وقت گزارنے لگے اور ان کے انداز میں اب وہ چوکسی اور خبرداری نہ رہی جو ہائی جیکنگ کے اولیں چند گھنٹوں میں تھی۔

ایس ایس جی کی بڑی پارٹی کی آمد کے فوراً ہی بعد فوری ایکشن لینے والی ٹیم کو کچن میں چھپا دیا گیا تھا۔ یہ ٹیم ہمہ وقت وہیں موجود رہی۔ اسی طرح 21 فروری 1994ء کو رات کے نو بجے دہشت گردوں اور حکومتی عہدیداروں کے درمیان طے پایا کہ مزید مذاکرات اگلے روز صبح تک ملتوی کر دیئے جائیں۔ کمانڈر ایس ایس جی نے آفیسر کمانڈنگ ضرار کمپنی کو حکم دیا کہ اسی رات سحری کے فوراً بعد ایکشن لینے کی پلاننگ کی جائے کہ یہی وہ وقت ہوگا جب ہائی جیکر اپنی سکیورٹی سے ایک حد تک لاپرواہ ہو چکے ہوں گے۔ چنانچہ فوری طور پر دو ٹیمیں ترتیب دی گئیں اور پلان بنایا گیا۔ اس پلان کے مطابق ٹیم نمبر ون ابھی کھڑکی کے شیشے میں بارود لگا رہی تھی کہ ایک دہشت گرد نے دیکھ لیا۔ چونکہ معاملہ مشکوک ہو گیا تھا اس لئے ایکشن لینے کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا۔

اگلے روز صبح آٹھ بجے (0800) کمانڈر 10 کور (راولپنڈی) بھی پہنچ گئے۔ ان کو کمانڈر ایس ایس جی نے بریفنگ دی اور اس آپشن پر بھی تبادلہ خیالات ہوا کہ اگر حکومت نے ہائی جیکروں کو ہیلی کاپٹر فراہم کرنے کا فیصلہ کر لیا تو ایسی صورت میں کیا اقدامات لئے جائیں گے۔ او سی ضرار کمپنی کو یہ آپشن دی گئی کہ ایسی صورت میں ہیلی کاپٹر پر دھاوا بولا جائیگا اور گھات لگائی جائے

گی۔کمانڈر10 کوراور جنرل سرفراز (ISI) وزیراعظم کے پاس چلے گئے کہ ان سے ان معاملات میں مزید ہدایات لی جائیں۔ ان کے جانے کے بعد میجر جنرل پرویز مشرف ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان کو ملٹری آپشن کے بارے میں بریف کیا گیا اور انہوں نے اس پلان کی بھرپور اور مکمل حمایت کی۔ اوسی ضرار کمپنی، ہیلی پیڈ، اسلام آباد ائرپورٹ، پی اے ایف بیس اور قاسم ایوی ایشن بیس دھمیال کی ریکی کے لئے چلے گئے کہ اوپن ائرایکشن اور گھات لگانے کی آپشنز کے لئے گراؤنڈ ریکی کر کے ان منصوبوں کو حتمی شکل دی جائے۔ وہ پونے پانچ بجے شام واپس پہنچے۔

شام کے پانچ (1700) بج رہے تھے جب چیف آف دی آرمی سٹاف نے کمانڈر 10 کورکوملٹری آپشن کے استعمال کے لئے کلیرنس دی اور کمانڈر10 کور نے کمانڈر ایس ایس جی کو ہدایات جاری کیں کہ وہ مناسب وقت پر بچوں کو رہا کروانے کے لئے آپریشن لانچ کریں۔ اس ریسکیو (Rescue) آپریشن کے چیدہ چیدہ نکات یہ تھے:۔

1۔اسالٹ ٹیم نمبرایک جو ایک آفیسر اور تین جوانوں پر مشتمل ہوگی، کمرۂ آرام کے شیشے کو بارود سے اڑا کر اندر داخل ہوگی۔ ایک آدمی پردے کھینچ دے گا اور دوسرا آدمی دونوں دہشت گردوں پر فائر کرے گا جبکہ ٹیم کا تیسرا اور چوتھا ممبر اسی راستے سے داخل ہوکر دہشت گردوں کو انگیج کریں گے۔

2۔اسالٹ ٹیم نمبر2 میں بھی ایک ایک آفیسر اور تین جوان ہوں گے۔ یہ ٹیم دھماکہ سنتے ہی اس دہشت گرد پر چارج کردے گی جو یرغمالی بچوں کے ساتھ کمرے میں موجود تھا۔ یہ طے پایا کہ کمرے میں پہلے داخل ہوکر آفیسر، ہائی جیکر کو شوٹ کرے گا اور باقی لوگ راہداری میں ان کو کور دینے کیلئے موجود ہوں۔

3۔دونوں اسالٹ ٹیمیں واکی ٹاکی سیٹ پر ایک کنٹرول سگنل ملنے پر بیک وقت کارروائی کا آغاز کریں گی۔

21 فروری رات کو آٹھ بجے ایس ایس جی کے آدمیوں نے بیروں اور خادموں وغیرہ کے بھیس میں دہشت گردوں اور یرغمالیوں کو کھانا کھلایا۔ پہلے یہ لوگ اکٹھے کھانا کھاتے تھے لیکن

اس بار دو دہشت گرد کھانا لے کر کمرۂ آرام میں چلے گئے اور وہاں کھانا کھایا۔.......... ایکشن لینے کا یہ بہترین وقت تھا۔

رات دس بجے کھانا اور چائے وغیرہ ختم ہوئی۔ دس بجکر دس منٹ (2210) پر آفیسر کمانڈنگ نے واکی ٹاکی پر "بزن" کا سگنل دے دیا۔ سگنل ملتے ہی ٹیم نمبر ایک نے کمرہ آرام کی شیشے کی کھڑکی کو بارود سے اڑا دیا۔ اور ٹیم نمبر 2 نے دھماکے کی آواز سنتے ہی اس دہشت گرد پر حملہ کر دیا جو بچوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا.......... تینوں دہشت گردوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا اور تینوں صرف تین سیکنڈ میں ہلاک کر دیئے گئے۔

اس کے بعد بچوں کو باہر نکالا گیا۔ کمروں کو سیل کیا گیا اور ان کی تلاشی لے کر انہیں کلیئر کر دیا گیا۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ ایسا نہ ہو دہشت گردوں نے کوئی دھماکہ خیز مواد کسی کمرے میں لگا رکھا ہو۔ ہائی جیکروں کی لاشوں کو اسلام آباد پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور ہتھیار وغیرہ بھی متعلقہ حکام کو دے دیئے گئے۔

ایس ایس جی کی یہ تمام نفری کارروائی کرنے کے بعد اس رات دس بجکر 40 منٹ پر اسلام آباد سے واپس تربیلا کی طرف روانہ ہوگئی۔

سندھ میں ڈاکوؤں کی سرکوبی

1980ء کے عشرے کے وسط میں سندھ میں ڈاکوؤں اور لٹیروں نے امن وامان کی صورت حال بہت خراب کر رکھی تھی۔ یہ صورت حال کیوں پیدا ہوئی اور اس کی وجوہات کیا تھیں، ان سوالوں کا جواب اس کتاب کے سکوپ میں نہیں۔ ایس ایس جی کی ضرار کمپنی کو حکم دیا گیا کہ وہ ان لٹیروں کی دست برد سے امن وامان کی بگڑتی صورت حال کو بحال کرے اور سندھ کے بعض دیہاتی علاقوں خاص طور پر ان علاقوں کو جو "کچے کے علاقے" کہلاتے ہیں، شر پسند عناصر سے پاک کرے۔

19 اکتوبر 1988ء کو کمپنی کو نواب شاہ جانے کا حکم ملا۔ وہاں مندرجہ ذیل پہلوؤں پر بالخصوص توجہ دی گئی:

1۔ ہائی وے موبائل پٹرول۔

2۔ دیئے گئے علاقے کو گھیر اڈالنا اور تلاشی لینا۔

3۔ جنگلوں میں قیام۔

4۔ خفیہ سروے لینس۔

5۔ پوچھ گچھ اور تفتیش۔

6۔ عماراتی علاقوں میں لڑائی لڑنا۔

ضرار کمپنی ایک سپیشل ٹرین کے ذریعے 29 اکتوبر 1988ء کو نوشہرہ سے روانہ ہوئی اور یکم نومبر 1988ء کو نواب شاہ پہنچ گئی۔ کمپنی نے سرکنڈ (سندھ میں ایک قصبے کا نام) میں ایک ہائی وے ریسٹ ہاؤس میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا اور ڈاکوؤں کے خلاف آپریشن کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ذمہ داری کا علاقہ جی ٹی روڈ کے ساتھ ساتھ دریائے سندھ کے مشرق میں کنڈیارو سے لے کر ہالہ تک پھیلا ہوا تھا۔ کمپنی کی ایک پلاٹون قاضی احمد میں جبکہ دوسری پلاٹون ہالہ میں اور تیسری سرکنڈ میں ڈیپلائے کی گئی۔ کمپنی نے ڈاکوؤں کے خلاف گھاتیں لگائیں، ان پر شب خون مارے، نیشنل ہائی وے پر موبائل گشتوں کا سلسلہ قائم کیا، جنگلوں میں چھپے ہوئے لٹیروں کو پکڑا، ان کی پناہ گاہوں کی تلاشی لی اور ہالہ سے دولت پور تک کا علاقہ جو ان خطرناک ڈاکوؤں اور شرپسندوں کی آماجگاہ تھا، اسے کلیئر کیا۔ کچے کے علاقے میں خاص طور پر کارروائیاں کی گئیں اور شہری علاقوں میں بھی لوگوں کو اس آفت سے نجات دلائی گئی۔ بہت سے بدنام اور خطرناک بدمعاش اور ڈاکو پکڑ کر حکام کے حوالے کیے گئے۔ پانچ ایسے ڈاکو بھی مارے گئے جن کے سر کی قیمت حکومت سندھ نے لاکھوں روپے لگا رکھی تھی۔ ان میں دادن چانڈیو نامی بدنام زمانہ ڈاکو بھی شامل تھا۔

سترہواں باب

کارگل میں

ایک طائرانہ جائزہ

کارگل اس کشمیر کا ایک شہر ہے جس پر پاکستان اور بھارت کے درمیان دو جنگیں لڑی گئیں، ایک 1948ء میں اور دوسری 1965ء میں۔ پاکستان نے ان دونوں جنگوں میں کشمیر کو آزاد کروانے کی کوشش کی جس پر بھارت نے 1947ء میں برصغیر کی تقسیم کے وقت طاقت کے زور پر قبضہ کرلیا تھا۔ 1948ء کی جنگ میں پاکستان نے کارگل پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ قبضہ 1971ء کی جنگ تک برقرار رہا۔ 1965ء کی جنگ ایک طویل داستان ہے اور پاکستان اور بھارت کا ہر قاری کم وبیش اس سے واقف ہے۔ 1971ء کی جنگ بھارت نے پاکستان پر مسلط کی۔ وہ اسے آج بنگلہ دیش کی آزادی کی جنگ تو کہتا ہے، لیکن 1948ء اور 1965ء کی جنگوں کو ''کشمیر لبریشن وارز'' نہیں کہتا!

1971ء کے بعد پاکستان اور بھارت میں کئی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو چکی ہیں، جنہیں ''منی وار'' کہا جا سکتا ہے۔ سیاچن کے باب میں ہم لکھ آئے ہیں کہ بھارت نے کس طرح 1984ء میں وہاں پر حملہ کر کے اس گلیشیئر کے دو تہائی حصے پر قبضہ کرلیا۔ دراصل 1971ء کی جنگ تک کارگل پاکستان کے پاس تھا لیکن اس جنگ میں بھارت نے ایک ناگہانی حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا اور شملہ معاہدہ (1972ء) میں سیز فائر لائن کو لائن آف کنٹرول میں تبدیل کر دیا۔ یہی وہ لائن ہے جو متنازعہ ہے۔ اس پر آئے روز دونوں ملکوں کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہتی

ہیں۔ 2002ء میں تو دس ماہ تک پاکستان اور بھارت کی افواج نہ صرف لائن آف کنٹرول بلکہ انٹرنیشنل بارڈر پر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بیٹھی رہیں۔ اگر چہ مسئلہ کشمیر کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا لیکن ساری دنیا کو معلوم ہے کہ کشمیر اب ایک نیوکلیئر فلیش پوائنٹ بن چکا ہے۔..........

بھارت کے مصنفین نے اس پر کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن جیسا کہ ان کا دستور ہے، ان کتابوں میں جانبداری اور تعصب کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ یہ ایک نہائت خونریز لڑائی تھی جو مئی اور جون 1999ء میں کارگل، دراس، بٹالک اور مشکو کی خطرناک اور بے رحم چوٹیوں پر لڑی گئی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسی لڑائی میں پاکستان نے دو نشانِ حیدر اور بہادری اور جانفروشی کے بہت سے دوسرے ایوارڈ اپنی فورسز کو دیئے۔

کارگل کے آس پاس کا علاقہ دنیا کے خوبصورت ترین فطری مناظر کا علاقہ ہے لیکن دوسری طرف کسی ملٹری آپریشن کو بروئے عمل لانے کے نقطہ نظر سے یہ علاقہ دنیا کا مشکل ترین علاقہ بھی ہے۔ دراس سے کارگل اور پھر بٹالک کا علاقہ لمبائی کے رخ تقریباً 100 کلومیٹر ہے اور یہاں کی چوٹیوں کی بلندی 13000 فٹ سے 19000 فٹ تک ہے۔ حد یہ ہے کہ وادیوں کا فرش بھی سطح سمندر سے 7000 فٹ بلند ہے۔ (مری اور ایبٹ آباد کی اونچائی سطح سمندر سے ساڑھے چار ہزار فٹ ہے)۔ سلسلہ ہائے کوہ ایک کے بعد ایک پر مشتمل ہے اور دائیں بائیں گہری، مہیب اور خوفناک کھائیاں ہیں جن کی گہرائی سینکڑوں فٹ سے لے کر ہزاروں فٹ تک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں انفنٹری آپریشنز بے انتہا دشوار ہیں۔ علاقے کی یہی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے بھارتی ٹروپس جو لائن آف کنٹرول پر تعینات تھے وہ موسم سرما میں انہیں خالی کر دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس خانماں خراب اور دشوار ترین ویرانے میں کون مائی کا لال ہوگا کہ یخ بستہ اور برف پوش فضاؤں میں آکر قیام کرنے کی حماقت اور جرات کرے گا۔ دراس سے کارگل تک بھارت نے ایک سڑک بنائی ہوئی ہے۔ یہ سڑک سری نگر سے شروع ہوتی ہے اور دراس، کارگل ریجن میں یہ سڑک پہاڑوں کے بالکل ساتھ ساتھ چلتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے فائر کر کے اس سڑک کو بند اور سپلائی کو منقطع کیا جا سکتا ہے۔ اس علاقے میں بیشتر وادیوں کی چوڑائی چند سو گز ہے اور زیادہ

سے زیادہ چوڑائی دراس میں ہے جو پانچ سات ہزار گز ہے۔ وادی کی یہی کشادگی ہے جس کے سبب دراس میں ایک چھوٹی سی چھاؤنی انڈیا نے تعمیر کر رکھی ہے۔ یہ وہی چھاؤنی ہے کہ جہاں سے موسم بہار کے آغاز پر ٹروپس بیرکوں سے اٹھ کر پہاڑوں پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور پھر موسم خزاں میں اتر کر واپس بیرکوں میں جا بیٹھتے تھے۔

قصہ صرف اتنا سا تھا کہ بھارت کی طرف سے خالی کی گئی ان چوٹیوں پر کہ جو لائن آف کنٹرول کے اوپر واقع تھیں، چند مجاہدین آکر بیٹھ گئے۔ ان میں پاک آرمی کی کوئی ریگولر سپاہ شامل نہ تھی۔

مئی 1999ء کے پہلے ہفتے میں لڑائی شروع ہوئی تو انڈین آرمی چیف غیر ملکی دورے پر تھے۔ مقبوضہ کشمیر میں موجود بھارتی عسکری قیادت نے اول اول متکبرانہ لہجہ اختیار کیا اور دعویٰ کیا کہ مٹھی بھر مجاہدین ہماری چند چوٹیوں پر آکر بیٹھ گئے ہیں، ان کو جلد ہی وہاں سے ''کھدیڑ'' دیا جائے گا۔ انڈین آرمی چیف نے بھی واپس وطن آنے میں کوئی جلدی نہ دکھائی اور تنازعے کو قالین کے نیچے چھپانے کی کوششیں ہونے لگیں۔ لیکن یہ حقیقت اتنی ظاہر و باہر تھی کہ چھپائے نہ چھپی تو بھارت کی سیاسی قیادت نے اسے بڑھا چڑھا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا پلان بنالیا۔

مئی کے تیسرے ہفتے تک انڈین آرمی اپنے طور پر ان ''مجاہدین'' کو بے دخل کرنے کی کوشش کرتی رہی اور نقصان پر نقصان اٹھاتی رہی۔ مئی کے چوتھے ہفتے میں بھارت نے فضائیہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اپنی ساری 400 بوفور توپوں کو یہاں لایا جائے۔ درحقیقت اس سے آدھی بوفور گنیں اس آپریشن میں استعمال کی گئیں۔ ان کا استعمال اس آپریشن میں ایک فیصلہ کن اور تاریخ ساز عنصر ثابت ہوا۔ 28 مئی 1999ء کو پاکستان نے بھارت کے دو مگ طیارے مار گرائے اور اگلے روز دو ہیلی کاپٹر بھی گرالئے۔ اس پر انڈیا نے لیزر گائیڈڈ بموں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بم کشمیر جیسی ٹیرین میں نہایت فائدہ مند اور موثر ثابت ہوتے ہیں (اور ہوئے)۔

جون 1999ء کا آغاز ہوا تو بوفور توپیں دراس پہنچنا شروع ہوئیں۔ دراس وہ مقام تھا جو زیادہ زیر خطر تھا، اس لئے انڈیا نے فیصلہ کیا کہ ان توپوں کو سب سے پہلے یہاں ڈیپلائے کیا

جائے۔ دراس چھاؤنی میں چونکہ مطلوبہ گہرائی میسر ہے اس لئے تقریباً 50 کے قریب بوفور یہاں ڈیپلائے کی گئیں۔ ان کی گولہ باری کی آڑ میں بھارت کی ایک انفنٹری بٹالین (2 راجپوتانہ رائفلز) اس چوٹی پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھی جس کو بھارت ''تولولنگ ٹاپ'' کا نام دیتا ہے اور پاکستان پوائنٹ 4590 کہتا ہے۔ یہ ایسی چوٹی تھی جہاں سے براہ راست دراس پر فائر گرایا جاسکتا تھا۔ اس چوٹی پر 12 جون کو بھارت نے قبضہ کرلیا، اگلے روز اس سے متصل ایک اور چوٹی پر قبضہ ہوا اور 13 جون کو بھارتی ٹروپس ٹائگر ہل (پوائنٹ 5140) پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے.......... حقیقت یہ ہے کہ اگر بوفور توپیں اور انڈین ائرفورس کی طرف سے میراج۔2000 (لیزر گائیڈڈ بمباری کے لئے) استعمال نہ کئے جاتے تو بھارت ان چوٹیوں کو مجاہدین سے واپس نہیں لے سکتا تھا۔

جب اس لڑائی کا دائرہ پھیلا تو پاکستان کو ناردرن لائٹ انفنٹری کے بعض دستے بھی بھیجنے پڑے اور اس کے بعد ایس ایس جی کو بھی بعض ٹاسک سونپے گئے۔ ایس ایس جی لڑائی کے بالکل آخری ایام میں اس شرط کے ساتھ انڈکٹ کی گئی کہ یہ لائن آف کنٹرول کراس نہیں کرے گی۔

کارگل کی لڑائی میں لیاقت کمپنی، شاہین کمپنی اور کمال کمپنی کو استعمال کیا گیا۔ لیاقت کمپنی کو گلتری سیکٹر میں، شاہین کمپنی کو بٹالک سیکٹر میں اور کمال کمپنی کو چوہار سیکٹر اور پیون (Piun) میں اپنی لائن آف کنٹرول کی حفاظت کیلئے استعمال کیا گیا۔ ان ایس ایس جی عناصر نے جو جو آپریشن کئے، ان کی تفصیلات فی الحال نہیں دی جاسکتیں۔

لائن آف کنٹرول کے اس علاقے میں چوٹیوں اور بلندیوں کے کوئی نام نہیں صرف ان کی بلندی کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جب ہم کسی چوٹی کو پوائنٹ 5100 کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چوٹی سطح سمندر سے 5100 میٹر اونچی ہے۔ چونکہ ان علاقوں میں کوئی آبادی نہیں، نہ کوئی گاؤں اور شہر ہے، اس لئے جب ٹروپس کی نقل و حرکت وغیرہ کا ذکر کیا جائے تو خالصتاً عسکری اصطلاحیں ہی استعمال کی جائیں گی۔ یعنی کسی فیچر کا چھ ہندسی حوالہ دے دیا جائیگا۔ لیکن یہ

حوالہ سول قاری کو تو کیا، ایک فوجی قاری کے لئے بھی اس وقت تک بے فائدہ ہوگا جب تک نقشہ سامنے نہ ہو۔ یہ ٹیرین جس میں آپریشن کوہ پیمارو بہ عمل لایا گیا، اس میں نالے، گہرائیاں، کھائیاں، ڈھلانیں اور چوٹی لائنیں وغیرہ تو ان گنت اور بے شمار ہیں لیکن ان کو شناخت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اگر آپ اس علاقے میں آپریٹ کر رہے ہوں اور آپ کے پاس واکی ٹاکی سیٹ بھی ہوں تو بھی آپ اپنی پوزیشن کو اپنے مخاطب پر کیسے واضح کر سکیں گے؟ معروف عسکری طریقہ یہ ہے کہ مختلف مقامات کو مختلف کوڈ نمبر دے دیئے جاتے ہیں مثلاً کسی کو 125، 126، 127 اور اسی طرح علیٰ ہذا القیاس، جتنے اور جس طرح کے چاہے نمبر دے لیں۔ پھر اگر کسی ایک پوائنٹ پر دو پوزیشنیں لگائی ہوں تو اسے 129A اور 129B وغیرہ کا نمبر دیا جا سکتا ہے۔ بعض جغرافیائی نقوش کے نام کسی آفیسر، جے سی او اور جوان کے نام پر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً جمیل نالہ، خالد گھاٹی یا شکور چوٹی وغیرہ۔ اسی طرح پوسٹوں کو بھی پہچان اور شناخت کے لئے نام دے دیئے جاتے ہیں۔ پھر ان کا فاصلہ، وقت اور کلومیٹر دونوں میں دے دیا جاتا ہے۔ اس طرح نقل و حرکت میں آسانیاں پیدا کی جاتی ہیں۔

اب چونکہ لائن آف کنٹرول کے اس علاقے کے تمام فیچر بے نام و نشان تھے، اس لئے ان کو نشان زد (Indicate) کرنا مشکل اور کارے دارد تھا۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپریشن کوہ پیما صرف دو اڑھائی ماہ جاری رہا۔ اس دوران جو نقوشِ زمینی استعمال کئے گئے عین ممکن ہے کہ آئندہ کئی برسوں تک وہ دوبارہ استعمال ہی نہ ہوں۔ چوتھے اس علاقے کی ٹوپوگرافی ایک جیسی ہے۔ اگر ان کی تصویریں کسی قاری کو دکھائی جائیں تو سب ایک جیسی معلوم ہوں گی۔ اس لئے آپریشنوں کی حربی تفصیلات کا ذکر کرنا اور انہیں ضبطِ تحریر میں لانا بہت دشوار ہے۔ انگریزی میں ایک پیشہ ورانہ اور خالص فوجی طرزِ تحریر اس قسم کے علاقوں کی نشان دہی کے لئے ضرور مروج ہے لیکن ایک عام قاری کے لئے اس طرزِ تحریر میں دلچسپی سے زیادہ بوریت کا سامان ہوتا ہے۔

مثلاً اگر یہ بتانا مقصود ہو کہ ایس ایس جی کے ایک نامور فرزند کیپٹن عمار شہید، ستارہ جرات، کس جگہ اور کن حالات میں شہید ہوئے تو یہ تذکرہ آسان نہیں ہوگا۔ کارگل کی اس لڑائی میں کیپٹن کرنل شیر خان اور حوالدار لالک جان کو نشانِ حیدر دیا گیا لیکن جن معرکوں میں دیا گیا

ان کی تفصیلات کے لئے جب تک کسی نظری خاکے یا نقشے کا سہارا نہ لیا جائے، کوئی اور طریقہ موجود نہیں اور نہ ہی ان میدان ہائے کارزار کی صحیح تحریری نقشہ کشی کی جا سکتی ہے جن میں وہ شہید ہوئے۔

ان مشکلات کے باوصف مجھے امید ہے ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب اردو زبان میں بھی اس قسم کی تفاصیل کے لئے اظہار کا کوئی نہ کوئی سکہ بند اور معیاری طریقہ مروج ہو جائے گا۔

حرفِ اختتام

کارگل کی لڑائی پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک روسی مبصر سٹرابرانوف نے کہا تھا: ''معلوم ہوتا ہے مسئلہ کشمیر کا حل، کارگل کی دیواروں پر لکھا ہوا ہے۔''............امر واقعہ یہی ہے کہ اس لڑائی نے ساری دنیا میں مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو اجاگر کر دیا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر مئی 1998ء میں پاکستان جوہری دھماکے نہ کرتا تو مئی 1999ء میں کارگل کی لڑائی صرف کارگل، دراس اور بٹالک تک ہی محدود نہ رہتی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں جب پاک فوج اکھنور کے نواح میں پہنچ گئی تھی تو بھارت نے بین الاقوامی سرحد پر حملہ کر دیا تھا۔ کارگل کی اس لڑائی میں تو بھارت کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا لیکن اس کے باوجود جب جنگ کا پیمانہ چھلک کر لائن آف کنٹرول کے ایک محدود حصے سے باہر نہ نکلا تو اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ پاکستان اب تخت یا تختہ کی پالیسی پر گامزن تھا............اس موضوع کے حق میں اور اس کے خلاف بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ پاکستان کی جوہری اہلیت نے اس لڑائی کو ایک حد میں محصور رکھا اور بھارت جیسے دشمن کی ہوسِ مُلک گیری کو لگام دیئے رکھی!

اٹھارہواں باب

کرنل انچیف کی تقریب مسند نشینی

(13 اکتوبر 2000ء)

کرنل انچیف کا عہدہ ایک اعزازی عہدہ ہے جو ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہونے والے کسی فور سٹارز فوجی آفیسر کو ملتا ہے۔ اس آفیسر نے جس رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا ہو یا ایسی رجمنٹ یا گروپ کہ جس میں اس نے اپنے فوجی کیریئر کے ابتدائی ماہ و سال گزارے ہوں، وہ رجمنٹ یا گروپ یہ دعویٰ رکھتی ہے کہ اسے اپنا کرنل انچیف بننے کا اعزاز پیش کرے۔

سپیشل سروس گروپ اس حوالے سے بجا طور پر جنرل پرویز مشرف کو اس عہدے کے لئے درخواست کر سکتی تھی۔ چنانچہ یہ درخواست کی گئی اور جنرل پرویز مشرف جو 12 اکتوبر 1999ء کو پاکستان کے چیف ایگزیکٹو بنے تھے، انہوں نے یہ درخواست منظور کر لی۔ جنرل مشرف نے اپنی پیشہ ورانہ ملازمت کے چند نہایت یادگار سال بطور ینگ آفیسر ایس ایس جی میں گزارے۔ ملک کے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ سنبھالنے کے پورے ایک برس بعد، یعنی 13 اکتوبر 2000ء کو ہیڈکوارٹر ایس ایس جی چراٹ میں کرنل انچیف کی تقریب مسند نشینی منعقد کی گئی۔ حسن اتفاق سے ایس ایس جی کی ری یونین کی تقریب، جو ہر دس برس بعد منعقد کی جاتی ہے، وہ بھی 2000ء میں ہونا قرار پائی تھی۔ اس طرح اس تقریب مسند نشینی اور ری یونین کے

باہم ملاپ سے اس تقریب کی اہمیت دو چند اور اس کی مسرت دو چند ہوگئی، جیسا کہ ان مواقع پر ہوتا ہے، ایس ایس جی کے تمام ریٹائرڈ اور حاضر سروس وابستگان کو ان کے اہل خانہ کے ہمراہ اس تقریب میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ اس طرح 13 اور 14 اکتوبر 2000ء کے یہ دو دن ایس ایس جی اور چراٹ کی تاریخ میں ایک ایسے سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گئے جو آنے والے برسوں میں ہمیشہ یاد رکھے جائینگے۔

جیسا کہ ہم پہلے پڑھ آئے ہیں، ایس ایس جی کا مزاج اور اس کی افتادِ طبع، پاک فوج کی دوسری رجمنٹوں اور کوروں سے مختلف رہی ہے (اور ہے)۔ اس کا یہی غیر روایتی مزاج اور باہمی انضباط، اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ پیشہء سپاہ گری ان کا اوڑھنا اور بچھونا ہے، یہ اپنے حال میں مست رہنے والوں کا گروپ ہے، جو سر سے پاؤں تک شوق شہادت اور جذبہء جہاد سے سرشار بڑے سے بڑے چیلنج کو لبیک کہنے کے لئے ہر آن تیار رہتا ہے۔ یہ جان لینے اور جان دینے والے عاشقان صادق کا گروہ ہے۔ اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں ان ہی جیسے "عشاق" کا تذکرہ کیا ہے :

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں؟

میجر جنرل امیر فیصل علوی 2000ء میں بھی (بطور بریگیڈیئر) اس ایلیٹ عسکری گروپ کی کمانڈ کر رہے تھے۔ 13 اکتوبر کی شام کو چراٹ میں ایک جشن کا سماں تھا۔ بہت سے آفیسرز، جے سی اوز اور این سی اوز ملک کے کونے کونے سے اس ری یونین کے لئے یہاں پہنچ چکے تھے۔ جگہ اگرچہ کم تھی اور رہائش کی وہ آسائشیں جو ملک کے دوسرے بڑے شہروں اور چھاؤنیوں میں ہوتی ہیں، وہ میسر نہیں تھیں، لیکن اس کے باوجود بقول غالب مکانوں کو تو مکینوں سے شرف ملتا ہے! سادگی اور جفاکشی ویسے بھی ایس ایس جی کا شعار ہے۔ چنانچہ اکتوبر 2000ء کی خنک رات، آفیسرز میس، جے سی اوز میس اور او آر میس میں قہقہوں سے گنگنا رہی تھی۔ ریٹائرڈ حضرات گئے دنوں کی یادیں تازہ کر رہے تھے۔ آفیسرز کی خواتین خانہ بھی اپنی پرانی سہیلیوں سے مل کر یادوں کی انجمن سجا رہی تھیں۔ گویا یادوں کی ایک بارات تھی جو اُس رات چراٹ میں اتر آئی تھی۔ فوجی زندگی میں مشکل وقت بھی آتے ہیں اور آسان بھی۔ فراق و وصال اور ہجر و ملاپ ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ یہ آنسوؤں اور قہقہوں کا کھیل ہے، لیکن اس روز لگتا تھا

کہ بچھڑنے والوں کے غم کہیں ماضی کی اوٹ میں جا چھپے ہیں اور زندگی صرف پر مسرت لمحوں کو دہرانے کا نام بن گئی ہے۔ چراٹ کی یہ چھوٹی سی پہاڑی ماضی کی کٹھنائیوں کو نہیں، آسانیوں کو یاد کر رہی تھی اور کڑے لمحوں کی دھوپ کی بجائے ہنستی مسکراتی ساعتوں کی بارش میں نہا رہی تھی!

پروگرام کے مطابق 13 اکتوبر 2000ء کو جنرل پرویز مشرف نے چراٹ میں ''آبشار چراٹ'' کا افتتاح کیا۔ اسی شام آفیسرز میس چراٹ میں ایک شاندار عشائیہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں مدعو کئے گئے تمام حاضر سروس اور ریٹائرڈ ایس ایس جی آفیسرز نے شرکت کی۔ اس موقع پر کمانڈر ایس ایس جی ، بریگیڈیئر (اب میجر جنرل) امیر فیصل علوی نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

جناب جنرل پرویز مشرف صاحب چیف ایگزیکٹو آف پاکستان!

محترمہ بیگم پرویز مشرف صاحبہ!

معزز خواتین و حضرات!

میں آپ سب کو ایس ایس جی کی جانب سے ''عقابوں کے نشیمن'' میں تشریف لانے پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، کل بہت سے رسمی خطابات اور تقاریر ہوں گی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آج کے دن اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں اور ان غیر رسمی تقاریر میں شامل ہو جاؤں جو آج کی شب وابستگان ایس ایس جی کی طرف سے کی جائیں گی۔ ایس ایس جی ایک فیملی کی طرح ہے اور میں نے سوچا کہ اس خاندان کی طرف سے، اس کے اراکین کے اجتماعی جذبات و احساسات کی ترجمانی کا مشکل فریضہ انجام دوں۔ مجھے فخر ہے کہ میں بطور کمانڈر ایس ایس جی اس یادگار موقع پر آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کر رہا ہوں، یہ موقع چار برسوں کے بعد صرف ایک بار آتا ہے۔ اس ری یونین کی اہمیت اس حوالے سے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ ایس ایس جی کی تاریخ میں پہلی بار کسی کرنل انچیف کی تقریب مسند نشینی کا اہتمام ہو رہا ہے۔ آپ سب میرے ساتھ متفق ہوں گے کہ ایسے مواقع روز روز نہیں آتے کہ ملک کے چیف ایگزیکٹو اور پاک فوج کے چیف آف آرمی سٹاف کا تعلق ایس ایس جی سے ہو۔ ہم سب جنرل پرویز مشرف کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ایس ایس جی کا کرنل انچیف بنائے جانے کی ہماری درخواست کو منظور کرتے ہوئے ایس ایس جی کو یہ اعزاز بخشا۔ بات یہ نہیں کہ ہمیں ان کی ایس ایس جی کے ساتھ وابستگی اور محبت کے بارے

میں کوئی شک تھا۔ بات صرف اس سرخ فیتے کی تھی جو دُنیا کی ساری افواج میں مروج ہے اور اسی لئے ہم اول اول تھوڑے سے خائف تھے۔ میں آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس یادگار محفل میں شرکت کے لئے وقت نکالا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے یہاں تشریف لانے کے سفر میں وہ خیالات واحسات بھی شامل ہوں گے، جو آپ کو ماضی کی حسین یادوں کی طرف لے گئے ہوں گے اور آپ کی تمنا ہوگی کہ اپنے اپنے دوستوں، ساتھیوں اور رفیقانِ کار سے ملاقاتیں کر کے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ چراٹ کے ساتھ چونکہ آپ کو ایک خاص وابستگی اور ایک خاص آشنائی ہے، اس لئے یہاں ایک شب گزار کے آپ ماضی کی یادوں کی پرانی شمعیں ایک بار پھر روشن کر سکیں گے۔

ایس ایس جی ایک ایسی تنظیم ہے جو اپنی تشکیل کے اول روز ہی سے پوری قوم کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ وہ ایس ایس جی کہ جس کی تاریخ آزمائشوں اور مشقتوں کا مرقع ہے، محبت ونفرت کی داستان ہے اور حد سے بڑھی ہوئی توقعات اور بعض بے بنیاد بے چینیوں اور جھنجھلاہٹوں کی کہانی بھی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایس ایس جی کی کارکردگی اختلافات کا موضوع بھی بنی ہے۔ یہی وہ تنظیم ہے جو اپنے چاہنے والوں اور بہی خواہوں کی آنکھ کا تارا بھی رہی ہے اور اپنے نقادوں کی طرف سے ہدف تنقید اور نشانہء نفرت و تعصب بھی بنی ہے۔ تاہم ایس ایس جی کا سفینہ ان محبتوں اور نفرتوں کے طوفانی تھپیڑوں کے باوجود قائم ودائم اور رواں دواں رہا اور یہ آج بھی بطور ایک ناگزیر عسکری تنظیم کے اپنا وجود منوا رہا ہے۔ جنگ ہو یا امن، صورت حال کیسی بھی ہو، آب وہوا، زمین اور موسم کیسا بھی ہو، ایس ایس جی ہر اس ٹاسک کے لئے استعمال کی گئی، جو کسی کے بھی احاطہء فکر میں سما سکتا ہے۔ اس نے جو آپریشن بروئے عمل لائے، ان کا کنڈکٹ اور ان کا نتیجہ اگرچہ ہمیشہ موضوع بحث رہا ،لیکن ایک بات پر سب متفق ہیں کہ اس کے افسروں اور جوانوں نے ہمیشہ جرات ودلیری اور قربانی کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ ہمارے شدید ترین نقاد اور معترضین بھی مشکل وقت آنے پر ہم سے علیحدہ ہونے کے خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

خواتین وحضرات!

اس گروپ کے 244 شہداء اور اس کو ملنے والے جرات و دلیری کے 149

اعزازات وانعامات اس کی قربانیوں، پیشہ ورانہ لگن اور عزم وہمت کے آئینہ دار ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے افسروں نے پیشہء سپہ گری میں ہمیشہ اپنا لوہا منوایا اور فوج کے اعلیٰ ترین منصب تک پہنچے۔ ہم آج بڑے فخر کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس گروپ نے چار ستاروں والے چار جرنیل اور تین ستاروں اور دو ستاروں والے متعدد جرنیل پیدا کئے۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ ایس ایس جی کے آفیسر پروفیشن کے ساتھ استواری ولگن اور اپنے کام کے ساتھ سخت محنت وتندہی کے عادی ہیں؟ ہم ایس ایس جی کے حاضر سروس آفیسر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ آپ جیسے ریٹائیرڈ حضرات، جو آج یہاں تشریف فرما ہیں، کی اپنے پیشے سے بے مثال وابستگی، آپ کے کارہائے نمایاں اور نیز آپ کے پیشہ ورانہ شاندار کارناموں ہی کی بدولت ممکن ہو سکا کہ ہم آج اپنا سینہ تان کر چلتے ہیں۔ ہمارا عزم ہے کہ ہم اسی روش پر گامزن رہیں گے اور اپنے پیشروؤں کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ آپ سب ہمارے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ ہمیں آپ پر ناز ہے اور ہم آپ کی میزبانی کرتے ہوئے آج فخر محسوس کر رہے ہیں۔

جرات، آج بھی ایس ایس جی کی پرانی داستانوں اور کہانیوں کی گونج میں سانس لے رہا ہے.......... مثلاً یہ کہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں جنرل شمیم عالم نے سیالکوٹ سیکٹر میں ستارۂ جرات کا اعزاز کیسے حاصل کیا؟ کرنل خالد گلریز بٹ نے اسی جنگ میں بھارتی ائرفیلڈز پر پیرا ڈراپ کے آپریشن میں جاتے ہوئے ایک شام کس طرح اپنی اہلیہ سے یہ کہا کہ وہ ایک ایکسر سائز پر جا رہے ہیں، لیکن اگلی صبح محترمہ کو معلوم ہوا کہ وہ تو بھارت کے جنگی قیدی بن چکے ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل محمود شاہ نے کس طرح بلوچستان میں اپنی کمانڈو بٹالین کی خاطر اپنا کیرئر تک داؤ پر لگا دیا۔ مرحوم بریگیڈیر حضور حسنین 1965ء کی پیرا لینڈنگ کے بعد کس طرح اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور کیپٹن پرویز مشرف نے چار میل کے مقابلے میں کس طرح لال خان کو پیچھے چھوڑا.......... حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پیش روؤں کی دلیری اور شجاعت کی لاتعداد ناقابلِ فراموش داستانیں اس گروپ کے نام کے ساتھ وابستہ ہیں اور ایس ایس جی کے آج کے آفیسرز اور جانباز اپنے ان پیش روؤں کے اعلیٰ معیارات کے حصول کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں۔

خواتین وحضرات!

گزشتہ برس میجر جنرل ابوبکر عثمان مٹھا جو ایس ایس جی کے بانی اور پہلے کمانڈنٹ تھے، اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ہم ان کے بے حد ممنون احسان رہیں گے کہ انہوں نے اس ایلیٹ گروپ کی بنیاد رکھی۔ ہم سب ان کے لئے ان کے اپنے افراد خانہ کی طرح تھے اور ان کا اس طرح ہم سے بچھڑ جانا ہمارے لئے از حد افسوسناک اور غم انگیز ہے۔ ہم نے اس تقریب میں شرکت کے لئے ان کی اہلیہ محترمہ کو دعوت دی تھی، لیکن وہ خرابی صحت کی بناء پر تشریف نہیں لا سکیں۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ خوشی کی اس تقریب میں اداسی کے لمحے شامل کرنا نہیں چاہتیں۔ خداوند کریم کے حضور ہماری دعا ہے کہ وہ مرحوم کی روح کو سکون عطا کرے اور ان کے پس ماندگان کو اس عظیم نقصان کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا کرے۔ (آمین)

خواتین وحضرات!

ہم چاہتے تھے کہ مرحوم بریگیڈیر طارق محمود (ٹی ایم) کی اہلیہ محترمہ بھی اس تقریب میں تشریف لاتیں، لیکن اپنی بہترین کوششوں کے باوجود میں ان کو اس امر پر قائل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ مجھے اس کا قلق رہے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ چراٹ اور اٹک دو ایسے مقامات ہیں کہ جہاں انہوں نے زندگی کے بہت سے یادگار ماہ وسال بسر کئے اور وہ ان مقامات کو دیکھ کر اپنے جذبات پر شائد قابو نہ رکھ سکیں۔ تاہم میں آپ خواتین وحضرات کو بتانا چاہتا ہوں کہ دو اڑھائی ماہ پہلے میں نے ان کو تربیلا میں تشریف لانے کی دعوت دی تھی، جہاں انہوں نے "بریگیڈیر ٹی ایم شہید بوائز ہاسٹل" کا افتتاح کیا۔ یہ ہاسٹل ان کے شہید شوہر کے نام نامی پر معنون ہے۔ اس ہاسٹل میں ہمارے شہداء کے بچے بھی جو آرمی پبلک سکول تربیلا میں زیر تعلیم ہیں، رہائش پذیر ہیں۔ ان کی رہائش اور تدریس وغیرہ کے تمام اخراجات ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کی ذمہ داری ہے۔

ہم اس اعتماد اور اس یقین سے اچھی طرح واقف ہیں جو پاک فوج اور پاکستان قوم ہمارے اوپر رکھتی ہے اور ہم اس بات کا بھی پورا پورا شعور رکھتے ہیں کہ جب کوئی مشکل وقت آیا تو میدان کارزار میں کودنے کے لئے سب سے پہلی کال ہمیں ہی ملے گی۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی ایس ایس جی سکیورٹی فرائض سے لے کر آپریشنل فرائض تک مختلف النوع قسم کی ڈیوٹیاں سرانجام دے رہی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو جو فریضہ بھی سونپا گیا، ہم اس کو بروئے عمل

لانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ ہم اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں اور کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے.........یہ پاک فوج اور پاکستان قوم کے ساتھ ہمارا عہد ہے!

خواتین وحضرات!

میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ بریگیڈیر نسیم اقبال کی کوششوں سے سابق ایس ایس جی آفیسرز کیلئے ''لاہور چیپٹر'' (Lahore Chapter) کا آغاز ہو چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ''چیپٹر'' ریٹائرڈ ایس ایس جی افسروں کی بعض مشکلات کے ازالے کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ اس کی تقلید میں مستقبل قریب میں کئی اور حضرات بھی آگے آئیں گے اور کراچی، راولپنڈی، کوئٹہ اور پشاور میں بھی اسی طرح کے ایس ایس جی ''چیپٹرز'' کام کرنا شروع کر دیں گے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جنرل پرویز مشرف اس قسم کی صحت مند سرگرمی کے لئے اپنی سرپرستی فراہم فرمائیں گے۔

میں بریگیڈیر زیڈ اے خان کو یہ یقین دہانی کروانا چاہتا ہوں کہ ان کی کتاب "The Way It Was" ایس ایس جی کا ہر آفیسر نہایت ذوق وشوق سے پڑھ رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب حاضر سروس ایس ایس جی آفیسرز کے لئے بھی بہت معلوماتی تصنیف ہے۔ میں ان کو یہ ''معلومات'' بہم پہنچانا چاہتا ہوں کہ چراٹ میں پایا جانے والا پہلا چیتا تقریباً ایک سال پہلے ہلاک کردیا گیا تھا، لیکن ایسا حادثاتی طور پر ہوا۔ یہ بات میں ان کو اس لئے بتا رہا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں کئی جگہ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ چراٹ میں تھے تو یہ چیتا بار بار کی کوششوں کے باوجود کسی کے ہاتھ نہیں آتا تھا اور بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا تھا۔

بریگیڈیر شکور جان اور کرنل ممتاز ملک آج یہاں تشریف فرما ہیں۔ میرے لئے یہ دونوں حضرات باعث تکریم ہیں اور ان کی موجودگی اس اعتبار سے میرے لئے ذاتی مسرت کا باعث ہے کہ میرے ایس ایس جی جوائن کرنے میں ان حضرات نے ایک کلیدی اور انسپائرنگ کردار ادا کیا۔ بریگیڈیر شکور جان پی ایم اے میں میرے بٹالین کمانڈر تھے اور کرنل ممتاز ملک ایس ایس جی کے وہ پہلے آفیسر تھے، جن پر میری نگاہ پڑی.........تب میں آٹھویں جماعت میں

پڑھتا تھا اور انہیں دیکھ کر بہت متاثر اور مرعوب ہوا تھا!

چراٹ میں اقامتی اور دوسری مشکلات اور محدودات کے باوجود ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ اتنی بڑی تقریب میں آپ کے قیام کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنا سکیں، تاہم اگر کوئی فروگزاشت نادانستہ طور پر بھی ہم سے سرزد ہوئی ہو تو ازراہ مہربانی ایس ایس جی کی روایتی کشادہ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے درگزر کیجئے۔ ایس ایس جی میں نوکری کے دوران آپ میں سے اکثر حضرات اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں گے کہ ایک اچھی یا نفیس ایڈمنسٹریشن کبھی بھی ایس ایس جی کا طرۂ امتیاز نہیں رہی! آپ کو اس امر کا بھی احساس ہوگا کہ چراٹ میں اس قسم کی ایڈمنسٹریشن کتنا مشکل کام ہے!

خواتین وحضرات!

میں آخر میں جنرل پرویز مشرف سے درخواست کروں گا کہ وہ اس موقع کی مناسبت سے اپنے تاثرات سے سامعین کو نوازیں، لیکن اس سے پہلے میں جنرل پرویز مشرف چیف ایگزیکٹو کو ان کی چراٹ میں آمد پر ایس ایس جی کی جانب سے ایک یادگاری سووینئر پیش کرنا چاہوں گا۔ میں اپنی اہلیہ سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ بیگم پرویز مشرف صاحبہ کی خدمت میں بھی ایک سوونیئر پیش کریں.......... خدا آپ سب کا حامی وناصر ہو"

بریگیڈیر امیر فیصل علوی کے اس خطاب کے بعد چیف ایگزیکٹو اور چیف آف آرمی سٹاف نے اپنے خیالات سے سامعین کو محظوظ کیا۔ انہوں نے کہا:

خواتین وحضرات!

سپیشل سروس گروپ کے آفیسرز اور ان کے اہل خانہ کی اس خوبصورت کہکشاں کے ساتھ ہمکلام ہونا ایک عظیم اور خوبصورت احساس ہے۔ میں افسروں کی اس برادری کا ایک حصہ ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کے بارے میں اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ تمام پاکستان آرمی میں بہترین شمار ہوتے ہیں یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان بہترین لوگوں میں سے ہیں جو پاکستان آرمی اب تک تخلیق کر سکی۔ میں اس تنظیم کا ایک رکن ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ بعض حضرات شاید نہ جانتے ہوں کہ میں نے اپنا پہلا عرصۂ ملازمت 1966ء میں ایس ایس جی میں گزارا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے فوراً بعد ہی میں یہاں آ گیا تھا۔ اور یہ بریگیڈیئر ٹی

ایم مرحوم تھے جنہوں نے ایس ایس جی جوائن کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے مجھے فارم دیئے اور میں جنرل زیدی کو ہمراہ لے کر آ گیا، جو آج یہاں موجود ہیں۔ بلال رانا بھی ہمارے ساتھ تھے، جو میرے کورس میٹ تھے۔ تو اس طرح ہم تینوں یہاں آ گئے۔ کچھ آفیسرز اور بھی تھے۔ ہم کل ملا کر بارہ آفیسرز تھے۔ اِن میں سے آج بیشتر یہاں موجود ہیں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے ٹی ایم نے ہمیں جو پہلی ایکسرسائز دی وہ جلالاسر پہاڑی تک روٹ مارچ کرنا تھی۔ ہم میں سے دو آفیسر ایسے بھی تھے جو اس چوٹی تک نہ پہنچ پائے اور انہیں اپنی یونٹوں میں واپس بھیج دیا گیا۔ لیکن اس روٹ مارچ کا دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جب ہم میں سے دو آفیسرز اثنائے راہ میں رک گئے تو ٹی ایم نے پوچھا کیا ہوا ہے۔ زیدی نے کہا سر! ان کو اتھلیٹ فُٹ (Athelete Foot) ہے۔ ''ٹی ایم نے برجستہ جواب دیا: ''ان کو تو پھر دوڑنا چاہئے۔''..........

اس واقعہ نے میرے دل و دماغ میں ٹی ایم کی یاد تازہ کر دی ہے اور جیسا کہ کمانڈر ایس ایس جی نے کہا میری بھی خواہش تھی کہ ان کی فیملی یہاں ہوتی۔ وہ اگرچہ نہیں آ سکے تاہم مجھے معلوم ہے کہ ان کے بیٹے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

خواتین و حضرات!

جو کچھ میں نے یہاں آ کر دیکھا ہے اس کے پیش نظر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ جگہ پہلے سے کہیں بہتر ہو گئی ہے اور اس کا کریڈٹ ان سابق ایس ایس جی کمانڈروں کو جاتا ہے اور موجودہ کمانڈر ایس ایس جی کو بھی کہ جنہیں میں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ منگلا کور میں میرے ساتھ کرنل جی ایس (کرنل جنرل سٹاف) تھے۔ میں انہیں مبارک باد دینا چاہوں گا کہ انہوں نے ایس ایس جی کا چارج سنبھالنے کے بعد چراٹ کو اتنا بہتر اور اتنا خوبصورت بنا دیا ہے۔

خواتین و حضرات!

جہاں تک میرا تعلق ہے، میں ہمیشہ ایس ایس جی کا حصہ رہوں گا۔ ایس ایس جی میرے خیالوں میں بسی رہے گی۔ میں نے سی جی ایس (چیف آف جنرل سٹاف) کو بتا دیا ہے کہ وہ ایس ایس جی کو مزید بہتر بنانے میں کوشاں رہیں۔ میں نے کمانڈر ایس ایس جی کو بھی یہی کہا ہے۔ میں ایس ایس جی کی پیشہ ورانہ کارکردگی کو مزید بہتر بنانے کے بارے میں کوشاں رہوں گا اور جہاں تک ایس ایس جی کو جدید ترین ہتھیاروں اور ساز و سامان سے لیس کرنے کا تعلق ہے تو

میں اس جانب بھی پوری اور بھرپور توجہ دوں گا۔ میں پس منظر میں رہتے ہوئے ایس ایس جی کی بہتری کیلئے تمام مساعی بروئے کار لاؤں گا۔ یہ یقین دہانی میں ایس ایس جی کے اُن تمام حاضر سروس آفیسرز کو کروانا چاہتا ہوں جو یہاں موجود ہیں۔

خواتین وحضرات!

آخر میں، میں ان تمام آفیسرز اور ان کے اہل خانہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جو اتنے دور دراز فاصلے طے کر کے آج کی شب یہاں اکٹھے ہوئے۔ میں ان تمام حاضر سروس ایس ایس جی آفیسرز اور ان کی خواتین خانہ کا بھی ممنون ہوں کہ جنہوں میں چراٹ میں اس شاندار فنکشن کی میزبانی کی۔

میں کمانڈر ایس ایس جی اور ایس ایس جی کے تمام آفیسرز کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے بطور کرنل انچیف ایس ایس جی میرا انتخاب کیا۔ میرے لئے اس ایلیٹ گروپ کا کرنل انچیف ہونا باعث افتخار ہے.......... خواتین وحضرات میں ایک بار پھر آپ سب کا مشکور وممنون ہوں۔

بہت بہت مہربانی اور شکریہ!"

اگلے روز 14 اکتوبر 2000ء کو کرنل انچیف ایس ایس جی، جنرل پرویز مشرف نے ایس ایس جی کے حاضر سروس اور ریٹائرڈ، افسروں، سردار صاحبان اور جانبازوں کے ایک بڑے اور پُر ہجوم دربار سے خطاب کیا۔ ان کے اس خطاب کو من وعن ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

جنرل آفیسرز، کمانڈر ایس ایس جی بریگیڈیئر امیر فیصل علوی، ریٹائرڈ افسران، سردار صاحبان اور بہادر جانبازو!

اسلام علیکم!

میں آپ سب کا اور خصوصی طور پر ریٹائرڈ افسران اور سردار صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو آج کی اس تقریب کیلئے یہاں حاضر ہوئے اور وہ لوگ میرے خصوصی شکریئے کے مستحق ہیں جو دور دراز کے سفر کی تکلیفوں کے باوجود یہاں اپنی فیملیز کے ساتھ تشریف لائے اور ری یونین کی تقریب کی رونق کو بڑھایا۔ ایس ایس جی ایک خاندان کی طرح ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں اس خاندان کا فرد ہوں۔

آج کا دن میرے لئے انتہائی باعث افتخار ہے کہ آپ سب نے ری یونین کے موقع

پر سپیشل سروس گروپ کے پہلے کرنل انچیف کے منصب کے لئے مجھے منتخب کیا۔ اس کے لئے میں آپ سب کا شکر گزار ہوں۔ چراٹ کا یہ پہاڑی مقام اور ایس ایس جی میرے لئے کوئی نئی جگہ یا نئی فارمیشن نہیں ہے۔ میں نے اپنی جوانی کا بہترین وقت آپ لوگوں کے درمیان گزارا ہے۔ میں نے 1966ء میں اس مایہ ناز گروپ میں شمولیت اختیار کی اور ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد کمال کمپنی میں پوسٹ ہوا۔ میں پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ جتنا اچھا وقت میں نے ایس ایس جی میں گزارا، اس طرح کا وقت میری زندگی میں پھر نہیں آیا۔

فوج میں ہر آرم اور یونٹ کا اپنا اپنا ماحول ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایس ایس جی کا بھی ایک علیحدہ ماحول ہے، جس میں افسران، سردار صاحبان اور جانباز ایک ہی خاندان کی طرح مِل جُل کر رہتے ہیں۔ اُن کے درمیان کوئی فاصلہ یا دیوار نہیں ہوتی۔ اور ایس ایس جی کے ہر فرد کے دِل میں یونٹ اور قوم کے لئے قربانی کا عظیم جذبہ موجود ہوتا ہے۔ یہاں جونیئر لیڈر کی سطح پر کام کرنے کی آزادی ہے۔ ایس ایس جی آپ میں باقی فوج سے کہیں زیادہ خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

جب سے ایس ایس جی وجود میں آئی ہے، اس نے ملک وقوم کے لئے بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔ ملک کو جب بھی کوئی مشکل پیش آئی، قوم اور فوج کی نظریں ایس ایس جی کی طرف اُٹھ گئیں۔ اِس کا ثبوت، شُہداء میموریل پر لکھے بے شمار نام ہیں جو نہایت بہادری اور وفاداری سے قوم کو اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ جاوید ہو گئے اور اس عمل کے نتیجے میں نہ صرف ایس ایس جی، بلکہ ملک وقوم کا نام بھی روشن کر گئے۔

اس بات میں بھی کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کہ 1965ء کی جنگ میں جب ایس ایس جی کو دُشمن کی صفوں کے پیچھے اُتارا گیا تو دُشمن میں خوف وہراس کا یہ عالم تھا کہ دُشمن نے جنگ کے دوران وہاں کے ہوائی اڈوں کا استعمال موقوف کر دیا۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں ایس ایس جی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ یا چن اور کارگل میں ہمارے شُہداء اور غازیوں نے جو کام کئے، وہ بھی سب کے سامنے ہیں۔

ایس ایس جی کا جانباز نام سے نہیں، کام سے پہچانا جاتا ہے۔ آپ کو ہمیشہ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں پر نظر رکھنی چاہیے اور اس بات کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہم نے اس ملک اور قوم

کے تحفظ کیلئے اللہ تعالیٰ کے سامنے حلف اُٹھایا ہے۔ موجودہ ملکی حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کیے اپنے وعدے کا ہر حال میں خیال رکھیں اور ایک سچے مُسلمان جانباز کی حیثیت سے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اس ملک کا دفاع کریں۔ ایس ایس جی کے جانباز کی یہی بڑی خوبی ہے کہ وہ اپنے کام پر توجہ دیتا ہے۔ اس لئے وہ اپنا کام دوسروں سے بہتر کرتا ہے اور ہمہ وقت جذبۂ حُب الوطنی سے سرشار رہتا ہے۔

اگرچہ ایس ایس جی سے باہر مجھے 29 سال ہو گئے ہیں، لیکن ذہنی طور پر میں نے کبھی بھی اپنے آپ کو ایس ایس جی سے جدا نہیں پایا۔ میری اس کیفیت کا اندازہ وہ لوگ بخوبی لگا سکتے ہیں جو اس گروپ میں اچھے دن گزارنے کے بعد اب ایس ایس جی سے باہر ہیں۔ مجھے یہ جان کر بڑا اطمینان ہوا ہے کہ پچھلے کچھ سالوں میں ایس ایس جی میں پیشہ ورانہ ترقی اور فلاح کے کافی کام ہوئے ہیں، جن سے گروپ کے ہر خاص و عام کو فائدہ پہنچا ہے۔ اس میں ایس ایس جی الاؤنس میں اضافہ، شُہداء کے ورثا کیلئے گاہے بگاہے مالی امداد اور ایس ایس جی کے ریٹائرڈ لوگوں کیلئے نوکری کا آسان حصول شامل ہے۔ مجھے اس بات کی بھی بہت خوشی ہے کہ ایس ایس جی کے شُہداء کے بچوں کیلئے تربیلا میں نہ صرف نیا ہاسٹل بنا دیا گیا ہے، بلکہ اس کا معیار اور ماحول پہلے سے کہیں بہتر ہو گیا ہے۔ میرے لئے یہ اور بھی اطمینان کا باعث ہے کہ ایس ایس جی کے سردار صاحبان اور جانبازوں کی فیملیز کی فلاح کیلئے بھی کام کیا جا رہا ہے اور ان کیلئے نئی اکاموڈیشن بنوائی جا رہی ہے۔

چراٹ میں پانی کی کمی اور بجلی کے مسئلے سے بھی میں بے خبر نہیں ہوں۔ اس کیلئے ہم نے ابتدائی کام کر لیا ہے، انشاء اللہ جلد چراٹ کی نئی فیڈر لائن پر کام شروع ہو جائے گا، جس سے چراٹ میں بجلی اور پانی کا دیرینہ حل طلب مسئلہ ختم ہو جائے گا۔

سپیشل آپریشن سکول ایک دیرینہ ضرورت چلی آ رہی تھی۔ اس کے بن جانے سے ہماری پیشہ ورانہ مہارت مزید بہتر ہو گی اور یونٹوں پر اضافی بوجھ بھی ختم ہو جائے گا۔

ضرار کمپنی بھی میرے ایس ایس جی سے جانے کے بعد وجود میں آئی۔ اس کی پیشہ ورانہ مہارت نہ صرف میرے لئے بلکہ فوج کیلئے بھی اطمینان بخش ہے۔ ہم عنقریب اس کمپنی کو راولپنڈی منتقل کر دیں گے، جس سے کسی بھی ہنگامی حالت میں کمپنی کا ری ایکشن ٹائم مزید کم ہو جائیگا۔ کمانڈر ایس ایس جی سے بات چیت کے دوران مجھے آپ کے مسائل کا علم ہوتا رہتا ہے اور

ان کے حل کیلئے ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میری ترجیحات میں ایس ایس جی کیلئے جدید سامان حرب وضرب کی فراہمی یقیناً سرفہرست ہے۔ جونہی حالات نے اجازت دی، ہم آپ کا مطلوبہ ضروری ساز وسامان آپ کو مہیا کر دیں گے۔ اب جبکہ میں نے ایس ایس جی کے کرنل اِن چیف کا منصب سنبھال لیا ہے، میں انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا کہ ایس ایس جی کی ترقی اور بہبود کیلئے کوئی کسر نہ رہنے پائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس مقصد میں کامیاب فرمائے، آمین۔

آخر میں، میں ایک بار پھر کمانڈر سپیشل سروس گروپ، بریگیڈیئر امیر فیصل علوی اور آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے اس گرینڈری یونین پر نہ صرف مجھے مدعو کیا، بلکہ ایس ایس جی کے پہلے کرنل اِن چیف کا منصب بھی سونپا اور مجھے آپ سب سے بات چیت کرنے اور ملنے کا موقع فراہم کیا۔ خدا حافظ

پاکستان آرمی زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

ایس ایس جی زندہ باد

14 اکتوبر کو جہاں جنرل پرویز مشرف مسند نشینی، دربار اور بڑا کھانا کی تقریبات میں مصروف رہے۔ وہاں بیگم صہبا مشرف صاحبہ نے بھی دوسری خواتین کے ہمراہ ایک مصروف دن گزارا۔ وہ سروائیول رینج تشریف لے گئیں، جہاں انہیں ایک پروفیشنل مظاہرہ (Demo) دکھایا گیا۔ انہوں نے وہ کھانا بھی وہیں کھایا، جسے ایس ایس جی کی اصطلاح میں "سروائیول فوڈ" کہا جاتا ہے۔ یہاں ان کے لئے ایک شوخی آمیز مذاق (Prank) کا بھی اہتمام کیا گیا تھا!

ہوا یوں کہ ان کو ایک مرقد پر لے جایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ ایک شہید کا مزار ہے۔ خواتین وہاں فاتحہ پڑھنے لگیں اور بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ شہید کی روح کے ایصال ثواب کے لئے ڈھیر ساری دعائیں مانگیں۔ جب "آمین، آمین" کی دبی دبی تکرار ان کے ورد زبان تھی تو دفعتہً قبر کا سینہ شق ہوا اور وہاں سے ایک جیتا جاگتا وردی میں ملبوس اور ہتھیار بدست جانباز برآمد ہو کر ہوائی فائر کرنے لگا۔ منظر کی یہ تبدیلی اتنی اچانک اور ڈرامائی تھی کہ خواتین کی چیخیں نکل گئیں۔ دوسری طرف سے جب قہقہوں کی آوازیں ابھریں تو ان کی جان میں جان آئی۔ انہیں

بتایا گیا کہ یہ ان کے اعزاز میں مرتب کئے گئے پروگرام کی ایک مزاحیہ آئٹم تھی..........شہید مر کر ''زندہ'' ضرور ہوتے ہیں، لیکن اس طرح نہیں، جس طرح اس آئٹم میں پیش کیا گیا۔

اس کے بعد بیگم جنرل مشرف صاحبہ ایک گھر میں تشریف لے گئیں۔ یہ وہی مکان تھا جہاں وہ اپنی شادی کے فوراً بعد مقیم رہی تھیں اور جہاں نو بیاہتا جوڑے نے زندگی کے یادگار اور حسین لمحے گزارے تھے۔ اس گھر میں اب لیفٹیننٹ کرنل فخر اقبال (کمانڈنگ آفیسر 2 کمانڈو بٹالین) اور میجر قربان محمود خان (2 کمانڈو بٹالین) اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ گردش ایام پیچھے کی طرف دوڑنے لگی اور وہ کچھ دیر تک ماضی پرستی (Nostalgia) کے سحر میں گرفتار رہیں۔ انہوں نے چند تحائف بھی اہل خانہ کو پیش کئے۔ انہیں بیگم امیر فیصل علوی نے جوانوں اور جے سی اوز کے اہل خانہ کی فلاحی سرگرمیوں سے بھی آگاہ کیا اور ایس ایس جی افسروں کی بیگمات کی طرف سے لگائے گئے چند سٹال بھی دکھائے گئے۔ پھر واپسی پر انہوں نے دوپہر کا کھانا حاضر سروس اور ریٹائرڈ آفیسرز کی بیگمات کے ساتھ گیریژن آفیسر میس میں کھایا۔

اس ری یونین اور تقریب مسند نشینی کا اختتام 14 اکتوبر 2000ء کی شام کو ہوا۔ تمام حاضرین نے "یار زندہ، صحبت باقی" کا وعدہ کر کے بشرط زندگی و صحت اگلی بار ری یونین میں عقابوں کے اس نشیمن میں آنے کا عہد کیا اور اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ غالب نے اس موقع کے لئے کیا خوبصورت شعر کہا ہے:

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد

ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا

اس فارسی شعر کا پنجابی ترجمہ صوفی تبسم مرحوم نے کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ آپ نے اگر پہلے نہیں سنا تو اب سنئے:

بھاویں وصل تے بھاویں فراق ہووے، وکھو وکھ دوہاں دیاں لذتاں نیں

میریا سوہنیا جا ہزار واری، آجا پیاریا تے لکھ وار آ جا

انیسواں باب

انٹرویو

(میجر جنرل امیر فیصل علوی، جی او سی، ایس ایس جی)

میجر جنرل امیر فیصل علوی ایس ایس جی کے پہلے جنرل آفیسر کمانڈنگ ہیں۔ انہوں نے 14 جون 2003ء کو بطور جی او سی، ایس ایس جی کی کمانڈ سنبھالی۔ بطور بریگیڈیئر وہ پہلے بھی (2001ء۔1999ء) ایس ایس جی کی کمانڈ کر چکے ہیں۔ انہوں نے امریکہ سے ائربورن رینجر کورس (1981ء) کیا اور پھر ایڈوانس آرمر آفیسرز کورس (1988ء) بھی امریکہ سے کیا۔ 02-2001ء میں چین سے ہائر کمانڈ کورس کیا۔ وہ سٹاف کالج اور آرمڈ فورسز وار کالج کے فارغ التحصیل ہیں۔ 26 کیولری، 7 آرمرڈ بریگیڈ اور 54 انڈی پنڈنٹ انفنٹری بریگیڈ گروپ کمانڈ کیا۔ انسٹرکشن اور سٹاف کے مختلف عہدوں پر کام کیا۔

وہ شادی شدہ ہیں اور ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ فٹ بال، باسکٹ بال اور ٹینس کھیلتے ہیں اور ماہر تیراک ہیں۔ فری فال چھاتہ بردار اور پاتھ فائنڈر بھی ہیں۔

17 اگست 2003ء کو مصنف نے ایس ایس جی ریسٹ ہاؤس راولپنڈی میں ان کا انٹرویو کیا جو قارئین کی معلومات اور دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے جس صاف گوئی، تدبر اور برجستگی سے بعض مشکل بلکہ تلخ سوالوں کے جواب دیئے وہ ان کی پیشہ ورانہ اہلیت پر دلیل محکم ہیں۔

سوال: اپنے خاندانی پس منظر پر مختصراً روشنی ڈالئے اور بتایئے کہ تعلیم کے ابتدائی مراحل آپ نے کہاں طے کیے؟

جواب: میرا فیملی بیک گراؤنڈ یہ ہے کہ میں 1954ء میں ممباسہ (کینیا) میں پیدا ہوا۔ وہاں میرے والدین برٹش ایسٹ افریقہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ میرے والد وہاں 1930ء میں گئے تھے اور پھر وہیں جا کر بس گئے۔ میرے سب بہن بھائی وہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ممباسہ (کینیا) اور دارالسلام (تنزانیہ) کے تعلیمی اداروں میں حاصل کی۔ میں جب پاکستان آیا تو ساتویں کلاس پاس کر کے آیا تھا۔ یہاں آ کر ایبٹ آباد پبلک سکول میں داخل ہوا اور وہاں سے بطور بورڈر ایف ایس سی کیا۔ تب تک میری شہریت برطانوی تھی۔ میں نے محض پاکستان آرمی جوائن کرنے کے لئے اپنی برطانوی شہریت تبدیل کی اور پاکستانی شہریت حاصل کی۔

سوال: آرمی کب جوائن کی؟ کونسا کورس تھا؟

جواب: میں نے 1972ء میں آرمی جوائن کی اور میرا کورس، 49واں پی ایم اے لانگ کورس تھا۔

سوال: فوج میں آپ نے آرمرڈ کور کا انتخاب کیا۔ اس کی کوئی خاص وجہ تھی؟

جواب: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آرمرڈ کور کو ''لڑائی کا بادشاہ'' (King of the Battle) کہا جاتا ہے۔ یہ وہ شعبہ جنگ ہے جو پی ایم اے میں بہت مقبول گردانا جاتا ہے۔ بہت سے کیڈٹ اسی شعبے میں جانا چاہتے ہیں اور خاص طور پر وہ کیڈٹ جو پی ایم اے سے پاس آؤٹ ہونے والی میرٹ لسٹ میں اوپر کے چند کیڈٹس میں ہوتے ہیں۔ میں بھی اسی میرٹ لسٹ میں پہلے پانچ کیڈٹس میں سے ایک تھا۔ ان دنوں کیڈٹس میں آرمرڈ کور میں جانے کا کریز تھا۔ اس لئے میں نے بھی آرمرڈ کور کا انتخاب کیا۔ لیکن میں نے جس رجمنٹ کا انتخاب کیا وہ کوئی پرانی اور معروف رجمنٹ نہ تھی بلکہ مقابلتاً ایک نئی رجمنٹ تھی۔ میں نے 26 کیولری جوائن کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس رجمنٹ کی بڑی شہرت تھی اور باوجودیکہ اس کی عمر باقی آرمرڈ رجمنٹوں کے مقابلے میں کم تھی، اس نے 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں نہایت شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

سوال: لیکن لوگ تو پرانی رجمنٹوں میں جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان رجمنٹوں کی روایات اور جنگی کارکردگی کا ایک طویل اور مسلسل ریکارڈ ہوتا ہے۔ آپ نے ایک نئی رجمنٹ میں جانے کا

فیصلہ کیوں کیا؟

جواب: پرانی رجمنٹوں میں بالعموم وہ لوگ جاتے ہیں جن کا کلیم ہوتا ہے۔ بعضوں کی کئی نسلیں ان یونٹوں میں رہ چکی ہوتی ہیں۔ لیکن میرا یہ معاملہ نہیں تھا۔ میں اپنے خاندان میں پہلا شخص تھا جس نے پاک آرمی جوائن کی تھی۔ میرا کوئی کلیم نہیں تھا کہ میں کسی پرانی رجمنٹ میں جاؤں۔ علاوہ ازیں پرانی رجمنٹوں میں جانے کے لئے کلیم کے علاوہ کئی سیاستیں وغیرہ بھی ہوتی تھیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ رجمنٹ نئی ہو یا پرانی، اس کی جنگی کارکردگی اس کی کسوٹی ہونی چاہیے۔

سوال: اس کے بعد آپ نے ایس ایس جی جوائن کی۔ کیا کوئی خاص وجہ تھی اس گروپ کو جوائن کرنے کی؟

جواب: میں نے ایس ایس جی جوائن کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا کہ ابھی میں پی ایم اے ہی میں تھا تو پیرا کورس کرنے کے لئے پیرا سکول پشاور گیا۔ وہاں جا کر میں نے ایس ایس جی کے لوگوں میں جس بے پناہ خود اعتمادی کا مظاہرہ دیکھا، میرا جی چاہا کہ میں بھی اس گروپ میں شامل ہو جاؤں۔ خاص طور پر وہ این سی اوز جو ہمارے انسٹرکٹر تھے، ان میں بلا کا اعتماد تھا اور میری خواہش تھی کہ میں ان با اعتماد لوگوں کو کمانڈ کروں۔ یہ لوگ نہ صرف پر اعتماد تھے بلکہ جسمانی طور پر بھی نہایت چاق و چوبند اور ذہنی طور پر اعلیٰ معیاروں کے حامل تھے۔ ان کو کمانڈ کرنا میری آرزو بن گیا!

سوال: کب سے کب تک ایس ایس جی میں رہے؟

جواب: میں 1978ء سے 1982ء تک یعنی چار سال تک ایس ایس جی میں رہا۔ اس کے بعد میرا انتخاب سعودی عرب میں جانے (Secondment) کے لئے ہو گیا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا خالد بن ولید آرمرڈ بریگیڈ سعودی عرب جا رہا تھا۔ میرا انتخاب بھی اسی بریگیڈ کے لئے ہوا اور یوں مجھے ایس ایس جی سے جانا پڑا۔

سوال: ایس ایس جی میں قیام کے ان چار برسوں میں کوئی قابل ذکر واقعہ یا کوئی یادگار شخصیت جس سے آپ متاثر ہوئے ہوں؟

جواب: جہاں تک شخصیات کا تعلق ہے تو ان چار برسوں میں بہت سی نامور اور قابل ذکر شخصیات سے واسطہ رہا۔ لیکن اسے حسنِ اتفاق کہیئے کہ میں نے ایس ایس جی کی تمام نوکری

بیریگیڈئیر طارق محمود کے ماتحت کی جسے سارے لوگ ٹی ایم کے عرفی نام سے جانتے ہیں۔ میں نے کورس کرنے کے بعد جس کمانڈو بٹالین کو جوائن کیا وہ 3 کمانڈو بٹالین تھی اور ٹی ایم اس بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر تھے۔ دو سال ملازمت کرنے کے بعد میں 3 کمانڈو کا ایڈ جوٹینٹ بنا۔ اس طرح میں براہ راست کرنل ٹی ایم کا سٹاف آفیسر رہا۔ سٹاف کا یہ عرصہ دو اڑھائی برسوں پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ مدت کچھ کم مدت نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جب میں کمپنی کمانڈر رہا تو اس وقت ٹی ایم، فل کرنل بن چکے تھے۔ میں نے تب بھی انہی کے ماتحت سرو(Serve) کیا۔ جب میں نے ایس ایس جی چھوڑی اور سعودی عرب گیا تو ٹی ایم بھی پروموٹ ہو کر بطور کمانڈر ایس ایس جی چلے گئے ....

جہاں تک یادگار اور نا قابلِ فراموش واقعات کا ذکر ہے تو یہ بہت سے ہیں۔ صرف ایک کا ذکر کرتا چلوں .... جب میں نے ایس ایس جی جوائن کی تو ہماری ایک مہم ناردرن ایریا (دیران پیک) میں گئی۔ کیپٹن خالد بشیر ایک سال قبل ایک کورس میں زیرِ تربیت تھے۔ وہ اس مہم پر گئے اور وہاں موت کے بے رحم ہاتھوں نے انہیں چھین لیا۔ میرے سکول کے زمانے میں ایک کلاس فیلو تھے جن کا نام میجر ہمدانی تھا۔ وہ بھی ایس ایس جی میں تھے۔ وہ کیپٹن خالد بشیر مرحوم کے دوست تھے۔ اگلے برس جب برف پگھلی اور کوہ پیمائی کا موسم آیا تو میجر ہمدانی اپنے دوست کی لاش لانے کے لئے اس جگہ پہنچے، جہاں وہ برف میں دب کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ برف کی وجہ سے برفانی چوٹیوں پر لاش بہت دیر تک خراب نہیں ہوتی۔ ہم سب نے میجر ہمدانی کو روکا کہ وہ جگہ نہایت خطرناک ہے۔ لیکن ان کو اپنے دوست کی دوستی اور رفاقت عزیز تھی۔ وہ نہ مانے اور دیران پیک(Diran Peak) پر چلے گئے۔ پھر ایوالانچ آئی اور میجر ہمدانی بھی اسی انجام سے دوچار ہوئے جس سے ان کا دوست ایک برس قبل ہوا تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایس ایس جی میں ہمہ یاراں دوزخ اور ہمہ یاراں بہشت کی جو روح ہے وہ بے مثال ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن آپ کے سوال کے حوالے سے ایک یادگار واقعہ ہے۔

سوال: بریگیڈئیر ٹی ایم کے بارے میں بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ وہ واقعی ایک طلسماتی کردار تھے اور ایک نا قابلِ فراموش اور کرشماتی شخصیت کے حامل تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں ان کا نام نہ صرف ایس ایس جی میں اور ساری پاک فوج میں بلکہ ساری پاکستانی قوم میں بطور لیجنڈ

مشہور ہے۔ دراصل ایس ایس جی اور ٹی ایم لازم وملزوم بن چکے تھے۔ انہوں نے ایس ایس جی میں جس طرح زندگی گزاری اور پھر ایس ایس جی ہی میں دوران سروس، وردی میں جس طرح جان ہاری، وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ ان کا کوئی یادگار واقعہ جو آپ یہاں بتانا چاہیں گے؟

جواب: میں بریگیڈیئر ٹی ایم کے بارے میں صرف ایک ریمارک پر اکتفا کروں گا۔ ویسے تو ان کی شخصیت کی ہزار جہتیں تھیں لیکن وہ ایک ایسا شخص تھا جو ذاتی مثال پیش کرنے کا دلدادہ تھا اور اس پر کامل یقین رکھتا تھا۔ پاک فوج میں ہم سب جب لیڈر شپ کی بات کرتے ہیں تو ذاتی مثال کا ڈھنڈورہ تو بہت پیٹتے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا آسان نہیں۔ بریگیڈیئر ٹی ایم میں یہ مادہ فطرت نے گویا کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ جس معیار کی ذاتی مثال بریگیڈیئر ٹی ایم دیا کرتے تھے، اس فوج میں، آج تک میں نے وہ معیار نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ میں آپ کو بتاؤں کہ میں کئی برس تک ان کے ساتھ رہا۔ ان کو دیکھتا رہا۔ یہ عرصہ کم عرصہ نہیں لیکن میں نے اس تمام عرصے میں ٹی ایم کو نہ کبھی پی ٹی پیریڈ اور نہ کبھی گیم پیریڈ سے غائب پایا۔ وہ ہمیشہ سب کے ساتھ پی ٹی گراؤنڈ اور سپورٹس گراؤنڈ میں موجود ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ جب وہ کمانڈر ایس ایس جی ہو گئے تب بھی ان کا یہی معمول رہا۔ یہ کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں۔ مجھے یاد ہے جب وہ فل کرنل بن گئے تھے تو اس رینک میں ان کی عمر اور ان کا جسم جوان نہ تھا۔ لیکن وہ تب بھی ہم نوجوانوں کے ساتھ 36 میل کی مارچ میں ساتھ ہوتے تھے۔ 36 میل پیدل مارچ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ نوجوان کپتان اور میجر تک میں یہ رجحان ہوتا تھا کہ ہو سکے تو اس مارچ سے پہلوتہی کی جائے۔ لیکن ٹی ایم خوشی خوشی اور برضا ورغبت یہ مارچ کیا کرتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ جب ہم نوجوان آفیسر یہ دیکھتے تھے کہ ہمارا کمانڈنگ آفیسر عمر کے اس حصے میں بھی ہمارے ساتھ چل رہا ہے تو ہمارا مورال، اور جذبہ بہت بلند ہو جایا کرتا تھا۔

ایس ایس جی کی یونٹیں اور سب یونٹیں بہت دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ٹی ایم مرحوم ہر چھوٹی بڑی یونٹ میں جایا کرتے تھے۔ وہ اگر کسی بلند ترین چوٹی پر کسی یونٹ کی ایکسر سائز کی خبر پاتے، تو وہاں پہنچ جاتے۔ ایس ایس جی کے سب افسروں اور جوانوں کو یقین ہوتا تھا کہ ایکسر سائز کیسی بھی ہو رہی ہو، ٹی ایم ضرور وہاں آئے گا۔ اس لئے ہر شخص الرٹ اور خبردار رہا کرتا تھا.........

سوال: فوج میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایس ایس جی کے لوگ کچھ حد سے زیادہ ہی پراعتماد ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض اوقات حدیں کراس کر جاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ قانونی (Lawful) کمانڈ کی سرحدیں بھی پھلانگ جانے کو ناروا نہیں گردانتے۔اس حد سے بڑھی ہوئی خوداعتمادی کے بارے میں ان کا یہ رویہ زیادہ مستحسن نہیں سمجھا جاتا ....اس الزام پر آپ کا تبصرہ کیا ہے؟

جواب: ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ بااعتماد ہونا ایک بہت اچھی بات ہے، یہ کوئی بری صفت نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ خوداعتمادی کی حدیں کراس کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ پراعتماد ہوتے ہیں۔ ایس ایس جی میں بنیادی اور اہم ترین بات یہی ہے کہ لوگ بااعتماد ہوں۔ خوداعتمادی کا یہ لیول نہ صرف یہ کہ ہم اپنے افسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس کی توقع اپنے جوانوں سے بھی کرتے ہیں۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہی وہ فرق ہے جو ایس ایس جی اور باقی پاکستان آرمی کے لوگوں میں حد امتیاز ہے..........اعتماد و یقین کا لیول، ایس ایس جی میں بہت بلند ہے۔ اور مجھے اس پر بجا طور پر فخر ہے۔

سوال: ایس ایس جی والوں کو حد سے زیادہ دلیر اور نڈر بھی تصور کیا جاتا ہے۔ یہ تصور بعض اوقات غلط توقعات کو جنم دیتا ہے۔ سیاچن اور کارگل کی لڑائیوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس تصور نے کئی ناخوشگوار واقعات کو جنم دیا۔ آپ کا تبصرہ کیا ہے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ ان واقعات کی اصلی وجہ یہ تھی کہ ایس ایس جی کو غلط انداز میں استعمال (Employ) کیا گیا۔ ایس ایس جی کی ٹریننگ اور اس کا ٹاسک جس طرح کا ہے، اس تناظر میں ایس ایس جی کو ایمپلائے نہیں کیا گیا۔ کئی واقعات میں تو ایس ایس جی کو صرف اس وجہ سے استعمال کیا گیا کہ وہ اس خاص وقت میں وہاں موجود تھی۔ چنانچہ جو کام اوروں سے نہ ہو سکا، تصور کر لیا گیا کہ ایس ایس جی جو ہے، وہ یہ کام کر لے گی۔ جو کام انفنٹری کے کرنے کا تھا، اسے ایس ایس جی کو سونپ دیا گیا۔ مثلاً سیاچن کی مثال لیجئے۔ یہ تمام کا تمام انفنٹری کا مسئلہ اور معاملہ تھا۔ مثلاً رانا اور اکبر پوسٹوں پر جہاں انفنٹری کو استعمال کرنا چاہئے تھا، ایس ایس جی کو استعمال کیا گیا۔ ان پوسٹوں پر حملے کرنا، یا بعض چوٹیوں پر لڑائی لڑنا، ہرگز ایس ایس جی کا ٹاسک نہیں تھا۔ یہ انفنٹری کا ٹاسک تھا اور اسے ہی کرنا چاہیے تھا۔ ایس ایس جی کو اس لئے استعمال کیا گیا کہ چونکہ یہ

کام مشکل تھا جز قیس کوئی اور نہ آیا بروئے کار۔

سوال: آپ کی نظر میں پاکستان آرمی کے افسروں اور جوانوں کے برعکس ایس ایس جی کے افسروں اور جوانوں کی سپیشل خصوصیات اور ان کے اوصاف کیا ہیں؟

جواب: دو تین خصوصیات ایسی ہیں جو بہت مختلف ہیں۔ مثلاً ایک تو ایس ایس جی میں فزیکل فٹنس کا جو معیار ہے وہ بہت اعلیٰ ہے۔ باقی فوج میں جسمانی اہلیت کا یہ معیار نہیں ہے۔ دوسرے موٹیویشن کا لیول ہے۔ ایس ایس جی میں یہ لیول بہت بلند ہے۔ ایس ایس جی میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں جو موٹیویشن کا یہ معیار نہ رکھتے ہوں اور تیسرے خود اعتمادی کا لیول ہے۔ یہ لیول سخت ٹریننگ کے ایک طویل ارتقائی عمل کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ہماری ٹریننگ کا معیار اتنا بلند ہے کہ وہ ہر شخص میں اعتماد و یقین راسخ کر دیتا ہے۔ میری نگاہ میں بنیادی طور پر یہ تین صفات ایسی ہیں جو ایس ایس جی اور پاک فوج کے درمیان حد امتیاز کھینچتی ہیں۔

سوال: آپ کے ہاں اس سپیشل موٹیویشن کی بنیاد کون سا عنصر ہے؟

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ یہ معیار ایس ایس جی کے اپنے اندر موجود ہوتا ہے۔ یہ In-built ہے۔ جن لوگوں میں تشویق و ترغیب کا یہ معیار نہیں ہوتا، وہ ایس ایس جی جوائن ہی نہیں کر پاتے۔

سوال: آپ غیر ملکی سپیشل فورسز کے ساتھ انٹرایکشن کرتے رہتے ہیں۔ ایس ایس جی کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایس ایس جی والے امریکہ، برطانیہ، ترکی وغیرہ کی سپیشل فورسز کے ساتھ ربط و ارتباط اور پیشہ ورانہ ایکسرسائزیں وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا کوئی خاص فائدہ؟

جواب: ہمیں ان ممالک کے ساتھ مل کر کام کرنے میں بہت سے پیشہ ورانہ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ خاص طور پر امریکہ اور برطانیہ کی سپیشل فورسز کے ساتھ۔ ان لوگوں کے ہاں ہائی ٹیک کا معیار کافی بلند ہے۔ وہ اپنی سپیشل فورسز میں جس قسم کی ٹریننگ کرتے ہیں، اس سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ ہم تازہ ترین اور جدید ترین ہائی ٹیک پہلوؤں سے آشنا رہتے ہیں اور یہ کوئی کم فائدہ نہیں ہے۔

سوال: جب 1957ء میں ایس ایس جی کی تشکیل کی گئی تھی تو یہ ایک Stay Behind فورس کے طور پر کی گئی تھی۔ پھر بعد میں اس کا رول تبدیل کر دیا گیا اور یہ گوریلا اور

کمانڈو رول والی فورس بن گئی۔ جو دشمن کے عقب میں جا کر اور رہ کر کارروائیاں کرتی ہے۔
آپریشن جبرالٹر میں خاص طور پر یہی کیا گیا تھا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنا ضروری تھا؟
جواب: میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل ضروری تھا۔ وجہ یہ تھی کہ Stay Behind کا رول تو ابتداء میں امریکیوں نے اس وقت متعارف کروایا تھا، جب وہ یہاں آئے اور انہوں نے روسی یلغار کو روکنے کے لئے ایسا کیا۔ انہوں نے ایس ایس جی کی تشکیل میں اس لئے مدد دی تھی کہ جب روسی ان علاقوں میں آئیں جو آج کا پاکستان ہے اور بحر ہند کے گرم پانیوں تک جانے کی کوشش کریں تو ان کو روکا جا سکے۔ تب ایس ایس جی کو اس علاقے کے عوام کے ساتھ بیک وقت موبلائز کیا جانا مقصود تھا اور پھر اس کے بعد روسی افواج کے عقب میں بطور گوریلا فورس آپریٹ کرنا تھا۔ لیکن جب وقت آگے بڑھا تو اس رول کی ضرورت باقی نہ رہی۔ کیونکہ اب روس کا گرم پانیوں تک آنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اب خطرہ روس سے نہ تھا بلکہ بھارت سے تھا۔ یہ خطرہ ہماری شمالی سرحدوں کے پار سے نہیں بلکہ مشرقی سرحدوں کے پار سے آنے والا تھا۔ چنانچہ ضروری ہو گیا تھا کہ اس فورس کا رول تبدیل کیا جائے اور اسے Stay Behind فورس کی بجائے گوریلا فورس اور پیرا کمانڈو میں تبدیل کیا جائے، بعد میں یہی کچھ کیا گیا۔ اور تب سے لے کر اب تک ایس ایس جی کا بڑا اور بنیادی رول یہی ہے یعنی بطور پیرا کمانڈو دشمن کی صفوں کے عقب میں جانا اور آپریٹ کرنا۔
سوال: لیکن اب تو لگتا ہے یہ رول وی وی آئی پی (VVIP) کی ذاتی حفاظت کے رول میں تبدیل ہو گیا ہے.......... آپ اس تبدیلی پر کچھ تبصرہ کرنا چاہیں گے؟
جواب: سب سے پہلے ایس ایس جی کو اس رول میں جنرل ضیاء الحق نے اس وقت استعمال کیا جب وہ پاکستان کے صدر تھے۔ اندرونی محاذ پر بعض خطرات کا سامنا ہوا تو ضرار کمپنی کھڑی کی گئی اور ضرار کمپنی کا ایک رول یہ بھی تھا کہ وہ اہم ترین شخصیات کی حفاظت کرے اور انہیں ذاتی سلامتی اور تحفظ فراہم کرے۔ ضرار کمپنی کی تشکیل کے بعد ہم مستقل طور پر اس رول میں بھی انوالو (Involve) ہو گئے۔ ضرار کمپنی کا یہ رول دہشت گردی کے خلاف رول پر مستزاد تھا۔ اس کے بعد ہم نے خود اس موضوع پر کورس چلانے شروع کیے۔ جب بھی بیرون ملک سے کوئی اہم شخصیت پاکستان آتی تھی تو اس کے تحفظ کا مسئلہ پیدا ہوتا تھا اور ایس ایس جی کو کہا جاتا تھا کہ وہ ان کے لئے

ذاتی تحفظ کا بندوبست کرے۔ ہم آج بھی یہ تحفظ فراہم کر رہے ہیں اور ہم اس کے لئے باقاعدہ طور پر تربیت یافتہ ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہم از راہ مجبوری ایسا کر رہے ہیں بلکہ اب ایسا کرنا ہمارے رول کا ایک حصہ اور پہلو ہے۔ ایس ایس جی اس رول کے لئے بھی ٹرینڈ ہے۔ ہمارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ بھی ہمارا ایک ٹاسک ہے۔

سوال: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آجکل ہمیں اپنے مغربی بارڈر پر بھی مشکلات کا سامنا ہے خاص طور پر نائن الیون کے بعد.......... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس بارڈر پر بھی ایس ایس جی اپنے فرائض کما حقہ طور پر ادا کر رہی ہے؟

جواب: بالکل۔ ہم اب اپنی مغربی سرحد پر بھی انوالو ہیں۔ ایس ایس جی کو یہاں بھی ایک رول ادا کرنا ہے۔ القاعدہ اور طالبان کے وہ عناصر جو افغانستان سے نکالے جا رہے ہیں، وہ ہمارے قبائلی علاقوں کا رخ کر رہے ہیں یا امکان ہے کہ شاید وہ اس طرف آئیں اور ہمارے بعض علاقوں میں مشکلات پیدا کریں۔ ہمارا وہاں ایک رول ہے اور جب وقت آیا تو ہم یہ رول ادا کریں گے۔

سوال: کیا موجودہ حالات کے تناظر میں ایس ایس جی کا سائز نہیں بڑھنا چاہئے؟

جواب: ایسا ضرور ہونا چاہئے۔ بلکہ ایسا کرنے کی بہت عرصے سے ضرورت تھی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ایس ایس جی حجم کے اعتبار سے ایک نہایت چھوٹی فورس ہے۔ آپ اس کے سائز کو اس کے رول کے تناظر میں گویا سمندر میں ایک قطرہ کہہ سکتے ہیں۔ میں نے سمندر اور قطرے کی مثال اس لئے دی ہے کہ پہلے تو انڈین آرمی کا سائز دیکھیں۔ انڈین آرمی دنیا کی چوتھی بڑی آرمی ہے اور پاکستان آرمی کا سائز انڈین آرمی سے بہت چھوٹا ہے اور جہاں تک ایس ایس جی کا تعلق ہے تو وہ انڈین آرمی کے اس سائز کے مقابل نہایت ہی چھوٹی سی فورس ہے۔ اتنی بڑی انڈین آرمی کے مقابل ہمارا سائز صرف بریگیڈ فورس کا ہے تو یہ اس لحاظ سے سمندر میں ایک قطرہ ہے۔ انڈیا کے ساتھ ہمارا بارڈر سینکڑوں ہزاروں کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ایس ایس جی کے سائز کی توسیع بہت پہلے ہو جانی چاہئے تھی۔ اب اگر ایسا ہو رہا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ بہت تاخیر سے ہو رہا ہے۔

سوال: معلوم ہوا ہے کہ ایس ایس جی کو حال ہی میں کچھ توسیع دی گئی ہے اور اسے ری سٹرکچر بھی کیا گیا ہے۔ کیا آپ اس موضوع کی کوئی تفصیل دینا پسند کریں گے؟

جواب: جیسا کہ میں نے پہلے کہا، یہ توسیع اب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ کافی تاخیر سے ہو رہی ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو اس کے سائز کی توسیع کا ہے۔ یہ توسیع ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ زیادہ کمانڈو ٹاسک انجام دیئے جاسکیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایس ایس جی کی کوالٹی کو بہتر بنایا جائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے ہائی ٹیک ہتھیاروں اور ساز وسامان سے لیس کیا جائے اور اسے وہ موبلٹی (حرکیت) دی جائے، جس کی اسے اشد ضرورت ہے۔ اب ہم ایسی میدانی، کوہستانی اور صحرائی بٹالینیں تشکیل دے رہے ہیں جو اپنے اپنے رول میں Dedicated ہوں گی۔ ان بٹالینوں کی ٹی او اینڈ ای (TO&E) ان کے تفویض کردہ ٹاسک کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوگی۔ یعنی جو ساز وسامان کسی صحرائی بٹالین کو درکار ہوگا، وہ کوہستانی بٹالین سے مختلف ہوگا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کا سائز بھی مختلف ہوگا۔ یہ مخصوص نوع کے جغرافیائی اور زمینی حالات میں آپریٹ کرنے کی اہل ہوں گی..........تو ہم ہائی ٹیک ہتھیاروں اور ساز وسامان کے ساتھ ساتھ اس نوع کی سپیشلائزیشن بھی لا رہے ہیں۔

سوال: کیا آپ کو ان تمام کاموں کی انجام دہی کے لئے خصوصی ساز وسامان اور ہتھیار دیئے جا رہے ہیں؟

جواب: میرا خیال ہے آرمی اس سلسلے میں جو کچھ بھی کر سکتی ہے، وہ کر رہی ہے۔

سوال: آپ قبل ازیں بھی 1999ء سے 2001ء تک بطور بریگیڈیئر، ایس ایس جی کے کمانڈر رہ چکے ہیں۔ آپ پہلے جنرل آفیسر کمانڈنگ ایس ایس جی ہیں۔ ایس ایس جی کی اس اپ گریڈیشن کی وجہ کیا ہماری مغربی سرحدوں کی صورت حال ہے یا اس میں کچھ اور عناصر بھی کارفرما ہیں؟

جواب: جی ہاں! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہماری مغربی سرحدوں پر بھی خطرات موجود ہیں۔ جیسا کہ میں نے قبل ازیں کہا تھا کہ افغانستان میں طالبان کے خلاف جب ایکشن لیا گیا تو القاعدہ اور طالبان کے بعض عناصر مغربی سرحد کراس کر کے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں آ گئے۔ بہت سے گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ تاہم خدشہ ہے کہ اب بھی شاید کئی ایسے عناصر اس بیلٹ (Belt) میں موجود ہوں بلکہ زیادہ اجتماعی حیثیت میں موجود ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ایس ایس جی کو ویسٹرن بارڈر پر بھی ایمپلائے کرنا پڑا تا کہ وہ ان دہشت گردوں وغیرہ کو پکڑیں۔

لیکن ایس ایس جی کی توسیع محض مغربی سرحدوں کی تازہ صورت حال کے پیش نظر نہیں کی گئی بلکہ یہ مشرقی سرحدوں کے لئے کی گئی ہے اور اس کی تفصیل میں پہلے آپ کو بتا چکا ہوں۔ ایس ایس جی کی توسیع کا پلان، افغان خطرے سے بہت پہلے بنایا گیا تھا۔

سوال: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس توسیع شدہ ایس ایس جی فورس کے لئے آپ کے پاس مطلوبہ تربیتی سہولیات موجود ہیں؟ یعنی جو کچھ ہمارے پاس چراٹ، اٹک، پشاور، اور منگلا وغیرہ میں موجود ہے، وہ ایک نسبتاً بڑی فورس کی ٹریننگ کے لئے کافی ہے؟

جواب: فی الوقت ہمارے پاس جو فورس موجود ہے، اس کی تربیتی ضروریات کے لئے جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ کافی ہے۔ لیکن توسیع شدہ فورس کے لئے زیادہ توسیع شدہ تربیتی سہولتوں کی ضرورت ہوگی۔ ہم امریکہ سے جدید تربیتی سہولتوں کی فراہمی کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

سوال: انڈین آرمی میں بھی سپیشل فورسز ہیں۔ آپ ان کے بارے میں کتنا کچھ جانتے ہیں؟

جواب: سچی بات یہ ہے کہ ہمیں زیادہ معلوم نہیں کہ انڈیا کی سپیشل فورسز کیا اور کتنی ہیں۔ ہم وہی کچھ جانتے ہیں جو اخباروں اور رسالوں اور طبع شدہ مواد میں ہمیں ملتا ہے۔ کارگل تنازعے میں وہ اپنی ان فورسز کو استعمال کر چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کارگل میں ان کی سپیشل فورسز نے کوئی زیادہ اور بہتر رول ادا کیا ہو۔ یہ عین ممکن ہے۔ ان کی سپیشل فورسز کے بارے میں ہم زیادہ اس لئے نہیں جانتے کہ انہوں نے ہم سے کہیں بعد میں اپنی یہ فورسز کھڑی کیں۔ پاکستان کی ایس ایس جی ان سے کہیں پہلے تشکیل ہوئی تھی۔ ان کی پیرا کمانڈو بٹالینیں ہم سے بہت بعد معرض وجود میں آئیں۔ تاہم وہ ہم پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور یہ ہمیں معلوم ہے۔ اس لئے ہم بھی ان پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔

سوال: 1965ء کی جنگ میں میرا خیال ہے، ان کی پیرا کمانڈو فورس کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی۔ اس جنگ میں مغربی پاکستان کے مختلف شہروں میں یہ افواہیں عام تھیں کہ دشمن کے کمانڈو، پیرا شوٹ کے ذریعے فلاں جگہ دیکھے گئے ہیں اور انہوں نے فلاں نقصان کیا ہے اور جہاں تک 1971ء کی پاک بھارت جنگ کا تعلق ہے تو ان کی باقاعدہ ایس ایس جی موجود تھی۔ ان کے ایک سکھ جرنیل کی کتاب چٹاگانگ کے آسیب (Phantoms of Chittagong) میں نے خود دیکھی ہے۔ انڈین آرمی کی ویب سائٹ پر بھی ان کی سپیشل فورسز کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں..........اس پر آپ کا تبصرہ؟

جواب: 1971ء کی جنگ میں ان کی سپیشل فورسز موجود تھیں، آپ کی یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن 1965ء میں ان کی کوئی ایس ایس جی نہیں تھی۔ پیرا کمانڈو والی بات صرف افواہ تھی۔ لیکن ہم ان سے پہلے تھے۔ 1965ء کی جنگ میں ہم تھے، وہ نہیں تھے۔ اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے پیرا کمانڈو کو جدید اسلحہ اور ساز وسامان سے مسلح کر رہے ہیں اور ان کی تعداد میں بھی اضافہ کیا جا رہا ہے۔

سوال: کیا ہمیں اپنے ایس ایس جی ٹروپس کو بیرون ملک ٹریننگ پر بھجوانے کی ضرورت ہے؟ اور کیا ہمارے آفیسر اور جوان ترقی یافتہ ممالک مثلاً جرمنی، برطانیہ اور امریکہ میں جا رہے ہیں؟ جہاں تک میری معلومات ہیں، بہت کم لوگوں کو بھیجا جا رہا ہے۔ کیا ان کی تعداد بڑھانے کی ضرورت نہیں؟

جواب: جب میں نے ابتداء میں ایس ایس جی جوائن کی تو ہمارا ہر دوسرا آفیسر امریکہ میں ٹریننگ کے لئے جایا کرتا تھا۔ اس زمانے میں ہمارے آفیسر چونکہ تازہ ترین مغربی عسکری تصورات سے آگاہ ہوتے تھے اس لئے مقابلتاً زیادہ بہتر پیشہ ورانہ علم وفن کے حامل تھے۔ اس کے بعد یہ آفیسر وہاں جانا بند ہو گئے اور ایک طویل عرصے تک یہ بندش برقرار رہی اور ہم نے پاکستان میں اس طرح کے اپنے کورسز چلانا شروع کر دیئے۔ ہمارے بہت سے آفیسر اس لئے امریکہ جاتے تھے کہ امریکی سپیشل فورسز دنیا کی جدید ترین فورسز ہیں اور ہر ملک ان کی تقلید کرنا چاہتا ہے۔ اب امریکہ جانے پر پابندیاں نرم کر دی گئی ہیں اور ہمارے آفیسر دوبارہ امریکہ جانے لگے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد کا گراف وہ نہیں جو کبھی ہوتا تھا لیکن یہ بات کہ ہم لوگ دوبارہ امریکہ جانا شروع ہوئے ہیں، ایک مثبت پیش رفت ہے۔ یہ بات بہت ضروری ہے کہ ہمارے آفیسر اور جوان ان کورسوں پر بھیجے جائیں، وہ وہاں جا کر تازہ ترین پیشہ ورانہ رجحانات سے آگاہی پائیں اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

سوال: ہمارے سپیشل سروس گروپ کے افسروں (اور بعض دوسرے عہدیداروں) کو امریکیوں نے ٹریننگ دی تھی۔ ہم امریکہ کے حلیف تھے۔ بھارت چونکہ روس کا حلیف تھا تو کیا بھارتی سپیشل فورسز کو روسیوں نے ٹریننگ دی تھی؟

جواب: جہاں تک سپیشل سروسز گروپ کی ٹریننگ کا تعلق ہے تو میرا خیال ہے بھارت کا تکیہ

برطانیہ پر تھا، سوویت یونین پر نہیں۔ یہ درست ہے کہ روس، بھارت کا دوست تھا اور ہے۔ لیکن جہاں تک انڈین پیرا کمانڈوز کی ٹریننگ کا معاملہ ہے تو انگریزوں نے ان کو تربیت دی تھی۔

سوال: مجھے کسی نے بتایا کہ ایس ایس جی کے لئے مطلوبہ تعداد میں رضا کار نہیں مل رہے۔ پتہ نہیں یہ بات درست ہے یا غلط۔ کیا اس میں کوئی حقیقت ہے؟

جواب: نہیں، یہ بات درست نہیں۔ ایس ایس جی ایک والینٹر فورس ہے اور ہمیں بڑی تعداد میں رضا کار مل رہے ہیں۔ دراصل مشکلات اور مسائل اور ہیں۔ مثلاً اس سال 160 آفیسرز نے ایس ایس جی کے لئے والینٹر کیا۔ لیکن ان 160 افسروں میں سے ایم ایس (ملٹری سیکرٹری) نے صرف چالیس افسروں کو کلئیر کیا۔ انہوں نے بہت سی وجوہات بیان کیں۔ مثلاً فلاں آفیسر آپریشنل ایریا میں ہے، فلاں کی یہ پرابلم ہے اور فلاں کی وہ پرابلم ہے۔ اس کے بعد ہم نے پھر کیس ٹیک اپ کیا اور انہوں نے دوبارہ 25، 30 افسروں کے نام کلیئر کئے۔ اب ہم نے اس مسئلے کا حل نکالا ہے۔ ہم نے چیف آف دی آرمی سٹاف سے درخواست کی اور انہوں نے احکامات جاری کر دیئے ہیں کہ جو آفیسر ایس ایس جی کے لئے والنٹیر کرے گا اس کو نہ ایم ایس روکے گا، نہ کمانڈنگ آفیسر اور نہ کوئی اور۔

سوال: جنرل مٹھا کے زمانے میں بھی تو یہی احکامات تھے۔

جواب: جی ہاں! آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ ان کے زمانے میں یہی صورت حال تھی اور یہی احکامات تھے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرا، صورت حال بدلتی گئی اور وہ رکاوٹیں حائل ہونے لگیں جن کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ایم ایس 40 افسروں کے نام کلئیر کرتا ہے تو ان میں سے آدھے ایس ایس جی کے ابتدائی ٹیسٹوں میں فیل ہو جاتے ہیں۔ جو باقی بچتے ہیں جنہیں کورس میں ڈالا جاتا ہے اور جب کورس ختم ہوتا ہے تو ان میں سے صرف آٹھ دس کوالیفائی کرتے ہیں۔ تو ہماری شرح اتلاف (Casualty Rate) کا عالم یہ ہے۔

سوال: کیا ٹروپس کا بھی یہی حال ہے؟

جواب: نہیں۔ جہاں تک ٹروپس کی تعداد کا تعلق ہے تو اس میں کوئی مشکل نہیں۔ تین ہزار لوگ والنٹیر کرتے ہیں۔ اور ان میں سے ہم صرف تین سو کا انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب بھی ایس ایس جی کی کوئی ٹیم کسی یونٹ یا رجمنٹ میں جاتی ہے تو یونٹ اپنی بہترین افرادی

قوت کو عمداً ''چھپا'' لیتی ہے۔ اچھے سپورٹس مین، بہترین تعلیم والے اور بہتر ذہانت والے لوگوں کو عمداً آگے نہیں آنے دیا جاتا۔ ان اچھے ٹروپس کو نکال کر باقی ہمارے سامنے کر دیئے جاتے ہیں کہ لیجئے ان میں سے ایس ایس جی کیلئے سلیکشن کر لیجئے۔ بہر کیف ان ''بچے کھچے'' لوگوں کو ہم چراٹ لے جاتے ہیں اور پھر انہی اوسط معیار کے لوگوں کو ٹریننگ دے کر ہم انہیں پاکستان آرمی کے بہترین ٹروپس میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ میں اپنے ٹریننگ سسٹم کی قوت اور اس سسٹم کی پرفارمنس کی بات کر رہا ہوں۔ آپ اندازہ کیجئے اگر ہم اوسط اور اوسط سے بھی کم معیار کے لوگوں کو اٹھا کر پروفیشن کی بلندیوں تک لے جاتے ہیں تو اگر ہمیں بہترین لوگ دیئے جائیں، اگر یونٹیں اپنے بہترین ٹروپس کو والنٹیئر کرنے کی اجازت دے دیں اور اگر ٹاپ کے وہ والنٹیئر ٹروپس ہمیں مل جائیں تو پھر ہم ان کو ٹریننگ کی بھٹی سے گزار کر کس بلندی تک لے جائیں گے!

سوال: اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا آپ کا کوئی پروگرام ہے کہ آپ اس پریکٹس کو الٹا سکیں؟

جواب: میں تمام فارمیشن کمانڈروں سے ذاتی طور پر مل کر ان سے اس موضوع پر تبادلہ خیالات کرنے کا پروگرام رکھتا ہوں۔ میں ان کو بتاؤں گا کہ ایس ایس جی ہماری پاک آرمی کی گویا کریم ہے۔ یہ میری ہی فورس نہیں، آپ کی بھی فورس ہے۔ اس لئے یہ ان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بہترین افرادی قوت مجھے فراہم کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم بجائے تین ہزار افراد کو ٹمیسٹ کے عمل سے گزارنے کے ایک وقت میں صرف، چار پانچ سو لوگوں کو ٹمیسٹ کرنا چاہیں گے اور اس طرح ان میں سے چالیس پچاس لوگوں کو سلیکٹ کریں گے۔ اس طرح کرنے سے اس مسئلے کا ایک حد تک حل نکلنے کی امید ہے۔

سوال: کیا آپ ایس ایس جی کو میڈیا کے ذریعے پروجیکٹ کرنے کے حق میں ہیں جیسا کہ بھارت میں ہو رہا ہے؟

جواب: جہاں تک پاک آرمی کی پروجیکشن کا تعلق ہے تو اس کی ذمہ داری آئی ایس پی آر (ISPR) پر ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایس ایس جی کو لوگ اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی فورس نہیں۔ خاصی معروف و مقبول فورس ہے۔ جب 23 مارچ کو پاکستان ڈے پریڈ ہوتی ہے تو جس دستے کو لوگ سب سے زیادہ اور جی کھول کر داد دیتے ہیں، وہ ایس ایس جی

ہی کا دستہ ہوتا ہے۔

سوال: ایس ایس جی کے گرد ایک قسم کی طلسمی فضاء محیط ہے۔ کیا آپ اس طلسم اور تحیّر کو جاری رکھنے کے حق میں ہیں؟

جواب: ایس ایس جی کے بعض پہلو ایسے ہیں جو ہم پبلک کرنا نہیں چاہیں گے۔ ہم چاہیں گے کہ وہ پردۂ اخفاء میں ہی رہیں۔ یہ ایک طرح کی ہماری ضرورت ہے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں یہ طلسم، تحیّر اور پوشیدگی کا جو بھی عنصر ہے، وہ برقرار رہنا چاہئے۔

سوال: جدید ترین ہائی ٹیک آلات اور سروے لینس وسائل نے سپیشل آپریشنوں کو بروئے عمل لانے کی راہ میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ایس ایس جی کو استعمال کرنے کے جو روایتی طریقے ہیں، ان پر عصر حاضر کی یہ تبدیلی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ کا اس پر کیا تبصرہ ہے؟

جواب: اگر آپ حالیہ افغانستان کی جنگ اور پھر عراق کی جنگ کا مطالعہ کریں تو صورت حال اس کے برعکس نظر آئے گی کہ جو آپ کہہ رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سپیشل فورسز کا رول عصر حاضر کی جنگ و جدل میں پہلے کی نسبت زیادہ ہو گیا ہے۔ وہ اول روز ہی سے دشمن کی صفوں کے عقب میں جا کر کارروائیاں کرتے ہیں۔ وہ ایسی قیمتی معلومات اور انٹیلی جنس اپنی حملہ آور فورسز کو فراہم کرتے ہیں کہ جن سے اوور آل جنگی آپریشنوں کو کنڈکٹ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی، ایس ایس جی کی راہ میں حائل نہیں بلکہ اس کی مددگار ہے۔ ایک بات اور بھی آپ کو یاد رکھنی چاہئے کہ آپ کس ملک کے خلاف آپریٹ کر رہے ہیں؟ اور پھر یہ بھی کہ اس ملک کا ہائی ٹیک لیول کیا ہے؟.......... ہم نے امریکہ کے خلاف تو آپریٹ نہیں کرنا۔ امریکہ کے خلاف آپریٹ کرنے میں ہو سکتا ہے، ہم واقعی مشکلات کا شکار ہوں!

سوال: لیکن امریکی تو ایک اعتبار سے پہلے ہی ہمارے دشمن کے ساتھ آ چکے ہیں۔ لائن آف کنٹرول پر وہ لوگ موجود ہیں۔ اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں کہ اسرائیلی وہاں موجود ہیں۔ جب وہ موجود ہیں تو مطلب یہ ہے کہ امریکہ موجود ہے.......... امریکی اور اسرائیلی ٹیکنالوجی میں کوئی زیادہ بڑا گیپ موجود نہیں۔ آج ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ دشمن کی صفوں کے عقب میں کس طرح پہنچا جائے۔ آج ایس ایس جی کس طرح لائن آف کنٹرول کو کراس کر کے دشمن کے پیچھے جا سکتی ہے۔ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ جدید ٹیکنالوجی نے اور اسرائیلیوں کی آمد نے

دشمن کی صفوں کے عقب میں جانا آپ کے لئے مشکل بنا دیا ہے؟

جواب: آپ کی یہ بات بالکل درست ہے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے مقابلے میں آج دشمن کی صفوں کے پیچھے جانا زیادہ مشکل ہو چکا ہے۔ لیکن کشمیر میں آزادی کی جوجدوجہد ہو رہی ہے، بھارت اس کو دبانے کی اپنی سی کوشش کر رہا ہے اور وہ لائن آف کنٹرول پر نفوذ کے جتنے راستے ہیں ان کو پلگ ان (plug in) کرنے کے درپے ہے۔ آج لائن آف کنٹرول کے پیچھے نفوذ کرنا ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل ہو چکا ہے۔ اور کارگل تنازعے کے بعد تو جو رہے سہے چند شگاف تھے، دشمن ان کو بھی سیل کر چکا ہے۔ یہ مشکلات تو موجود ہیں۔ لیکن اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔

سوال: جنرل صاحب! میں اب ایک تلخ سوال کرنے لگا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں ایس ایس جی ماضی میں کیا تیر مارتی رہی ہے؟ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں دشمن کی ائرفیلڈز پر ڈراپ ایک بڑی ناکامی کی صورت پر منتج ہوا، 1971ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان میں آپ کی غازی کمپنی پر مکتی باہنی کا گھات لگانا ایک اور سانحہ تھا جس میں بہت سے آفیسر اور جوان جان سے گئے۔ 87-1986ء میں سیاچن میں ''آپریشن قیادت'' ناکام ہوا۔ کارگل کی کارکردگی ہنوز پردۂ راز میں ہے............ان الزامات پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

جواب: میں نے قبل ازیں آپ کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ماضی میں بعض آپریشنوں میں ایس ایس جی کو اس کے ٹاسک کے مطابق استعمال (Employ) نہیں کیا گیا۔ جہاں تک 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں ایس ایس جی کو دشمن کی ائرفیلڈز پر ڈراپ کرنے کا سوال ہے تو میں آپ کو بتاؤں کہ یہ آپریشن ائرفورس نے پلان کیا تھا۔ لیکن آرمی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ اس وقت کرنل ایس۔جی مہدی ایس ایس جی کے کمانڈر تھے، انہوں نے اس کی مخالفت کی تو انہیں پوسٹ آؤٹ کر دیا گیا۔ ان کے بعد لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین کو پوسٹ کیا گیا اور یہ پیرا ڈراپ جن کا آپ نے ذکر کیا، یہ انہی کی کمانڈ میں ہوئے۔ میں سمجھتا ہوں ایس ایس جی اس دور میں ''نوآموز اور نوجوان'' تھی، کہن سال اور تجربہ کار نہ تھی۔ یہ دور ایسا ہوتا ہے کہ اس میں موٹیویشن، اور جذبہ وجوش، عقل و ہوش پر حاوی ہو جاتا ہے۔..........اس پیرا ڈراپ آپریشن میں بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔

اس کے علاوہ آپ نے دوسری ناکامیوں کا ذکر کیا۔ میں آپ کو بتاؤں کہ جب آپ کسی فورس کو زیادہ بار کمٹ کریں گے تو کامیابیوں کے امکانات بھی زیادہ ہوں گے اور یہی حال ناکامیوں کا بھی ہوگا۔ ایس ایس جی پاکستان کی تاریخ میں اتنی بار استعمال کی گئی کہ اس کی گنتی مشکل ہو جائے گی۔ آپ نے جن ناکامیوں کا ذکر کیا ہے، وہ کامیابیوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بے شمار آپریشنوں میں ایس ایس جی نے بے شمار کامیابیاں حاصل کیں اور بعض کامیابیوں کی نوعیت ایسی ہے کہ میں یہاں آپ کے سامنے ان کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ راز داری مانع ہے۔ کمانڈو آپریشن مشکل آپریشن ہوتے ہیں۔ ان میں ناکامیوں کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ پاکستان ہی میں نہیں، ساری دنیا میں سپیشل آپریشنوں کی ناکامیوں اور کامیابیوں کی تناسب یہی ہے۔ اعداد و شمار کو حوالہ دینا ہو تو ان کی شرح کا تناسب ففٹی ففٹی کہا جا سکتا ہے۔

سوال: کیا آپ اپنے کرنل انچیف جنرل پرویز مشرف کے ایس ایس جی میں عرصہ ملازمت پر کچھ کہنا پسند کریں گے؟

جواب: یہ سوال تو آپ کو کرنل انچیف سے ہی پوچھنا چاہئے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں۔ جنرل پرویز مشرف نے ایس ایس جی میں دو عرصۂ ہائے ملازمت (Tenure) گزارے۔ پہلا عرصہ بطور کپتان تھا۔ اور انہی ایام میں جب ان کی شادی ہوئی تو وہ چراٹ میں تھے۔ اور بریگیڈیئر شیر اللہ بیگ کمانڈر ایس ایس جی تھے۔ اس ٹرم کے بعد جنرل پرویز مشرف بطور میجر ایس ایس جی میں آئے۔ یہ عرصہ اٹک فورٹ میں تھا۔ کمانڈو کورس میں بریگیڈیئر ٹی ایم مرحوم، جنرل مشرف کے انسٹرکٹر تھے۔ اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ بریگیڈیئر ٹی ایم کے بہت سے لطائف آپ کو سنائیں گے۔ دراصل ٹی ایم بہت پُر بہار، رنگا رنگ اور طلسمی شخصیت کے حامل کردار تھے۔

بیسواں باب

پیراٹریننگ سکول

کمانڈو آپریشنوں اور پیراشوٹ کے ذریعے زمین پر اترنے کے تصور کا گویا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ فضاؤں سے زمین کی طرف کود جانے کا خیال بہت قدیم ہے، لیکن اس تصور کو عملی جامہ پہننے میں کئی صدیوں کا عرصہ لگا۔ دنیا کا پہلا جہاز 17 دسمبر 1903ء میں امریکہ میں رائٹ برادران (ولبر رائٹ اور اورویل رائٹ) نے اڑایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ میدان جنگ کا ایک نہایت موثر، کارگر بلکہ ناگزیر ہتھیار بن گیا۔ 1914ء اور 1918ء کے درمیانی چار برسوں میں جب جنگ عظیم اول لڑی گئی تو اگرچہ اس نئے فضائی ہتھیار کو ایجاد ہوئے تقریباً ایک ہی عشرہ گزرا تھا، لیکن اس کی حربی تاثیر کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ ہوائی جہاز میدان جنگ سے اوپر اٹھا اور آسمان کی بے پایاں وسعتوں کو ایک عالمی شاہراہ میں تبدیل کر دیا اور یوں جنگ و جدل کی دنیا میں ایک نئی جہت (Dimension) کا اضافہ کر دیا۔

ہوائی جہاز کے جارحانہ استعمال کا سب سے بڑا مبلغ اور داعی ایک اطالوی جرنیل تھا، جس کا نام گلیو ڈوہٹ (Guilio Douhet) تھا۔ اس کے نظریات جاننے کے لئے اس کی مشہور و معروف تصنیف ''فضاؤں پر کمانڈ'' (The Command of the Air) کا مطالعہ کیجئے۔ ان نظریات نے جنگ پر گہرا اثر ڈالا۔ فضائی جنگ و جدل (Air Warfare) کے

بارے میں اس کے نظریات کیا تھے؟ اس نے کیا پیش گوئیاں کی تھیں؟ ان میں سے کتنی سچی ثابت ہوئیں اور کتنی بے بنیاد نکلیں، ان پر نقد ونظر کرنا ہمارے سکوپ میں شامل نہیں ۔ البتہ اتنا جان لینا ضروری ہے کہ ہوائی جہاز کی ایجاد سے بھی پہلے گیس بھرے غباروں میں اڑنا، اہل یورپ (خاص طور پر فرانس) میں بہت مقبول تھا۔ یہیں سے کمانڈروں کو دشمن کی فضائی ریکی کا خیال آیا اور یہ خیال بھی کہ اگر ان غباروں کے ذریعے دشمن کے عقب میں چپکے سے اترا جائے اور اس پر ناگہانی وار کیا جائے تو اس کے نتائج حیران کن ہو سکتے ہیں، چنانچہ بعض مہم جو افراد نے ایسا کیا بھی۔ لیکن ایک عرصے تک بیلون کے ذریعے اڑنا اور دور دراز علاقوں تک نکل جانا محض ایک سپورٹ شمار ہوتا رہا۔ ہاں جب ہوائی جہاز ایجاد ہوا تو فضاء سے زمین پر اترنے کے لئے ایک چھاتے (پیرا شوٹ) کا تصور بھی حقیقت کا روپ دھارنے لگا۔ دوسری عالمی جنگ میں جرمنوں نے باقاعدہ پیراشوٹ بٹالین کھڑی کیں اور جزیرہ کریٹ پر اپنی بٹالینوں کی مدد سے پہلی بار پیرالینڈنگ کی گئی..........اس کے بعد تو اتحادی افواج نے بھی پیرایونٹیں تشکیل دے دیں۔ امریکہ کا82 ائر بورن اور 101 ڈویژن اسی دور میں تشکیل ہوئے۔ نہ صرف یہ بلکہ پیراشوٹ کے ذریعے بعض حیرت انگیز کارنامے بھی تاریخ جنگ کا حصہ بنے۔ اسی دور میں جرمنی کے کرنل سکارزنی نے ہٹلر کے ذاتی احکام پر اٹلی کے ایک جیل خانے سے ہٹلر کے دوست اور حلیف میسولینی کو جس طرح رہا کروایا، وہ نہایت دلچسپ اور ایک جرأت انگیز داستان ہے۔

دوسری جنگِ عظیم اگرچہ برصغیر میں نہیں لڑی گئی لیکن برما میں ہمارے ہمسائے میں چار سال (1942ء تا1945ء) تک ہنگامہء کارزار گرم رہا اور برٹش انڈین آرمی جاپانیوں کے خلاف نبرد آزما رہی۔ تاہم اس آرمی میں بہت کم انڈین آفیسرز ایسے تھے جنہوں نے کسی ائر بورن آپریشن میں حصہ لیا یا ائر بورن ٹریننگ حاصل کی.........لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا ان معدودے چند لوگوں میں شامل تھے، جنہوں نے پیرا جمپ کی باقاعدہ ٹریننگ لی تھی اور جمپ بھی کئے تھے۔ لیکن جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اگرچہ پاکستان کے پاس ایک پیرا بریگیڈ موجود تھا لیکن یہ صرف نام کا پیرا بریگیڈ تھا (14 پیرا بریگیڈ) اس کے اجزائے ترکیبی اور اس کا کام دوسرے انفنٹری بریگیڈوں کی طرح تھا۔

1962ء تک پاکستان کے پاس کوئی بھی پیرا ٹریننگ سکول نہیں تھا۔ ایس ایس جی

کے جو افراد امریکہ میں پیرا جمپ کر کے آتے تھے، ان کی ریہرسل یا ٹریننگ کا بھی کوئی بندوبست پاکستان میں نہ تھا۔ چنانچہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ پاکستان میں بھی اس ٹریننگ کے لئے ایک سکول قائم کیا جائے۔ ایس ایس جی کے اربابِ اختیار کی خواہش اور کوشش تھی کہ اول تو سارے کا سارا گروپ، وگرنہ تین چار کمپنیاں ایسی ضرور ہوں جن کو پیرا ٹریننگ دی جائے اور وہ ائیر بورن کمانڈو ٹائپ آپریشنوں کی تکمیل کی اہل ہوسکیں۔

جہاں تک امریکیوں کا تعلق تھا تو وہ پاکستانیوں کے لئے صرف Stay Behind اہلیت سے آگے بڑھنے کی طرف نہیں آتے تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایس ایس جی کو کمانڈو رول میں استعمال نہ کیا جائے اور کیا بھی جائے تو یہ رول ثانوی ہو، اولیں نہیں۔ اولیں رول وہی Stay Behind رول ہی ہوگا۔ چنانچہ پاکستان نے اپنے ہاں ایک پیرا سکول کے قیام کی تجویز دی تو اول اول امریکیوں نے اس کی کچھ مزاحمت کی۔ تاہم بعد میں ان کو احساس ہوا کہ ایس ایس جی کو جو رول دیا گیا ہے، اس کیلئے پیرا اہلیت ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے (USMAAG) کے تحت پاکستان میں اس اہلیت کے حصول کے لئے ایک سکول قائم کرنے اور اس کی تربیتی اور مالی ضروریات پورا کرنے کی حامی بھر لی اور فیصلہ ہوا کہ امریکہ صرف تین کمپنیوں کے لئے پیرا ساز و سامان (Equipment) فراہم کرے گا۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ اس قسم کا سکول قائم کرنے کے لئے کوئی موزوں جگہ منتخب کی جائے۔ ایس ایس جی کی افرادی قوت بیشتر چراٹ اور قلعہ اٹک میں تھی اور پیرا ٹریننگ کے لئے پاک فضائیہ نے جو امداد دینی تھی (سی-130 اور اس سے متعلق عملے کی صورت میں) تو اس کا ہیڈ کوارٹر چکلالہ میں تھا اور C-130 طیارے بھی وہیں تھے۔ سکول کی لوکیشن انہی سٹیشنوں کے گردونواح میں ہونی ضروری تھی۔ لہٰذا کافی تلاش اور غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ یہ سکول پشاور میں قائم کیا جائے۔ ملٹری ڈیری فارم پشاور کے پاس زمین کے وسیع قطعات تھے۔ وی سی جی ایس (VCGS) اور سی جی ایس (CGS) کی اعانت سے اس ڈیری فارم کی زمین کا ایک قطعہ ایس ایس جی کو دے دیا گیا۔

اس مجوزہ سکول میں تربیتی سہولیات کے لئے جو انفراسٹرکچر کھڑا کرنا تھا، اس کے بلیو پرنٹ (نقشے وغیرہ) USMAAG نے فراہم کر دیئے تھے۔ ان کو تعمیر کرنا کوئی ایسا مشکل نہ تھا

کہ سازوسامان تو سارے کا سارا امریکیوں نے دینا تھا۔ البتہ ایک مسئلہ یہ تھا کہ جمپ کی ٹریننگ کے لئے 34 فٹ بلند ٹاور کس طرح تعمیر کیا جائے۔ اس ٹاور کو تعمیر کرنے کے لئے جو چار بڑے بڑے فولادی کھمبے اس کو سپورٹ کرنے کے لئے ضروری تھے، وہ کہاں سے آئیں۔ ان کے علاوہ کوئی 300 گز طویل فولادی رسوں کی بھی ضرورت تھی۔ امریکیوں نے کہا 50 فٹ اونچے فولادی کھمبے پاکستان خود اپنے ہاں تیار کرے۔ البتہ سٹیل وائر کے رسے (Ropes) جرمنی یا امریکہ سے بھیج دیئے جائیں گے۔ لیکن امریکہ یا جرمنی سے ان فولادی رسوں کی آمد میں 120 دنوں (چار ماہ) کا عرصہ درکار تھا۔ پاکستان نے جب مطالبہ کیا کہ ان رسوں کی فراہمی میں جلدی کی جائے تو امریکیوں کا جواب تھا کہ یہ عرصہ آمدورفت اور ترسیل کی محدودات کے پیش نظر کم سے کم ہے۔ پاکستان چار ماہ کی اس تاخیر کو منصوبے کی تکمیل کی راہ میں ایک غیر ضروری رکاوٹ سمجھتا تھا........لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ ہمت مرداں مدد خدا.........تو خدا نے یہ مشکل بھی بہت جلد آسان کر دی۔

کھمبوں کے لئے جب واپڈا سے رجوع کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وارسک ڈیم پراجیکٹ کی تعمیر کے دوران بعض کھمبے فاضل تھے اور وہ ابھی تک وارسک ہی میں پڑے ہیں۔ واپڈا سے رابطہ کیا گیا تو وہاں کئی کھمبے مطلوبہ لمبائی اور موٹائی کے پڑے مل گئے۔ واپڈا نے ازراہ عنایت چار کھمبے بغیر کوئی معاوضہ لئے ایس ایس جی کے حوالے کر دیئے۔

اب دوسرا مسئلہ فولادی رسوں کا تھا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ایک روز میجر نسیم اقبال جی ایس او ٹو (کوآرڈ) چک لالہ ائربیس پر گئے اور پھرتے پھراتے ان کی نظر چند بڑی بڑی چرخیوں (Spools) پر پڑی جو سول ایروڈروم کے علاقے میں پڑی ہوئی تھیں۔ میجر نسیم نے ازراہ تجسس ان چرخیوں کو دیکھا تو ان پر سٹیل کے رسے لپٹے ہوئے تھے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کی موٹائی بالکل وہی ہے جو پیرا اسکول کے لئے درکار تھی۔ انہوں نے متعلقہ حکام سے رابطہ کیا اور ان چرخیوں اور سٹیل کے رسوں کی مزید تفصیلات دریافت کیں۔ وہ امریکی آفیسر جو اس پراجیکٹ کے لئے نسیم کے ساتھ تھا، اگلی وزٹ پر اس کو بھی یہ چرخیاں دکھائی گئیں۔ جب انہوں نے ان فولادی رسوں کی موٹائی وغیرہ کی پیمائش کی اور ان کی ساخت اور دوسری تکنیکی جزئیات کا بغور جائزہ لیا تو یہ رسے بالکل عین مین وہی تھے، جن کی اس 34 فٹ ٹاور کی تکمیل و تعمیر

میں ضرورت تھی..........بعض اتفاقات کتنے خوشگوار ہوتے ہیں!!

اب یہ سوال باقی تھا کہ یہ رسے کس کی ملکیت تھے، ان کا مصرف کیا تھا اور وہ یہاں کس لئے پڑے تھے؟..........معلوم ہوا کہ کئی ماہ قبل شمالی علاقہ جات میں چند معلق پلوں کی تعمیر کے لئے یہ رسے درآمد کئے گئے تھے۔ یہ پی ڈبلیوڈی (پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ) کی ملکیت تھے۔ لیکن ان کو شمالی علاقوں میں مطلوبہ مقامات پر لے جانے کے لئے چونکہ ذرائع نقل وحمل موجود نہیں تھے اور نہ ہی یہ کسی جہاز میں وہاں پہنچائے جاسکتے تھے، اس لئے عرصہ دراز سے وہ یہاں پر پڑے ہوئے تھے..........پی ڈبلیوڈی حکام سے فوری رابطہ کیا گیا اور دو دنوں کے اندر اندر یہ رسے ایس ایس جی کو مل گئے۔

اس ابتدائی مرحلے میں امریکن آرمی سے ایک گیارہ رکنی ایڈوائزری ٹیم پاکستان پہنچی تا کہ تربیتی مراحل میں پاکستان کی معاونت کرے اور ضروری مشاورت فراہم کرے۔ اس ٹریننگ کو مندرجہ ذیل چار مرحلوں میں تقسیم کیا گیا:

1۔ مختصر دورانیے کا ایک ریفریشر کورس چلایا جائے جس میں ایسے آفیسرز اور جے سی اوز کو شامل کیا جائے جو قبل ازیں امریکہ میں پیرا ٹریننگ کورس کر چکے ہوں۔

2۔ پاکستان ائر فورس کے ساتھ ائر ڈراپ شیڈول طے کئے جائیں، نیز دوسرے جملہ متعلقہ طریقہ ہائے کار کی ریہرسل وغیرہ کی جائے۔

3۔ پہلا پیرا کورس چلایا جائے، جس میں صرف انسٹرکٹروں کو تربیت دی جائے۔ یہ انسٹرکٹر بعد میں دوسرے لوگوں کو ٹریننگ دیں اور اس طرح ریگولر کورسز کا سلسلہ شروع ہو جائے۔

4۔ جب چند ریگولر کورسز چلا لئے جائیں تو رگر (Rigger) ٹریننگ کا آغاز کیا جائے۔ اس ٹریننگ میں ایسے افسروں اور جے سی اوز کو شامل کیا جائے، جنہوں نے بطور رگر ٹریننگ حاصل کی ہو۔ (رگر اصطلاح میں پیراشوٹ کو لپیٹنے اور ایک خاص انداز میں تہہ کر کے رکھنے کا نام ہے۔ یہ ایک مشکل مشق ہے۔ اگر اس میں ذرا سی بھی کوتاہی ہو جائے تو جمپ کرتے ہوئے پیراشوٹ نہیں کھلے گا اور جمپ کرنے والا ہلاک ہو جائیگا..........اس سے رگر ٹریننگ کی اہمیت اور نزاکت کا اندازہ کیا جا

سکتا ہے!)۔

اس طرح سکول کی تعمیر کے بعد اس میں پیرا کورسز کا سلسلہ شروع ہوا۔ ریفریشر کورس کے بعد پاک فضائیہ کے ساتھ ربط وارتباط کے مراحل طے ہوئے اور پھر اولیں انسٹرکٹروں کا کورس چلایا گیا۔ جس میں آفیسرز، جے سی اوز اور این سی اوز شامل تھے۔ ان انسٹرکٹروں نے پہلا ڈیمانسٹریشن جمپ مارچ 1964ء میں کامرہ ائرفیلڈ پر کیا۔ کمانڈر انچیف پاکستان آرمی جنرل محمد موسیٰ نے بھی اس جمپ کو دیکھا اور مسرت واطمینان کا اظہار کیا۔ کسی بھی پی اے ایف (PAF) طیارے سے یہ پہلا جمپ تھا۔

میجر خالد لطیف انصاری کو پیرا ٹریننگ سکول کا پہلا کمانڈانٹ مقرر کیا گیا۔ میجر انصاری نہ صرف یہ کہ باقاعدہ ایک کوالیفائڈ جمپر تھے، بلکہ ایک کوالیفائڈ رگر (Rigger) بھی تھے۔ اس لئے بہت جلد انہوں نے سکول میں رگر ٹریننگ شروع کروادی۔ افسوس کہ چند ماہ کے بعد وہ کار کے ایک حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔

اس ڈیمانسٹریشن جمپ کے بعد کرنل ایس جی مہدی نے کمانڈر انچیف کو خط لکھا کہ ایس ایس جی کی کیپ کا رنگ سبز سے قرمزی (Maroon) کردیا جائے۔ یہ قرمزی رنگ دنیا بھر میں ائربورن ٹروپس کا امتیازی نشان ہے۔ ان کی درخواست مان لی گئی اور تب سے ایس ایس جی والے قرمزی کیپ پہنتے ہیں۔

جب پیرا سکول میں ٹریننگ اپنے شیڈول کے مطابق رواں دواں ہوئی تو بتدریج ایس ایس جی کے سارے افراد کو اس سے گزارا گیا اور یوں تمام وابستگان ایس ایس جی نے اپنے سینوں پر ونگ سجالیا۔

اس سکول میں اب مختلف قسم کے پیرا کورسز چلائے جارہے ہیں۔ سکول کی بعض سنگ میل تاریخیں درج ذیل ہیں:

1۔	پہلی پیراشوٹ کھیپ موصول ہوئی	15 جنوری 1964ء
2۔	سکول کی تعمیر کا آغاز	28 فروری 1964ء
3۔	اولیں سٹاف کی آمد	29 فروری 1964ء
4۔	پہلا جمپ/ ریفریشر کورس	18-19 مارچ 1964ء

5۔	افتتاحی تقریب (پیراٹریننگ ونگ)	24مارچ 1964ء
6۔	رات کے وقت پہلا ٹیکٹیکل سٹیٹک لائن جمپ	28 مئی 1964ء
7۔	پہلا فری فال	27نومبر 1970ء
8۔	پیراٹریننگ ونگ سے پیراٹریننگ سکول	22اکتوبر 1981ء
9۔	پہلا فری فال (ہتھیاروں اور ساز وسامان کے ساتھ)	11اکتوبر 1983ء
10۔	پہلا فری فال (15000 فٹ)	یکم دسمبر 1983ء
11۔	پہلا نائٹ فری فال	26 مئی 1982ء
12۔	ساز وسامان کے ساتھ پہلا جمپ (25000 فٹ، امریکی سپیشل فورسز کے ہمراہ)	24اپریل 1995ء
13۔	پہلا نائٹ ٹیکٹیکل فری فال (10,000 فٹ، مانسہرہ کی پہاڑیوں میں)	21اگست 1996ء
14۔	اب تک جتنے جمپ کئے گئے	247378
15۔	تعداد سٹیٹک لائن	221342
16۔	تعداد فری لائن	26036

پیراٹریننگ سکول کی تاریخ اس وقت تک نامکمل رہے گی، جب تک ان جانبازوں اور دلیروں کا ذکر نہ کیا جائے، جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پیرا جمپ کے دوران خوشی خوشی موت کو گلے لگایا اور جان جوکھوں کے اس کھیل میں بے باکی اور جرات کی نئی داستانیں رقم کیں۔ ان جانبازوں اور جاںنثاروں کے نام بمعہ تاریخ شہادت درج ذیل ہیں:۔

1۔	حوالدار نور الاسلام	(مئی 1964ء)
2۔	کیپٹن طارق محمود	(یکم دسمبر 1983ء)
3۔	کیپٹن سرفراز خان	(جون 1985ء)
4۔	بریگیڈیئر طارق محمود	(29 مئی 1989ء)
5۔	کیپٹن شیر رحمان	(8اپریل 1992ء)

6-	سپاہی یوسف خان	(5 مئی 1992ء)
7-	سپاہی جاوید اقبال	(5 مئی 1992ء)
8-	حوالدار لیاقت علی	(16 نومبر 1995ء)
9-	فلائٹ لیفٹیننٹ شہزاد حسین اعوان	(16 نومبر 1995ء)
10-	سپاہی محمد سلیم	(2 اکتوبر 1997ء)

اکیسواں باب

سپیشل آپریشنز سکول

دنیا بھر کی افواج کی طرح پاکستان آرمی میں بھی مختلف لڑاکا اور غیر لڑاکا صیغوں (Arms) اور شعبوں کی ٹریننگ کے لئے تدریسی ادارے قائم ہیں۔ شاذ ہی کوئی شعبہ ایسا ہوگا جس کا تدریسی سکول نہ ہو۔ ان میں بہت سے سکول اب کالج بن چکے ہیں۔ یہ پیش رفت تدریسی اداروں کے ہمہ جہتی ارتقاء کی غماز ہے۔ آگے چل کر عین ممکن ہے، ان کالجوں کو یونیورسٹیوں کا درجہ دے دیا جائے!

سپیشل سروس گروپ جب وجود میں لایا گیا تو اس کا ٹریننگ سلیبس غیر معمولی تھا۔ دراصل جب تدریسی موضوعات و مضامین غیر معمولی ہوں تو ان کا طریقۂ تدریس بھی غیر معمولی ہی ہونا چاہئے۔ چونکہ ایس ایس جی ایک نان کنونشنل فورس تھی، اس لئے اس کو ٹریننگ دینے کے طور طریقے بھی غیر روائتی بنانے پڑے، جس کے لئے نہ صرف ندرت فکر بلکہ محنت شاقہ کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ اول اول صرف ان لوگوں کو بطور انسٹرکٹر منتخب کیا گیا جو ایس ایس جی میں آنے سے پہلے کسی تدریسی ادارے مثلاً سکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹکس کوئٹہ یا اپنے خصوصی شعبے کے تدریسی ادارے میں بطور انسٹرکٹر فرائض انجام دے چکے تھے۔ مختلف کمپنیاں اپنی اپنی ٹریننگ کا پروگرام بناتی اور اس پر عمل کرتی تھیں۔

لیکن ایس ایس جی کے بانی لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا ٹریننگ کے اس انداز سے کلی طور پر مطمئن نہ تھے، وہ طریقہ تدریس اور معیار تدریس میں برابری اور اجتماعی سوچ لانا چاہتے تھے۔ چنانچہ مخصوص بلند معیاروں کے حصول کے لئے ایک کمپنی تشکیل دی گئی جس کو پورے گروپ کی ٹریننگ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ کمپنی گویا منتخب اساتذہ کا ایک گہوارہ تھی، جس میں نہایت قابل، محنتی، اپنے پیشے اور شعبے سے مشنری سپرٹ کے حامل، فرض شناس اور تدریس کا فطری میلان طبع رکھنے والے آفیسرز اور جے سی اوز شامل تھے۔ یہ گویا ایک ایسی ٹیم بن گئی جو ایس ایس جی سلیبس میں شامل جملہ موضوعات کی سکھلائی پر عبور رکھتی تھی۔ اس ٹریننگ ٹیم کو براہِ راست ہیڈکوارٹرز ایس ایس جی کے زیر کمان کر دیا گیا۔ اس ٹیم کا سربراہ ایک میجر ہوتا تھا جو آفیسر انچارج (OIC) ٹریننگ ٹیم کہلاتا تھا۔ اس کے زیر کمان چار کپتان دے دیئے گئے جو اپنے اپنے موضوع پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

یہ لوگ تعلیم و تعلم کے ایک عجیب جذبے سے سرشار تھے۔ دراصل ٹریننگ کو جب تک آپ دلچسپ، مشقت طلب، پر کشش، رنگا رنگ اور انداز ہائے نو سے نہیں سجائیں گے، تب تک اس میں نیا پن اور تازگی نہیں آئے گی۔ بوریت، گھٹن، یکسانیت اور ایک فرسودہ اور گھسا پٹا طریقِ تدریس طلباء میں اکتاہٹ پیدا کرتا ہے۔ وہ چار و ناچار اپنا عرصہ تربیت مکمل کرنے پر مجبور تو ہوتے ہیں لیکن جہاں تک کچھ سیکھنے اور سیکھنے کے بعد کر گزرنے کا مرحلہ آتا ہے، تو وہ کوئی خاص نمایاں کارکردگی انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فوج کی تمام فارمیشنوں اور یونٹوں میں ٹریننگ کو دلچسپ اور تازہ کاری کی خوشبو سے معطر کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک بڑا چیلنج ہے۔ ہر انسٹرکٹر اس کا اہل نہیں ہوتا۔ تدریس کا ملکہ ایک فطری ملکہ ہے۔ آپ کسی بھی پرانے ایس ایس جی آفیسر، جے سی او یا جوان سے پوچھ لیں، وہ کرنل مٹھا کے بارے میں کہے گا کہ وہ دنیا کے بہترین سکھلائی دینے والے اساتذہ میں سے ایک تھے۔

ایس ایس جی کی اس ٹریننگ ٹیم کا معمول تھا کہ تمام انسٹرکٹر صبح تین ساڑھے تین بجے بیدار ہوتے تھے اور اپنے شاگردوں کی ٹریننگ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ یہ ٹریننگ ان ڈور بھی ہوتی تھی اور آؤٹ ڈور بھی۔ لیکن سوال اندرون کمرہ یا بیرون کمرہ کا نہیں تھا، سوال یہ تھا کہ طلباء میں ٹریننگ حاصل کرنے اور پھر کچھ کر گزرنے کا ذوق و شوق پیدا کیا جائے۔ اس ٹریننگ ٹیم کے

اراکین عہدے کے لحاظ سے گو کپتان تھے، لیکن انہیں بلا کی آزادئ عمل حاصل تھی۔ کرنل مٹھا نے شروع ہی سے یہ اہتمام کیا ہوا تھا کہ ایس ایس جی کا ہر فرد، خواہ اس کا رینک کچھ بھی ہو، خود اعتمادی کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہو۔ چنانچہ وہ کمانڈر ایس ایس جی ہونے کے باوجود ان کپتانوں کے فیصلوں کو چیلنج نہیں کیا کرتے تھے.......... یہ لوگ دوسروں کے لئے مشعلِ راہ تھے۔

لیکن پھر جوں جوں وقت گزرا، حالات میں تبدیلی آنے لگی۔ نہ صرف عالمی ماحول بدل رہا تھا، بلکہ خود برصغیر میں بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ 1984ء کے اوائل میں بھارت نے سیاچن کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تھا۔ پولر ریجن کے باہر، دنیا کے اس سب سے بڑے گلیشئر پر آگ اور خون کا کھیل جاری تھا، جس میں ایس ایس جی کے آفیسرز، جے سی اوز، این سی اوز اور جوان بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ دنیا کے اس بلند ترین میدان کارزار کے بعض معرکوں کی جھلکیاں ہم نے اس کتاب میں ایک الگ باب میں بیان کر دی ہیں۔ لیکن یہ صرف چند معرکے تھے۔ تاہم جب یہ شروع ہوئے تو ایس ایس جی پر تربیت یافتہ نفری کی فراہمی کا بوجھ آن پڑا۔ دوسری طرف اس سے بھی چار پانچ سال پہلے افغان جہاد شروع ہو چکا تھا۔ ایس ایس جی کا دائرۂ کار اب مسلسل پھیل رہا تھا، چنانچہ محسوس کیا جانے لگا کہ یہ ٹریننگ ٹیم ناکافی ہے اور اس میں توسیع کی شدید ضرورت ہے۔ پہلے تو انسٹرکٹروں کی تعداد بڑھا دی گئی لیکن اس کو باقاعدہ ایک اداراتی (Institutionalised) دائرے میں لانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ چنانچہ 1991ء میں بریگیڈئیر محمد اکرم کے دور میں اس پر کام کا آغاز ہوا۔ ان کے بعد بریگیڈئیر محمد نذیر اور پھر بریگیڈئیر حامد رب نواز نے بحیثیت کمانڈر ایس ایس جی، اس ٹریننگ سکول کا نہ صرف بلیو پرنٹ پیش کیا بلکہ اس میں رنگ بھرنے کے لئے اپنی سی سعی کرتے رہے۔ فائلیں چراٹ سے راولپنڈی اور اسلام آباد کے درمیان رواں دواں رہیں۔ گفتگو اور پریزنٹیشن کے دور چلتے رہے۔ حکام بالا نے جن جن موضوعات اور نکات پر تفصیلات طلب کیں اور جن جن پہلوؤں کی وضاحتیں چاہیں، وہ ان کو دی جاتی رہیں۔ یہ تمام ایکسر سائز وقت کی متقاضی تھی۔ لہٰذا جوں جوں وقت گزرتا گیا، سپیشل آپریشنز سکول کا منصوبہ خیال سے نکل کر عمل کا روپ اختیار کرنے لگا۔

1996ء میں بریگیڈئیر کمال شوکت جب بطور کمانڈر پوسٹ ہوئے تو اس پراجیکٹ کی گاڑی کو گویا پہیئے لگ گئے۔ وہ اگرچہ انفنٹری کے آفیسر تھے لیکن ان کی ذہنی افتادِ طبع میں

میکانائزڈ فارمیشنوں کے افسروں جیسی جولانی، تیزی اور سبک رفتاری تھی۔ ان کی دوراندیشی، مستقبل میں جھانکنے کی صلاحیت اور قوت فیصلہ، ہر کسی سے خراج تحسین وصول کرتی تھی۔ انہوں نے اس منصوبے میں ذاتی دلچسپی لے کر اس کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں بہت کام کیا۔

جولائی 1998ء میں لیفٹیننٹ کرنل احمد رضا کو ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی میں جی ایس او-1 (ایڈیشنل) پوسٹ کیا گیا تو ان کو اس سکول کے قیام کی ابتدائی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ اس قسم کے عسکری تدریسی اداروں کی تاریخ شاہد ہے کہ ان کے بانی کمانڈنگ آفیسروں کی ذاتی کاوشوں اور کوششوں کا کتنا عمل دخل ان اداروں کی ترویج و اشاعت میں شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ کرنل رضا نے بھی ایک مشنری سپرٹ کے ساتھ اس سکول کے قیام میں دن رات ایک کر دیئے۔ اس سلسلے میں انسپکٹر جنرل ٹریننگ اینڈ اویلیوایشن (IGT&E)، لیفٹیننٹ جنرل جنجوعہ، ڈائریکٹر جنرل ملٹری ٹریننگ (DGMT) میجر جنرل محمد مشتاق اور ڈائریکٹر جنرل انفنٹری (DG Inf) نے بہت مدد کی اور آخر کار فروری 1999ء میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے اس سپیشل آپریشنز سکول (ایس ایس جی) کی باضابطہ منظوری دے دی۔

اس سکول کے صدر دفاتر، کمانڈر ایس ایس جی کے پرانے دفاتر (چراٹ) میں قائم کئے گئے۔ تب سے ایس ایس جی کی ہمہ قسم کی ٹریننگ اسی سکول کے ذمے ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل کورسز شامل ہیں:

1۔ آفیسرز ایڈوانس کمانڈو کورس (OACC)
2۔ آفیسرز بیسک کمانڈو کورس (OBCC)
3۔ او آر ز بیسک کمانڈو کورس (ORBCC)
4۔ جے سی اوز، این سی اوز ایڈوانس انفنٹری ٹریننگ کورس (JNAITC)
5۔ پاکستان اَن آرمڈ کمبٹ کورس (PUCC)

سپیشل آپریشنز سکول میں دوست ممالک کے افراد بھی تربیت حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ان میں سعودی عرب، بحرین، کویت، بنگلہ دیش اور سری لنکا کے افراد شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اس سکول کے آفیسرز اور دوسرے عہدیدار بعض ممالک کے ساتھ مشترکہ جنگی مشقوں میں بھی شریک ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں امریکہ، برطانیہ، ترکی، اردن اور چین شامل ہیں۔

بائیسواں باب

زیرِ آب اور بالائے آب آپریشنز

(موسیٰ کمپنی)

جیسا کہ ہم اس کتاب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ 1950ء کے عشرے میں ایک ریور ریکی یونٹ (River Recce Unit) مشرقی پاکستان میں موجود تھی، جس کا کام دریائی اور سمندری ساحلوں کی ریکی وغیرہ کرنا تھا۔ 1956ء میں جب سپیشل سروس گروپ کی ابتداء ہوئی تو اس ریور ریکی یونٹ کی کمانڈ کیلئے کرنل مٹھا نے ایک بنگالی آفیسر کیپٹن محمود کمال کا انتخاب کیا۔ یہ آفیسر نہایت ذہین، دلیر اور سر تا پا ایک نان کنونشنل آفیسر تھا۔ اگر وہ کسی ریگولر یونٹ میں ہوتا تو اگلے ہی روز نا موزوں قرار دے کر گھر بھیج دیا جاتا۔ دوست احباب اسے پیار سے ''کمبو'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کو جب کوئی ٹاسک دے دیا جاتا تو وہ اس کی تکمیل میں دن رات ایک کر دیتا اور اسے اس وقت تک چین نہ آتا، جب تک وہ اس دیئے گئے ٹاسک کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچالیتا۔

میجر محمود کمال کے ساتھ ایک صوبیدار بھی تھا، جس کا نام منان تھا، اس کا تعلق بھی مشرقی پاکستان سے تھا۔ بعد میں وہ صوبیدار میجر بنا۔ محمود کمال نے امریکہ کے ''ان کنونشنل سکول'' سے خفیہ آپریشنوں کا ایک کورس بھی کیا تھا۔ کرنل مٹھا نے اس یونٹ کو ''ایم'' (M) کمپنی کا نام دیا۔ کمپنیوں کے یہ نام انگریزی حروف تہجی کی بنیاد پر دیئے گئے تھے، تاہم ان ناموں کا ایک مقصد

اخفاء اور راز داری بھی تھا۔ بعد میں جب کیپٹن حکیم ارشد قریشی کو ایس ایس جی کے لئے منتخب کیا گیا تو کرنل مٹھا نے انہیں میجر محمود کمال کی ''ایم'' کمپنی میں بھیج دیا۔ کیپٹن حکیم ارشد کو اگرچہ تیرنا نہیں آتا تھا، لیکن کمانڈنگ آفیسر نے ان پر جو اعتماد کیا تھا، وہ اس پر پورے اترے اور فراگ مین پلاٹون کو حقیقی معنوں میں ایک ایسی سب یونٹ بنا دیا جو اپنی خاص فیلڈ میں بے مثال تھی۔ (اس کا تذکرہ ہم ٹریننگ والے باب میں بھی کر چکے ہیں)۔ جب حکیم ارشد قریشی کو امریکہ کورس پر بھیجا گیا تو ایم کمپنی کی کمانڈ میجر ورڈگ کو دے دی گئی۔

کرنل ایس جی مہدی ایس ایس جی کے کمانڈر پوسٹ ہوئے تو انہوں نے تمام کمپنیوں کے نام تبدیل کر دیئے۔ اب انگریزی حروف تہجی اے بی سی کی جگہ اسلامی نام رکھے گئے اور ایم کمپنی کو موسیٰ کمپنی کا نام دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا جو قصہ قرآن حکیم میں مذکور ہے، اس کی مناسبت سے اور حضرت موسیٰ کا جو تعلق سمندروں اور پانی سے تھا، اس کے پس منظر میں دیکھیں تو ایم کمپنی کو موسیٰ کمپنی کا نام دینا، کرنل مہدی کی ندرت فکر کا پتہ دیتا ہے۔

موسیٰ کمپنی کے آپریشنل تصورات نہایت وسیع اور بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ سمندر میں برآبی (Amphibious) آپریشنوں سے لے کر جہاز رانی کے قابل دریاؤں میں مختلف قسم کے آپریشنوں تک پھیلا ہوا یہ سکوپ کراچی، چٹاگانگ اور چالنا کی بندرگاہوں تک چلا گیا تھا۔ مشرقی پاکستان اس وقت ہمارے ساتھ تھا اور وہاں اکثر دریاؤں میں جہاز رانی ہو سکتی تھی اور ان میں بڑے بڑے سٹیمر چلتے تھے۔ مغربی پاکستان میں بھی دریائے سندھ میں ایک حد تک جہاز رانی کی جا سکتی تھی۔ علاوہ ازیں ہمارے دشمن کا مشرقی اور مغربی ساحل سمندر بہت وسیع و عریض تھا (اور ہے) اور اسی تناظر میں موسیٰ کمپنی کے خفیہ آپریشنوں کے دائرہ کار کا تصور کریں تو اس چھوٹی سی یونٹ کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے امکانات بہت روشن نظر آتے تھے۔

1965ء میں ہمیں امریکہ سے ایک آبدوز ملی، جس کا نام ہم نے غازی رکھا۔ چنانچہ موسیٰ کمپنی کو فوراً ہی پاک بحریہ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا تاکہ وہ غازی کے ہمراہ مطلوبہ پیشہ ورانہ ٹریننگ حاصل کرے۔ اٹھارہ اٹھارہ میل تک سمندر میں تیرنے کے ٹیسٹ لئے گئے۔ موسیٰ کمپنی کی ایک ٹیم چٹاگانگ میں بھی مستقل طور پر رکھی گئی۔ اس کمپنی کی نفری اگرچہ کم تھی لیکن اس کے ذمہ

لگائے گئے فرائض کا دائرہ کار کافی وسیع تھا۔ موسیٰ کمپنی نے ایک ماہ تک دریائے سندھ کے ساحلوں کی ریکی کی اور سندھ ڈیلٹا میں رن آف کچھ کے علاقے میں 50 میل تک بھارت کی طرف چلے گئے۔ جنرل ہیڈکوارٹرز کو خصوصی طور پر حکم دینا پڑا کہ اس علاقے میں ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھا جائے۔ یہاں یہ امر شاید دلچسپی کا باعث ہو کہ مارچ 1965ء میں جب رن آف کچھ میں جھڑپیں شروع ہوئیں تو پاکستان کا 8 ڈویژن وہاں بھیجا گیا۔ میجر جنرل ٹکا خان، اس ڈویژن کے جی او سی تھے۔ ان کو پلان پیش کیا گیا کہ رن آف کچھ کے بھارتی علاقے میں دور تک اندر جا کر کارروائی کی جا سکتی ہے۔ جنگ جاری ہو تو اس قسم کی سرحدی ''خلاف ورزیاں'' درخور اعتناء نہیں ہونی چاہئیں لیکن حکام بالا کی طرف سے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ موسیٰ کمپنی کیپٹن صادق کی کمانڈ میں رن آف کچھ آپریشن کے ایام میں اس علاقے میں موجود رہی اور تفویض کئے گئے مشنوں کی تکمیل کرتی رہی۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں کمپنی کو دشمن کے اس ساحلی علاقے کی ریکی پر مامور کیا گیا جو کراچی سے ہو کر دوارکا اور بمبئی تک چلا جاتا ہے۔ دشمن کے بحری جہازوں اور آبدوزوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی گئی۔

کرنل ایس جی مہدی کے بعد بریگیڈیئر نصیر بطور کمانڈر ایس ایس جی پوسٹ ہوئے تو ان کا زاویۂ نظر ایک روایتی رازداری کا رجحان لئے ہوئے تھا، اس لئے انہوں نے موسیٰ کمپنی کو کراچی سے شفٹ کر کے چراٹ کے نزدیک لانے کی تجویز پیش کی، جسے حکام بالا نے منظور کرتے ہوئے کمپنی کو نئی لوکیشن کی ریکی کرنے کا حکم دیا۔ یہ ریکی تربیلا، منگلا، وارسک اور چند دیگر آبی ذخائر میں کی گئی۔ بالآخر دو جگہوں پر آ کر بات رکی یعنی تربیلا یا منگلا میں سے کسی ایک جگہ موسیٰ کمپنی کو بھیجا جا سکتا تھا۔ پھر مزید معلوم ہوا کہ تربیلا کا پانی منگلا کے مقابلے میں زیادہ سرد ہے، اس لئے منگلا میں ٹریننگ وغیرہ کی آسانیاں ہوں گی۔ اس پر بریگیڈیئر شیر اللہ بیگ کی کمانڈ کے دوران موسیٰ کمپنی منگلا منتقل ہو گئی۔

منگلا میں پیرا ٹریننگ سکول کے ساتھ اشتراک عمل کرتے ہوئے پہلی بار واٹر جمپ کا مظاہرہ کیا گیا۔ پہلا جمپ 22 مارچ 1969ء کو کیا گیا۔ سی۔130 طیارے سے پہلی بار جب گیارہ جمپ منگلا جھیل میں لگائے گئے تو معلوم ہوا کہ یہ جمپ زمینی جمپوں سے کوئی زیادہ مشکل

نہیں۔اب یہ جمپ طیاروں اور ہیلی کا پٹروں سے کئے جا رہے ہیں اور ایڈوانس پیرا ٹریننگ کے **سلیبس** کا حصہ ہیں۔ پانی میں گھرے ہوئے لوگوں کو ہیلی کا پٹروں کی مدد سے اٹھانا اور باہر نکالنا، اب ایک معمول کی ٹریننگ ہے۔

اس ایڈوانس **سلیبس** میں ایک میل تک بغیر وردی کے تیرتے جانا، 300 میٹر تک وردی کے ساتھ تیرنا اور پورے ہتھیار لگا کر ڈبلیو (W) کی فارمیشن بنانا بھی **سلیبس** میں شامل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب 1971ء میں موسیٰ کمپنی کو مشرقی پاکستان بھیجا گیا تو وہاں کے دریاؤں میں مختلف آپریشنوں کی تکمیل میں اسے زیادہ دشواری نہ ہوئی۔ پلوں کو برباد کرنے، ان میں فکسڈ بارودی سرنگیں لگانے اور اس طرح کے دوسرے آپریشنوں کی ٹریننگ بھی دی گئی۔

1971ء کی پاک بھارت جنگ میں موسیٰ کمپنی کو ہیڈ مرالہ اور بجوات بھیجا گیا تا کہ اس ہیڈ ورکس کے دروازوں (لاک گیٹ) کے خلاف استعمال کی جانے والی بھارتی بارودی سرنگوں (Limpet Mines) کا سراغ لگا کر انہیں برباد کیا جا سکے۔

1982ء میں جب بریگیڈیئر محمد اکرم، ایس ایس جی کے کمانڈر بن کر آئے تو انہوں نے موسیٰ کمپنی کو منگلا سے تربیلا شفٹ کر دیا۔ لیکن تربیلا جھیل کی دوری اور فراگ مین ٹریننگ میں دوسری مشکلات کے پیش نظر جلد ہی اسے دوبارہ منگلا شفٹ کرنا پڑا اور یہ کمپنی ابھی تک وہاں ہے۔

1992ء میں ملک میں بدترین سیلاب آئے۔ موسیٰ کمپنی نے ان سیلابوں میں گھرے بہت سے لوگوں کی جانیں بچائیں۔ علاوہ ازیں یہ کمپنی ہر سال ملک کے مختلف آبی ذخیروں سے لاشوں کو نکالنے کا مشکل کام بھی انجام دے رہی ہے۔ اس کمپنی کی ایک ٹیم جولائی 2001ء میں سیرالیون بھیجی گئی، جس نے وہاں فراگ مین ڈیوٹیاں بڑے احسن طریقے سے انجام دیں۔

تیسواں باب

چند فلاحی منصوبے

ایس ایس جی شہید فنڈ

یہ ایس ایس جی شہداء کے لواحقین کی مالی معاونت کے لئے ہیڈکوارٹر ایس ایس جی میں قائم کیا گیا ہے۔ اس سے وقتاً فوقتاً شہدائے ایس ایس جی کے پس ماندگان کی اعانت کے لئے رقوم فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کے لئے باقاعدہ طریقہ ہائے کار (SOPs) موجود ہیں اور تمام امداد ان طریقوں اور ان معیاروں کے مطابق دی جاتی ہے۔

کرنل سید غفار مہدی ٹروپس ویلفیئر فنڈ

کرنل سید غفار مہدی کا شمار ان اولین تین کمانڈروں میں ہوتا ہے، جنہوں نے ایس ایس جی کی روایات اور اقدار کی بنیاد رکھنے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔ 2000ء میں کرنل موصوف نے اپنی جیب سے 9 لاکھ روپے ٹروپس ویلفیئر فنڈ قائم کرنے کے لئے دیئے۔ اس فنڈ سے بھی جانبازوں اور ایس ایس جی کے شہداء کے وارثین کی مدد کی جاتی ہے۔

بریگیڈیئر طارق محمود شہید بوائز ہاسٹل تربیلا چھاؤنی

یہ ہاسٹل 27 ستمبر 1982ء کو چراٹ میں قائم کیا گیا تھا۔ پھر انتظامی سہولیات کے پیش نظر اسے 29 مئی 2000ء کو تربیلا چھاؤنی میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ ہاسٹل ایس ایس جی شہداء کے بچوں کو تعلیمی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ تعلیم و تدریس اور قیام و طعام کی تمام سہولتیں ان بچوں کو

مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ بچوں کو نہ صرف نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں ان کی پوشیدہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی نشوونما کی جاتی ہے، بلکہ کردار سازی کے عمل میں ان کو معاشرے کا ایک ذمہ دار شہری بنانے پر زور دیا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ بچے یہاں سے فارغ ہو کر پاک فوج میں کمیشن حاصل کر سکیں۔ اس وقت اس ہاسٹل میں 30 طلباء زیر تعلیم ہیں۔

اقراء آرمی پبلک سکول اینڈ کالج، تربیلا چھاؤنی

تربیلا چھاؤنی میں مختلف کمانڈ و یونٹیں مقیم رہیں۔ ان یونٹوں کے افراد کے بچوں کی تعلیم و تدریس کے لئے ایک اقراء چلڈرن اکیڈمی قائم کی گئی۔ مئی 1999ء میں جب 3 کمانڈو بٹالین یہاں آئی تو اس اکیڈمی کو پبلک سکول بنانے کا منصوبہ بنایا۔ 29 مئی 2000ء کو اقراء آرمی پبلک سکول کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس کا الحاق وفاقی بورڈ (فیڈرل بورڈ) کے ساتھ کیا گیا۔ بعد ازاں اس سکول کو کالج کا درجہ دیا گیا۔ اب یہ تدریسی ادارہ چھاؤنی کے بچوں کی تمام تعلیمی سرگرمیوں کو پورا کر رہا ہے۔

ایس ایس جی ریسٹ ہاؤس پبی (Pabbi)

پبی میں جی ٹی روڈ پر واقع ہے، لیکن یہاں سے چراٹ جانے کے لئے ایک ذیلی سڑک پر سفر کرنا پڑتا ہے۔ جس کی لمبائی پبی سے چراٹ تک 37 کلومیٹر ہے۔ پبی سے ہیڈکوارٹر ایس ایس جی چراٹ تک پہنچنے کے لے پبلک ٹرانسپورٹ ہمہ وقت موجود نہیں ہوتی اور جو لوگ بذریعہ ریل یہاں پہنچتے ہیں، ان کو بھی ریلوے سٹیشن پبی سے اتر کر روڈ ٹرانسپورٹ استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایس ایس جی کے جو لوگ چھٹی یا ویکنڈ سے واپس آتے ہیں، ان کو بعض اوقات دشواریوں کا سامنا تھا اور وہ چراٹ پہنچنے کیلئے ٹیکسی وغیرہ کا انتظام کیا کرتے تھے جو مشکل بھی تھا اور مہنگا بھی۔ چنانچہ ان دشواریوں کا سدباب کرنے کے لئے پبی ریلوے سٹیشن کے ساتھ جی ٹی روڈ کے کنارے ایک ریسٹ ہاؤس قائم کیا ہوا ہے۔ جس میں آفیسرز، ان کے اہلِ خانہ، جے سی اوز، این سی اوز، جانبازوں اور ان کے افرادِ خانہ کے لئے علیحدہ علیحدہ رہائشی انتظامات موجود ہیں۔ اسی طرح دیر سویر پبی پہنچنے والوں کیلئے پبی میں شب بسری کا انتظام ہونے کے باعث اب کافی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

ایس ایس جی ٹرانزٹ کیمپ چکلالہ چھاؤنی

ایس ایس جی کے وہ لوگ جو عارضی ڈیوٹی کے لئے راولپنڈی جاتے ہیں، ان کے طعام و قیام کی ضروریات پوری کرنے کے لئے یہ کیمپ چکلالہ چھاؤنی میں قائم کیا گیا ہے۔ ابھی یہ کیمپ مزید تعمیری مراحل سے گزر رہا ہے۔

ایس ایس جی ریٹائرڈ پرسانل سیل برائے ملازمت بعد از ریٹائرمنٹ

مارچ 2000ء میں ایس ایس جی ریکارڈز قائم کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ریٹائرڈ ہونے والے افراد کے لئے اندرون و بیرون ملک ملازمتیں فراہم کرنے کے مواقع دیئے جاتے ہیں۔ اس سیل کے زیرِ اہتمام متعدد جانبازوں کو بعد از ریٹائرمنٹ پرکشش مشاہروں پر ملازمتیں فراہم کی گئیں۔

آرمی پبلک سکول اینڈ کالج چراٹ کینٹ

چراٹ اور اس کے گردونواح میں کوئی معیاری تدریسی ادارہ موجود نہ تھا اور بہت دیر سے یہ کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ دسمبر 2001ء میں ان ضروریات کے پیشِ نظر آرمی پبلک سکول اینڈ کالج کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور اپریل 2002ء میں کلاسز کا باقاعدہ اجراء ہوا۔ اس وقت یہاں ساڑھے چارسو سے زائد طلباء مختلف کلاسز میں زیرِ تعلیم ہیں۔ یہ ادارہ نہ صرف ایس ایس جی کے افراد کے بچوں کی تعلیمی ضروریات پورا کر رہا ہے بلکہ اطراف واکناف کی سول آبادیاں بھی اس سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں

چوبیسواں باب

ایس ایس جی کی تنظیم نو

''ایس ایس جی 1955-56ء میں اس غرض سے کھڑی کی گئی تھی کہ پاکستان کے خلاف کمیونزم کی یلغار کی صورت میں اسے ''عقبی علاقوں میں رہنے والی فورس'' (Stay Behind Force) کے طور پر گوریلا کارروائیوں کے لئے منظم کیا جائے، تاہم تب سے لے کر آج تک یہ فورس اپنے تفویض کردہ (Assigned) رول میں تو استعمال نہ ہوئی، البتہ بہت سے ایسے کاموں اور آپریشنوں میں اس کا استعمال کیا گیا، جو کسی بھی احاطہء خیال میں آ سکتے تھے، مثلاً روایتی قسم کی کمانڈو کارروائیاں، گوریلا جنگ و جدل، پاک بھارت سرحد کے دونوں طرف دہشت گردانہ کارروائیاں وغیرہ وغیرہ......یعنی ایس ایس جی کو ایک ایسی ''مومیائی'' سمجھ لیا گیا جو ہر قسم کی بیماری میں استعمال کی جا سکتی تھی۔ اگر ہم عصر حاضر کی افواج کے تناظر میں دیکھیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایس ایس جی کو اس کے تفویض کردہ دائرہ کار سے بڑھ کر اور آگے نکل کر استعمال میں لایا گیا۔ دنیا کے دوسرے ممالک کی افواج میں تو ان کارروائیوں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ تنظیمیں موجود ہیں، جو آزادانہ (Independently) یا کسی دو یا تین ستاروں والے جرنیل کی مرکزی کمانڈ کے تحت آپریٹ کرتی ہیں، لیکن ایس ایس جی کا معاملہ مختلف رہا''۔

''پھر مئی 1998ء میں پاکستان اور بھارت دو جوہری قوتیں بن گئیں اور اس طرح دونوں ملکوں کے درمیان ایک قابل اعتماد جوہری ڈیٹرنس وجود میں آ گیا۔ دوسرے الفاظ میں اب پاکستان اور بھارت کے درمیان، کھلی اور عام جنگ کا خطرہ بہت حد تک کم ہو گیا۔ تاہم ہمارے خطے کی جیو پولیٹکل صورت حال، بھارت کے ساتھ اب تک تصفیہ طلب جھگڑوں کا لٹکے چلے آنا اور اس خطے میں دنیا کی بڑی قوتوں کی دلچسپی کی وجہ سے پاکستان کو نہ صرف یہ کہ مسلسل جنگ کی سی صورت حال کا سامنا ہے، بلکہ کم شدت والے ایسے تنازعات (Low Intensity conflicts) کا بھی سامنا ہے، جو علاقائی، مذہبی اور نسلی اختلافات کو ہوا دینے کے لئے روبہ عمل لائے جاتے ہیں اور خیال ہے کہ آئندہ بھی لائے جاتے رہیں گے......اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایس ایس جی جیسی تنظیم کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہو گی!''

''آنے والے برسوں میں ایس ایس جی پر انحصار اس وجہ سے بھی زیادہ ہو گا کہ ایک طرف اندرونی محاذ پر دہشت گردانہ کارروائیوں کا مقابلہ کیا جا سکے تو دوسری طرف خارجی محاذ پر پراکسی جنگ (Proxy War) کو دشمن کے علاقے کے اندر تک لے جایا جائے۔ اس نوع کے منظر نامے (Scenerio) میں ایس ایس جی کو نہ صرف یہ کہ آئندہ روایتی کمانڈو رول میں استعمال کیا جائے گا، بلکہ اسے غیر روایتی کرداروں مثلاً گوریلا جنگ یا کم شدت کے تنازعات (LIC) میں بھی روبکار لایا جائے گا۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، اس طرح کی ہنگامی صورتوں میں ہمیں ایک ایسی جامع اور زود اثر تنظیم کی ضرورت ہو گی، جو ان تمام ذمہ داریوں کی تیاری اور ٹریننگ کے لئے زمانہ امن میں ایک ایسا بنیادی ڈھانچہ فراہم کرے جو مستقبل کے چیلنجوں سے موثر انداز میں نمٹ سکے''۔

''اس قسم کی جنگ کے لئے تیاری اور ٹریننگ کے مطلوبہ مراحل جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، بہت سست رفتار، صبر آزما اور کٹھن ہوتے ہیں اور انہیں ایک تسلسل، تجربے اور بھرپور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے''!

''آج دنیا بھر کی افواج میں سپیشل فورسز کا رجحان سپیشلائزیشن کی طرف ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ ہم نے ابھی تک اس طرز عمل کو اختیار نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہماری کمانڈو بٹالینوں میں، جو شخص بھی سامنے دستیاب ہوتا ہے، اسے پکڑ کر ہر قسم کا ٹاسک سونپ دیا جاتا ہے

(صرف موسیٰ اور ضرار کمپنیاں اس سے مستثنیٰ کہی جا سکتی ہیں)...... ہمارا یہ طریق کار نہ صرف ہماری اہلیتوں اور صلاحیتوں کو متاثر کرتا ہے، بلکہ کارکردگی کے اجتماعی معیار پر بھی منفی اثر ڈالتا ہے۔ اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم کمانڈو آپریشنوں میں، اختصاص یعنی سپیشلائزیشن کی روش کو اپنائیں اور اسے فروغ دیں"۔

ان خیالات کا اظہار چند برس پہلے کمانڈر ایس ایس جی بریگیڈیئر (اب میجر جنرل اور جی او سی ایس ایس جی) امیر فیصل علوی نے صدر پاکستان اور چیف آف آرمی سٹاف کو اس موضوع پر ایک بریفنگ دیتے ہوئے کیا۔

کمانڈر ایس ایس جی نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا کہ ایس ایس جی کے استعمال (Employment) اور میدان جنگ میں اس کی حربی کارکردگی کا مقابلہ کسی بھی دوسری فارمیشن یا یونٹ کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا کہ دشمن کی صفوں کے پیچھے رہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ٹروپس کو تنہائی (Isolation) کے خوف اور کرب کا سامنا ہوتا ہے اور ایسی صورت حال میں انہیں اپنے ذاتی ہتھیاروں اور ساز و سامان پر ہی تکیہ کرنا ہوتا ہے۔ مختلف زمینی اور جغرافیائی کیفیتیں، آب و ہوا، موسم، جنگ وجدل کے جدید طور طریقے اور تکنیکس اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ دشمن کی طرف سے کسی بھی زمینی یا فضائی حملے کی صورت میں ایس ایس جی کے لئے مطلوبہ فائر پاور اور موبلائزیشن کے دوسرے تمام لوازمات کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ اس طرح کی جنگی کارروائیوں کے لئے جو سامان جنگ درکار ہوتا ہے، اسے زمینی حقائق کے مطابق (Ground Specific) ہونا چاہئے۔ یعنی جس قسم کا زمینی اور جغرافیائی ماحول ہو، ویسا ہی ساز و سامان، ہتھیار اور دوسرے ضروری آلات بھی میسر اور فراہم ہونے چاہئیں۔

انہوں نے بڑی صراحت سے اس نکتے پر زور دیا کہ ہمارے دشمن کی قوت اور اس کی جمعیت (Strength) میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ایس ایس جی سے جس طرح کے رول اور کارکردگی کی توقع کی جاتی ہے، اس کے لئے موجودہ کمانڈو بٹالینوں کی تعداد ناکافی ہے، اس میں اضافہ ہونا چاہئے۔ یعنی ایس ایس جی کے مزید بریگیڈ تشکیل دیئے جائیں۔ ہمارے دشمن کی جمعیت اور ہمارے اپنے ملٹری ڈھانچے کے مقابل ایس ایس جی کا سائز کم ہے اور یہ تنظیم وہ اہداف حاصل نہیں کر سکتی، جس کی توقع اس سے کی

جاتی ہے۔

کمانڈر ایس ایس جی کی اس پریزینٹیشن میں کی گئی درخواست کو منظور کر لیا گیا......اور اس طرح ایس ایس جی ایک نئے دور میں داخل ہو گئی!

یہ نیا دور اور نئی تنظیم اس امر کی متقاضی بھی سمجھی گئی کہ اس کے موجودہ کمانڈ سٹرکچر کو تبدیل اور اپ گریڈ کیا جائے تا کہ نو تنظیم شدہ یونٹوں کو موثر انداز میں سپورٹ کیا جا سکے۔ یہ ضرورت بھی محسوس کی گئی کہ موجودہ ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کو بریگیڈ لیول سے اٹھا کر ڈویژن لیول ہیڈ کوارٹر میں تبدیل کر دیا جائے۔......اس تنظیم نو کی حتمی منظوری جون 2003ء میں دی گئی۔ چنانچہ آج ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کی تنظیم کم و بیش وہی ہے جو کسی بھی روایتی ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں جب ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی کی تنظیم نو، ڈیژنل ہیڈ کوارٹرز کی مانند کر دی گئی تو یہ بھی محسوس کیا گیا کہ مختلف آپریشنوں کے دوران ایس ایس جی یونٹوں کو سپورٹ کرنے کے لئے ذیلی ہیڈ کوارٹرز (Sub HQ) بھی موجود ہونے چاہئیں۔ یہ بات اب واضح تھی کہ ایس ایس جی کی یہ تنظیم نو (Re-structuring) اپنی ماتحت یونٹوں سے اضافی فرائض کی ادائیگی کا تقاضا بھی کرے گی۔ چنانچہ دو بریگیڈ ہیڈ کوارٹر تشکیل دیئے گئے۔

ماضی میں ایس ایس جی کے ٹاسک، اس کی آپریشنل ضرورتوں کے مطابق گردش کرتے رہے تاہم اس بات کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی کہ ایک ایسا سیٹ اپ موجود ہونا چاہئے جو صرف سپیشل آپریشنوں کے لئے خاص ہو۔ مثلاً دہشت گردی کی کارروائیوں اور کم شدت کے تنازعات (LIC) وغیرہ سے نمٹنے کے لئے......اس ضرورت کے پیش نظر 3۔کمانڈو بٹالین کو سپیشل آپریشنز بٹالین (Spec Ops Bn) میں تبدیل کر دیا گیا تا کہ وہ متذکرہ بالا غیر روایتی آپریشنوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔

جب 3 کمانڈو بٹالین کو سپیشل آپریشنز بٹالین میں تبدیل (Convert) کر دیا گیا تو یہ ضروری ہو گیا کہ فوج کے دوسرے روایتی انداز کے آپریشنوں کے لئے اس کی جگہ ایک نئی بٹالین تشکیل دی جائے۔ لہٰذا 4 کمانڈو بٹالین اس خلا کو پر کرنے کے لئے کھڑی کی گئی۔ اس 4 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) کی نفری باقی تین بٹالینوں سے ایک ایک کمپنی لے کر پوری کی گئی۔ اس کے لئے کمانڈنگ آفیسرز اور آفیسرز کمانڈنگ کی ایک خصوصی کانفرنس بلائی گئی، جس میں باقاعدہ

قرعہ اندازی کے ذریعے انتخاب کیا گیا۔ اس نئی 4 کمانڈو بٹالین کے حصے میں مندرجہ ذیل تین کمپنیاں آئیں:

1۔شاہین کمپنی...... 1- کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) سے
2۔جنگجو کمپنی...... 2- کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) سے
3۔یعقوب کمپنی...... 3- کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) سے

جب یہ تینوں کمپنیاں، 4 کمانڈو بٹالین میں بھیج دی گئیں تو ان چاروں بٹالینوں کے لئے مزید چار کمپنیوں کی ضرورت پڑی۔ اس طرح مندرجہ ذیل چار مزید نئی کمپنیاں وجود میں آئیں، جنہیں چاروں بٹالینوں میں بھیج دیا گیا۔

1۔مٹھا کمپنی...... 1- کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) میں
2۔بلال کمپنی...... 2- کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) میں
3۔عیسیٰ کمپنی...... 3- کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) میں
4۔یوسف کمپنی...... 4- کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی) میں

آج جب یہ سطور قلمبند کی جارہی ہیں تو ایس ایس جی کے دو بریگیڈوں اور ڈویژنل ہیڈکوارٹر کے اجزائے ترکیبی کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1- کمانڈو بٹالین

الف...... ایوب کمپنی
ب...... لیاقت کمپنی
ج...... کمال کمپنی
د...... مٹھا کمپنی

2- کمانڈو بٹالین

الف...... غازی کمپنی
ب...... ٹیپو کمپنی

ج...... قائد کمپنی

د...... بلال کمپنی

3- کمانڈو بٹالین

الف...... حمزہ کمپنی

ب...... ابراہیم کمپنی

ج...... ذکریا کمپنی

د...... عیسیٰ کمپنی

4- کمانڈو بٹالین

الف...... شاہین کمپنی

ب...... جنگجو کمپنی

ج...... یعقوب کمپنی

د...... یوسف کمپنی

5-ڈویژنل ٹروپس

الف...... ضرار کمپنی

ب...... اقبال کمپنی

ج...... موسیٰ کمپنی

د...... سپیشل آپریشنز سکول

ہ...... پیراٹریننگ سکول

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ایس ایس جی کے اب دو بریگیڈ تشکیل پا چکے ہیں۔ اور مزید معرض تشکیل میں ہیں۔ 1- کمانڈو بٹالین، 2- کمانڈو بٹالین اور 4- کمانڈو بٹالین ایک بریگیڈ کے ماتحت ہیں جبکہ 3 کمانڈو بٹالین اور کرار کمپنی دوسرے بریگیڈ کے زیر کمانڈ ہیں۔

ڈویژنل ٹروپس میں ضرار کمپنی کی تفصیلات قبل ازیں ہم سولہویں باب (صفحہ نمبر 279) میں بیان کر آئے ہیں۔ یہ "اینٹی ٹیررسٹ کمپنی" ہے۔ اقبال کمپنی کی ابتدائی تاریخ بھی ہم

نے کتاب کے صفحات نمبر 40 اور 41 پر دے دی ہے۔ یہ کمپنی ایس ایس جی کی گروپ سگنل کمپنی ہے اور سلسلہ مواصلات کی مسلسل اور بروقت فراہمی کی ذمہ دار ہے جبکہ موسیٰ کمپنی جو اول اول "ایم کمپنی" کے نام سے تشکیل دی گئی تھی (دیکھئے صفحات 41 تا 43) بالائے آب اور زیر آب آپریشنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ پیرا ٹریننگ سکول اور سپیشل آپریشنز سکول پر تو دو الگ الگ ابواب میں بحث ہو چکی اور متعلقہ تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔ تاہم یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ موجودہ تنظیم نو کے نتیجے میں ایس ایس جی کی تمام بٹالینوں اور تربیتی اداروں کی ری سٹرکچرنگ کی گئی ہے۔ یہ عمل سیال ہے اور جاری و ساری رہے گا۔ سپیشل آپریشنز سکول میں ٹریننگ کی جو سہولیات موجود ہیں، ان کے ذریعے مختلف اور متنوع آپریشنوں کی جدید ترین خطوط پر تدریس اور تربیت کی جا رہی ہے۔ امید ہے یہ سکول مستقبل میں ایس ایس جی کی ہمہ جہت ٹریننگ کا ایک بڑا اور موثر ادارہ بن جائے گا۔

حرف اختتام

گزشتہ صفحات میں جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا، کوشش کی گئی ہے کہ ایس ایس جی کے آغاز سے لے کر آج تک کی تاریخ کو ایک تدریجی اور مختصر انداز میں آپ تک پہنچا دیا جائے۔ تاہم یہ ایس ایس جی، ایک ایسی تنظیم ہے جو اپنی اساسی ہیئت و فطرت اور اپنے رول کے پیش نظر ساکن و جامد نہیں رہ سکتی بلکہ ہمہ وقت، متحرک اور فعال رہتی ہے۔ تاہم اگر کہیں رک بھی جائے تو بقول حضرت اقبالؒ:

رُکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

اس کی پروفیشنل کارکردگی اگرچہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتی ہے تاہم نت نئے چیلنج سامنے آ رہے ہیں جو نئے جوابات (Responses) کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لئے اس کی یہ تنظیم نو بھی کوئی حرف آخر نہیں کہی جا سکتی۔ یہ ایک مرحلہ ضرور ہے لیکن منزل نہیں۔ منزل یہ ہے کہ ایس ایس جی کو ایک ایسی قوت میں تبدیل کر دیا جائے جو ہر قسم کے چیلنجوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ایس ایس جی پاک فوج کے ہاتھ میں گویا ایک ایسی شمشیر آبدار ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب کرتی رہتی ہے اور نئے آفاق کی تلاش میں سرگرداں اور سرگرم عمل رہتی ہے!
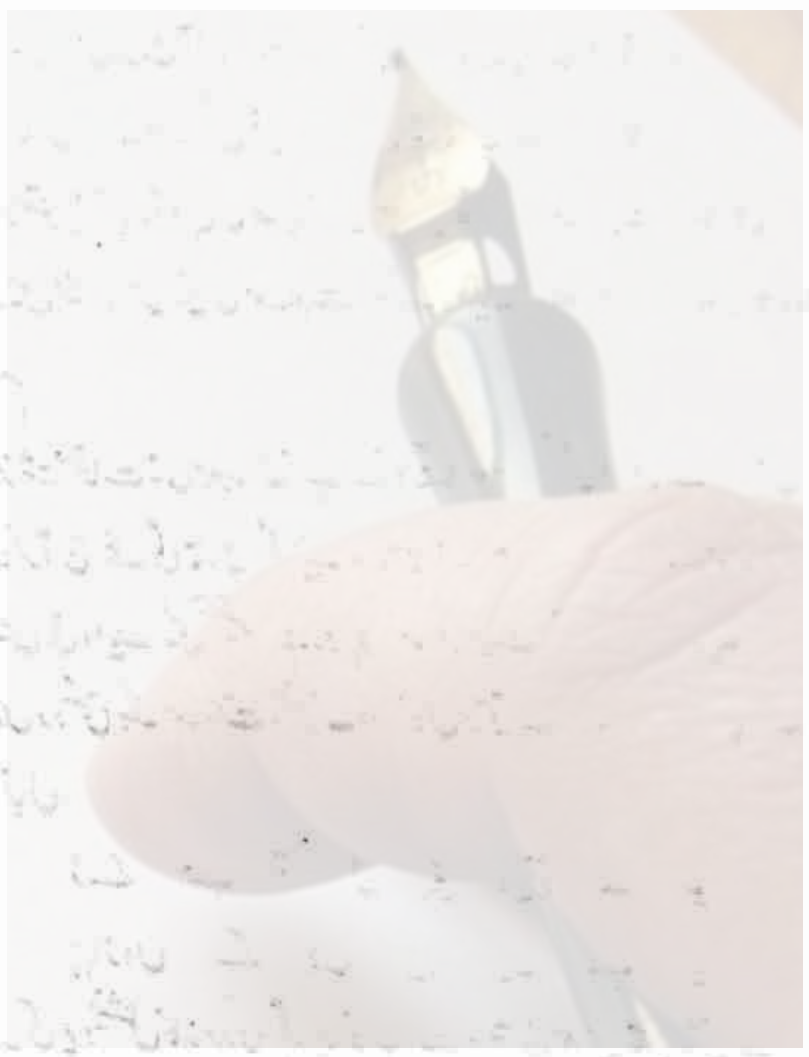
پچیسواں باب

حواشی

حاشیہ نمبر ۱

گوریلا وارفیئر (ایک ارتقائی جائزہ)

گوریلا جنگ وجدل یا گوریلا وارفیئر اگرچہ مقابلتاً ایک " کم عمر جنگی سرگرمی" ہے، لیکن اس کی ابتداء بہت قدیم زمانے میں ہوگئی تھی۔ ہم اس کی مختصر تاریخ وغیرہ تو آگے چل کر بیان کریں گے، فی الحال یہ بتائیں گے کہ اس نوع کی مسلح فورسز کو کن کن مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان فورسز کو ایک سے زیادہ نام دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً انسر جنسی آپریشنز، پارٹیزن وارفیئر، پیراملٹری آپریشنز، انٹرنل وار، ارریگولر وارفیئر، انقلابی وارفیئر اور گوریلا وارفیئر وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہم ان اصطلاحوں کے صحیح تر اور درست تر مفہوم کو جاننا چاہیں تو ان کے مابین کچھ زیادہ فرق نہیں ہوگا۔ یہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ ان کا مزاج، ان کی طبائع اور ان کے اطوار و انداز سب ایک جیسے ہوتے ہیں، البتہ ان میں سب سے زیادہ عام استعمال ہونے والی اصطلاح " گوریلا وارفیئر " ہے۔

گوریلا وارفیئر کی بہت سی تعریفات کی گئی ہیں لیکن درج ذیل تعریف سب سے زیادہ جامع اور بہتر معلوم ہوتی ہے:

It is that form of warfare adopted by the

strategically weaker side to give it the capability of taking the tactical offensive at chosen time and certain places.

(ترجمہ: گوریلا طرز جنگ ایک ایسی طرز جنگ ہے، جسے وہ فریق اختیار کرتا ہے جو سٹریٹجک طور پر کمزور ہوتا ہے۔ یہ طرز جنگ اس کمزور فریق کو یہ اہلیت عطا کرتی ہے کہ وہ ایک منتخب اوقات کار میں اور خاص خاص مقامات پر ٹیکٹیکل یلغار لانچ کر سکتی ہے)۔

جنگ کی اقسام

عسکری امور و معاملات پر نقد ونظر کرنے والوں نے جنگ کو چار بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں:۔

1۔ ٹوٹل وار: یہ جنگ دو ملکوں، قوموں یا حکومتوں کے مابین ایک مسلح تصادم کا نام ہے۔ اس کا مدعا اور مفہوم اپنے حریف کو مکمل طور پر برباد کرنا ہوتا ہے۔ یہ اقوام اپنے مقصد کے حصول کی خاطر وہ تمام ذرائع استعمال کرتی ہیں، جو ان کے پاس موجود ہوتے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ ایک ٹوٹل وار تھی۔ تاہم جب سے جوہری وار ہیڈز ایجاد ہوئے ہیں، تب سے "ٹوٹل وار" کا تصور مزید خطرناک اور بھیانک ہو گیا ہے۔

2۔ جنرل وار: جنرل وار بھی ٹوٹل وار کی طرح دو حکومتوں، اقوام یا ممالک کے مابین لڑی جاتی ہے۔ اس کا مقصد بھی حریف کی بربادی ہوتا ہے لیکن کوئی بھی فریق اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر ان تمام تر وسائل اور ذرائع کو استعمال کرنے پر تیار نہیں ہوتا جو اس کے پاس دستیاب ہوتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم جب لڑی گئی تھی تو یہ ایک قسم کی ٹوٹل وار تھی۔ فریقین ایک دوسرے کی مکمل بربادی چاہتے تھے۔ لیکن اگر آج ہم اس دوسری عالمی جنگ سے جوہری ہتھیاروں والے عنصر کو خارج کر دیں تو یہ "جنرل وار" بن جائے گی۔

3۔ محدود جنگ: محدود جنگ دو اقوام، ممالک یا حکومتوں کے مابین ایک ایسے مسلح تصادم کا نام ہے، جس میں فریقین کا مقصد بھی محدود ہوتا ہے اور وہ ہتھیار

وغیرہ جواس جنگ میں استعمال کیے جاتے ہیں، وہ بھی محدودنوعیت اور مقدار وتعداد کے ہوتے ہیں۔ محدود جنگیں، محدود جغرافیائی علاقے اور ماحول میں لڑی جاتی ہیں۔ محمود غزنوی کی ساری جنگیں محدود جنگیں تھیں۔ ماضی قریب میں کوریا کی جنگ (1950ء تا 1953ء) ایک محدود جنگ تھی۔

4۔ انقلابی جنگ: اس جنگ کے دو حریفوں میں ایک حکومت کے حق میں ہوتا ہے اور دوسرا اس کے مخالف۔ حکومت مخالف گروہ یا پارٹی کا مقصد، حکومت موافق گروہ یا پارٹی کو اقتدار سے محروم کر کے اس پر خود قابض ہونا ہوتا ہے۔ حکومت مخالف گروہ اپنے مقصد کے حصول میں اپنے تمام دستیاب وسائل سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح حکومت موافق گروہ یا حکومت بھی اپنے حریف کو اپنے تمام تر وسائل کی مدد سے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔ ویت نام، ملایا، فلپائن، فلسطین اور کشمیر کی جنگیں "انقلابی جنگوں" کی صف میں شمار کی جاتی ہیں۔

اب ہم یہ دیکھتے کہ ان چار اقسام کی جنگوں میں گوریلا وارفیئر کا مقام کہاں ہوتا ہے اور یہ کیسے ان کے ساتھ مربوط ہوتی ہے؟ ٹوٹل وار میں وہ فریق جو کمزور ہوتا ہے اور جوہری ہتھیاروں کے استعمال کے بعد جس کو شکست کا سامنا ہوتا ہے، وہ گوریلا وارفیئر کا سہارا لے سکتا ہے۔ کمزور فریق اگرچہ شکست کھا چکا ہوتا ہے لیکن مذکرات کی میز پر اپنی پوزیشن مضبوط بنانے یا زیادہ فوائد حاصل کرنے کی خاطر گوریلا وارفیئر کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔

جنرل وار میں گوریلا فورسز کا مظاہرہ ہم نے بہت سی جنگوں میں دیکھا۔ مثلاً دوسری عالمی جنگ کے دوران یوگوسلاویہ میں، فرانس میں اور برما میں اور دوسری عالمی جنگ کے بعد پاک بھارت جنگوں میں، افغانستان وار (1979ء تا 1989ء) اور پھر حالیہ برسوں میں افغانستان وار (2001ء میں) اور عراق وار (اپریل 2003ء کے بعد)۔

محدود جنگ میں بھی گوریلا فورسز، ریگولر فورسز کو سپورٹ کرتی ہیں۔ کوریا کی جنگ میں اقوام متحدہ کے چار اتحادی ڈویژنوں کو گوریلا فورسز نے عقبی علاقوں میں روکے رکھا تھا (یہ کارروائی چین اور شمالی کوریا کی گوریلا فورسز نے کی تھی)۔

انقلابی جنگ میں، گوریلا فورسز کا رول غالب اور اہم ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس عبوری

مرحلے میں جب حکومتیں اپنے تمام تر وسائل کو گوریلا فورسز کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ نہیں کرتیں۔

یہ دلیل بالعموم دی جاتی ہے کہ گوریلا وارفیئر کبھی بھی از خود فیصلہ کن نہیں ہوسکتی۔ کسی بھی گورنمنٹ کی ریگولر افواج کو شکست دینے کیلئے آخر کار مضبوط تر مسلح ریگولر افواج ہی کو آگے لانا پڑتا ہے، تاہم ایسی مثالیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں کہ گوریلا فورسز ہی ریگولر فورسز میں تبدیل ہوگئیں۔

گوریلا فورسز اس وقت ہی کوئی فیصلہ کن کردار ادا کرسکتی ہیں جب اینٹی گوریلا فورسز مکمل طور پر مقابلے کے لئے تیار نہ ہوں۔ دوسرے لفظوں میں گوریلا تحریکیں صرف انہی مقامات پر کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہیں، جہاں ریگولر فورسز جم کر اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ نہ کریں یا کرنا ہی نہ چاہیں یا ریگولر فورسز ابھی تشکیل ہی نہ کی گئی ہوں۔

جہاں تک انقلابی جنگ و جدل (Revolutionary Warfare) کا تعلق ہے تو یہ عصر حاضر کا پسندیدہ ترین طرز جنگ ہے۔ آج اگرچہ دنیا کے سات ممالک نے اعلانیہ جوہری ہتھیاروں کے تجربات کر لئے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو خفیہ طور پر یہ تجربات کر چکے ہیں (مثلاً اسرائیل) تو یہ ممالک براہ راست دوبدو جنگ سے گریز کریں گے۔ نیوکلیئر ڈیٹرنس کا مفہوم یہی ہے۔ لیکن جنگ شائد انسان کی فطرت ہے۔ وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اس لئے جوہری اہلیت کے حامل ممالک بھی گوریلا وارفیئر کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ بیسویں صدی کے عظیم ترین گوریلا لیڈر ماؤزے تنگ نے ٹوٹل اور جنرل وار کو اگرچہ کالعدم نہیں کیا لیکن انہوں نے بھی انقلابی طرز جنگ کو حکومتوں کی تبدیلی کے لئے موزوں ترین طرزِ جنگ قرار دیا ہے۔

انقلابی جنگوں کا آغاز ہمیشہ گوریلا کارروائیوں ہی سے ہوتا ہے۔ کوئی بھی گوریلا فورس آغاز میں مضبوط اور طاقت ور نہیں ہوتی۔ یہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہے۔ کشمیر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ سے پہلے پاکستان نے "آپریشن جبرالٹر" کے ذریعے کوشش کی تھی کہ وادئ کشمیر میں گوریلا تحریک کو فروغ دیا جائے۔ پاکستان کا خیال تھا کہ جونہی اس کی طرف سے اس تحریک کو مادی سپورٹ ملنا شروع ہوگی، یہ ایک دم چنگاری سے شعلہ بن جائے گی۔ لیکن آپریشن جبرالٹر (6 اگست 1965ء تا 31 اگست 1965ء) کا سبق یہ تھا کہ جب تک مقامی آبادی کو پوری طرح تیار نہیں کرلیا جاتا، اس قسم کے آپریشن بیک فائر کرتے ہیں۔ اس

آپریشن کوجلدی میں لانچ کیا گیا اوراس میں ناکامی ہوئی۔ ہاں 35,34 برس بعد 90-1989ء میں جب وادی میں یہ تحریک پوری طرح جڑ پکڑ گئی تو آپ نے دیکھا کہ انڈین آرمی کی ایک بڑی تعداد کشمیر میں پھنس کر رہ گئی۔آج اس کے پاس ایسے وسائل نہیں کہ وہ پاکستان کے خلاف کسی بڑے زمینی آپریشن (انٹرنیشنل بارڈرز پر) کا خیال بھی دل میں لاسکے۔ یہ سب اس لئے ممکن ہوا کہ وادی کے عوام میں اب آزادی کا شعور پختہ ہو چکا ہے۔اس لئے گوریلا کارروائیوں کو کامیابیاں مل رہی ہیں۔ اگرچہ 80,70ہزار کشمیری جوانوں اور خواتین نے اپنے خون کا نذرانہ گزشتہ 14 برسوں میں پیش کیا ہے، لیکن وہ دن دور نہیں، جب غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں گی اور وادی کی شب تاریک میں اُجالوں کے ستارے جگمائیں گے۔

جوں جوں نئے ہتھیار ایجاد ہوتے جاتے ہیں، گوریلا وارفیئر کی ٹیکٹکس میں بھی تبدیلی آتی جاتی ہے۔اینٹی گوریلا فورسز اپنے آپ کوان ٹیکٹکس کا توڑ کرنے میں معذور سمجھتی ہیں اور جب وہ کوئی توڑ نکالتی بھی ہیں یا کوئی اینٹی گوریلا ڈاکٹرین وضع بھی کرتی ہیں تو مزید نئے ہتھیار ایجاد ہوکر گوریلا وارفیئر کو مزید پیچیدہ بنادیتے ہیں۔ فلسطین میں اسرائیل کی ظالمانہ کارروائیوں کے باوجود وہاں مسلح جدوجہد کا گراف نیچے نہیں آیا۔ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ بے سروسامانی کے عالم میں بھی انقلابی جنگ کا شعلہ سرد نہیں ہو.......... یہی حال دنیا میں دوسری گوریلا کارروائیوں کا بھی ہے۔

گوریلا وارفیئر کا تدریجی ارتقاء

اب ہم گوریلا وارفیئر کی ابتداء اوراس کے تدریجی ارتقاء پرایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔

لفظ گوریلا، ہسپانوی زبان کا لفظ ہے، جس کا لغوی معنی ہے: ''چھوٹی جنگ''۔اس سے مراد وہ جنگ لی جاتی ہے جودشمن کی فوج کو ہراساں کرنے کے لئے لڑی جاتی ہے اور جس میں چھوٹے چھوٹے گروہ (Bands) استعمال کئے جاتے ہیں۔ہسپانوی زبان میں لفظ (Guerilla) دراصل لفظ گوئرا (Guerra) کا اسم تصغیر ہے،جس کا مطلب، جیسا کہ قبل ازیں کہا گیا، چھوٹی جنگ یا جنگِ صغیر ہے۔ وہ شخص جواس قسم کی جنگ میں حصہ لے،اسے بھی گوریلا ہی کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ گوریلا اور بن مانس کو ہم معنی سمجھتے ہیں، حالانکہ بن مانس ایک بہت بڑا افریقی بندر ہے،جس کے جسم پر بڑے بڑے کالے رنگ کے بال ہوتے ہیں اور جس کے بازو بہت مضبوط ہوتے ہیں ۔لیکن اسے گوریلا نہیں بلکہ گوریزا (Guereza) کہا جاتا ہے۔

گوریزا کو گوریلا کب سمجھ لیا گیا، اس کی "وجہ اور تاریخ" معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن لغت کے اعتبار سے گوریلا بندر کا کوئی تعلق، گوریلا سپاہی سے ہرگز ہرگز نہیں۔

ماڈرن تاریخ جنگ کے مطابق اہل ہسپانیہ نے اس طریق جنگ کو یہ نام 1808ء میں دیا۔ یہ وہ دور تھا جب سپین پر فرانسیسیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ قبضہ سات سال تک (1808ء تا 1814ء) قائم رہا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جنگ و جدل کی جدید ڈکشنری میں " گوریلا " کا لفظ تو مشہور ہو گیا لیکن سینکڑوں برس پہلے مسلمانوں اور عربوں نے اس طرز جنگ کا جو نام رکھا تھا، وہ مستعمل نہ ہو سکا۔ اس پر سوائے اس کے اور کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ اہل مغرب کا عربوں اور مسلمانوں کے خلاف وہ تعصب ہے جو ان لوگوں نے صدیوں سے روا رکھا ہوا ہے۔

تیرہویں صدی عیسوی میں مراکش سے لے کر ایران تک، خلافت عباسیہ کا جو اثر و رسوخ اور غلبہ تھا، جب وہ کمزور پڑ گیا تو ایران کے ایک لیڈر حسن بن صباح کے حامیوں نے ایک گوریلا تنظیم قائم کی، جس کا نام ''حشیشین'' رکھا۔ حشیش فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے بھنگ۔ بھنگ کا نشہ ایک نامراد اور فضول سا نشہ ہے۔ حسن بن صباح بھولے بھالے دیہاتیوں کو بھنگ پلا کر اغوا کر لیا کرتا تھا اور پھر اپنی ایک خود ساختہ جنت میں لے جایا کرتا تھا۔ وہاں کا سارا ماحول وہی تھا جس کا خاکہ قرآن حکیم اور دوسرے مذاہب کی کتب میں بیان کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں سفید دودھ کی نہریں بھی بہتی تھیں اور حوروں کی بہت بڑی تعداد بھی تھی۔ یہ حوریں اس نو وارد کو "ہاتھوں ہاتھ " لیتیں اور پھر تقریباً ایک ماہ کے راز و نیاز اور " عیش و عشرت " کے بعد اس شخص کو دوبارہ حشیش پلا کر اسی جگہ واپس پھینک دیا جاتا تھا، جہاں سے اسے اٹھایا گیا تھا۔ البتہ اس کے سرہانے ایک رقعہ لکھا ہوتا: ''اگر تم فلاں فلاں شخص کو قتل کر دو گے تو دوبارہ جنت اور حوروں کے حقدار ٹھہرو گے۔''

ایک مشہور اردو ناول نگار آغا حشر نے اپنے ایک کلاسیکل ناول "فردوس بریں" میں اس تمام تاریخی داستان کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اس موضوع پر اور بھی بہت سا تاریخی اور نیم تاریخی مواد موجود ہے۔ اگر وہ حشیش پینے والا شخص جنت اور حوروں کی طلب میں واقعی اس شخصیت کو قتل کر ڈالتا، جس کا اسے حکم دیا جاتا تھا تو اس کو فردوس بریں میں مستقل طور پر مقیم کر لیا جاتا۔ حسن بن صباح نے اس طرح کے بہت سے بھنگ نوش اکٹھے کر کے ان سے مختلف دستے

ترتیب دیئے ہوئے تھے۔ اکثر مسلم ممالک میں اس کی اس نادیدہ کمانڈو فورس کی بہت دھوم تھی۔ ان دستوں کے ہاتھوں بڑے بڑے علماء، فضلاء، کمانڈر اور حکمران قتل ہوئے۔ ایک بار خود صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں اس کی خالی چار پائی پر ایک خنجر میں یہ رقعہ پرویا ہوا ملا تھا: "اگر تم نے ہماری باتیں نہ مانیں تو یہ خنجر تمہارے سینے میں بھی اتارا جا سکتا ہے"۔ انگریزی لفظ "Assassin" اسی حشیشین کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ یہ فرقہ دوسو سال تک بڑے طمطراق سے سرگرم عمل رہا اور آخر کار ہلاکو خان نے "کوہ البرز" میں اس کے ہیڈکوارٹر پر حملہ کیا، تمام حشیشین کو ہلاک کر ڈالا اور اس طرح اس نیٹ ورک کا خاتمہ کر دیا۔

عربی لفظ "فدائی" بھی انہی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوران نصرانیوں اور یہودیوں کے خلاف "فدائین" کے خودکش حملے ایک طرح کی گوریلا کارروائیوں ہی کا حصہ تھے۔

انیسویں صدی کے اوائل میں ہسپانیہ میں اخلاقی انحطاط اپنی انتہائی پستیوں کو چھورہا تھا۔ محلاتی سازشیں زوروں پر تھیں اور دربار شاہی، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ ایک سازشی سردار، ڈان گوڈوئی (Don Godoy) نے شاہ فرانس کو پرتگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور پیشکش کی کہ فرانسیسی افواج اس حملے کے لئے سپین کا زمینی راستہ استعمال کر سکتی ہیں۔ چنانچہ 29 اکتوبر 1807ء کو نپولین بونا پارٹ، شہنشاہ فرانس نے گوڈوئی کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے دسمبر 1807ء کو فرانسیسی افواج، جنرل جونو (Junot)، (جو نپولین کا نائب تھا) کی قیادت میں پرتگال کے دارالحکومت لزبن پر چڑھ دوڑیں اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے فوراً بعد جولائی 1808ء میں نپولین نے سپین میں اپنے بھائی جوزف کو تخت نشین کر دیا۔ اسپین کے لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ نپولین بونا پارٹ اپنے وعدوں سے یوں منحرف ہو جائیگا۔ آہستہ آہستہ لوگوں میں اس غیر ملکی قبضے کے خلاف مزاحمانہ جذبات پیدا ہونے لگے۔ تاہم برطانیہ نے اہل سپین اور اہل پرتگال کا ساتھ دیا۔ سپین کی ٹوٹتی بکھرتی فوج کو اکٹھا کیا، رسدات، ایمونیشن، راشن اور رقومات مہیا کیں۔ ان دنوں بھی برطانوی بحریہ ایک مضبوط فورس تھی۔ اس نے پرتگال اور سپین کے ساحلی شہروں اور بندرگاہوں کے ذریعے نفوذ کر کے یہاں کے دیہاتیوں اور کسانوں کو نپولین کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ یہی وہ کشمکش اور طرز مزاحمت تھی جس کو سپین والوں

نے " گوریلا " کا نام دیا اور بالآخر 1814ء میں برطانیہ کی خفیہ مدد سے فرانسیسی قبضے کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا........ یہ کسی کمانڈو تنظیم کی اولیں کامیابی تھی جو میڈرڈ (سپین کا دارالحکومت) کو ایک بار پھر اس کے باشندوں کے حوالے کرنے میں کامیاب ہوئی!

یہ گوریلا تحریک رفتہ رفتہ انہی ایام میں روس تک پھیل گئی۔ 1812ء میں جب نپولین نے ماسکو پر حملہ کیا تو روسی شہر کو آگ لگا کر مضافات میں بھاگ گئے۔ نپولین ناکام واپس لوٹا تو سردی نے آلیا۔ چھ لاکھ سترہ ہزار فوج جو 24 جون 1812ء کو نپولین کی قیادت میں حملہ آور ہوئی تھی وہ 24 دسمبر 1812ء کو جب اپنے وطن کی سرحدوں میں داخل ہوئی تو اس کا نقشہ ایک انگریز مصنف آرتھر کیمپ بیل نے یوں کھینچا ہے: "نپولین کی گرینڈ آرمی دریائے نیمان کو عبور کر کے فرانس میں داخل ہوئی تو صرف بیس ہزار پیدل سپاہ اور نو عدد توپوں پر مشتمل تھی۔ سب بھوک اور پیاس سے نڈھال، سب یخ بستگی کا شکار، سب کے تن پر چیتھڑے، سب کے سر جھکے ہوئے، داڑھیاں بے ترتیب، چہرے پژمردہ اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں۔ موسم سرما نے ان کو دھوکا دیا تھا لیکن سب سے زیادہ نقصان روسی کمانڈوز (کاسک) نے گوریلا کارروائیاں کر کے کیا تھا۔"

پھر یہ صدی ختم ہوئی اور بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو گوریلا اور سپیشل فورسز نے بہت نام پایا۔ دیکھا جائے تو بیسویں صدی گوریلا معرکوں کی زرخیز ترین صدی تھی۔ 1902ء میں جنوبی افریقہ کی بوئر وار، 1916ء میں لارنس آف عربیا کی نجد و حجاز اور شام و فلسطین میں کارروائیاں اور عربوں کو خلافت عثمانیہ کے خلاف آمادۂ بغاوت کرنا، پہلی عالمی جنگ، دوسری عالمی جنگ، برما، یوگوسلاویہ، کوریا، فلپائن، انڈونیشیا، ویت نام، ملایا، چین، کیوبا، الجیریا اور مقبوضہ کشمیر میں کمانڈو معرکوں کی ایسی ایسی طویل اور بصیرت افروز داستانیں ہیں، جن پر سینکڑوں کتابیں لائبریریوں میں موجود ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ اردو میں اس موضوع پر تا حال کوئی ایسی تصنیف میری نظر سے نہیں گزری جو سپیشل فورسز کے بارے میں لکھی گئی ہو، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارا کوئی مصنف ان کارناموں اور داستانوں کو بیان کرنا چاہے تو تمام ناول، تمام افسانے اور تمام داستان طرازیاں ان حقائق کے سامنے ماند پڑ جائیں۔ جن لوگوں کو جاسوسی کہانیاں پڑھنے کا جنون ہے اور جو تمام کی تمام خیالی اور افسانوی ہوتی ہیں، اگر وہ سپیشل فورسز کے معرکوں کی تفاصیل پڑھنے کی عادت ڈال سکیں تو دوبارہ کبھی ان بے سروپا حکایات کا رخ نہ کریں........ لیکن کوئی اس کاشانۂ

صدر نگ میں رات بھر قیام تو کرے! کوئی اس فردوسِ گم گشتہ کی طرف جھانک کر تو دیکھے!!

تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزۂ ستارا

ریگولر فورسز بمقابلہ اِرریگولر فورسز

یہاں میں قارئین کی توجہ ایک اور حقیقت کی طرف بھی مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دو صدیوں سے سپیشل فورسز اور ریگولر افواج کے مابین ایک اندرونی رقابت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ کوئی سیکٹر کمانڈر، تھیٹر کمانڈر یا فرنٹ کمانڈر یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی آپریشنل ذمہ داری کے علاقے میں کوئی ایسی فورس بھی آپریٹ کرے جو اس کے براہِ راست زیرِ کمان نہ ہو۔ کئی جنگوں میں یہ اختلافات ابھر کر سامنے بھی آئے۔ فیلڈ مارشل ولیم سلم نے اپنی کتاب شکست سے فتح تک "Defeat Into Victory" کے آخری دو صفحات میں ان سپیشل فورسز پر سخت نکتہ چینی اور تنقید کی ہے جو برما کی جنگ میں اس کی اوورآل آپریشنل کمانڈ میں جاپانیوں کے خلاف لڑتی رہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فیلڈ مارشل سلم کے تبصرے اور نقطۂ نگاہ دونوں کو قارئین کے سامنے رکھا جائے تا کہ یہ معلوم ہو کر دوسری عالمی جنگ میں برطانیہ کے ایک بہت مشہور و معروف سولجر کے خیالات اس باب میں کیا تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

" گزشتہ جنگ عظیم میں برطانوی فوج میں حیران کن تعداد میں سپیشل یونٹیں اور فارمیشنیں وجود میں لائی گئیں۔ ان کے سائز مختلف تھے اور ان میں سے ہر ایک کسی خاص آپریشن کے لئے ٹرین کی جاتی تھی، مسلح کی جاتی تھی اور تیار کی جاتی تھی۔ ان یونٹوں اور فارمیشنوں میں کمانڈو، یلغاری بریگیڈ، برآبی ڈویژن، کوہستانی ڈویژن، طویل الفاصلاتی نفوذی فورسز، فضا بردار فارمیشنیں، صحرائی گروپ اور اسی نوع کی کئی اور پارٹیاں شامل تھیں۔ ان سپیشل یونٹوں کا ساز و سامان، نارمل فارمیشنوں کے مقابلے میں کہیں وافر تھا اور بعضوں کا تو یہ حال تھا کہ ان کی اپنی انتظامی تنظیمات اور اپنے اپنے مستقر تھے۔ مندرجہ بالا یونٹوں میں سے ہم نے برما میں بیشتر کو استعمال کیا اور انہوں نے بالخصوص چنڈٹس (Chindits) نے جرأت اور پامردی کی کئی مثالیں قائم کیں۔ تاہم میں بڑے یقین کے ساتھ اس فیصلے پر پہنچا کہ اس قسم کی یونٹیں، جو صرف ایک

مخصوص آپریشن کی خاطر مسلح ،ٹرین (Train) اور مین ٹین (Maintain) کی جاتی تھیں، وہ محض وسائل کا ضیاع تھا۔ عسکری زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو وقت، نفری اور مادی اخراجات جو ان پر اٹھے اور ان کے مقابلے میں انہوں نے جو کچھ لوٹایا، وہ محض ایک پرکاہ تھا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بالعموم نارمل یونٹوں سے نفری لے کر تشکیل کی جاتی تھیں۔ ان کو بہتر شرائط اور مواعید پر کھڑا کیا جاتا تھا اور ان کا پراپیگنڈہ قطعی نہیں کیا جاتا تھا۔ بعض شاذ و نادر حالات میں نارمل یونٹوں کو بہ تمام و کمال کمانڈو یا سپیشل یونٹوں میں بھی تبدیل کر دیا جاتا تھا اور لوگوں سے ان کی رضامندی نہیں پوچھی جاتی تھی۔ ایسی یونٹوں پر الٹا اثر ہوتا تھا۔ ان میں جو معیار کے مطابق لوگ نہیں ہوتے تھے اور خاص عمر کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے، ان کو کسی اور کور میں بھیج دیا جاتا تھا۔ ان طریقوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ باقی ماندہ فوج کے معیار کو فروتر کیا جائے۔ پیدل فوج اس سے بالخصوص متاثر ہوئی کہ اس کے بہترین سپاہی سپیشل یونٹوں میں کھینچ لئے جاتے تھے اور پھر یہ تاثر راسخ ہو جاتا تھا کہ بعض آپریشنز اور اقدامات ایسے ہیں کہ جن کو صرف مخصوص طور پر مسلح اور تیار کئے گئے افراد ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ دنیا کی تمام افواج صرف مٹھی بھر مافوق الفطرت سپاہیوں کی وجہ سے تو جنگیں نہیں جیتتیں، بلکہ یہ ان کی سٹینڈرڈ یونٹوں کی اوسط نفری کا معیار ہوتا ہے جو کسی جنگ کے جیتنے کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے ہر وہ چیز کہ جو فتح کے حصول کے لئے سریع تر وسیلہ بنے، خواہ کتنی ہی پرکشش کیوں نہ ہو، بالآخر خطرناک ثابت ہوگی۔ وہ کمانڈر کہ جنہوں نے اس قسم کی فورسز کو استعمال کیا (جیسا کہ برما میں ہم نے کیا) انہیں معلوم ہوا کہ ان کے وجود سے ایک اور سنگین خطرہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ تمام سپیشل یونٹیں صرف محدود وقت کے لئے ہی استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اس کے بعد ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ان کو تازہ دم ہونے کے لئے میدان جنگ سے نکال لیا جائے، جبکہ نارمل یونٹیں اس قسم کی مدت کی قید سے آزاد ہوتی ہیں۔ برما میں ان سپیشل یونٹوں نے جو عرصہ آپریشنز اور فعال آپریشنز میں گزارا، وہ ان یونٹوں اور ڈویژنوں کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہ تھا، جو نارمل طور پر لڑائی میں استعمال ہو رہے تھے۔ اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ رسک (Risk) کا مفہوم ہے خطرہ x وقت۔...... اس قسم کی یونٹوں کو تشکیل دینے کی روش دراصل اس وقت پڑی جب یہ بات طے کرنے میں ابہام پیدا ہوا کہ کون سا آپریشن نارمل ہے اور کون سا سپیشل۔ دیکھا جائے تو ایک لحاظ سے جنگ کا ہر ایک آپریشن سپیشل ہوتا

ہے۔ خواہ وہ حملہ ہو، دفاع ہو، پس قدمی ہو، نفوذ کاری ہو، دشمن کے عقب میں گھات ہو، اس کے دستوں کی پامالی ہو، ساحل دریا یا ساحل سمندر پر دھاوا ہو، عبور دریا ہو، جنگلاتی یا کوہستانی طریق جنگ ہو یا کوئی بھی اور قسم کا دوسرا آپریشن ہو، ہر آپریشن کے تقاضے مخصوص ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تمام آپریشن ایسے جنگی آپریشن نہیں کہ انہیں مانوس جنگی آپریشنوں کا نام دیا جاسکتا ہے۔ تمام نارمل یونٹوں کو معلوم ہونا چاہئے اور توقع کرنی چاہئے کہ کسی بھی وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان میں سے کوئی بھی آپریشن روبہ عمل لائیں۔ کسی بھی کمانڈو میں پہل، انفرادی تربیت اور اسلحہ کے استعمال کی مہارت کا درجہ اور اس کا لیول (Level) قابل توصیف بات ہے۔ لیکن جو بات قابل توصیف نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ اسے چند چھوٹی یونٹوں تک محدود کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ کسی بھی بہتر تربیت یافتہ بٹالین کو اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ ہر وہ کام انجام دے سکے جو ایک کمانڈو بٹالین دے سکتی ہے۔ ہماری چودھویں فوج میں انہوں نے بارہا ایسا کیا۔ اس سپیشل فورس نامی "قبیلے یا فرقے" کو تشکیل کرنے کی منطق اس مثال سے واضح ہوسکتی ہے کہ حکم دیا جائے کہ شجر پیماؤں کی ایک رائل کور قائم کی جائے۔ اس کور کے ہر جوان کے ہیٹ میں شاہ بلوط کا ایک پتہ ٹانکا ہونا بھی ضروری ہے اور پھر یہ سمجھا جائے کہ جس سپاہی کے ہیٹ میں یہ پتہ نہیں لگا ہوگا، وہ کسی درخت پر چڑھ نہیں سکتا۔

میں کہنا چاہوں گا کہ کسی بھی آپریشن میں کہ جس میں چند نفوس سے زیادہ نفری حصہ لے رہی ہو، اسے نارمل آپریشن گردانا جائے۔ اور اسے سٹینڈرڈ فارمیشن انجام دے۔ میں صرف ایک استثنائی صورت کا تذکرہ کروں گا اور وہ ہے پیراشوٹ لینڈنگ.......... جب تک جمپ لگانے کے لئے مطلوبہ تعداد میں ہوائی جہاز میسر نہ آئیں، یہ آپریشن ایک سپیشل آپریشن رہے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر لوگ اور تخصیصی عملہ اور وسائل موجود نہ ہوں تو یہ آپریشن سرانجام ہی نہیں دیا جاسکتا۔ نہیں، عام یونٹیں بھی ایسا کر سکتی ہیں۔ صرف اس میں وقت درکار ہوگا۔ پرائیویٹ افواج.......... اور اس طرح پرائیوٹ فضائیہ.......... مہنگی پڑے گی، فضول بھی ہوگی اور غیر ضروری بھی"۔

تاہم اتنا کچھ کہنے کے باوجود آخر میں فیلڈ مارشل صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ خاص قسم کی سپیشل یونٹیں نہ صرف یہ کہ مستقبل کی جنگ میں زیادہ کارآمد ہوں گی، بلکہ ان کی مدد سے سٹریٹجک نتائج بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"تاہم سپیشل یونٹوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے، جسے سپیشل رکھا جانا چاہئے۔ اسے چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں تشکیل دیا جائے، بالعموم دشمن کے عقب میں استعمال کیا جائے اوران کاموں پر مامور کیا جائے جو نارمل سٹینڈرڈ یونٹیں اور فارمیشنیں میدان کارزار میں تکمیل نہ کر سکیں۔ اس کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور انفرادی طور پر ٹرینڈ مردوں اور عورتوں کی ایک کثیر تعداد درکار ہوگی۔ ان کا کام یہ ہوگا کہ دشمن کی اہم تنصیبات کو سبوتاژ کریں، افواہیں پھیلائیں، دشمن کو گمراہ کریں، انٹیلی جنس مواد نشر کریں، اہم افراد کو قتل کریں اور مزاحمتی تحریکوں کو تقویت دیں۔ یہ ایسے ٹروپس ہوں گے جو ریگولر ٹروپس کے مقابلے میں زیادہ بہتر اوصاف اور مہارتوں کے حامل ہوں گے۔ ہر پارٹی اپنے مخصوص کام کے لئے مطالعاتی دور سے گزرے گی اور پھر تربیت حاصل کرے گی اور اسے اعلیٰ کمان کے براہِ راست کنٹرول میں کام کرنا چاہئے۔ دراصل ان پارٹیوں کو اپنی صفوں میں شاذ ہی جانا چاہئے۔ نفری کے حساب سے یہ سودا مہنگا نہیں اور اگر اسے کڑی ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ لانچ کیا جائے تو اس سے تزویراتی نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں"۔

حرفِ اختتام

گوریلا فورسز کی تاریخ بھی تاریخ انسانی جتنی پرانی ہے۔ مغربی عسکری مورخین اگرچہ گوریلا وارفیئر کی ابتداء 1808ء میں ہسپانوی تحریک آزادی سے کرتے ہیں لیکن گوریلا فورسز کا وجود مسلمانوں کے دور عروج و زوال میں بھی تھا۔ بیسویں صدی میں گوریلا طرز جنگ نے بڑا فروغ پایا۔ مستقبل میں شاید یہی طرز جنگ، جوہری قوتوں کا شعار ٹھہرے! کشمیر، فلسطین، چیچنیا، فلپائن، انڈونیشیا، میزورام (انڈیا) وغیرہ میں، ہم جس قسم کی گوریلا وارفیئر کو دیکھ اور سن رہے ہیں، وہ اس حقیقت پر دلیل محکم ہے کہ آئندہ کی تمام جنگوں میں خفیہ آپریشنوں کے بہت زیادہ امکانات موجود ہیں۔ افغانستان اور عراق کی جنگوں میں امریکہ نے اپنی سپیشل فورسز کو جس پیشہ ورانہ مہارت اور ذہانت کے ساتھ مربوط کیا ہے، وہ پاکستان جیسے اوسط درجے کی عسکری قوت کے حامل ممالک کیلئے حددرجہ سبق آموز ہے۔

حاشیہ نمبر ۲

چراٹ اور اس کی اہمیت

چراٹ کی تاریخ 1849ء میں شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے یہ صرف ایک بے آبادی

چراگاہ تھی۔ سکھوں نے اپنی خالصہ آرمی کے بعض دستوں کو یہاں مقیم رکھا۔ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد جب اس کے جانشین نااہل نکلے تو دریائے ستلج کے کنارے سبراؤں کے مقام پر سکھ فوج نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج سے شکست کھائی اور لاہور پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس دور میں صوبہ سرحد، پنجاب ہی کا حصہ تھا۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ تو 1901ء میں انگریزوں نے پنجاب سے الگ کر کے تشکیل دیا۔ لاہور پر برٹش قبضے کا مطلب یہ تھا کہ دریائے راوی سے درۂ خیبر تک اب کمپنی بہادر کی حکومت تھی۔ انگریز جب پشاور پہنچے تو یہاں کی گرمی سے جائے فرار ڈھونڈ نے کے لئے آس پاس کے علاقوں کا سروے کیا اور یوں پہلی بار ان کی نگاہ میں چراٹ کا یہ کوہستانی مقام کھب کے رہ گیا۔ جس انگریز آفیسر نے سب سے پہلے اس مقام کو ملٹری استعمال کے لئے موزوں سمجھا، اس کا نام میجر کوک (Koke) تھا۔

1860ء میں برٹش فوج کے لئے یہاں ایک سینی ٹوریم تعمیر کیا گیا۔ لیکن یہ استعمال کوئی زیادہ نفع بخش ثابت نہ ہوا، اس لئے اس کے سکوپ میں توسیع کی گئی۔ بیس اکیس برس بعد 1881ء میں بطور ایک فوجی چھاؤنی کے اس کی تعمیر شروع ہوئی اور برٹش ٹروپس یہاں پہنچنے شروع ہوئے۔ اول اول پکی عمارات نہیں تھیں، صرف خیمے لگائے جاتے تھے اور ان میں فوجیوں کو رکھا جاتا تھا۔ موسم گرما کا آغاز ہوتا تو میدانی علاقوں سے خیمے اور دوسرا فوجی سامان چراٹ کا رخ کرتا۔ یہ سارا کچھ ہاتھیوں کے ذریعے یہاں پہنچایا جاتا تھا۔ چراٹ سے 7 کلومیٹر پہلے جو چھپری نام کا سٹاپ آتا ہے اور جہاں سے چڑھائی شروع ہوتی ہے، وہاں ہاتھیوں کے لئے باڑے تعمیر کئے گئے۔ ٹروپس گرمی سے بچنے کے لئے رات کو روانہ ہوتے اور صبح ہوتے ہوتے جلوزئی پہنچ جاتے جو پبی اور چراٹ کے عین درمیان میں ایک گاؤں ہے۔ خواتین اور بچوں کے لئے بیل گاڑیاں استعمال کی جاتی تھیں۔ سب سے پہلے یہاں ایک ہسپتال تعمیر کیا گیا، پھر ایک کلب، پھر گرجا گھر، دفاتر اور بنگلے بنائے گئے۔

چراٹ سطح سمندر سے 4447 فٹ بلند ہے۔ بلند ترین مقام چرچ آف سکاٹ لینڈ ہے جو 1907ء میں تعمیر کیا گیا اور موسم صاف ہو تو جی ٹی روڈ سے بھی نظر آتا ہے۔ چراٹ کی کل لمبائی 3 کلومیٹر اور چوڑائی تقریباً آدھ کلومیٹر ہے۔ برف باری بہت کم ہوتی ہے۔ 1952ء میں 10 انچ برف ریکارڈ کی گئی تھی پھر 2001ء میں بھی 7 انچ برف پڑی۔ گرمیوں میں رات کے وقت ٹھنڈی

ہوائیں چلتی ہیں۔ سردیوں میں یہ ہوائیں تند و تیز ہو جاتی ہیں۔ سرو، چیل اور دیودار کے درخت بھی اگتے ہیں۔ خودرو چھوٹے قد کی جھاڑیاں بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ انار، ناشپاتی، بادام اور تر شاوا پھل کے درخت بھی بعد میں کاشت کئے گئے۔۔ پھلدار درخت اگرچہ بکثرت اگ سکتے ہیں لیکن پانی کی کمی کی وجہ سے زیادہ شجر کاری نہیں کی گئی۔ سول آبادی بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف وہی لوگ رہتے ہیں، جن کا تعلق فوج کی دیکھ بھال اور بندوبستی اداروں سے ہے۔ چراٹ سے نیچے چھپری کے مقام پر ایک دوامی چشمہ ہے۔ بجلی آنے سے پہلے ہاتھیوں کے ذریعے اسی چشمے سے پانی اوپر چراٹ بھیجا جاتا تھا۔ اب بجلی کی بڑی بڑی موٹریں لگائی گئی ہیں اور بلند ترین جگہ پر بڑے بڑے واٹر ٹینک تعمیر کئے گئے ہیں۔ مغرب میں واقع چھپری کے چشمے کے علاوہ مشرق میں کیچ منٹ ایریا ہے، جہاں بارشوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے، جس کو تطہیر کر کے چراٹ کو سپلائی کیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود پانی کی کمی کھٹکتی ہے اور ایک بٹالین کی نفری کے لئے فراہمی آب ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ دریائے سندھ یہاں سے زیادہ دور نہیں، اگر پائپ کے ذریعے وہاں سے پانی کی سپلائی کا انتظام کر دیا جائے تو یہ مسئلہ مستقل بنیادوں پر حل ہو سکتا ہے۔ پوری کنٹونمنٹ سرسبز و شاداب پھلدار اور دوسرے درختوں سے ڈھانپی جا سکتی ہے..... مجھے یقین ہے اگر آج نہیں تو کل اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا پڑے گا۔

جنگلی حیات کافی تعداد میں پائی جاتی ہے۔ شکار کھیلنا منع ہے۔ چیتا، چکارا، لگڑ بگڑ، چرخ، گیدڑ، لومڑی، سور اور جنگلی بلیاں عام ملتی ہیں۔ 1952ء میں جب آرمرڈ کور کا بوائز ونگ یہاں مقیم تھا تو ایک آفیسر نے ایک چیتا شکار کیا تھا، جس کی کھال اب بھی آرمرڈ کور سنٹر نوشہرہ کے آفیسرز میس میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ماہرین ارضیات نے چراٹ کے آس پاس کوئلے کے ذخائر دریافت کئے ہیں۔ اگر مزید سروے کیا جائے تو اور بہت سی قیمتی معدنیات کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

1861ء میں چراٹ کو جب بطور کنٹونمنٹ ڈکلیئر کیا گیا تو سب سے پہلی برٹش بٹالین جو یہاں آ کر خیمہ زن ہوئی، وہ نارتھ سٹافورڈ شائر رجمنٹ کی سیکنڈ بٹالین تھی، پھر یکے بعد دیگرے بہت سی بٹالینیں یہاں آتی رہیں، بعض دو دو بار آئیں۔ آخری برٹش بٹالین جو یہاں آئی، وہ سیکنڈ بٹالین، دی بلیک واچ تھی۔

انسان کی یہ عادت ہے کہ وہ جہاں بھی جاتا ہے، وہاں اپنی یادگار چھوڑنا ضروری سمجھتا

ہے۔ شاید وہ اپنے فانی اور بے بس ہونے کے نفسیاتی خوف کا مداوا کرنا چاہتا ہے۔ یہ عادت فوجیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ کوئی یونٹ جب کسی جگہ قیام کرتی ہے تو وہاں اپنے نام نمبر کی کوئی نہ کوئی تختی یا کوئی نہ کوئی نقش ضرور چھوڑتی ہے۔ چراٹ آنے والی برٹش بٹالینوں نے بھی یہی کیا۔ آج جس جگہ ایس ایس جی کا ہیڈ کوارٹر ہے، اس کے داخلے کے عین سامنے سڑک کی دوسری طرف یادگار شہداء تعمیر کی گئی ہے۔ اس کے عقب میں سلیٹی رنگ کی ایک 20x20 فٹ پہاڑی دیوار کو ہموار کر کے اس پر بہت سی رجمنٹل کریسٹ کندہ نظر آتی ہیں۔ یہ ان بٹالینوں کے کریسٹ ہیں جو 1861ء سے 1947ء کے درمیانی برسوں میں یہاں آئیں، دو چار سال قیام کیا اور پھر تمام فوجی یونٹوں کی طرح کوچ کر گئیں۔ ان کریسٹوں کی کھدائی بڑی فنکاری سے کی گئی ہے۔ درنگی اور تازگی کا عالم یہ ہے کہ لگتا ہے ابھی ابھی کسی نے ان کو اس پہاڑی دیوار پر کندہ کر دیا ہے۔ ایس ایس جی ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت کوئی بھی نگاہ اس مرعوب کن منظر سے "چشم پوشی" نہیں کر سکتی۔ یہاں سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی تختی بھی آویزاں ہے، جس پر اردو اور انگریزی زبان میں ان کریسٹوں کی ایک نہایت مختصر تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ کسی کاریگر نے کمال یہ کیا ہے کہ نیچے سے اوپر تک پہاڑ کی دیوار کو بالکل عمودی طور پر ہموار کر کے اوپر کی آخری دو چار فٹ جگہ ایسی چھوڑ دی ہے جو چھجے کا کام دیتی ہے۔ بارشیں ہوتی ہیں تو ان کا سارا پانی اس چھجے کی منڈیر پر سے نیچے زمین پر گرتا ہے لیکن وہ دیوار جس پر یہ کریسٹیں کندہ ہیں، بارش کے پانی کی دست برد سے محفوظ رہتی ہیں۔ 1861ء سے لے کر اب تک تقریباً ڈیڑھ صدی گزر گئی، لیکن ان یادگاری سنگی تختیوں کی تازگی اور شگفتگی برقرار ہے۔ دنیا میں اور بھی کئی مقامات پر اس طرح کی کوششیں کی گئی ہوں گی لیکن میرا خیال ہے کہ کسی ایک جگہ اتنی زیادہ تختیاں اتنے کم رقبے میں اتنی زیادہ دیر تک جوں کی توں حالت میں شاید ہی دستیاب ہوں۔

چراٹ کینٹونمنٹ میں اول اول ایک ہی بٹالین رکھی گئی تھی (کل ملا کر تقریباً ایک ہزار افراد) اور آج بھی یہ تعداد اس سے زیادہ بڑھائی نہیں جا سکی۔ برٹش ٹروپس کے چھوٹے چھوٹے گورستان بھی آس پاس پھیلے ہوئے ہیں اور 1947ء کے بعد مسلمانوں کے قبرستان بھی یہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ چراٹ میں ایک نہایت شاندار، دلآویز اور خوبصورت مسجد بھی حال ہی میں تعمیر کی گئی ہے جو ایس ایس جی کی اسلام سے والہانہ وابستگی کی ایک نہایت درخشندہ علامت ہے۔

خوشا مسجد و منبر و خانقاہے
کہ آنجا بود قیل و قال محمدؐ

چراٹ کے بلند ترین مقام پر کھڑے ہوں تو وادیٔ پشاور کا ایک ایسا منظر چہار سو نظر آتا ہے جو حیران کن بھی ہے، مرعوب کن بھی اور مسحور کن بھی۔ (یہی تینوں صفات ایس ایس جی کے پیشہ ورانہ کردار میں بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں!)...... شمال کی طرف نگاہ اٹھائیں تو دور، کوہ ہندو کُش کی برف پوش چوٹیاں دعوت نظارہ دیتی ہیں۔ مشرق میں جہاں جہاں تک نظر جاتی ہے۔، سوات، بنیر اور ہزارہ کے سلسلہ ہائے کوہ، دامن دل کھینچتے ہیں۔ مغرب کی طرف نظر ڈالیں تو کوہ سفید کی برفانی چوٹیاں اور تیرہ کے پہاڑ نظر آئیں گے، پشاور کے دریا، قصبے، گاؤں اور قریے نگاہوں کے سامنے پھیلتے جائیں گے اور بل کھاتی لہراتی سڑک درۂ خیبر کی وسعتوں میں گم ہوتی دکھائی دے گی اور اگر جنوب کی طرف گردن گھمائیں تو عظیم دریائے سندھ کے پانی بحیرۂ عرب کی طرف رواں دواں نظر آئیں گے۔

یہ سارے مناظر کسی بھی ورڈز ورتھ کو دو چار دیوان لکھنے پر مجبور کرنے کے لئے کافی ہیں!

قیام پاکستان کے بعد پاکستان آرمرڈ کور کا ایک بوائز ونگ یہاں قیام پذیر رہا۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ 1952ء میں آرمرڈ کور کے ایک آفیسر نے ایک چیتے کا یہاں شکار کیا تھا۔ جب چراٹ کو ایس ایس جی کا گھر بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا تو بوائز ونگ کو یہاں سے شفٹ کر دیا گیا۔ دراصل یہ بوائز ونگ اور تمام بوائز بٹالینیں پاکستان آرمی سے ختم کر دی گئی تھیں۔ 4 فروری 1956ء کو 17 بلوچ کے بعض عناصر یہاں بھیج دیئے گئے۔ کچھ ہی ماہ بعد 17 بلوچ کو 19 بلوچ کا نام دیا گیا اور پھر اسے ایس ایس جی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ بعد میں اس گروپ میں اضافے ہوتے رہے۔ مارچ 1956ء میں ایس ایس جی اور یونائیٹڈ سٹیٹس آرمی ٹریننگ مشن، پاکستان (USATMP) کے ہیڈکوارٹرز چراٹ میں قائم کر دیئے گئے۔ اس تمام علاقے کو ممنوعہ علاقہ قرار دے دیا گیا۔ جس جگہ آج کل ''سپیشل آپریشنز سکول'' ہے یو ایس اے ٹی ایم پی (USATMP)، کا ہیڈکوارٹر اسی جگہ قائم کیا گیا، جبکہ ایس ایس جی ہیڈکوارٹر ایک اور قریبی بنگلے میں قائم کیا گیا۔ اس سے کچھ عرصہ قبل امریکن اور پاکستانی انجینئروں نے بعض نئے بنگلے بھی تعمیر کئے تھے اور پرانے بنگلوں کی از سر نو تزئین و آرائش کی تھی۔ تقریباً بیس سے زیادہ امریکی

آفیسرز اور ان کے اہل و عیال چراٹ منتقل ہوئے اور ایسٹ رج، سنٹر رج اور ویسٹ رج پر واقع بنگلوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ پاکستانی افسروں کے صرف دو گھرانے (Families) یہاں منتقل ہوئے۔ ایک لیفٹیننٹ کرنل ابو بکر عثمان مٹھا کی فیملی جو ایس ایس جی کے کمانڈنگ آفیسر تھے اور دوسرے میجر محمد اسلم (ملٹری کراس) کی فیملی جو اس نئی تنظیم کے سیکنڈ ان کمانڈ تھے (بعد میں یہ دونوں آفیسر میجر جنرل کے رینک تک پہنچے) باقی پاکستانی آفیسرز زیادہ تر غیر شادی شدہ تھے اور آفیسرز میس میں رہا کرتے تھے۔

حاشیہ نمبر ۳

قلعہ اٹک

صوبہ سرحد اور افغانستان کی طرف سے ہندوستان میں داخل ہونے والے ہر نو وارد کو دریائے سندھ عبور کرنا پڑتا تھا، اس لئے ہندوستان پر جتنے بھی حملہ آور درۂ خیبر کے راستے آئے، ان کو پنجاب میں آنے کے لئے اس عظیم دریا سے واسطہ پڑتا رہا۔ سکندر اعظم، محمود غزنوی، امیر تیمور، بابر اور نادر شاہ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد ہی شمالی، وسطی اور جنوبی ہندوستان کا رخ کر سکے۔ یہ دریا عام طور پر کشتیوں کے پل کے ذریعے مغرب سے مشرق کو عبور کیا جاتا رہا، البتہ بابر کے پوتے اکبر اعظم کو مشرق کی جانب سے یعنی پنجاب کی طرف اسے عبور کرنا پڑا۔ ہوا یہ کہ اکبر کے سوتیلے بھائی حکیم مرزا نے کابل میں بغاوت کر دی، جسے کچلنے کے لئے اکبر کو دہلی سے لاہور ہوتے ہوئے کابل جانا پڑا۔ اس نے دریائے سندھ کو تقریباً اس جگہ سے عبور کیا، جسے آج اٹک کہا جاتا ہے۔ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی اور اس کی طوفانی موجیں اکبری فوج کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ آس پاس کے یوسف زئی اور خٹک قبائل نے چھاپہ مار کارروائیاں کر کے مغلوں کے ایڈوانس میں مزید رکاوٹیں کھڑی کر دیں، تاہم اکبر اپنی فوج ظفر موج کو لے کر کابل جا پہنچا اور بھائی کی بغاوت فرو کرنے کے بعد جب واپس پایۂ تخت آ رہا تھا تو خٹک قبائل نے پھر وہی کچھ کیا، جو وہ قبل ازیں کر چکے تھے۔ اکبر اٹک کے مقام پر آ کر اٹک کر رہ گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک مستقل پل تعمیر کیا جائے اور اس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ دریائے سندھ پر بنایا جائے تا کہ آئے روز کی مقامی ریشہ دوانیاں ختم ہوں۔ مشہور مورخ بدایونی

لکھتا ہے کہ اکبر نے اپنے چیف انجینئر شمس الدین خوافی کو طلب کیا اور پل کی تعمیر کے لئے سروے کا حکم دے دیا۔ دریں اثناء وہ خود بھی اٹک ہی میں اپنی افواج کے ساتھ موجود رہا۔

اگر آپ جی ٹی روڈ سے موجودہ پل عبور کر کے اٹک سے نوشہرہ کی طرف جائیں تو پل عبور کرتے ہی دائیں طرف آپ کو دریائے کابل اور دریائے سندھ آپس میں ملتے نظر آئیں گے۔ دریائے کابل کا پانی مٹیالا اور گدلا ہوتا ہے جبکہ سندھ کا سبزی مائل اور شفاف... دیکھنے والوں کو ان دونوں عظیم دریاؤں کے یہ مختلف رنگوں کے دھارے دیر تک اپنی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ مغل حکمران لذت ایجاد سے مالا مال تھے۔ اس بات کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب پاکستان نے 1990ء میں اس جگہ پل تعمیر کرنے کے لئے جدید سروے آلات کی مدد سے سروے جائزہ مرتب کروایا تو اسی مقام کو موزوں ترین قرار دیا گیا جو مغلوں نے کشتیوں کے پل کے لئے منتخب کیا تھا اور جس کے ستون آج بھی موجود ہیں!......... اکبر کی نگاہ دوررس نے عسکری نقطہء نگاہ سے بھی اس مقام کا جائزہ لیا ہوگا۔ اکبر نے اپنے دوسرے درباریوں مثلاً راجہ بیربل اور قاسم خان سے بھی مشورہ کیا اور پھر سندھ کے مشرقی کنارے پر کابل اور سندھ کے سنگم کے عین بالمقابل ایک قلعہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دریں اثناء انجینئر شمس الدین خوافی کی سروے رپورٹ بھی آچکی تھی۔ اس نے بھی دو بڑی بڑی چٹانوں کے درمیان واقع ایک خالی جگہ منتخب کی۔ ان چٹانوں کا نام کمالیہ اور جلالیہ تھا۔ (یہ نام حضرت سید علی ترمذی کے ان دو بیٹوں کمال الدین اور جلال الدین کے ناموں پر رکھا گیا، جنہیں اکبر نے ان چٹانوں سے دریا میں پھنکوا کر ہلاک کروادیا تھا۔ علی ترمذی کی درگاہ بنیر (Bunair) میں واقع ہے۔ انہیں عرف عام میں پیر بابا کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے فرقے کا نام فرقہ روشنائی رکھا تھا، ان کی تعلیمات کے مطابق وہ اپنے پیروکاروں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لانے کا دعویٰ کرتے تھے۔ آس پاس کے قبائل ان کے بہت معتقد تھے۔ یہی وہ قبائل تھے جنہوں نے اکبر اور مغل فوج کو تنگ کیا تھا اور اسی باعث اکبر کو پیر بابا کے بیٹوں کے خلاف ایکشن لینا پڑا۔ مغل تواریخ میں اس فرقے کو فرقہ روشنائی کی بجائے فرقہ تاریکی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔)

بہر حال اگست 1581ء کو قلعہ اٹک کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور دو سال دو ماہ میں یہ قلعہ مکمل ہو گیا۔ اکبر نے اپنے رویئے میں سٹریٹجک لچک کا مظاہرہ کیا اور یہاں کے طاقتور ترین مقامی

سردار ملک اکوڑہ خٹک کے ساتھ دوستی کر کے اسے اس علاقے کا مالیہ وصول کرنے کے اختیارات دے دیئے۔ لیکن جب یہ قلعہ تعمیر ہو گیا اور خٹک قبائل کی طرف سے گڑبڑ کا خطرہ نہ رہا تو مغلوں نے اکوڑہ خٹک کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ ڈالا۔

مشہور پشتو شاعر خوشحال خان خٹک، اسی مَلک اکوڑہ خٹک کا پڑپوتا تھا۔ خوشحال خاں ساری عمر مغلوں کے خلاف لڑتا رہا، ان کی افواج کے عقب میں چھاپہ مار کارروائیاں کرتا رہا اور اپنی شاعری کے ذریعے اپنے قبیلے کے نوجوانوں میں جذبۂ حریت بیدار کرتا رہا..... اسے کیا خبر تھی کہ تین سو سال بعد یہ علاقہ مملکت خداداد پاکستان کا حصہ بن جائے گا اور قلعہ اٹک میں پاک فوج کا ایک ممتاز عسکری دستہ (سپیشل سروس گروپ) انہی کمانڈو کارروائیوں کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لے گا جو اسے دنیا بھر کی سپیشل فورسز میں ایک قابل احترام مقام دلانے کا باعث بنیں گی!

علامہ اقبال نے بال جبریل میں خوشحال خاں خٹک کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے: ''خوشحال خان خٹک پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا، جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کروانے کے لئے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ ان قبائل میں صرف آفریدیوں نے آخر دم تک اس کا ساتھ دیا۔ اس کی قریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ 1862ء میں لندن سے شائع ہوا۔ ذیل کی نظم ''خوشحال خاں کی وصیت'' بھی ان منظومات میں سے ایک ہے جس کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے''۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

مغل سے کسی طرح کمتر نہیں
کہستاں کا یہ بچۂ ارجمند

کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند

اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ
مغل شہسواروں کی گردِ سمند

اس قلعے میں اب مغلوں کے دور کی صرف دو چیزیں باقی رہ گئی ہیں۔ایک بیرونی فصیل اور دوسرے وہ حمام، جن میں مغل حکمران غسل کیا کرتے تھے۔باقی تمام اندرونی عمارتیں برٹش دور میں تعمیر کی گئیں، جنہیں پرانی مغل عمارات کی بنیادیں اکھاڑ کر بنایا گیا۔فصیل کے ساتھ ساتھ ملحق ایک راہداری بنی ہوئی ہے جس کا گھیرا فصیل کی طرح ڈیڑھ کلومیٹر ہے۔اس تمام راہداری پر چھت ڈالی ہوئی ہے تاکہ دشمن کے فائر سے سر اور کمر محفوظ رہ سکیں اور ایک پشتے سے دوسرے پشتے تک بآسانی نقل و حرکت کی جا سکے۔(یہ گویا قدیم دور کی ایک زیر زمین نہیں بلکہ بالائے زمین ''کمیونی کیشن ٹرنچ'' ہے)میں نے جتنے بھی قلعے دیکھے ہیں، اس قسم کی راہداری کہیں بھی نہیں دیکھی۔یہ گویا ایک ایسا اضافہ ہے جو مغلوں کی ندرت فکر کا پتہ دیتا ہے۔اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ پٹھان غضب کے نشانہ باز (Snipers) اور تیر انداز تھے۔وہ فصیل کے سامنے والی پہاڑیوں پر بیٹھ جاتے اور جونہی کوئی مغل سپاہی فصیل سے باہر سر نکالتا، اسے فائر کر کے ہلاک کر ڈالتے۔ مغلوں نے اس ''آفت'' سے بچنے کے لئے یہ کیمونی کیشن ٹرنچ تعمیر کی تھی تاکہ سرعت سے آمد و رفت کی جا سکے۔جب میں اس قلعہ میں مقیم کمانڈو بٹالین کے ایک آفیسر میجر مومن بیگ (اب لیفٹیننٹ کرنل) کے ساتھ فصیل کا چکر لگا رہا تھا تو فصیل اور راہداری کی سنگلاخ تعمیر کی طرف بار بار دھیان جاتا تھا۔پھر جب ہم بیٹری گن ایریا میں پہنچے تو سامنے دریائے سندھ موجیں مار رہا تھا اور اس کی لہریں قلعے کی فصیل کے ساتھ آ آ کر سر ٹکرا رہی تھیں۔ایسا تقریباً چار ساڑھے چار سو برس سے ہو رہا تھا۔(اکبر نے 1581ء میں یہ قلعہ تعمیر کروایا اور کولمبس نے 1492ء میں امریکہ دریافت کیا تھا۔ یوں زمانی اعتبار سے امریکہ کی دریافت اور قلعہ اٹک کی تعمیر میں صرف ایک صدی کا فاصلہ ہے۔لیکن مجھے یقین نہیں کہ آج کی کوئی امریکی عمارت چار پانچ سو برس بعد بھی اسی طرح باقی و قائم رہے گی جس طرح اکبر کا یہ قلعہ باقی ہے)۔

میں چشم تصور سے اپنے ذہن میں لاہور کے شاہی قلعہ کا موازنہ اس قلعے سے کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ قلعہ ءاٹک میں نہ کوئی دیوان عام ہے، نہ دیوان خاص، نہ فوارے، نہ شیش محل، نہ شہزادیوں اور شہزادوں کی آرام گاہیں اور نہ غلاموں اور کنیزوں کے لئے غلام گردشیں، اندازہ کیجئے .....اکبر اعظم جس نے جنگ و جدل کے ماحول میں آنکھ کھولی، اس نے اس قلعے کی تعمیر میں صرف اور صرف عسکری ماحول اور فوجی حقیقتوں کو کس طرح پیش نظر رکھا!

سطور بالا میں کہیں فرقہ روشنائی کے بانی کے دو بیٹوں کمال الدین اور جلال الدین کا ذکر کیا گیا ہے، جسے اکبر نے دو چٹانوں کے اوپر سے دریا میں پھنکوا دیا تھا۔ میں اس قلعے کا راؤنڈ لگاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ جہانگیر اور انارکلی کی محبت کا افسانہ بھی تاریخوں میں مذکور ہے، پھر انارکلی کو دیوار میں زندہ چننے کا واقعہ بھی آپ نے ضرور پڑھا ہوگا، ان میں اکبر کو ملوث کیا گیا ہے۔ باایں ہمہ میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ اکبر کہ جو اپنے ولی عہد کی ولادت کے لئے حضرت شاہ سلیم چشتی کے مزار پر حاضری دے اور بیٹے کی پیدائش پر اس کو سلیم اور شیخو بابا کہہ کر پکارے، وہ اتنا سنگدل نہیں ہو سکتا کہ کسی معمولی مذہبی اختلاف پر دو نوجوان بھائیوں کو دریا میں پھینک دے اور کسی خوبصورت لڑکی کو جرم عاشقی کی پاداش میں دیواروں میں زندہ چنوا دے!

میں ابھی انہی خیالات میں محو، کلائیڈ بیٹری کے دمدموں کے پاس کھڑا تھا کہ میجر مومن نے فصیل کے اس پشتے کی طرف اشارہ کیا، جس کا ایک حصہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور دریا کی منہ زور لہریں اس پشتے سے ٹکرا ٹکرا کر ایک مہیب سا شور پیدا کر رہی تھیں۔ انہوں نے کہا: ''سامنے بائیں طرف جو ملاحی ٹولہ نامی گاؤں آباد ہے اور جس کے مکینوں کو اکبر نے ہندوستان سے لا کر یہاں بسایا تھا تاکہ وہ پل کے ملاحوں کا مستقل منصب سنبھالیں، ان میں یہ کہانی سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہے کہ جب یہ قلعہ تعمیر کیا جا رہا تھا تو جو پشتہ اب پانی کی زد میں ہے، وہاں کوئی دیوار کھڑی نہیں ہوتی تھی۔ انجینئروں نے بہت کوشش کی، زیرآب کھدائی کر کے سیسہ کی بھرائی بھی کی گئی، لیکن دو چار ہفتوں کے بعد فصیل کا یہ حصہ گر جاتا تھا، حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا کہ ساری فصیل مکمل ہو گئی لیکن یہ حصہ دریائے سندھ کی انہدامی کارروائیوں کا نشانہ بنا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ انہی ایام میں ایک درویش، چیف انجینئر کے پاس آیا اور اسے کہا کہ اپنے شہنشاہ کو کہو کہ فلاں بزرگ سے دعا کی درخواست کرے، انشاءاللہ دیوار دوبارہ نہیں گرے گی، چنانچہ اکبر نے اس بزرگ کے ہاں حاضری دے کر دعا کی درخواست کی۔ (ان کا مزار تھوڑی دور ساحل دریا پر ہی واقع ہے) انہوں نے دعا مانگی اور ایک چھڑی لے کر اس جگہ پر گاڑ دی، جہاں بار بار قلعہ کی دیوار غرق آب ہو جاتی تھی۔ کہتے ہیں، اس کے بعد دریائے سندھ کا پانی اس چھڑی تک آتا ضرور تھا لیکن اس سے آگے جانے کی ''جرأت'' نہیں کرتا تھا! چنانچہ معماروں نے تھوڑی ہی مدت میں فصیل کا یہ حصہ مکمل کر لیا.......

وہ دن اور آج کا دن، فصیل اور اس کا پشتہ جوں کا توں کھڑا ہے۔''

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہوتو دیکھو ان کو

یدِ بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

دورِ اکبری کی دوسری قابلِ ذکر عمارت جو اس قلعہ میں باقی رہ گئی ہے، وہ مغل حمام ہیں۔ گرمیوں کا موسم تھا اور شام کے پانچ بج رہے تھے، اس کے باوجود فضا گرم اور خشک تھی، لیکن جونہی ہم حمام میں اترے، ایکدم خنکی کا احساس ہوا جو مزید نیچے اتر کر ٹھنڈک میں تبدیل ہوگیا۔ ان حماموں کے سائز مختلف ہیں۔ کسی کا فرش 8x8 فٹ ہے تو کسی کا 6x6 فٹ اور کسی کا 5x5 فٹ۔ کہتے ہیں ان میں بیک وقت گرم، نیم گرم اور ٹھنڈا پانی آتا تھا اور غسل کرنے والا ایک حمام سے نکل کر دوسرے میں جاتے جاتے ایک گونہ فرحت اور طمانیت محسوس کرتا تھا۔ دو حماموں کی دیواریں ایک دوسرے سے متصل نہیں ہیں، بلکہ ان کے درمیان خلاء ہے، جس کے ذریعے گرم اور سرد ہوا کے اندر آنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آج کل ان حماموں میں مختلف ہتھیاروں کا ایمونیشن سٹور کیا جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں یہ قلعہ سکھوں کے ہاتھ آیا۔ افغان حکمران شاہ شجاع کو یہیں قید رکھا گیا۔ اس کے پاس چونکہ دنیا کا سب سے بڑا ہیرا کوہ نور تھا، اس لئے کہتے ہیں کہ رنجیت سنگھ نے اس کے ساتھ بعض اوقات بہت اچھا سلوک کیا اور بعض اوقات بہت بُرا۔ اور آخر اس سے ہیرا ہتھیانے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر 1849ء میں پنجاب پر برطانیہ کا قبضہ ہوگیا تو یہ قلعہ انگریزوں کے تسلط میں چلا گیا۔ لیکن برطانوی حکومت نے اٹک کی بجائے راولپنڈی کو ایک بڑے فوجی مستقر کی شکل دے دی اور یوں اس قلعہ کی وہ اہمیت کم ہوگئی جو مغلوں اور سکھوں کے دورِ حکومت میں قائم تھی۔ اسماعیل میرٹھی نے کیا خوب کہا ہے:۔

یا رب یہ کسی مشعل کشتہ کا دھواں ہے

یا گلشنِ برباد کی یہ فصلِ خزاں ہے

ہاں دورِ گزشتہ کی مہابت کا نشاں ہے

بانی عمارت کا جلال اس سے عیاں ہے

بجتا تھا یہاں کوسِ شہنشاہیٔ اکبر

اُڑتا تھا یہاں پرچمِ جم جاہیٔ اکبر

قیامِ پاکستان کے بعد اس قلعہ میں 48-1947ء کی جنگ کشمیر کے جنگی قیدیوں کا کیمپ

بنایا گیا، پھر یہاں 7 ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر قائم رہا، اس کے بعد کلوز کوارٹر بیٹل سکول یہاں شفٹ ہوا اور جب اسے بند کیا گیا تو یہ قلعہ 312 گیریژن کمپنی (ایف ایف) کا مسکن بنا۔ پھر 1956ء میں 17 بلوچ یہاں موو (Move) ہوئی جو دراصل ایس ایس جی کی مادر بٹالین کہلائی۔ اس قلعہ میں کئی سیاسی قیدیوں کو بھی قید اور نظر بند رکھا گیا اور کئی ایک پر مقدمے چلائے گئے۔ مجھے ان کمروں کو دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا، جہاں وی آئی پی (VIP) قیدی رکھے جاتے ہیں۔ ان کوٹھڑیوں کی خاص بات ایک تو ان کی تنگ دامنی ہے، دوسرے ان کی دیواروں کی اونچائی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ سزا وہ ہے، جسے تنہائی کہا جاتا ہے۔

آج کل یہاں ایک کمانڈو بٹالین مقیم ہے۔ جوانوں کی رہائش گاہیں ہیں، لنگر، آفیسرز میس، ایک دوا قامت گاہیں، دفاتر، ایک چھوٹی سی مسجد، کوارٹر گارڈ اور پلے گراؤنڈ ہیں۔ ایک آبسٹیکل کورس ہے، جہاں جوانوں کی جسمانی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ قلعے کی دیواریں اور مغربی حصہ جو دریائے سندھ کے ساتھ جا ملتا ہے، وہاں Repelling (رسوں کی مدد سے عمودی اور خطرناک پہاڑوں سے نیچے اترنا) کے لئے خصوصی سہولیات موجود ہیں۔ اس قلعہ کی فصیل کے اندر ایس ایس جی کے جو جوان اور آفیسر تربیت پاتے ہیں، ان کے پیشہ ورانہ رول کی تشریح کے لئے حضرت اقبالؒ نے فارسی کی ایک ایسی رباعی کہی ہے جو قلعہ اٹک کے اس ماحول کے تناظر میں لگتا ہے کہ ''من جانبازم'' کے نعرہ برداروں ہی کے لئے بطور خاص موزوں ہو گئی تھی، فرماتے ہیں:

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تراز سنگیں حصارے
درونِ او دلِ دردِ آشنائے
چوں جوئے در کنارِ کوہسارے

(ترجمہ: تمہارا جسم اگرچہ ایک مشت خاک ہے لیکن اس کو ایک ناقابل تسخیر قلعے کی صورت میں تبدیل کر دو اور اس مضبوط جسم کے اندر ایک ایسا دل و دماغ پیدا کرو جو نہایت لچک پذیر ہو.... جو ایک ایسی ندی کی طرح ہو جو دامن کوہ میں بل کھاتی، لہراتی اور پھسلتی ہوئی ادھر سے ادھر نکل جاتی ہے!)

حاشیہ نمبر ۴
کرنل درانڈ کا تجزیہ

انیسویں صدی کے اواخر میں جب روس جنوبی ریاستوں کو روندتا ہوا دریائے آموتک آ گیا تھا تو ہندوستان میں برطانوی تسلط اپنی جڑیں مضبوط بنا رہا تھا۔ برصغیر ابھی تک رسمی طور پر تاج برطانیہ کے تحت تو نہیں آیا تھا لیکن 1849ء میں سکھوں کو شکست دینے کے بعد پنجاب اور سرحد پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا اور وہ ڈیورنڈ لائن پر اپنی افواج خیمہ زن کر چکے تھے۔ جب شمال میں روس، افغانستان کی سرحدوں تک آن پہنچا تو برطانوی حکومت نے روس کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے افغانستان کو حد فاصل قرار دے دیا۔ اس دور کی ان دو بڑی قوتوں کے درمیان یہ طے پایا کہ روس دریائے آمو عبور نہیں کرے گا اور برطانیہ درہ خیبر اور درہ خوجک کو پار کر کے افغانستان نہیں جائے گا.... تاہم افغانستان کو حد فاصل (Buffer state) قرار دینے کا فیصلہ، برطانیہ نے ایک دم نہیں کر لیا تھا۔ اس کے پیچھے نہایت عظیم اور نہایت بصیرت افروز سٹرٹیجی تھی۔

جس طرح امریکہ نے قیام پاکستان کے بعد فوری طور پر سوویت یلغار کے سامنے بند باندھنے کے لئے سیٹو اور سنٹو وغیرہ کے معاہدے کئے اور روسیوں کے عقب میں خفیہ کارروائیاں کرنے کے لئے ایک سپیشل فورس کھڑی کرنے کے سلسلے میں پاکستان کی مدد کی اور پاکستان کے ارباب اقتدار کو اپنے عسکری تجزیے سے آگاہ کیا، اسی طرح اس دور کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی عسکری تجزیوں ہی نے شمال مغربی ہندوستان پر فوجی چوکیوں کا ایک سلسلہ قائم کرنے پر مائل کیا .... یہ داستان دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

گزشتہ صفحات میں آپ کہیں پڑھ آئے ہیں کہ اکبر اعظم نے 1583ء میں قلعہ اٹک اس لئے تعمیر کروایا تا کہ افغانستان کی طرف سے آنے والے کسی حملہ آور پر نظر رکھ سکے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے پورے تین سو سال بعد 1883ء میں ہندوستان کی انگریز حکومت نے اپنے ایک فوجی افسر کو شمالی ہندوستان کے ان علاقوں میں بھیجا جو آج کل ہمارے ناردرن ایریا کہلاتے ہیں۔ اس آفیسر کا نام کرنل الجرنن درانڈ (Algernon Durand) تھا۔ وہ پانچ سال تک گلگت، ہنزہ، نگر، پنیال، اشکومن اور چترال میں کوہ پیمائیاں کرتا رہا اور واپسی پر ایک بسیط اور مفصل رپورٹ لکھی۔ جس کے جواب میں انگریزوں نے 1935ء میں یہ علاقے کشمیر کے مہاراجہ گلاب

سنگھ سے 60 سال کے لئے پٹے پر لے لئے اور یہاں گلگت سکاؤٹس کے نام سے ایک عسکری تنظیم کھڑی کی تاکہ اگر چترال اور ہنزہ کی طرف سے روسی سپاہ گلگت اور کشمیر کی طرف آنے کی کوشش کرے تو اس کا سدباب کیا جاسکے۔

گلگت سکاؤٹس کا ٹاسک، روسی افواج کو روکنا تو نہ تھا لیکن اس یلغار سے بروقت آگاہ کرنا اور روس کو یہ پیغام بھی دینا تھا کہ برطانوی حکومت اس کی عسکری چالوں اور جنگی منصوبوں سے بے خبر نہیں۔ کرنل درانڈ 1889ء سے 1894ء تک گلگت میں برٹش ایجنٹ اور پھر 1894ء سے 1899ء تک وائسرائے ہند کا ملٹری سیکرٹری بھی رہا۔ اس کی یہ رپورٹ بعد میں ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوئی، جس کا عنوان ''ایک فرنٹیئر کی تشکیل'' "The making of a Frontier" ہے۔ اپنی اس کتاب کے صفحہ 41 پر کرنل درانڈ نے عسکری تجزیہ کا جو ایک پیرا گراف لکھا ہے، وہ چشم کشا ہے:

''مجھے یہ کہنے میں کچھ ہچکچاہٹ نہیں کہ میں ان شمالی علاقوں کی ایک ایک انچ زمین سے واقف ہو چکا ہوں اور یہاں کے بااثر افراد میں سے تمام کو جانتا ہوں۔ جس وقت میں یہ سطور لکھ رہا ہوں، اس وقت اگر برطانیہ اور روس میں جنگ چھڑ جاتی تو کوئی بھی روسی فوجی آفیسر صرف ایک ہزار گھڑسواروں کو اپنے ساتھ لے کر ہندوکش کے دروں کو عبور کرتا، صرف دس دنوں میں استور پہنچ جاتا اور پھر مزید چار روز کے بعد وہ سری نگر کے قریب جھیل ولر میں اپنے گھوڑوں کو پانی پلا رہا ہوتا۔ مہاراجہ کشمیر کے وہ ٹروپس جن کو ہم نے اپنی شمالی سرحدوں پر لگا رکھا ہے، وہ اس روسی گھڑسوار دستے کے سامنے اس طرح بکھر جاتے، جس طرح تند و تیز ہواؤں کے سامنے بھوسہ اڑ جاتا ہے۔ کسی بھی قسم کی کوئی مقامی مزاحمت نہ ہوتی بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مقامی لوگ ہمارے خلاف، روسی حملہ آوروں کو خوش آمدید کہتے۔''

مناسب معلوم ہوگا، اگر اس تجزیہ کا انگریزی متن بھی یہاں دے دیا جائے، جو یوں ہے:۔

I have no hesitation in saying, and I know every inch of the country, and every important man in it, that at the time of which I am now writing, had war broken out between US and

Russia, there was absolutely nothing to prevent a Russian officer, with a thousand Cossacks, from reaching Astor in ten days after crossing the passes of the Hindu-Kush, and from watering his horses in the Woollar Lake four days later. The Kashmir troops usually kept on the frontier would have gone like chaff before the wind, and there would have been no local opposition, far from it, and invader promising the loot of Kashmir would have been welcomed

تاریخ گواہ ہے کہ انگریزوں کی یہی محتاط پیش بندیاں تھیں جن کی وجہ سے وہ صدہا برس تک چار دانگ عالم پر حکمرانیاں کرتے رہے۔ امریکیوں نے بھی انگریزوں سے سبق سیکھے۔ یاد رہے کہ متذکرہ بالا تجزیہ اس وقت کا ہے، جب سوویت یونین ماڈرن وار ٹیکنالوجی کے باب میں برطانیہ سے کہیں پیچھے تھا۔ اس کے بعد بیسویں صدی کا آغاز ہوا، دو عالمی جنگیں لڑی گئیں، عالمی توازنِ قوت درہم برہم ہوا اور برطانیہ کی جگہ امریکہ ابھر کر ایک نئی سپر پاور بن گیا لیکن سوویت یونین 1954ء میں بھی دنیا کی دوسری سپر پاور تھی اور امریکیوں کے یہ اندیشے بجا تھے کہ سوویت فوجیں کسی بھی وقت افغانستان یا پاکستان کو روندتی بحرِ ہند تک آ سکتی ہیں، لہٰذا امریکیوں نے بھی وہی کچھ کیا جو ڈیڑھ صدی پہلے انگریزوں نے کیا تھا۔ وہ پاکستان میں امریکی افواج تو نہیں لا سکتے تھے، تاہم ان کے لئے دوسری بہترین آپشن یہی تھی کہ پاک فوج کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ روسی خطرے کے سامنے ایک ایسی فورس بن جائے جو روسیوں کے لئے تر نوالہ نہ ہو۔ اس لئے امریکہ نے 1954ء میں فیصلہ کیا کہ پاکستانی فوج میں مزید ساڑھے چار ڈویژن فوج کا اضافہ کیا جائے جس میں ایک آرمرڈ ڈویژن بھی ہو، علاوہ ازیں ایک سپیشل سروس گروپ کھڑا کیا جائے اور اس تمام فورس کو مقابلتاً جدید ہتھیاروں سے مسلح کر دیا جائے۔ چنانچہ آئزن ہاور کے دور میں یہ فوجی امداد آنی شروع ہوئی لیکن بعد میں جوں جوں عالمی صورتِ حال تبدیل ہوتی رہی توں توں امریکن سٹرٹیجی میں بھی تبدیلی آتی رہی۔

حاشیہ نمبر ۵

امریکی کوہ پیما کا ریسکیو (Rescue)

گرمیاں آتی ہیں تو غیر ممالک سے بڑی تعداد میں سیاح اور کوہ پیما پاکستان کے شمالی علاقوں خاص طور پر بالائی سوات اور کالام کا رخ کرتے ہیں۔ یہ علاقے اپنے فطری حسن اور خوبصورت مناظر کی وجہ سے جنت نظیر ہیں۔ جن ایام میں ایس ایس جی کی جی اور ایچ کمپنیاں ان شمالی علاقہ جات میں ٹریننگ کر رہی تھیں، ایک امریکی خاندان بھی ان علاقوں کی سیر کے لئے آیا۔ خاندان کے سربراہ کا نام غالباً مسٹر مورگن سبط (Sibbet) تھا۔ ان کی اہلیہ اور چار بچے بھی ان کے ساتھ تھے۔ دونوں میاں بیوی ویسے بے اولاد تھے اور یہ چاروں بچے ان کے لے پالک تھے۔ ان بچوں کا تعلق چار مختلف ممالک سے تھا۔ (غالباً پیرو، جاپان، ایران اور تھائی لینڈ سے ان کا تعلق تھا)۔ مسٹر سبط سوات کوہستان کی ایک ایسی چوٹی پر چڑھنا چاہتا تھا جو 22000 فٹ بلند تھی۔ فلک شیر نامی اس چوٹی پر کھڑے ہو کر اگر آس پاس کے منظر پر نگاہ ڈالی جائے تو ایک حسین ترین منظر نظروں کے سامنے پھیلتا ہے اور کالام سے اگر فلک شیر کا نظارہ کریں تو اس کی ہیبت اور شانِ دلآویزی ناقابل بیان ہے۔ اس خاندان نے ایچ کمپنی کمانڈر، میجر منٹو اور کیپٹن ہمایوں ملک سے ملاقات کر کے ان سے علاقے کے بارے میں بعض معلومات کی تفاصیل چاہیں۔ ان افسروں کو جو کچھ معلوم تھا، انہوں نے بتا دیا۔ مسٹر سبط کو ابھی اپنے دو اور ساتھیوں کا انتظار تھا۔ ایک کا تعلق بلجیم سے تھا۔ وہ ایک خاتون تھی اور پشاور سے سوات آ رہی تھی۔ ایک اور دوست نے ہنگری سے آنا تھا۔ ان کی آمد کی یہ تمام تفاصیل قبل ازیں طے کی جا چکی تھیں۔ لیکن جب ان میں سے کوئی بھی نہ پہنچا تو سبط نے اکیلے ہی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے بہت سمجھایا گیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ اس کے بیوی بچوں نے بھی اسے بہت روکا لیکن وہ نہ مانا۔ منصوبے کے مطابق اسے آٹھ دن کے بعد واپس آ جانا چاہئے تھا۔ لیکن جب وہ نہ آیا تو اس کے اہل خانہ پریشان ہونے لگے۔ پھر دس دن گزر گئے اور سبط کی کوئی خبر نہ ملی۔ مسز سبط نے پشاور میں امریکی قونصل خانے سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی۔

ایچ (H) کمپنی نے چراٹ سے رابطہ کیا اور تمام صورت حال کی وضاحت کی اور کہا کہ ایچ کمپنی ریسکیو (Rescue) آپریشن کے لئے تیار ہے، بشرطیکہ انہیں برفانی

سازوسامان (Snow Equipment) فراہم کردیا جائے۔ اندیشہ تھا کہ پارٹی کوسنولائن سے آگے جانا پڑے گا (سنولائن اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پہاڑوں پر مستقلاً برف موجود رہتی ہے)۔ چنانچہ اسی روز برفانی سازوسامان پارٹی کومل گیا۔ میجر منٹو نے فیصلہ کیا کہ اس آپریشن میں وہ خود حصہ لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے نمبر 3 پلاٹون کے بارہ آدمی اپنے ساتھ لئے اور اگلے روز کمپنی ہیڈکوارٹر سے جو کالام میں تھا، مشن پر (پیدل) روانہ ہو گئے۔ اوشو سے ہوتے ہوئے بعد دوپہر یہ پارٹی مہودند (Mahoodand) پہنچ گئی۔ یہ جگہ سوات کوہستان میں ایک نہایت خوبصورت مقام ہے۔ اس کے آس پاس چھوٹی چھوٹی بہت سی جھیلیں ہیں، جن کا پانی اتنا شفاف ہے کہ نیچے تہہ تک کی مٹی صاف نظر آتی ہے۔ یہاں تک چڑھائی کوئی اتنی مشکل نہ تھی، جو کہ 7500 فٹ سے 10000 فٹ تک تھی۔ ان ایام میں سروے آف پاکستان کی ایک ٹیم بھی ان علاقوں میں مصروف کارتھی۔ ان سے رابطہ کیا گیا اور مسٹر سبط کے بارے میں پوچھا لیکن ان لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر سکاؤٹس پارٹیاں نکالی گئیں کہ دیکھیں اگر کوئی آبادی ہو تو وہاں سے پوچھ گچھ کی جائے۔ تلاش بسیار کے بعد ایک مقامی شخص سے ملاقات ہوئی، جسے بڑے میاں نے بطور گائیڈ اپنے ساتھ لیا تھا۔ اس گائیڈ نے اوپر پہاڑ کی چوٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ مسٹر سبط وہاں گجروں کی ایک جھونپڑی میں زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ گائیڈ نے جس جگہ کی نشان دہی کی تھی ،وہ 16000 فٹ بلند تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ فوجی پارٹی امداد کے لئے آئی ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے مزید بتایا کہ وہ بیاشدید زخمی ہے اور اس کی ہڈیاں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی ہیں۔ گائیڈ کو ساتھ چلنے کے لئے کہا گیا تو وہ فوراً تیار ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب چونکہ رات ہو گئی تھی اور ان پہاڑوں میں رات کو سفر کرنا دشوار اور خطرناک تھا، اس لئے اگلی صبح سفر کا آغاز ہوگا۔

صورت حال یہ تھی کہ جس جگہ کی گائیڈ نے نشان دہی کی تھی وہ جگہ تقریباً 15 کلومیٹر دور تھی اور اس کی اونچائی وہاں سے 6000 فٹ اوپر تھی۔ چونکہ چڑھائی زیادہ دشوار اور عمودی ہوگی اور چونکہ مسٹر سبط کافی زخمی ہے، اور اسے سٹریچر پر اٹھا کر لانا پڑے گا اس لئے جتنا ہو سکے لوڈ کم کیا جائے۔ چنانچہ برفانی سازوسامان کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور میجر منٹو نے صرف چند آدمی اپنے ساتھ لے کر اسی رات اپنی مہم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

گائیڈ نے پہلے تو انکار کیا لیکن بعد میں جانے کی حامی بھرلی۔ پلان یہ تھا کہ رات کو سفر

کر کے دن نکلنے تک منزل پر پہنچا جائے۔اگر چہ پورا دن سفر کرنے کے بعد یہ پارٹی تھک گئی تھی لیکن اس کے باوجود کوئی لحہ ضائع کیے بغیر سفر جاری رکھا گیا۔اچھی بات یہ تھی کہ اندھیرا گھپ نہیں تھا اور ستاروں کی مدھم روشنی جوز مین تک پہنچ رہی تھی، وہ ایس ایس جی کے ان ''کوہ پیماؤں'' کی مدد کر رہی تھی۔ایک دو گھنٹے کے سفر کے بعد آنکھیں ملگجے اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں۔ پہلے تو گائیڈ ایک پگڈنڈی پر چلتا رہا لیکن کچھ دور جا کر وہ پگڈنڈی غائب ہوگئی۔پارٹی نے کوئی اور پگڈنڈی تلاش کرنے اور وقت ضائع کرنے کی بجائے قطب نما سے سمت معلوم کی اور اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔راستہ خاصا دشوار گذار تھا۔کئی جگہ کوہستانی نالوں کو درخت کاٹ کر اور انہیں آر پار ڈال کر ان نالوں کو عبور کرنا پڑا۔ان پہاڑی نالوں کا بہاؤ اتنا تیز ہوتا ہے کہ ان کو پیدل عبور نہیں کیا جا سکتا، حالانکہ پانی کمر تک ہی ہوتا ہے۔

صبح کا اجالا پھوٹا تو یہ پارٹی ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں چند مویشی چرتے نظر آئے۔گائیڈ نے ایک خستہ سی جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا۔اس میں جھانک کر دیکھا تو مسٹر سبط موجود تھے۔ انہوں نے پارٹی کو دیکھ کر باچھیں کھلانے کی کوشش کی لیکن جسمانی کرب ان کے چہرے سے ہویدا تھا۔ پارٹی کے پاس سی (C) راشن موجود تھا۔ اس کو استعمال کرتے ہوئے گرما گرم شوربے (Soup) کا ایک پیالہ بنا کر مسٹر سبط کو پلایا گیا تو ان کی آنکھوں میں زندگی اور توانائی کی رمق از سر نو عود کر آئی۔اس نے بڑی مشکل سے زبان کھولی اور بتایا کہ وہ ''سنولائن'' کراس کر کے آگے چلا گیا تھا۔گائیڈ ان کے ساتھ نہیں جا سکا تھا۔تھوڑا سا آگے اور اوپر جانے کے بعد ان کا پاؤں پھسل گیا تھا اور وہ ایک کھائی میں گر گئے تھے۔اس کھائی کی گہرائی اگر چہ زیادہ تھی لیکن خوش قسمتی سے برف کچی تھی۔مسٹر سبط اگر چہ گرنے کے بعد بے ہوش ہو گئے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ برف میں منجمد ہو جاتے، ان کو تھوڑا سا ہوش آ گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بصد مشکل انہوں نے اپنے آپ کو سلیپنگ بیگ میں ڈالا اور جب تھوڑی سی گرمائش ملی تو رینگنے لگے لیکن پھر آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور اس کے بعد انہیں کچھ ہوش نہ رہا۔جب آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو اس جھونپڑی میں پایا۔ گجروں نے گرم گرم دودھ انہیں پلایا اور اس طرح سانس چلنے لگی۔ان کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ دن کیا ہے اور تاریخ کیا ہے اور وقت کیا ہے۔ان کی پسلی کی کئی ہڈیاں اور ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور گردن میں شدید درد تھا۔

کمپنی ہیڈ کوارٹر کو وائرلیس کے ذریعے تمام صورت حال سے مطلع کیا گیا۔ زمین کی ساخت ایسی تھی کہ وہاں کوئی ہیلی کاپٹر لینڈ نہیں کر سکتا تھا اور ویسے بھی 1960ء میں پاکستان کے پاس کوئی ایسا ہیلی کاپٹر موجود نہ تھا جو ان بلندیوں تک پرواز کر سکتا! فیصلہ کیا گیا کہ مسٹر سبط کو سٹریچر پر ڈال کر 6000 فٹ نیچے لایا جائے۔ یہ فاصلہ کافی زیادہ تھا اور چونکہ اترائی کئی مقامات پر عمودی تھی اس لئے زخمی امریکن کو رسوں کی مدد سے سٹریچر کے ساتھ باندھ دیا گیا تا کہ جب عمودی اترائی آئے اور سٹریچر کو افقی کی بجائے عمودی حالت میں نیچے لانا پڑے تو مریض نیچے نہ گرے۔ اب چار افراد نے سٹریچر کو اٹھایا اور پانچواں ان کے ساتھ ساتھ ہولیا۔ یہ پانچواں فرد خود پارٹی لیڈر میجر منٹو تھا۔ جب بھی تھوڑا سا فاصلہ طے ہوتا تو چار سٹریچر برداروں میں سے ایک کو بدلی کر دیا جاتا۔ اس طرح سب نے اپنی باریاں بھگتائیں اور سب نے وقفہ ہائے آرام بھی حاصل کئے۔ مسٹر سبط کو کاندھوں پر اٹھانا اور کوہستانی علاقے میں اس سٹریچر کا توازن برقرار رکھنا کارے دارد تھا۔ تاہم دوپہر ہوئی تو یہ پارٹی اس زخمی کوہ پیما کو اٹھائے مہوڈنڈ (Mahoodand) پہنچ گئی، جہاں سے گزشتہ رات روانگی ہوئی تھی اور جہاں پارٹی کے باقی لوگ موجود تھے۔ اب سٹریچر کو اٹھا کر اوشو تک لیجانے کی ذمہ داری تازہ سٹریچر برداروں پر تھی۔ وہاں پشاور کے امریکی قونصل خانے کی دو کاریں اور ایک ایمبولینس تیار کھڑی تھی۔ مسٹر سبط کی فیملی بھی منتظر تھی۔ گاڑیاں فوراً ہی مسٹر سبط اینڈ فیملی کو لے کر پشاور روانہ ہو گئیں۔ نمبر 3 پلاٹون کی طرف سے اس مشن کی کامیاب تکمیل پر نہ صرف کمپنی کمانڈر میجر منٹو بلکہ پلاٹون کمانڈر کیپٹن ہمایوں ملک نے مکمل اطمینان کا اظہار کیا کہ انہوں نے اپنے افراد کو جو ٹریننگ دی تھی وہ کام آئی۔

حاشیہ نمبر ۶

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

یہ 1959ء کی بات ہے۔ میں آفیسر کمانڈنگ اٹک فورٹ تھا۔ میری ہی کمپنی کا ایک جوان تھا جس کو ایس ایس جی جوائن کئے ہوئے صرف دو تین ماہ ہوئے تھے۔ وہ ابتدائی (Basic) کورس کر رہا تھا۔ اس کا گھر اٹک کے نزدیک ہی تھا، اس لئے اس نے کمپنی میں رکھے رجسٹر میں اپنا نام نمبر درج کیا اور ویک اینڈ پر گھر چلا گیا۔ واپسی پر غلطی سے وہ ایک ایسی ٹرین میں سوار ہو گیا جو میل ٹرین تھی، پسنجر نہیں۔ پسنجر ٹرینیں صرف چند ایک تھیں جو اٹک ریلوے سٹیشن پر رکا

کرتی تھیں۔اٹک پر ایک بڑا پل تھا۔اس کے نیچے سے سڑک گزرتی تھی اور اوپر سے ریل گاڑی۔
اس پل کے ساتھ ہی اٹک کا ریلوے سٹیشن تھا۔جب یہ ٹرین پل پر سے گزرتی ہے تو ایک خاص شور
ہوتا ہے۔ٹرین جب فراٹے بھرتی پل پر سے گزرنے لگی اور اس کی رفتار کم نہ ہوئی تو اس جوان نے
لوگوں سے پوچھا کہ ٹرین آہستہ کیوں نہیں ہو رہی۔لوگوں نے بتایا کہ یہ میل ٹرین ہے اور اٹک سٹیشن
پر اس کا سٹاپ نہیں ہے۔یہ سن کر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنا تھیلا پکڑا اور ٹرین سے نیچے چھلانگ
لگا دی۔ٹرین کی رفتار تیز تھی۔بدقسمتی سے وہ لائن اور ریل کی پٹڑی کے درمیان گرا اور ہلاک ہو گیا۔
اس کی گردن جسم سے جدا ہو گئی۔جسم باہر رہ گیا اور سر کٹ کر ریلوے لائن کے درمیان جا پڑا۔

شام کے سات بج رہے تھے، جب مجھے ریلوے سٹیشن سے فون آیا کہ ایک فوجی جوان جو
یونیفارم میں ہے، وہ ایک ٹرین کے نیچے آ کر ہلاک ہو گیا ہے۔میں نے فوراً اپنے صوبیدار کو ساتھ
لیا اور جیپ میں سوار ہو کر سٹیشن جا پہنچا۔میرے لئے یہ ایک ہولناک منظر تھا۔ایک شخص کا کٹا ہوا
سر لائن کے عین درمیان میں پڑا تھا، ساتھ ہی اس کی بیری (ٹوپی) بھی پڑی تھی۔جسم لائن کے
باہر الگ پڑا تھا۔میں نے سر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور چلنے لگا تو، اسٹیشن ماسٹر نے کہا ''سر! اس
سر کو وہیں رکھ دیں۔اسے آپ فی الحال نہیں لے جا سکیں گے۔کیمبل پور (آج کل اٹک) سے
پولیس آ رہی ہے۔میں نے فون کر دیا ہے۔جب تک وہ آ کر نقشہ نہیں بنائیں گے اور رپورٹ
حادثہ تیار نہیں کریں گے، آپ باڈی لے جا نہیں سکتے۔

میں نے سر کو دوبارہ وہیں رکھ دیا جہاں سے اٹھایا تھا۔کچھ ہی دیر بعد پولیس آ گئی اور
اس نے اپنی کارروائی مکمل کی۔اس طرح ہمیں اس جوان کی لاش لے جانے کی اجازت ملی۔ایس
ایس جی میں سیلف ڈسپلن کا جو عالم تھا، اس کا گراف کتنا اونچا تھا کہ اس نوجوان نے اپنی جان کی
پرواہ نہ کی۔اس پر کوئی خارجی دباؤ نہ تھا لیکن دو تین ماہ کے اندر اندر اس کا داخلی نظم وضبط اس حد تک
مستحکم ہو گیا تھا کہ وہ پیمان وفا نبھانے کے لئے جان دینے کو تیار ہو گیا!

اس نوجوان کا نام نذیر حسین شاہ تھا۔اس کا تعلق موضع چھوئی سے تھا جو بسال روڈ پر کالا
چٹا پہاڑ میں بارہ چودہ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔نزدیک ہی دریائے ہرو بہتا ہے۔چک
چھوئی کے اس نوجوان کی عمر بمشکل 20، 22 برس ہو گی۔چونکہ یہ گاؤں میرے ہیڈ کوارٹر سے
نزدیک تھا اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ خود لاش لے کر جاؤں اور اس کے ورثاء کے حوالے کر

دوں۔ میں نے علاقے کے دو تین کانسٹیبل ساتھ لئے۔ پہلے سی ایم ایچ (CMH) لے گیا۔ وہاں ڈاکٹر صاحبان سے درخواست کی کہ اس کے سر کو جسم کے اوپر سی دیا جائے۔ CMH والوں کو میری اس درخواست پر سخت حیرانی ہوئی کہ یہ کپتان کیا کہہ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلے پوسٹ مارٹم ہوگا، دوسری باتیں بعد میں ہوں گی۔ قصہ مختصر کچھ ردوکد کے بعد انہوں نے اس جوان کے سر کو جسم کے اوپر ٹانکے لگا کر سی دیا۔

میں جب لاش لے کر متوفی کے گاؤں پہنچا تو معلوم ہوا کہ متوفی کے والد کا نام کرم حسین شاہ ہے۔ وہ فوج کا ریٹائرڈ نائیک تھا اور گاؤں سے پانچ سات میل دور اپنی زمینوں پر رہتا تھا۔ میں خود جیپ میں تھا اور لاش کو میں نے ایک سول ٹرک میں رکھا ہوا تھا جو میں نے اٹک سے کرائے پر لیا تھا۔ جب ہم کرم حسین شاہ کے گھر کی طرف چلے تو وہاں سڑک تو تھی نہیں، اس لئے کچھ دور جا کر معلوم ہوا کہ ٹرک اس سے آگے نہیں جا سکے گا۔ آگے ایک نالہ آگیا، میری جیپ تو وہاں سے نکل گئی، ٹرک البتہ وہیں رکا رہا۔ میں نے جیپ لے جا کر اس نوجوان کے گھر کے سامنے کھڑی کر دی۔ میرے سامنے ایک اکیلا اور بالکل کچا سا مکان تھا۔ آس پاس اور کوئی آبادی نہ تھی۔ میں نے مکان کے باہر کھڑے ہو کر آواز دی۔

"کرم حسین شاہ ....."

تھوڑی دیر بعد تقریباً 72, 74 برس کا ایک بوڑھا شخص، جس کی داڑھی بالکل سفید تھی، مکان سے نکل کر میری طرف آیا۔ وہ اس ضعیف العمری میں بھی سیدھا چل رہا تھا اور سینہ باہر نکلا ہوا تھا۔ میں وردی میں تھا، اس نے میرے سامنے آ کر مجھے باقاعدہ فوجی سلیوٹ کیا اور پوچھا:

کپتان صاحب! خیر سے آئے ہیں؟"

اس سوال پر میرے دل پر جو گزری ہوگی، اس کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔ میں نے دل کڑا کر کے اور آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کو روک کر باباجی سے پوچھا۔

"آپ سپاہی نذیر حسین شاہ کے والد ہیں؟"

جب اس بزرگ نے میرے سوال کا جواب اثبات میں دیا تو میرے دل میں بجلی کے کوندے کی طرح بہت سے سوال ابھرنے لگے۔ میں نے سوچا اس کو کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں، فوراً ہی بتا دوں یا آہستہ آہستہ بتاؤں، یا کوئی بہانہ کروں .... پھر میں نے سوچا سخن آرائی کا کیا

فائدہ؟ ..... سو میں نے فیصلہ کیا کہ اسے سچ سچ بتا دیا جائے، چنانچہ میں نے فوجی انداز لیکن گلو گیر آواز میں کہا:

''باباجی! آپ کا بیٹا قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا ہے، میں اس کی لاش لے کر آیا ہوں۔'' ...

''کی آکھیا ای؟ .... فیر آکھ'' باباجی نے پنجابی میں کہا........... یعنی کیا کہا تم نے؟ دوبارہ کہو!..... میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور کہا:

''باباجی! نذیر حسین شاہ فوت ہو گیا ہے''۔

یہ اندوہناک خبر سنا کر میں ذرا چپ ہوا تو سوچا کہ یہ بابا ابھی چیخ مار کر گرے گا، دھاڑیں مار کر رونے لگے گا، کوئی غیر معمولی حرکت کرے گا، شاید چکرا کر گرے اور پھر نہ اٹھ سکے، لیکن اس نے بڑے سکون سے آسمان کی طرف منہ کیا، دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اوپر اٹھائے اور کہا:

''اللہ میاں! توں دتا سی .... تے توں ای چا لیا..... تیرے اگے کہندا اختیار اے''۔

.... (اے اللہ! تو نے دیا تھا اور تو نے ہی واپس لے لیا، تیرے سامنے کس کی جرأت اور کس کا اختیار ہے) مجھے کہنے لگا۔

''کدھر ہے میرا بچہ؟'' میں نے کہا: ''باباجی! اس ٹرک میں ہے''۔ وہ کہنے لگا'' آیئے، اس کو لے آتے ہیں''۔

اسی اثناء میں چک چھوئی کی آبادی کو بھی خبر لگ گئی تھی۔ وہ آدمی جو میرے ساتھ جیپ میں باباجی کا گھر دکھانے آیا تھا، اس کے خاندان کے لوگ بھی آ گئے۔ چالیس پچاس لوگ اکٹھے ہو گئے۔ دریں اثناء نذر حسین شاہ کی والدہ بھی یہ تمام منظر دیکھ کر باہر نکل آئی اور اپنے میاں سے پوچھا ''کیا بات ہے؟'' ...... کرم حسین شاہ نے کہا کچھ بھی نہیں........... لیکن وہ تو ماں تھی۔ اس کو پتہ لگ گیا تھا کہ کیا ہوا ہے، وہ رونے لگی تو کرم حسین بولا: ''نذیر کی ماں! رونے کی کیا ضرورت ہے، ہمارا شام کا وقت ہے، ہم جلد ہی اس سے جا ملیں گے''۔

اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ باباجی کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا آخری وقت ہے۔ زندگی کی شام ہو رہی ہے۔ اگر بیٹے کی زندگی کی رات ہو گئی تو ہماری شام کو رات سے ملنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

ہم لوگ ٹرک کی طرف چلے گئے جو نالے کے پار کھڑا تھا اور مرحوم کی لاش لے آئے۔ مجھے بعد

میں لوگوں نے بتایا کہ یہ بچہ بابا جی کی اکلوتی اولاد تھا۔ بڑی منتوں کے بعد اللہ کریم نے اسے عطا کیا تھا۔ شادی کے 18 برس بعد اللہ نے اسے یہ بیٹا دیا تھا۔ اس کے پاس صرف آٹھ کنال زمین تھی اور وہ بھی بارانی............ کالا چٹا کے پہاڑوں میں زمینوں کا یہی حال ہے۔ اس نے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر اس بچے کو پڑھایا۔ دو بکریاں اور یہ چھوٹا سا کچا گھر اس کی کل متاع تھی..... اس دور میں اور اس علاقے میں بابا جی نے اپنے بیٹے کو میٹرک کروایا۔ یہ ایک بڑی تعلیم تھی۔ لوگوں نے مجھے مزید بتایا کہ کرم حسین شاہ اپنے بچے کو اپنی پرانی اور ٹوٹی پھوٹی سائیکل پر بٹھا کر روزانہ سکول لے جاتا تھا اور سکول چونکہ اس کی جھونپڑی سے بہت دور تھا، اس لئے وہ سکول کے آس پاس جا کر بیٹھ جاتا اور جب چھٹی ہوتی تو بیٹے کو لے کر واپس گھر آ جاتا۔ میں بابا جی کی استقامت، ان کے صبر و شکر اور راضی برضا ہونے کی صفت پر نازاں ہوں کہ خداوند بزرگ و برتر نے پاکستانی قوم میں کیا کیا لوگ پیدا کئے۔ کیسے عظیم لوگ تھے یہ! میں آج بھی حیران ہوں کہ بابا کرم حسین شاہ کس پائے کا انسان، باپ، خاوند اور سب سے بڑھ کر فوجی تھا!............ ایسے ہی عظیم والدین کے ہاں اسی قسم کی عظیم اولادیں پیدا ہوتی ہیں۔ خدا ہم سب کو اپنے وطن کی خدمت کا یہ جذبہ عطا کرے (آمین)!!!

حاشیہ نمبر ۷

دراس کینٹ پر چھاپہ مار کارروائی

یہ 15 اور 16 اگست 1965ء کی درمیانی رات تھی... حوالدار قادر داد ہمیں اس مقام تک لے گیا جہاں چند روز پہلے ہم نے ریکی کی تھی۔ یہ فاصلہ تین میل تھا اور ایک نالے میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ رات ہم نے ایک جھیل کے کنارے گزاری۔ درجہ حرارت بہت ہی کم تھا اور رات اتنی سرد تھی کہ اس سے پہلے مجھے کبھی اتنی سرد جگہ رات گزارنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ دراس یہاں سے صاف نظر آتا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ چار میل دور ہوگا (کوے کی اڑان یہ فاصلہ اڑھائی میل کہہ لیجئے)

یہ چھوٹی سی چھاؤنی ہے جس کا طول ڈیڑھ میل اور عرض بھی ڈیڑھ میل ہے۔ اس کے بالکل عقب میں دریائے دراس بہتا ہے۔ تمام چھاؤنی کے اردگرد 14 فٹ اونچا خاردار تاروں کا ایک جنگلہ تعمیر کیا ہوا تھا اور ایک مواصلاتی خندق بھی اس جنگلے کے ساتھ ساتھ کھدی ہوئی تھی تا کہ چھوٹے ہتھیاروں سے بچاؤ کے لئے جلد سے جلد جائے حادثہ پر پہنچا جا سکے۔ اس چھاؤنی کے

چاروں طرف چار چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن کے نیچے انڈر گراؤنڈ بنکر بنے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ بڑی مہارت سے کیموفلاج کیا ہوا تھا۔ کنٹونمنٹ کی تمام عمارتوں کو گہرے سبز رنگ سے پینٹ کیا ہوا تھا تاکہ فضائی فوٹوگرافی نہ ہو سکے اور رات کو آبزرویشن نہ کی جا سکے۔ اس کینٹ کے اندر ایک بریگیڈ ہیڈکوارٹر، ایک انفنٹری بٹالین، ایک انجینئر بٹالین، ایک جنرل ٹرانسپورٹ کمپنی، ایک سگنل کمپنی، ایک ملٹری ہسپتال، ایک ایئر سٹرپ (Strip) اور ایک پی او ایل ڈمپ (جس میں تین سو بیرل پٹرول ذخیرہ کرنے کی گنجائش تھی) موجود تھے۔ ان کے علاوہ سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کے لئے مختلف قسم کا انجینئرنگ کا ساز و سامان بھی ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ اتنی بڑی کینٹ پر چھاپہ مارنے کے لئے ایک کمانڈو ٹیم کافی نہ تھی۔ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ ایک خودکش مشق ہوتی۔ چنانچہ میں نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کرنل آفریدی سے ہدایات لینے کا فیصلہ کیا۔ اگر مجھے اجازت مل جاتی اور مزید نفری دے دی جاتی تو پھر چھاپہ مارا جا سکتا تھا۔ راستے کی تلاش میں آسانی پیدا کرنے کے لئے میں نے دو این سی اوز مختلف کلیدی مقام پر پیچھے چھوڑ دیئے۔

ٹی ایم کی واپسی

کیپٹن طارق محمود کو سارے ہی لوگ ٹی ایم کے نام سے جانتے اور پکارتے تھے۔ وہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس کی ٹیم دریائے یاشگن (Yashgun) کو عبور کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ واپسی پر دشمن کی ایک کمپنی نے ٹی ایم کا تعاقب کیا۔ اس تعاقب کو بٹالین کا ہندو کمانڈنگ آفیسر (لیفٹیننٹ کرنل) اور ایک کیپٹن ذاتی طور پر لیڈ کر رہے تھے۔ دونوں مارے گئے۔ اثنائے راہ بعض لوگ ٹیم سے بھاگ گئے تھے جن میں مجاہد، قلی اور ایس ایس جی کے بعض لوگ بھی تھے۔ قلیوں اور مجاہدوں کو تو ٹی ایم نے خود بید کی چھڑیوں سے سزا دی اور کرنل آفریدی کے حکم پر ایس ایس جی کے لوگوں کو سکردو بھیج دیا گیا۔ ان کے ساتھ وہاں کیا سلوک کیا گیا، مجھے اس کی خبر نہیں (میں یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجاہد اور قلی میری ٹیم میں بھی تھے لیکن میں نے ان کو صرف بیس (Base) تک جانے میں استعمال کیا تھا، کسی چھاپہ مار یا ریکی مشن میں انہیں کبھی استعمال نہیں کیا۔)

میں اور ٹی ایم اکٹھے ہوئے تو میں نے اسے دراس کینٹ پر چھاپے کے سکوپ کے بارے میں بتایا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ دیر تک فضاؤں میں گھورتا رہا۔ میں باتیں کرتا رہا اور وہ سوچتا

رہا۔ جب میں نے بات ختم کی تو کہنے لگا: ''میں تمہارے ساتھ جاؤں گا، ہم دونوں مل کر اس ٹارگٹ پر حملہ کریں گے اور ضرور کریں گے اور انشاءاللہ کامیاب ہوں گے''۔

اگلے روز ابھی ہم بیس پر ہی تھے کہ ٹی ایم کے لئے حکم موصول ہوا کہ وہ واپس سکردو آ جائے۔ وہاں سے اسے چراٹ جانا تھا۔ امریکہ میں اس کے لئے ایڈوانس کمانڈو کورس آیا ہوا تھا اور ایس ایس جی ہیڈ کوارٹر والے اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ ٹی ایم نے وہ سگنل پڑھا اور کورس پر جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ میری ٹیم نہایت اہم قومی مشن کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے اور اس لمحے میرا امریکہ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بات جنرل اختر ملک تک پہنچی تو انہوں نے ٹی ایم کا جذبہ حب الوطنی دیکھتے ہوئے اس کی درخواست منظور کر لی۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کی درخواست منظور کر لی گئی ہے تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔ ہم دونوں نے کرنل آفریدی سے درخواست کی کہ بجائے ایک ٹیم کے، میری اور ٹی ایم کی دونوں ٹیموں کو دراس کینٹ پر چھاپے کی اجازت دے دی جائے .... اس طرح یہ اجازت مل گئی۔

دراس کی فائنل ریکی

اب ہماری دو ٹیمیں بن گئی تھیں، یعنی کل ملا کر 40 آدمی بنتے تھے۔ میں نے اور ٹی ایم نے فیصلہ کیا کہ ہم دونوں ایک دن پہلے روانہ ہوں گے اور باقی لوگ ایک روز کے بعد تا کہ ہم دراس کی آخری بار ریکی کر سکیں۔ ٹیم کی ملن گاہ (RV) ہم نے وہی جھیل مقرر کی جو جنگ بندی لائن پر واقع تھی اور جہاں میں نے رات گزاری تھی اور کہا تھا کہ میری زندگی کی وہ سرد ترین رات تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ 17 اور 18 اگست کی درمیانی رات چھاپہ ماریں گے ..... یہاں میں ایک گائیڈ غلام رسول کا تذکرہ کرنا چاہوں گا۔

غلام رسول ایک سویلین تھا اور علاقے کا رہائشی تھی۔ اس نے یہ علاقہ سارے کا سارا دیکھا ہوا تھا بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ چپے چپے سے واقف بیان کیا جاتا تھا۔ وہ گزشتہ دس روز سے میرے ساتھ تھا۔ اس کی حرکات و سکنات عجیب و غریب تھیں، بعض اوقات تو مجھے لگتا کہ وہ ڈبل کراس ہے۔ یعنی دونوں طرف جاسوسی کر رہا ہے، وہ بغیر وجہ بتائے فوراً اور اچانک غائب ہو جایا کرتا تھا اور پھر اچانک نمودار ہو کر اپنے غائب ہونے کی ایسی تاویل کرتا کہ ہم سب کو قائل کر لیتا۔ وہ اگر خطرہ زیادہ دیکھتا تو چپکے سے کھسک جاتا اور کامیابی کا امکان نظر آتا تو پرجوش بن کر آگے آگے ہوتا۔ اس

بار پھر اس نے ایسا ہی کیا، اب چونکہ میں نے دراس کو بہ چشم خود دیکھ لیا تھا اور میرے ساتھ 40 لوگ اور بھی تھے تو شاید اس کے اندیشے اور خوف دور ہو گئے تھے اور اس نے ہمارے ساتھ جانے پر اصرار کرنا شروع کر دیا تھا۔ دراس میں اس نے بچپن گزارا تھا لیکن وہاں کے لوگوں نے اس کے ساتھ بہت زیادتیاں کی تھیں۔ وہ ان لوگوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں ساری دراس کینٹ کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ دو روز پہلے اس کا بھتیجا اور ایک روز پہلے اس کی بیٹی ایک پراسرار بیماری کے باعث ہلاک ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھا، تاہم ہم نے سارا دن جنگ بندی لائن پر گزارا اور شام کو اس جھیل کے کنارے آگئے، جس کو بطور ملن گاہ (RV) ہم نے آپس میں طے کیا ہوا تھا۔

اگلے روز 17 اگست تھی ہم دونوں نے چھاپہ کی تفصیلات طے کیں، ادھر ادھر گھومتے رہے اور تمام نقوش زمینی کا تفصیل سے مشاہدہ کیا۔ ہم نے ایک پہاڑی ٹیلے کو نگاہ میں رکھا جو بظاہر ہمیں دراس سے 800 گز دور نظر آتا تھا لیکن اصل میں ڈیڑھ میل (2700 گز) دور تھا۔ ہم نے وہاں سے کینٹ پر ہراساں کرنے والا فائر گرانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے بعد ہم نے ایک ایسی پوزیشن منتخب کی جو اصل ٹارگٹ سے تقریباً 150 گز دور تھی۔ شام ہوئی تو ہم دونوں اپنے ہدف کے بارے میں کسی شک وشبے میں نہ تھے۔ سب کچھ صاف اور واضح ہو گیا تھا۔

ساری کنٹونمنٹ تو ہماری پارٹی کے لئے ایک بہت بڑا ٹارگٹ تھی، اس لئے اپنی نفری کو اور اپنی مقدورات (Capabilities) کو دیکھتے ہوئے ہم نے تین یونٹوں کو بطور ٹارگٹ منتخب کیا، جو اس طرح تھیں:

1- انجینئرز بٹالین (یہ 7 مدراس سپر بٹالین تھی جو 180x72 پونڈر خیموں میں مقیم تھی)

2- جنرل ٹرانسپورٹ کمپنی (اس کے ایم ٹی پارک میں 22 بڑی گاڑیاں اور 5 جیپیں تھیں، سپاہیوں وغیرہ کے لئے 180x10 اور 3x112 پونڈ کے خیمے تھے)

3- بریگیڈ ہیڈ کوارٹر (یہ کل ملا کر پانچ بیرکیں تھیں، تین آگے اور دو ان کے عقب میں۔ سرخ رنگ کا ایک جھنڈا پہلی تین بیرکوں کے سامنے لہرا رہا تھا۔ یہ جھنڈا دو بجے بعد دوپہر اتار لیا جاتا تھا)

ان اہداف کے علاوہ، ہم نے چند اضافی اہداف بھی چنے۔ جی ٹی کمپنی کے بالکل عقب

میں ایک پی او ایل (POL) ڈمپ تھا اور اس کے علاوہ آفیسرز میس وغیرہ بھی تھا۔ ہم سینئر آفیسرز کو خاص طور پر نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ دو عمارتیں ایسی تھیں، جن کے سامنے خوبصورت پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ سینئر آفیسرز کی رہائش گاہیں ہیں، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ ملٹری ہسپتال ہے۔

دوپہر کے دو بجے کے بعد جھنڈا نیچے اتار لیا گیا اور تین جیپیں بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سے نکلتی نظر آئیں۔ یہ جیپیں دراس سے مراد باغ جا رہی تھیں (مراد باغ، دراس سے تین میل مغرب میں ایک اور چھوٹی سی کنٹونمنٹ ہے) اس کا مطلب یہ تھا کہ سینئر آفیسرز دراس میں رہتے ہی نہ تھے۔

اس کے بعد ہماری ترجیحی لسٹ پر جو چیز تھی، وہ دراس کو جانے والے راستے تھے۔ ان کا تعین کرنا بہت ضروری تھا۔ ان میں سے اکثر راستوں کو ہم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ہمارے سامنے جو نالہ تھا، خدشہ تھا کہ وہاں دشمن کی چیک پوسٹ نہ ہو۔ چنانچہ ہم نے تین آدمیوں کی پارٹی اس کا سراغ لگانے کے لئے بھیجی، جس نے واپس آ کر رپورٹ دی کہ سب کلیئر ہے اور کوئی چیک پوسٹ وہاں نہیں ہے۔

چھاپہ مار فورس

شام ہونے سے کچھ پہلے باقی پارٹی آن پہنچی۔ ہم کل 39 آدمی تھے، جن کی تفصیل یوں ہے۔ دو آفیسر، ایک جے سی او، 31 دوسرے عہدیدار، 4 مجاہد اور ایک سویلین گائیڈ.......... ہمارے پاس جو ہتھیار اور گولہ بارود تھا اس کی تفصیل یہ تھی۔ چھ مشین گنیں (A-6 ٹائپ) ہمراہ 18 بیلٹ ایمونیشن، تین راکٹ لانچر (3.5 انچ) ہمراہ 36 راکٹ، ایک مارٹر (60 ایم ایم) ہمراہ 18 راؤنڈز، چھبیس رائفلیں (M-1 ٹائپ) ہمراہ 192 راؤنڈز فی رائفل، دو کاربائنیں، تین اینٹی ٹینک بارودی سرنگیں، پندرہ اینٹی پرسانل بارودی سرنگیں اور اڑتیس ہینڈ گرنیڈ (دستی بم) ..... یہ خاصی مرعوب کن فورس تھی، لیکن اس سے بھی زیادہ مرعوب کن وہ مورال تھا، جو ان چھاپہ مار ٹیموں کے جوانوں اور افسروں کو یہاں تک لایا تھا۔ میں نے کہا کہ جب ہم ٹارگٹ پر پہنچیں گے تو پھر بتایا جائے گا کہ کونسا ہتھیار کس جگہ لگایا جائے۔ اس کے بعد میں نے چھاپے کے لئے جنرل آرڈر دینے شروع کئے۔ کیپٹن ٹی ایم بیچ بیچ میں حسب ضرورت خانہ پری کرتا جاتا تھا۔ ہم نے منتخب اہداف پر رات کے ڈیڑھ بجے (0130 بجے) ریڈ کرنا تھا اور اگلے

روز دوپہر کا کھانا (لنچ) اپنی بیس پر جا کر کھانا تھا۔ ملن گاہیں (RVs) اور باؤنڈز راستے میں ساری فورس کے لئے مارک کرنے تھے، یعنی ہم دونوں افسروں نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ فائر کب کھولا جائے، کب بند کیا جائے اور کس ہتھیار کو کب استعمال کیا جائے..... میں نے جنرل احکامات ختم کر لئے تو ٹارگٹ کی طرف سفر شروع ہوا۔

اپروچ

ہم نالے کے اندر چلتے جا رہے تھے۔ نالہ پیچ در پیچ تھا۔ کوہستانی نالے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ دفعتاً ہم سے پندرہ گز کے فاصلے پر باقاعدہ ایک بنکر پر نظر پڑی، خوش قسمتی سے بنکر خالی تھا۔ اس میں اگر دشمن ہوتا تو کافی مشکل کا سامنا ہوتا، بااین ہمہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا، گڑبڑ اور بھگدڑ شروع ہونے لگی تو ٹی ایم نے چیخ کر سب کو خاموش کر دیا۔ اس کی آواز میں بلا کا تحکم، ٹھہراؤ اور سکون تھا!..... اب ہم زیادہ احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم دو تین سکاؤٹوں کو آگے بھیج دیتے اور اصل فورس کو پیچھے رکھتے۔ وہ جب آ کر آل کلیئر دیتے تو تب اصل فورس آگے بڑھتی۔ اب رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا، نالہ ختم ہو گیا تھا اور ہم صاف کھلے علاقے میں آ گئے تھے۔ لیکن یہاں پہنچ کر امیدوں کا چراغ گل ہو گیا.........

ہمیں شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کی خبر نہ رہی۔ یعنی ہماری "سینس آف ڈائریکشن" ختم ہو گئی۔ دن کے وقت ہم نے جھیل پر سے سارا دراس دیکھا تھا لیکن دراس چھاؤنی کا ڈیڑھ مربع میل کا علاقہ اوٹ میں تھا جو نظر نہیں آتا تھا۔ (اصطلاح میں اس اوٹ کو "مردہ زمین" کہا جاتا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہوتا ہے جو دور سے کسی درمیانی گراؤنڈ فیچر کے باعث نگاہوں سے اوجھل رہے اور نظر نہ آئے) دوسری بات یہ تھی کہ ساری عمارتوں کو گہرا سبز رنگ کیا ہوا تھا اور رات کے وقت کوئی روشنی نہ تھی۔ بالکل گھپ اندھیرا تھا۔ ٹی ایم کا خیال تھا کہ ملٹری کیمپ (یعنی ہمارا ٹارگٹ) ہمارے دائیں طرف ہے، جبکہ میرا اندازہ تھا کہ بائیں طرف ہے۔ پیچدار نالے نے ہمیں کنفیوز کر دیا تھا۔ ہم نے بڑی فورس وہیں رکھ کر دو گشتیں نکالیں کہ پتہ کریں کہ ٹارگٹ کدھر ہے لیکن بے سود، پھر دو گشتیں اور نکالیں جن کے ساتھ ہم خود بھی گئے۔ لیکن لگتا یہ تھا کہ اندھیرے صحرا میں کہیں کوئی سوئی کھو گئی ہے.......... ہمارا سویلین گائیڈ بار بار چلا چلا کر کہتا رہا کہ ٹارگٹ بالکل سامنے

ہے لیکن ہم نے اس پر یقین نہ کیا۔ اس نے تھک ہار کر کہا: ''مجھ غریب کی کون سنتا ہے''
.... لیکن ہم دشمن کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس کشمکش میں صبح کے پونے چار بج گئے۔ اندھیرا غائب ہونے لگا۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا کہ نالے میں کسی محفوظ مقام پر جا کر چھپ جائیں، دن کو اپنی غلطی کی درستگی کریں اور اگلی رات چھاپہ ماریں۔

اس طرح جھنجھلاہٹ اور مایوسی کا شکار ہو کر ہم واپس لوٹ آئے۔ ٹی ایم بہت غصے میں تھا۔ بہت سے جوانوں نے بھی جھیل سے دراس کا نظارا کر لیا تھا۔ لہٰذا الزام سب پر تھا کہ دن کو دیکھی چیز رات کو کیوں نہیں پہچان سکے۔ لیکن کسی نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ ہم سب نے اپنی سی کوشش کی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی تھی۔ ہم پھر واپس چلے گئے اور 400 گز دور جا کر ایک محفوظ جگہ دیکھی اور وہاں آنکھ لگانے کا سامان کرنے لگے۔ صبح صادق کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ پہلی روشنی (First Light) پھوٹ چکی تھی (عسکری اصطلاح میں پہلی روشنی طلوع آفتاب سے آدھ گھنٹے پہلے اور آخری روشنی غروب آفتاب سے آدھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے)۔ ہم نے سوچا کہ آبادی کے اس قدر قریب جا کر سو جانا دانش مندی نہیں۔ ہم ایک میل اور آگے چلے گئے۔ یہ جگہ پہلے سے تھوڑی سی زیادہ پوشیدگی میں تھی، تاہم یہ کسی بھی حوالے سے کوئی بہتر پناہ گاہ نہ تھی۔ اگر ہم کو کوئی دیکھ لیتا تو جانے کیا حشر ہوتا۔ لیکن سب تھکن سے چور ہو چکے تھے۔ تمام بحث و تکرار اور دلائل و براہین پر نیند غالب آ گئی۔ اس سے پہلے کہ ٹی ایم اور میرے درمیان اس بات پر مزید بحث ہوتی کہ یہ پناہ گاہ آرام کرنے اور چھپنے کے قابل ہے یا نہیں، ہم نے چاروں طرف نگاہ ڈالی تو تقریباً سارے جوان مختلف تودوں اور کونوں کناروں میں سر دے کر نیند کی وادیوں میں کھو چکے تھے۔ ٹی ایم نے تجویز دی کہ دو مجاہدوں کو بیس کی طرف روانہ کیا جائے اور میجر وحید کو ساری صورت حال سے مطلع کیا جائے اور کہا جائے کہ صبح کے وقت جھیل کے کنارے کچھ چائے اور کھانے پینے کا سامان بھیج دے۔

دریں اثناء ایک اور بلنڈر کا انکشاف ہوا .... جن لوگوں کے پاس 3.5 انچ راکٹ لانچر کے راؤنڈ تھے، انہوں نے اس امید پر کہ چھاپہ ابھی کسی بھی لمحے شروع ہونے والا ہے، راکٹوں کو خولوں (Cases) سے نکال کر انہیں ادھر ادھر پھینک دیا اور واپسی پر وہ لوگ یہ کیس اٹھانا بھول گئے تھے اور اپنے کاندھوں پر راکٹ اٹھائے واپس آ گئے تھے۔ کسی نے بھی اس بات کا نوٹس نہ لیا۔ اس غلطی کا اندازہ نہ مجھے ہوا اور نہ ٹی ایم کو۔ سوال یہ تھا کہ دشمن اگر ان 36

کیسوں کو دیکھ لے گا تو کیا ہوگا؟ یہ احساس ہمارے بدن میں لرزا دوڑانے لگا۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ میں اکیلا آگے جاتا ہوں اور وہاں جا کر کسی مناسب جگہ بیٹھ جاتا ہوں، جہاں یہ کیس پڑے ہیں۔ اگر دشمن کے کسی بندے نے یہ کیس دیکھ لئے تو میں کم از کم باقی فورس کو اطلاع تو دے سکوں گا۔ اور ہم حیرت زدگی (Surprise) کا شکار تو نہ ہوں گے۔ میرے وہاں بیٹھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ میں اس مقام سے دراس کینٹ کی قریبی ریکی کر سکوں گا۔ ٹی ایم کو میری جان کا اندیشہ تھا۔ وہ میری ذاتی سلامتی کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ اس کا استدلال تھا کہ اگر دشمن نے مجھے دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ کیا یہ مروج سکیورٹی اقدامات کی خلاف ورزی نہ ہوگی؟ وہ کہتا تھا کہ کیا افسران بالا میری اس عاقبت نااندیشی پر میری گرفت نہیں کریں گے؟..... لیکن میرا موقف تھا کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو ساری فورس کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ٹی ایم نے بڑی مشکل اور تذبذب کے بعد ہاں کہہ دی۔ ایک برادر آفیسر کی شفقت اور محبت کا ممنون ہوں کہ اس نے میرا اس طرح خیال رکھا۔

ٹی ایم گرم خون اور سیماب صفت انسان تھا اور سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس کی تنک مزاجی سے ڈر لگا رہتا تھا۔ وہ زندگی کی توانائیوں سے لبالب بھرا ہوا تھا، نادانی کی حد تک دلیر تھا۔ اور ہر چہ باداباد کا داعی تھا۔ وہ اپنی ٹیم کے کسی فرد میں کوئی کمزوری برداشت کرنے کا عادی نہ تھا۔ وہ خواب دیکھتا تھا اور ان کی تعبیر کی تکمیل چاہا کرتا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دراس پر یہ چھاپہ مار کارروائی حقیقت کا روپ نہ دھارتی۔ میں نے تو پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ ٹارگٹ بڑا ہے اور میری ٹیم چھوٹی ہے۔ یہ ایک ٹیم کا کام نہیں۔ بیس آدمی اتنے بڑے ٹارگٹ پر چھاپہ نہیں لگا سکتے۔ یہ ٹی ایم ہی تھا جس نے اپنا وزن میرے پلڑے میں ڈالا، امریکہ جانے سے انکار کر دیا، فارن کورس کی پرواہ نہ کی اور دشمن کو برباد کرنے کا خواب آنکھوں میں بسائے میرے ساتھ ہو لیا..........اس کی سوچ اور اس کی پلاننگ بہت شفاف، واضح اور حقیقت پسندانہ تھی۔ اس ایکشن میں اس کا رول ایک بہت بڑا رول تھا۔

اس میں صرف دو کمزوریاں تھیں، ایک تو اس کی آواز زیادہ بھاری تھی اور دوسرے اس کا مزاج گرم تھا (مجھے کسی نے بتایا تھا کہ ایک بار اس کے کسی ٹیم ممبر نے دشمن کے ٹارگٹ کے نزدیک تھوڑی سی اونچی آواز سے کھانسا۔ اس پر ٹی ایم نے اتنی اونچی آواز سے اسے ڈانٹا کہ اس کا جے سی

او بھاگ کر پیچھے سے آگے آیا اور کہا سر! ''خدا کا واسطہ آپ کی ڈانٹ تو اس کی کھانسی کی آواز سے بھی تگنی بلند ہے.......... کچھ خوف خدا کریں''۔

سویلین لوگوں کو پکڑنا

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھتے، ہم نے تین سویلین پکڑ لئے۔ یہ لوگ جھیل کے آس پاس پھر رہے تھے اور اپنے گھوڑوں کو واپس لے جانے آئے تھے۔ ہمارا شبہ تھا کہ یہ سویلین لوگ نہیں بلکہ فوجی ہیں۔ انہوں نے بھیس بدلا ہوا ہے۔ لیکن وہ حقیقت میں سویلین ہی تھے۔ وہ مسلمان تھے اور دراس سے ذرا آگے ایک گاؤں خاندیال کے رہنے والے تھے۔ پہلے پہل تو وہ خوف زدہ نظر آئے لیکن بعد میں ہمارے ساتھ گھل مل گئے (البتہ غلام رسول نے ان سے کوئی بات نہ کی، وہ ان سب سے نفرت کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انہی لوگوں نے مجھے گزشتہ برس گرفتار کروایا تھا) انہوں نے ہم سے وعدہ کیا کہ وہ ہمیں 7 مدراس سیپرز کے خیموں تک لے جائیں گے۔ انہوں نے جو معلومات ہمیں فراہم کیں، وہ بالکل درست تھیں۔ ان کی توثیق ہم نے دوسرے ذرائع سے بھی کر لی تھی۔ البتہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ انڈین آفیسرز کی رہائش گاہیں کدھر ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ بھارتی آفیسرز ہمیں کیمپ میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے بعض ایسی کہانیاں بھی بیان کیں، جن میں مقامی مسلمان لوگوں پر ظلم و ستم کی دردناک تفصیلات تھیں۔ وہ 7 مدراس سیپرز کے خاص طور پر بہت خلاف تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ ہماری خواتین کی بے حرمتی سے دریغ نہیں کرتے۔ انہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر کئی کئی روز تک اپنے پاس رکھتے ہیں۔

میں ان میں سے ایک کو ساتھ لے گیا اور جہاں نالہ ختم ہوتا تھا، وہاں تک اس جگہ پر گیا جہاں سے خیمے نظر آتے تھے اور جہاں اس نے رات پڑنے پر ہمیں لے کے جانا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہ ٹینٹ ہمارے بالکل سامنے تھے۔ اب مجھے پتہ چلا کہ کل رات غلام رسول چیخ چیخ کر جو کہتا رہا تھا کہ ٹینٹ بالکل سامنے ہیں، تو وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔

فائنل اپروچ

اب شام ہو رہی تھی، کچھ ہی دیر بعد ٹی ایم بھی اپنی فورس کے ساتھ پہنچ گیا۔ میں نے اس کو بتایا کہ میں نے تمام راستہ اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ اس کو میں نے یقین دلایا کہ اب انشاءاللہ کوئی بھول چوک نہیں ہوگی۔ ہم نے لوکل سویلین کو ہمراہ لیا اور روانہ ہو گئے۔ کچھ ہی دور جا کر نالہ ختم ہو

گیا۔ یہ ہماری ملن گاہ تھی۔ یہاں میں نے نرسنگ اردلی (نائیک امین آزاد) اور ایک مجاہد کو چھوڑ دیا اور انہیں ہدایت کی کہ رات کو جب ہم واپس آ رہے ہوں تو وہ سگریٹ جلا کر اپنے سر کے ارد گرد ایک دائرہ بنا کر گھمائیں تا کہ ہم اس ملن گاہ تک بآسانی پہنچ سکیں۔ ہم نے دو آدمی اپنے ٹارگٹ کی بائیں طرف ٹینک شکن اور آدم شکن بارودی سرنگیں لگانے کے لئے بھیج دیئے اور باقی فورس کو لے کر آگے چل دیئے۔ ہمارے ساتھ جو سویلین تھا، وہ ہمیں ایک ایسے روٹ پر لے جانا چاہتا تھا جو ایک خالی بنکر کے نیچے سے ہو کر گزرتا تھا، جبکہ میں چاہتا تھا کہ بنکر کو بازو کش کروں۔ جب ہم بحث کرنے لگے تو ٹی ایم نے کہا کہ یہ بحث کا وقت نہیں۔ راستے کے بارے میں ہمیں 101 فیصد یقین ہونا چاہئے تھا۔ میں نے بھی دن کے وقت دوربین سے ایک ایک چپہ دیکھ لیا تھا اور لوکل تو تھا ہی لوکل۔ تاہم میں نے ٹی ایم کو کہا کہ یہ سویلین لوگ فوج کے ٹیکٹیکل تقاضوں سے بے خبر ہوتے ہیں، اس لئے جس راستے پر میں آپ کو لے جا رہا ہوں وہی صحیح راستہ ہے۔ میں نے مزید بحث سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو سب سے آگے رکھا اور اس طرح ہم آگے بڑھنے لگے۔ ہم دونوں تھوڑے سے مضطرب تھے، لیکن اس قسم کی صورت حال میں ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ بحث و تمحیص کرنا اور دلیل بازیاں کرنا اس وقت تک کچھ برا نہیں ہوتا، جب مقصد ایک ہو۔ ہم دونوں کا مقصد چونکہ ایک تھا، اس لئے ہم نے بحث بازی کو چنداں قابل اعتراض نہ گردانا۔ ہم جس اونچے علاقے کی طرف بڑھ رہے تھے، اس سے تقریباً 150 گز پیچھے درختوں کا جھنڈ سا تھا۔ ہم نے اس جھنڈ کو بطور ابتدائی ملن گاہ ڈکلیئر کر دیا اور کہا کہ جب ریڈ سے واپس آنے لگیں تو سب کے سب اس جھنڈ پر اکٹھے ہوں، بندوں کی گنتی کریں اور پھر آگے جائیں۔ ہم سنگل لائن میں جا رہے تھے۔ آخری آدمی ہم سے 60 گز دور ہوگا۔ ٹی ایم نے صرف ایک بار کہا کہ یہ ہماری ملن گاہ ہوگی............اس ''اعلان'' کو قطار کے آخری آدمی نے بھی بالکل واضح طور پر سن لیا (اس سے ٹی ایم کی آواز کی گھن گرج اور اس کے تحکم آمیز لہجے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے) ہم نے اپنے گائیڈ غلام رسول کو اس جھنڈ میں چھوڑ دیا کہ واپسی پر وہ ہمیں اس مقام تک گائیڈ کرے۔

کچھ ہی دیر بعد ہم اونچے علاقے میں پہنچ گئے۔ یہاں کانٹے دار تار لگی ہوئی تھی اور اس کے پار ایک مواصلاتی خندق تھی۔ ہم نے لوکل سویلین سے دریافت کیا، لیکن اس نے یہ بتانے سے معذوری ظاہر کی کہ کانٹے دار تار اور خندق کے درمیان کوئی مائن وغیرہ بھی لگی ہوئی ہیں یا

نہیں ۔ابھی ہم گومگو کے عالم میں تھے کہ آیا آگے بڑھیں یا نہ بڑھیں کہ لانس نائیک حق نواز آگے بڑھا اور سیدھا خندق تک جا پہنچا۔اس کی اس دلیری نے ہم سب کو متاثر کیا۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ہمارے ساتھ جو تین لوکل سویلین تھے،ان کی حالت اب ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔انہوں نے ہم سے درخواست کی کہ انہیں رخصت دی جائے،وہ اس سے آگے نہیں جا سکتے۔ہم نے ان کو جانے کی اجازت دے دی۔فوراً بعد ہم سب اس مواصلاتی خندق کے اندر تھے۔ٹارگٹ ابھی نظر نہیں آ رہا تھا،حالانکہ میرے اندازے کے مطابق اسے نظر آنا چاہئے تھا۔یہ مواصلاتی خندق اونچے گراؤنڈ کی ریورس سلوپ پر تھی اور حملہ آور سے دفاع کے لئے بنائی گئی تھی۔لوگ بے چین ہو رہے تھے۔وہ آپس میں باتیں کرنے لگے تو ٹی ایم کو غصہ آ گیا۔ہم ٹارگٹ کے انتہائی نزدیک تھے۔چاند نکل آیا تھا اور اس لمحے لوگوں کا باتیں کرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ٹی ایم صورت حال کو کنٹرول کرنے کے لئے ''کچھ'' کرنے ہی والا تھا کہ عالم غیب سے اللہ نے اس کی مدد کی۔ایک بہت بڑا شہاب ثاقب آسمان سے آیا اور ہمارے سامنے دور جا گرا۔اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ہم نے سمجھا دشمن نے ویری لائٹ فائر کر دیا ہے۔ہم ری ایکشن کے لئے تیار ہو گئے..........اب جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔سب دم بخود تھے اور کوئی سرگوشی تک سنائی نہیں دے رہی تھی..........ٹی ایم نے اطمینان کا سانس لیا۔ اتنے میں کسی کی آواز ابھری..........''یہ شہابیہ جو گرا ہے یہ دراس کے لوگوں کے لئے ایک بُرا شگون ہے۔ہم انشاءاللہ کامیاب ہوں گے!''

ہم تھوڑا سا آگے بڑھے تو ایک گاؤں آیا،جس کا نام گندیال تھا۔(خندیال نہیں،جس کا ذکر پہلے آیا ہے)ہم اس گاؤں کو بازو کش کرتے آگے بڑھے لیکن کوئی خیمہ نظر نہ آیا۔ایک سپاہی چھت پر بھی چڑھا لیکن بے سود..........جگہ وہی تھی،تاہم ہم نے اپنا دفاع پکا بنانے کے لئے مختلف ہتھیاروں کو لگانا شروع کر دیا۔تقریباً 20 منٹ تک ہم یہ بحث کرتے رہے کہ اب اگلا ایکشن کیا لیں۔جب ٹی ایم نے ایک مشین گن ایک قبرستان میں لگائی تو میں نے اعتراض کیا اور اس میں کیڑے نکالے اور جب میں نے ایک راکٹ لانچر ایک گھر کی چھت پر لگایا تو ٹی ایم کو اس پر اعتراض تھا۔بہرکیف اس طرح ایک دوسرے کا اعتراض سن سنا کر ہم نے مختلف ہتھیاروں کو لگایا

۔اب صرف ٹارگٹ دکھائی دینے والی بات رہ گئی تھی، دریں اثناء میں نے سامنے دیکھا تو چند لوگ ہماری طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے سمجھا یہ دشمن کی کوئی گشت (پٹرول) ہے۔ ہم ری ایکشن کے لئے تیار ہو گئے۔ میں فائرنگ شروع کروانے ہی والا تھا کہ شاید کسی چھٹی حس نے ایسا کرنے سے روکا۔ میں رک گیا اور تھوڑا سا انتظار کیا۔ پتہ چلا وہ اپنے ہی آدمی تھے جو راستہ بھول کر غلطی سے آگے نکل گئے تھے اور اب واپس آ رہے تھے..... میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، وگرنہ سارے پلان کی ناکامی میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

ٹی ایم نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا کہ گاؤں میں سے کسی کو جگایا جائے اور کہا جائے کہ ٹارگٹ دکھاؤ۔ میں نے فوراً اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک بندے کو اٹھالایا۔ اس کے ہوش ٹھکانے نہیں آ رہے تھے اور وہ کانپے جا رہا تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ ہم نے اس کو تسلی دی، ادھر ادھر کی باتیں کیں تو وہ ''راہ راست'' پر آ گیا۔ وہ ہمیں 50 گز آگے لے گیا اور سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''وہ رہے خیمے!''

اس جگہ سے صرف 100 گز آگے خیمے موجود تھے جو چاندنی رات میں صاف نظر آ رہے تھے۔ ہم ایک دوسرے کو کوسنے لگے کہ خواہ مخواہ بحث میں وقت ضائع کیا، حالانکہ اتنا بڑا ٹارگٹ اتنا نزدیک تھا!

بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کی بیرکیں خیموں کے بائیں طرف تھیں، جبکہ جی ٹی کمپنی ان خیموں کے دائیں طرف تھی۔ دونوں اہداف کا فاصلہ ہم سے 150 سے لے کر 200 فٹ تک ہوگا۔ ہم نے جلد جلد ہتھیاروں کو دوبارہ ایڈجسٹ کیا............ چار مشین گنیں انجینئرز کے خیموں کے لئے، ایک راکٹ لانچر، ایک مارٹر اور دو مشین گنیں جی ٹی کمپنی اور پی او ایل (POL) ڈمپ کے لئے اور دو راکٹ لانچر بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کی بیرکوں کے لئے............ رائفل مینوں کو ہم نے بڑے بڑے ہتھیاروں کے درمیان میں لگا دیا۔ آدھی فورس ٹی ایم کے انڈر کمانڈ تھی اور آدھی فورس میرے انڈر کمانڈ۔ چونکہ ٹارگٹ، مارٹر سے زیادہ نزدیک تھے اس لئے میں نے فائر کرنے والے کو بتایا کہ پہلا راؤنڈ 250 گز کی رینج پر رکھ کر فائر کرے۔

ریڈ

جونہی ٹی ایم نے ''آل ریڈی'' کی رپورٹ دی، میں نے بآواز بلند کہا: ''بسم اللہ الرحمن

الرحیم''..... یہ فائر کھولنے کا سگنل تھا۔ یہ الفاظ میرے لبوں تک آئے ہی تھے کہ تمام ہتھیاروں کے منہ کھل گئے۔ دراس، اپنی تاریخ کا بدترین لمحہ دیکھ رہا تھا۔(1948ء میں ایک گولی بھی نہیں چلی تھی اور بھارتیوں نے دراس خالی کر دیا تھا) فائر اتنا شدید تھا کہ جوایریا ہم نے برباد کرنے کے لئے منتخب کیا تھا، اس کا ایک ایک انچ زیرِ آتش تھا۔ مارٹر اور راکٹ لانچر درست (Accurate) نشانے لگا رہے تھے۔ مشین گنوں نے خیموں کے ایک وسیع علاقوں پر فائر گرانا تھا، اس لئے گولیاں تمام ٹارگٹ پر بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ ٹریسر خیموں کو پھاڑ کر اندر گھس رہے تھے۔ ایک راکٹ عین پی او ایل ڈمپ کے اوپر گرا تھا۔ ایک بڑا دھماکہ ہوا۔ چاند کی روشنی، فائر کرنے والوں کی مدد کر رہی تھی۔ سب کچھ نظر آ رہا تھا، لیکن مدھم مدھم سا تھا۔ تمام لوگ ''فاسٹ ریٹ'' (Fast Rate) پر ویپن رکھ کر فائر کر رہے تھے۔ اگر کوئی گولی ایک خیمے کو مس کرتی تو دوسرے میں پیوست ہو جاتی۔ ایک رائفل مین کی رائفل کے چیمبر میں ایک گولی پھنس گئی۔ اس کے ساتھی نے اپنی 192 گولیاں فائر کرنے کے بعد، اس ساتھی کی 191 گولیاں لے کر کلپ خالی کر دیئے۔ ایک مشین گن نے اپنی تمام بیلٹ صرف تین بوچھاڑوں (Bursts) میں خالی کر دی اور اپنے سامنے خیموں کی قطار پر آتش و آہن کا خیمہ تان دیا۔

واپسی

ہر مشین گن نے اڑھائی بیلٹیں فائر کرنی تھیں اور باقی آدھی بچانی تھی۔ ہر رائفل مین نے 192 میں سے 176 گولیاں فائر کر کے 16 گولیاں (یعنی دو کلپ) بچانے تھے۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ واپسی پر ان کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ دو مارٹر راؤنڈ بھی واپسی کے لئے الگ رکھ لئے گئے تھے۔ ہر مشین گنر جب بیلٹ تبدیل کرتا تھا تو اس کا اعلان بھی کرتا تھا۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ سب نے دو دو بیلٹس خالی کر دی ہیں تو میں نے فائر روکنے (Lift) کا حکم دے دیا اور کہا اب صرف تیسری بیلٹ کا نصف فائر کر کے نصف باقی بچایا جائے۔ فائر شروع ہونے کے چھٹے منٹ بعد واپسی کا سگنل دیا گیا۔ دریں اثناء ٹی ایم نے ایک مشین گن والے سے مشین گن چھین کر خود فائر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ اپنا ہتھیار اعتماد سے آپریٹ نہیں کر رہا تھا۔ واپسی کے لئے جو سگنل مقرر تھا وہ تھا ''پکڑو'' لیکن ٹی ایم فائرنگ میں اس قدر منہمک تھا کہ جب اس نے ''پکڑو'' کی آواز سنی تو خاصا حیران ہوا اور کہا کہ اتنی جلد واپسی کا سگنل کیوں دیا ہے۔ پھر اسے فوراً

ہی احساس ہوا کہ اس نے اپنی تین بیلٹوں میں سے اڑھائی خالی کر دی ہیں اور باقی صرف آدھی بیلٹ بچی ہے۔

بہرحال ''پکڑو'' کی آواز پر سب نے واپسی کی راہ لی۔ ہم نے دن کے وقت جو ریکی کی تھی اور دشمن کی جن آؤٹ پوسٹوں کی نشاندہی کی تھی، انہوں نے اپنی لائٹ مشین گنوں اور رائفلوں سے ہم پر فائر کرنا شروع کر دیا تھا۔ درختوں کا جھنڈ ہماری ابتدائی ملن گاہ تھی لیکن ابھی ہم اس سے 100 گز دور تھے کہ وہاں سے فائر آنا شروع ہو گیا۔ اس طرف سے فائر کی تو ہمیں ہرگز توقع نہ تھی۔ ہم نے اس جھنڈ کو ایک ملن گاہ کے طور پر سلیکٹ کر کے ایک اور بلنڈر کیا تھا۔ ہمیں چاہئے تھا کہ اس کا ایک ایک کونا چھانتے اور دیکھتے کہ دشمن تو وہاں مورچہ زن نہیں۔ لیکن ہم نے تو بغیر دیکھے بھالے اسے ملن گاہ بنا لیا تھا.......... لیکن یہی بلنڈر دراصل در پردہ نعمت ثابت ہوا۔ اگر ہم اس جھنڈ کی فزیکل ریکی کرتے تو کیا ہوتا؟ کیا یہ ریڈ کامیاب ہو سکتی؟ ہماری خوش قسمتی تھی کہ جب ہم اس جھنڈ سے صرف 50 گز کے فاصلے پر بات چیت کرتے اور شور مچاتے گزر رہے تھے تو دشمن کی یہ آؤٹ پوسٹ سوئی رہی لیکن اب یہ لوگ جاگ گئے تھے اور ہم پر فائرنگ کر رہے تھے۔

پوری انفنٹری بٹالین ہمارے خلاف

دشمن کی انفنٹری بٹالین، ہمارے فائر کھولنے کے عین سات منٹ بعد اپنی فائرنگ پوزیشن میں تھی۔ اب ہم پر چاروں طرف سے فائر آ رہا تھا۔ ابھی ہم ٹارگٹ کے آس پاس ہی تھے کہ دشمن کی 35 سے زیادہ لائٹ مشین گنوں (LMGs) دو انچ اور تین انچ مارٹروں اور 500 سے زائد رائفلوں کا فائر ہم پر آنا شروع ہو گیا۔ ہم ایک نالے میں اتر گئے۔ یہ گندا نالہ تھا۔ بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے لیکن ہم اس کیچڑ اور گند میں چلتے چلے گئے۔ درختوں کا جھنڈ نزدیک آ گیا۔ اتنا نزدیک کہ اگر دشمن ہم پر ہینڈ گرینیڈ پھینک دیتا تو ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ لیکن خبر نہیں، انہوں نے ایسا کیوں نہ کیا۔ بہت جلد ہمیں احساس ہو گیا کہ یہ گندا نالہ غلط سمت کو جا رہا ہے، ہم اس سے باہر نکل آئے۔ اب ہم ہموار اور کھلی جگہ پر آ گئے تھے۔ دشمن کو چونکہ معلوم نہیں تھا کہ ہم کس طرف سے آئے تھے، اس لئے وہ ہر طرف فائر کر رہا تھا۔ اگر وہ اس وقت صرف ایک ویری لائٹ فائر کر دیتا تو ہم میں سے شاید کوئی ایک بھی نہ بچ سکتا۔ لیکن یہ اس کی حماقت ہی سمجھئے یا بدقسمتی کہ کسی کا دھیان ہی اس طرف نہ گیا۔ دشمن نے انفنٹری بٹالین کے سارے ہتھیار فائر کئے۔ 25 پاؤنڈر

گنیں بھی فائر کیں، لیکن ویری لائٹ ایک بھی فائر نہ کیا۔ ٹی ایم نے اپنی وہ آدھی بیلٹ بھی، جو وہ بچا کر لایا تھا، خالی کر دی۔ لیکن میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس نے اپنی پوزیشن (مشین گن فائر کر کے) دشمن پر عیاں کر دی ہے، اس لئے اس کی واپسی کو کور کرنے کے لئے میں نے ایک مشین گن گروپ کو روکا اور اسے ٹی ایم کو تحفظ دینے کے لئے مناسب جگہ پر لگا دیا۔ لیکن دشمن کا کوئی فائر ٹی ایم پر نہ آیا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ ان کے آفیسر موقع پر موجود نہ تھے اور کوئی بھی آفیسر ان کی فائرنگ ڈائریکٹ اور کنٹرول نہیں کر رہا تھا۔ لیکن دشمن ابھی تک 3" مارٹر اور آرٹلری سے ہم پر شدید گولہ باری کر رہا تھا، اس لئے ہماری نقل و حرکت آہستہ تھی۔ ان کے بعض شیل ہمارے بہت قریب گرے لیکن خوش قسمتی سے کوئی نقصان نہ ہوا..... ایک گھنٹے کے اندر ہم نالے میں تھے، یعنی سب کے سب محفوظ..... جبکہ انڈین ابھی تک اپنی ایمونیشن میگزینیں خالی کئے جا رہے تھے۔

جب ہم نالے والی ملن گاہ (RV) پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے، وہ احکامات کے برعکس، جھیل کی طرف چلے گئے۔ وہ اپنے ساتھ نرسنگ اردلی کو بھی لے گئے تھے۔ ہم سب اس پر خاصے برہم ہوئے۔ میں راستے میں پھسل کر پتھروں پر گر پڑا تھا اور کمر میں خاصی چوٹ آئی تھی۔ میں نے ایک جگہ ٹھہر کر مالش کروائی، تب جا کر کہیں میری چیخیں بند ہوئیں۔ میں آہستہ آہستہ چلتا، جب اس ملن گاہ پر پہنچا اور وہاں نرسنگ اردلی کو نہ پایا تو بہت پریشانی ہوئی۔ بہرکیف دو گھنٹے کے بعد ہم جھیل پر پہنچ گئے۔ وہاں وہ دونوں مجاہد چائے اور ناشتہ وغیرہ لئے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتی اب ہم سے چار میل دور تھے لیکن ابھی تک فائرنگ کر رہے تھے، جبکہ ہم آگ تاپ کر چائے پی رہے تھے اور کپڑے سکھا رہے تھے!

جب دن چڑھا تو میں نے چمکتی دھوپ میں دوربین سنبھالی اور یہاں سے دراس کا منظر دیکھا۔........... خیموں کا نام و نشان نہ تھا، پی او ایل ڈمپ میں آگ لگی ہوئی تھی۔ گیارہ گاڑیاں ہمارے راکٹوں اور مارٹروں کی فائرنگ سے تباہ ہو گئی تھیں۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کی تینوں بیرکیں منہدم ہو چکی تھیں، ہر طرف گرد و غبار اور دھواں پھیلا ہوا تھا۔ پریڈ گراؤنڈ میں دشمن کے بہت سے ٹروپس اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان کے مارٹر ابھی فائر کئے جا رہے تھے۔

ہم نے اس جھیل کنارے ایک گھنٹہ آرام کیا اور پھر بیس کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں میجر وحید ہمارا منتظر تھا۔ اتنے میں ہمارا سویلین گائیڈ غلام رسول بھی آن پہنچا۔ اس نے کہا کہ جب

آپ لوگ مجھے درختوں کے جھنڈ میں بٹھا کر گئے تھے تو کچھ دیر بعد دشمن کے ایک سنتری نے مجھے چیلنج کیا، میں نے فوراً کہا کہ میں یہاں کا لوکل باشندہ ہوں۔ میرا بیٹا بستر مرگ پر ہے اور میں ایک ڈاکٹر کا پتہ کرنے یہاں آیا تھا۔ گارڈ کی آنکھوں میں نیند اتری ہوئی تھی، اس نے مجھ سے زیادہ چھان بین نہ کی اور جانے دیا۔

ردعمل

سکردو میں ہر کوئی ہمارے بارے میں سخت پریشان تھا۔ ریڈیو سری نگر نے شام کے خبرنامے میں جو اطلاعات دی تھیں وہ اس طرح تھیں .... ''دشمن کی طرف سے سینکڑوں گھس بیٹھیوں نے جو مارٹروں اور مشین گنوں سے مسلح تھے، دراس پر حملے کی کوشش کی لیکن ہمارے دلیر اور پرعزم جوانوں نے ان کو مار بھگایا۔ مقامی لوگوں نے بھی اس قتل عام میں ہمارے بہادر فوجی جوانوں کی مدد کی۔ ہماری فائرنگ سے دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اس نے اپنے پیچھے 36 لاشیں چھوڑیں، جن میں ایک کپتان کی لاش بھی تھی۔ دشمن اپنے بہت سے زخمیوں کو گھسیٹ کر جنگ بندی لائن کے پار لے جانے میں کامیاب ہوگیا وغیرہ وغیرہ''۔

دراس پر حملے کی خبر بھی سچی تھی اور 36 لوگوں کی تعداد بھی درست تھی کہ ریڈ کرنے والی فورس کی تعداد تقریباً یہی تھی۔ اس شام کرنل آفریدی سے ہمارا وائرلیس رابطہ بھی نہ ہوسکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یقین کرلیا کہ ہم سب کے سب شہید ہو چکے ہیں، لیکن جب دوسرے روز وائرلیس پر رابطہ ہوا اور ہم نے انہیں بتایا کہ ہم سب اللہ کے فضل و کرم سے زندہ ہیں تو ان کو بہت اطمینان ہوا۔ مقامی باشندوں نے بعد میں تصدیق کی کہ دشمن کے 412 آدمی مارے گئے تھے اور 357 زخمی ہوئے تھے۔!.... دوسرے مادی نقصانات ان کے علاوہ تھے۔

حاشیہ نمبر ۸

ہلواڑہ ایئر فیلڈ سے واپسی

میرا تعلق ابراہیم کمپنی سے تھا۔ میرے ساتھ دو آفیسر اور بھی تھے، جن کے نام کیپٹن حسن افتخار اور کیپٹن غلام احمد تھے۔ حسن افتخار اس ٹیم کے لیڈر تھے۔ ہمارے ساتھ 60 دوسرے عہدیدار بھی تھے، یعنی کل ملاکر ہماری ٹیم 63 افراد پر مشتمل تھی۔ ہمیں مشن دیا گیا کہ ہلواڑہ ایئر فیلڈ پر ریڈ کیا جائے اور وہاں موجودہ زیادہ سے زیادہ جنگی طیاروں، ہوائی اڈے اور دوسری تنصیبات کو

نقصان پہنچایا جائے۔

پلان یہ تھا کہ چھ اور سات ستمبر 1965ء کی رات کو گیارہ بج کر انسٹھ منٹ پر ہمیں ڈراپ زون پر گرایا جائے گا۔ دو منٹ کے بعد اگلا دن شروع ہو جائے گا۔ اگلے روز یعنی سات ستمبر کو صبح دو بجے ریڈ کیا جائے گا (اس ٹائم کو عرف عام میں رات کے دو بجے کہا جاتا ہے لیکن دراصل یہ دن کے دو بج رہے ہوتے ہیں) یہی وقت ہوگا، جب چاند غروب ہو جائے گا۔ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو یہی سی-130 ریڈ کے بعد ہلواڑہ ایئر فیلڈ پر اترے گا اور ہمیں واپس پاکستان لے آئے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر ہم پیدل یا کسی بھی سواری سے واپس اپنے وطن پاکستان پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ کیا یہ ریڈ کامیاب ہوگی؟ کیا ہم واپس وطن پہنچ جائیں گے؟ کیا دشمن ہمیں جنگی قیدی بنا لے گا؟ کیا ہم زخمی ہو جائیں گے یا کیا شہادت کا عظیم درجہ حاصل کریں گے؟...... ان سب سوالوں کا جواب ہمیں معلوم نہ تھا، یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔

تیاریاں

مشن ملنے کے بعد تیاریاں شروع ہوئیں۔ پاک فضائیہ کے ونگ کمانڈر زاہد بٹ اور فلائٹ لیفٹیننٹ رضوان بالترتیب سی-130 کے پائلٹ اور نیوی گیٹر تھے۔ ان لوگوں نے ہمیں ڈراپ زون تک لے کے جانا تھا۔ ٹائم ٹیبل کے لئے، ان افسروں کے ساتھ کوآرڈی نیشن ہوا۔ تفصیلات طے کی گئیں اور سب کچھ بخیر وخوبی انجام پا گیا۔ اس کے بعد اپنے ٹروپس کو ہدایات اور بریفنگ دی گئی تھیں۔ ہمارے پاس جو نقشے تھے، وہ ایک انچ بمطابق 4 میل کے تھے۔ ہلواڑہ ایئر فیلڈ کا جو فوٹو تھا، وہ 1958ء کا تھا۔ تازہ ترین فوٹو دستیاب نہ تھا۔ چنانچہ اس سات سال پرانے فوٹو گراف سے مدد لے کر بریفنگ دی گئی کہ کونسی عمارت کہاں واقع ہے۔ طیارے کہاں ہوں گے، ہینگر کہاں ہوں گے، پائلٹوں کی رہائش گاہیں کہاں ہوں گی۔ پٹرول ڈمپ کہاں ہوگا، راڈار اور ایئر ٹریفک کنٹرول کہاں ہوگا اور ٹارمک کہاں ہوں گے؟ (ٹارمک ان پکی سڑکوں کو کہا جاتا ہے، جہاں سے طیارہ اڑتا اور لینڈ کرتا ہے) ٹارگٹ کے بارے میں یہ تفصیلات بہت ادھوری اور کم تھیں اور بہت جلدی میں تیار کی گئی تھیں، لیکن اس کے سوا اور کوئی متبادل بھی تو نہ تھا۔

پیرا شوٹ رگنگ میٹریل بھی کافی تعداد میں دستیاب نہ تھا۔ اس کی کو پورا کرنے کے لئے ایک سے زیادہ آدمیوں کو ساز وسامان اور ہتھیار اکٹھا باندھ کر اسے مختلف آدمیوں پر تقسیم کیا

گیا۔اس طرح کئی لوگ اوورلوڈ ہو گئے۔راشن میں ہمیں چار چار، پانچ پانچ میٹھی روٹیاں فی کس تقسیم کی گئیں،اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔کسی نے یہ خیال نہ کیا کہ نمک جیسی عام سی چیز بھی انتہائی ضروری ہوتی ہے اور یہ چار میٹھی روٹیاں کب تک چلیں گی،اس کا بھی کسی نے نہ سوچا۔جب لوڈ تقسیم ہوا تو یہ روٹیاں بھی تقسیم ہو گئیں،یعنی کسی کے پاس آٹھ روٹیاں اور کوئی بغیر روٹی کے۔

6 ستمبر کو رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے کہ ہم پشاور ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔طیارے میں جا کر پیراشوٹوں کی انسپکشن کرنی تھی جو اس لئے نہ کی جا سکی کہ پہلے ہی دیر ہو گئی تھی۔بہت جلد ہی رات کے بارہ بج گئے اور اگلا دن شروع ہو گیا۔

6 ستمبر

ہم نے ساڑھے بارہ بجے پشاور سے ٹیک آف کیا۔اس طرح پاکستان کی تاریخ کا پہلا ایئربورن آپریشن (بغیر کسی تیاری کے) شروع ہوا۔یہ بھی ایک ریکارڈ ہے کہ چراٹ سے موو ہونے کے بارہ گھنٹوں کے اندر اندر ہم ایئربورن تھے۔ہم سب کو معلوم تھا کہ تیاریاں ادھوری ہیں،سب جانتے تھے کہ مطلوبہ تفصیلات دستیاب نہیں،سب کو خبر تھی کہ اس قسم کے آپریشن کے لئے جو مادی سپورٹ درکار ہوتی ہے،وہ فراہم نہ تھی لیکن اس کے باوجود سب راضی تھے،کسی نے اف تک نہ کی۔کوئی ہڑبڑاہٹ،کوئی گلہ،کوئی شکوہ نہ تھا۔وجہ یہ تھی کہ یہ حیرت انگیز واقعہ ایک تو ایس ایس جی کے ڈسپلن اور سپرٹ ڈی کور کی براہ راست عطا تھی اور دوسرے فرض نے پکارا تھا اور قوم نے آواز دی تھی،چنانچہ اس پکار اور اس آواز پر سب نے لبیک کہا۔کسی لب پر کوئی حرف شکایت نہ تھا،البتہ سب کے دلوں میں ایک ہی آرزو تھی کہ مشن کامیاب ہو اور اس کیلئے اگر جان بھی چلی جائے تو کچھ پرواہ نہیں۔

پرواز اور جمپ

پرواز بالکل ہموار تھی۔پائلٹ ہمیں بالکل محفوظ راستے سے لے گیا،تاہم طیارے کے اندر وہ لوگ،جن کے اوپر دو دو اور تین آدمیوں کا لوڈ لدا ہوا تھا،ان کی حالت قابل رحم تھی۔لیکن جمپ کرنے تک کوئی بھی بے ہوش نہ ہوا۔

پھر اچانک طیارے کے دروازے پر سبز بلب روشن ہوا۔سب لوگ جمپ کے لئے تیار ہو گئے۔ساری فورس ایک ہی وقت کود گئی۔اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم تقریباً 2400 گز کے

اندر ڈراپ ہوئے تھے۔ چاند غروب ہو گیا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے لیکن نیچے زمین پر بالکل اندھیرا تھا۔ میں جب زمین پر اترا تو یہ ایک بڑے سے گاؤں کی گلی تھی۔ میرے دائیں بائیں سیمنٹ اور اینٹوں کی پختہ عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ تو میری خوش نصیبی تھی کہ میں کسی مکان کے صحن یا چھجے پر نہ گرا ورنہ...... میرے ساتھی بھی دائیں بائیں کود گئے تھے۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ گاؤں کے لوگ جاگ پڑے اور اندھیرے میں ہمارا تعاقب شروع ہو گیا۔ لوگ شور مچا رہے تھے اور ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا تھا۔ میں نے پیراشوٹ سے اپنے آپ کو آزاد کیا۔ اپنا ویپن لوڈ کیا اور پٹھو (Ruck Sack) کندھے پر رکھ کر کسی بھی ناگہانی صورت حال سے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے ملگجے اندھیرے میں دیکھا، ایک آدمی میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی لاٹھی وغیرہ تھی۔ میں نے فائر کرنا مناسب نہ سمجھا اور بھاگ کر ایک اور گلی میں چلا گیا۔ اس آدمی نے تعاقب جاری رکھا تو میں نے اپنی ایس ایم جی (SMG) اس کی طرف سیدھی کر دی اور تحکمانہ لہجے میں اسے خبردار کیا۔ وہ ایک نوجوان سکھ تھا۔ مشین گن کو دیکھ کر اور میرے تیوروں کا اندازہ کر کے وہ ٹھٹھک گیا اور جہاں تھا وہیں جم کے رہ گیا۔

ڈراپ زون میں

میں اب گاؤں سے نکل کر باہر کھیتوں میں آ گیا۔ کوئی درخت کے اوپر سے مجھے آواز دے رہا تھا۔ میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ یہ سپاہی علی احمد تھا۔ اس کا پیراشوٹ درخت کی شاخوں میں اٹکا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اسی کمپنی کا مشتاق بھی کہیں سے نکل آیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو انور بھی اپنی مشین گن کے ساتھ دکھائی دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہم پانچ ہو گئے۔ ہم نے علی احمد کو درخت پر سے اتارا اور دوسرے ساتھیوں کی تلاش کرنے لگے۔ میں بار بار آواز لگا رہا تھا: ''کوئی جانباز ہے؟ کوئی جانباز سن رہا ہے؟'' میں نے اپنی ٹارچ جلائی، لیکن کوئی اور نظر نہ آیا، البتہ گاؤں تقریباً سارا جاگ گیا تھا۔ کتوں نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ ہمارے دائیں بائیں گنے، مکئی اور کپاس کے کھیت پھیلے ہوئے تھے جو کافی اونچے اونچے تھے۔

ٹارگٹ کی طرف

آدھ گھنٹے تک میں تلاش کرتا رہا کہ کوئی اور ساتھی مل جائے۔ جب کوئی نہ ملا تو میں نے ایئر فیلڈ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ میں نے بیرنگ لی جو 63 ڈگری تھی۔ ہم بہت سے کھیتوں سے

گزر رہے تھے۔ شبنم گری ہوئی تھی اور بعض جگہ کھیتوں کو پانی دیا ہوا تھا۔ کئی کھالے اور نالیاں بھی تھیں، جن میں پانی چل رہا تھا۔ دراصل جس جگہ ہم نے ڈراپ ہونا تھا، یہ جگہ وہاں سے تقریباً دو میل دور تھی۔ ڈراپ کی یہ غلطی بالکل معمولی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ایک تو پاکستان فورسز کی طرف سے یہ پہلا آپریشنل ڈراپ تھا اور حقیقی دشمن کے علاقے میں کیا گیا تھا، دوسرے ڈراپ زون پر کوئی مارکنگ بھی نہیں تھی اور تیسرے اس علاقے کے بارے میں ہمیں پہلے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اندریں حالات ہم جس جگہ ڈراپ ہوئے، وہ حیرت انگیز طور پر عین پلان کے مطابق تھی اور یہ کارنامہ پاک فضائیہ کے کھاتے میں جاتا ہے۔ اگر ہمیں ایک گھنٹہ دیر نہ ہوئی ہوتی اور ہم منصوبے کے مطابق ڈراپ ہوتے تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔

کچھ دور آگے گئے تو ہمارے بائیں طرف سرچ لائٹ نظر آئی۔ پھر طیاروں کے انجنوں کی گڑگڑاہٹ اور مشینوں کا شور سنائی دینے لگا۔ ہم نے اپنا راستہ بدلا اور جدھر سے شور آ رہا تھا، اس سمت میں چلنا شروع کیا۔ تقریباً صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے جب ہم ہلواڑہ ایئر فیلڈ کے بیرونی جنگلے تک پہنچ گئے۔ ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ دشمن کا ایک بڑا ٹارگٹ ہمارے سامنے تھا۔ امید و بیم کے عالم میں ہم نے اگلی کارروائی کا سوچنا شروع کیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ایئر فیلڈ کے اندر کیسے داخل ہوا جائے؟...... اصل مسئلہ یہ تھا کہ ساری ٹیم کے پاس صرف تین وائر کٹر (تار کاٹنے والا آلہ) تھے۔ جنگلے کی تار کیسے کاٹی جائے؟ ہم میں سے کسی کے پاس وائر کٹر نہ تھا۔ کاش ہم سب کے پاس ایک ایک وائر کٹر ہوتا! ایئر فیلڈ کے جس فوٹو پر ہمیں بریفنگ دی گئی تھی اس میں یہ بیرونی جنگلا موجود ہی نہ تھا۔ یہ بعد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی اونچائی 14 فٹ تھی اور اوپر کا دو فٹ کا حصہ باہر کی طرف نکلا ہوا تھا۔ تاروں کی بُنت بہت گنجان اور ٹائٹ تھی۔ ہر طرف افقی، عمودی اور ترچھی تاروں کا جال تنا ہوا تھا اور زمین کا حصہ سیمنٹ کے چبوترے میں پیوست تھا۔ اس کے اوپر چڑھ کر دوسری طرف کودنا ممکن نہ تھا۔ اگر ہم ایک دوسرے کے اوپر بھی چڑھتے تو سارے کے سارے کیسے پار اترتے؟ ہم نے فیصلہ کیا کہ دائیں بائیں چل کر دیکھا جائے، کہیں کوئی خلا یا راستہ یا گیٹ تو ہوگا.......... ہم نے مغرب کی چلنا شروع کیا۔

پاک فضائیہ کا حملہ

تقریباً پانچ منٹ بعد ہمارے سروں کے اوپر نچلی پرواز کرتا ہوا سیاہ رنگ کا ایک

بمبار طیارہ نمودار ہوا۔ اس کی کوئی بتی روشن نہ تھی۔ بم گرنے شروع ہوئے۔ بھارت کی طیارہ شکن توپیں ابھی خاموش تھیں۔ جب یہ بمبار ٹھیک نشانے لگا کر واپس جا رہا تھا یہ توپیں جاگ اٹھیں، ہلواڑہ ایئر فیلڈ پر پاک فضائیہ کی اس شاندار کارکردگی کے ہم عینی شاہد تھے!

بھارت کی ان طیارہ شکن توپوں کے جاگنے کا فائدہ یہ ہوا کہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہم چاروں طرف سے ان توپوں میں محصور ہیں۔ اب صبح ہونے والی تھی اور پاک فضائیہ کے حملے سے ساری ایئر فیلڈ گویا بیدار ہو گئی تھی۔ چنانچہ اب ایئر فیلڈ کے اندر داخل ہونے کا کوئی سوال نہ تھا ...... ہم ٹارگٹ کو برباد کرنے میں ناکام ہو چکے تھے....... ہم نے فیصلہ کیا کہ اب بہترین راہ عمل یہ ہے کہ جلد سے جلد دشمن کے حصار سے دور نکل جائیں۔

طیارہ شکن توپوں کے گرداگرد جو زمینی دفاعی انتظامات ہوتے ہیں، ہمیں اب وہ بھی دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔ روشنی ہر لمحہ بڑھ رہی تھی۔ اتنے میں کسی کا پاؤں ایک ٹیلی فون تار پر آ گیا، لیکن دشمن کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ ہم ان دفاعی مورچوں سے تھوڑا سا باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے کھیتوں کی طرف سے دیہاتیوں کا ایک گروہ ہماری تلاش میں ادھر ادھر بھاگتا اور ہماری بو سونگھتا نظر آیا۔ ہم بھاگ کر صرف 100 گز دور واقع مکئی کے ایک کھیت میں چھپ گئے۔

پناہ گاہ میں

اب مکئی کا یہ کھیت ہماری پناہ گاہ تھی۔ یہاں سپاہی فیروز بھی ہم سے آ ملا۔ وہ بھی اسی گاؤں کے کسی مکان میں لینڈ ہوا تھا اور بھاگ کر یہاں چھپا ہوا تھا۔ اب ہم پانچ سے چھ ہو گئے تھے۔ ہم پچھلے 24 گھنٹوں سے جاگ رہے تھے۔ خیر یہ جاگنا تو کوئی زیادہ تھکا دینے والا فیکٹر نہ تھا۔ تاہم مندرجہ ذیل پہلوؤں کو ذرا نگاہ میں رکھئے:۔

1۔ گزشتہ رات ہم نے اپنا ساز و سامان اور ہتھیار پیک کئے تھے۔

2۔ رات کی تاریکی میں طیارے میں داخل ہوئے تھے، پیراشوٹ پہنے تھے اور ہارنس (Harness) میں سامان وغیرہ ہک (Hook) کیا تھا۔ یاد رہے کہ پیراشوٹ پہن کر آپ کی نقل و حرکت بہت آہستہ ہو جاتی ہے اور دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے۔

3۔ طیارے میں ہم ساتھ ساتھ مل کر اکڑوں ہو کر بیٹھے تھے جو ایک تھکا دینے والا عمل ہے۔

4۔ جمپ کرنے سے پہلے طیارے میں 15 منٹ تک کھڑے رہے تھے۔

5۔پھر جمپ کیا تھا، لینڈ کیا تھا۔ یہ عمل بجائے خود تکان آور ہے۔ بہت زیادہ امکان ہوتا ہے کہ آپ زمین پر لینڈ کرتے ہوئے زخمی ہو جاتے ہیں اور پھر خبر نہیں ہوتی کہ شمال کدھر ہے اور جنوب کدھر ہے۔ رات کی تاریکی ایک الگ عنصر ہے جو جسم و جاں کا سخت امتحان لیتی ہے۔

6۔پھر جب آپ دشمن کے کسی گاؤں میں لینڈ کریں، سویلین جاگ پڑیں اور ''ڈانگیں'' بندوقیں اور ٹوکے، گنڈا سے لے کر آپ کے در پے ہو جائیں، خونخوار کتے آپ کے پیچھے لگے ہوں تو آپ کے ہوش و حواس کی کڑی آزمائش ہوتی ہے۔

7۔اس کے بعد آپ نے مشن پورا کرنا ہوتا ہے، دراصل مشن سے پہلے آپ اتنے تھک جاتے ہیں کہ مشن کی تکمیل ایک بہت بڑا چیلنج بن جاتی ہے۔

تو یہ سب کچھ ہم پر گزر چکا تھا۔ مشن کی تکمیل میں ہماری ناکامی نے بھی ایک قسم کا ذہنی اضطراب پیدا کر دیا تھا۔ ایسی صورت حال میں مکئی کے جس کھیت میں ہم جا چھپے تھے، وہ کوئی ایسی ٹیکٹیکل پناہ گاہ نہ تھی۔ نہ آنے کا راستہ، نہ باہر نکلنے کا راستہ، نہ جنگل، نہ جھاڑیاں، نہ پہاڑی علاقہ، نالہ یا کھائی، ہر طرف ہموار اور ہرے بھرے آبادی والے علاقے، کچے پکے راستے اور سڑکیں ہر طرف پھیلی ہوئیں۔ ہماری سب سے اولیں دعا یہی تھی کہ کوئی ہمیں اس کھیت میں ڈھونڈ نہ نکالے۔ یہ ستمبر کا پہلا ہفتہ تھا۔ گرمی تھی اور مکئی کے کھیت کا حبس تھا جو دس بجے صبح سے لے کر پانچ بجے شام تک اگر ناقابل برداشت نہ تھا تو پریشان کن ضرور تھا۔ اوپر سورج چمک رہا تھا اور سائے کے لئے کوئی اوٹ میسر نہ تھی۔ ہم چھ آدمیوں کے پاس صرف پانی کی ایک چھاگل تھی۔ سپاہی فیروز کے پاس تین میٹھی روٹیاں اور میرے پاس تھوڑے سے ''ستو'' تھے..... تو یہ صورت حال کچھ زیادہ تسلی بخش نہ تھی۔

اب کیا کیا جائے؟

ہم اگرچہ سب شدید تکان کا شکار تھے لیکن سو کوئی بھی نہ سکا تھا۔ سورج نکلا تو ہمارے دائیں بائیں لوگ چلتے پھرتے اور باتیں کرتے نظر آئے۔ ایک طرف سے آواز آئی: ''پاکستانی پیراٹروپر فلاں گاؤں میں اترے تھے، ان میں سے دو کو تو پکڑ لیا گیا ہے لیکن بہت سارے ابھی ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں''۔ ...... یہ سن کر ہمارے حوصلے کچھ زیادہ مضبوط نہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد

ایک بوڑھا سکھ ہمارے نزدیک ہی گھاس کاٹنے بیٹھ گیا، لیکن اس نے ہمیں دیکھا نہیں۔ وہ شام تک وہیں گھاس کاٹتا رہا۔ جب وہ چلا گیا تو میں کھیت سے باہر نکلا، 600 گز سامنے ہلواڑہ ایئر فیلڈ کا بیرونی جنگلا نظر آ رہا تھا۔ سارے علاقے میں آرمرڈ گاڑیاں گشت کر رہی تھیں۔ ان کو ہماری تلاش تھی۔ وہ ہر آنے جانے والے دیہاتی کو روکتے اور ہمارے بارے میں پوچھتے۔ یہ سب کچھ میں دور سے دیکھ رہا تھا..........صورت حال خاصی گھمبیر تھی۔

میں نے اپنے ہتھیاروں اور آدمیوں کا جائزہ لیا۔ میرے ساتھ پانچ سپاہی تھے۔ ایک مشین گن (بمعہ دو بیلٹ)، ایک ایس ایم جی (بمعہ 300 راؤنڈ)، چار عدد ایم ون رائفلیں (بمعہ 80 راؤنڈ فی رائفل) ٹی این ٹی کے چار سلیب اور راشن وہی جس کا ذکر قبل ازیں کر چکا ہوں۔ سب کے سب تھکے ہوئے، میرا ٹخنہ زخمی، باقی ساتھیوں کا کچھ علم نہ تھا کہ کہاں اور کس حال میں ہیں۔ دشمن الرٹ ہو چکا تھا، وائرکٹر پاس نہ تھا، چاند پورا تھا اور صبح تین بجے جا کر غروب ہوتا تھا..........اندریں حالات میں نے فیصلہ کیا کہ مشن ترک کر کے جتنی جلد ہو سکے، واپس پاکستان پہنچا جائے۔

میں نے نقشہ نکالا، صورت حال کا جائزہ لیا اور واپسی کے امکانات پر غور وخوض کرنے لگا۔ ہلواڑہ ایئر فیلڈ کے شمال میں چار میل کے فاصلے پر ابوہر کینال تھی۔ ابوہر، فاضلکا کے نزدیک مشرقی پنجاب کا ایک بڑا قصبہ ہے۔ فاضلکا، پاک بھارت سرحد پر ہمارے شہر سلیمانکی کے سامنے واقع ہے، لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے ہمیں ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ پاکستان کو جانے والا سب سے کم فاصلے کا راستہ یہی تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ پہلے ابوہر کینال کو تلاش کریں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے فاضلکا کی طرف نکلنے کی کوشش کریں۔
ہم نے اللہ کا نام لے کر سفر شروع کیا اور آخر کار نہر کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

8 ستمبر

یہ دن بہت اہم اور بہت نازک تھا۔ ہماری میٹھی روٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ چھ آدمی اگر ایک ایک نوالہ بھی لیں تو ان سے کیا بنتا ہے۔ اب میرے "ستوؤں" کی باری تھی۔ ہم پانی میں ستو گھول کر پھیکا شربت بنا لیتے اور اپنی پیاس بجھا لیتے، لیکن دو پہر ہوئی تو بھوک نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔

سہ پہر کے تین بجے (1500 بجے) ہم نے دیکھا کہ جس کھیت میں ہم چھپے ہوئے ہیں، وہاں سے کچھ دور تین آدمی گاؤں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ انہوں نے شاید ہم میں سے کسی کو دیکھ لیا تھا، لیکن یہ صرف شک تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہم باہر نہیں نکلیں گے، یہیں چھپ کر انتظار کریں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہونے والا ہے۔ اس کے بعد جو بھی صورت حال ڈویلپ ہوگی، اس کے مطابق ردعمل کریں گے............دن کی روشنی میں اس کے سوا اور چارہ بھی کیا تھا؟

کچھ دیر بعد ادھیڑ عمر کا ایک سکھ کھیت کے اندر داخل ہوا اور بلند آواز میں بولنا شروع کیا۔ وہ کہہ رہا تھا: ''پاکستانی سپاہیو! ڈرو مت! ہم تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ کھیت سے باہر نکل آؤ اور ہتھیار ڈال دو۔ تم سب ہمارے گھیرے میں آچکے ہو''............میں نے اسے دیکھا تو اپنی ایس ایم جی کی نالی اس کی طرف کر دی، جسے دیکھ کر وہ کھیت سے نکل کر بھاگنے لگا۔ میری پارٹی فائر کے لئے تیار تھی لیکن میں نے سب کو مخاطب ہو کر اونچی آواز میں کہا: ''میری اجازت کے بغیر کوئی شخص فائر نہیں کھولے گا''۔ .....اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ایک نوجوان سکھ نے گرجدار آواز میں اعلان کیا: ''صرف آپ کا کمانڈر باہر آجائے اور سرنڈر کر دے تو ہم سب کو امان دے دیں گے، وقت ضائع نہ کرو''۔ ہم سب مسلح تھے اور جو ہتھیار اور اسلحہ بارود ہمارے پاس تھا، اس کی موجودگی میں سرنڈر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ جب تک ہمارا سارا ایمونیشن ختم نہ ہو جائے اور ہم مزید لڑنے کے قابل نہ رہیں، ہم میں سے کوئی ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ ہمیں اندازہ تھا کہ ہم کو بے بس کرنے کے لئے کم از کم ایک انفنٹری کمپنی (ریگولر انڈین آرمی کی) کی ضرورت تھی۔

یہ عزم کر کے میں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جنوب کی طرف پیش قدمی کرو۔ ہم نے اپنا سارا سامان اور گولہ بارود ساتھ لے لیا۔ صرف چھاگل اور چند ایک غیر ضروری چیزیں ہم نے ضائع کر دیں۔ ہم سب یونیفارم میں تھے۔ میرے جمپ بوٹ میرے ٹخنے کو تنگ کر رہے تھے۔ وہ میں نے اتار کر وہیں پھینکے اور پی ٹی شوز پہن لئے۔

اب ہم کھیت سے باہر نکل آئے تھے۔ سامنے دیکھا تو اڑھائی تین سو سکھ کرپانیں، لاٹھیاں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح کھڑے تھے۔ میں نے انہیں کہا: ''سردار جی! ہمارے نزدیک آنے کی کوشش نہ کرنا، اگر کسی نے ایسا کیا یا ہمارا پیچھا کیا تو سیدھا جہنم رسید کر دیا جائے

گا، ہم سب پاک فوج کے سپاہی ہیں۔ سکھ ہمارے دوست ہیں۔ ہماری جنگ سکھوں کے ساتھ نہیں، بھارت کے ہندوؤں کے ساتھ ہے"............در یں اثناء سپاہی انور نے اپنی مشین گن ان کی طرف کئے رکھی، اس پر سب خاموش ہو گئے اور ہم نے جنوب کی طرف سفر جاری رکھا۔ علاقہ بالکل صاف، ہموار اور کھلا تھا۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انور بھی واپس ہمارے ساتھ آن ملا۔ دو سکھ لڑکے جن کی عمریں 19,18 برس تھیں، سائیکل پر گاؤں کی طرف جاتے نظر آئے۔ میں نے ان کو روکا اور کہا: "گاؤں والوں کو جا کر بتاؤ کہ ہم ان کے دشمن نہیں، لیکن اگر انہوں نے ہم میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو سارا گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا"۔

ہم تھوڑی دور چلنے کے بعد مغرب کی طرف مڑ گئے۔ اب سورج غروب ہو رہا تھا۔ ایک بڑا سا گاؤں نظر آیا، جس کا نام "ہانس" تھا۔ وہاں سے چند رائفل فائروں کی آواز آئی۔ ہم گنے کے ایک کھیت میں چھپ گئے۔ ایک پولیس آفیسر کھیت کے باہر آن کھڑا ہوا۔ وہ اپنی پولیس پارٹی کو برا بھلا کہنے لگا: "او بے وقوفو! ان مسلمانوں نے تو کسی بھی سویلین پر ایک گولی نہیں چلائی، تم نے کیوں فائر کیا؟" پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوا اور بولا "سجنو اور دوستو! آپ لوگ چھ چھ چپاتیاں کھانے والے گھبرو ہو، بھوک پیاس سے مرنے کا کیا فائدہ؟ بھارت ایک بڑا ملک ہے۔ تم لوگ ہمارے علاقے میں ہو، بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ بہتر ہے، ہتھیار ڈال دو"۔..... مجھے علامہ اقبالؒ کا شعر یاد آ گیا۔

اے طائر لا ہوتی، اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لیکن خدا لگتی بات یہ ہے کہ اس شعر سے ہماری بھوک کم ہوئی نہ پیاس میں کمی آئی۔ سکھوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ ہم کینال کی طرف جا رہے ہیں۔ پولیس بھی اب ان کے ساتھ تھی، اس لئے میں نے کینال سے ہٹ کر سفر کرنا چاہا۔ میں نے جنوب کی طرف منہ کر لیا اور ہم کینال سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر چلنے لگے۔ راستے میں جگہ جگہ بہت سے گاؤں تھے اور کتوں نے بھونک بھونک کر ناک میں دم کر رکھا تھا۔ دور کہیں سے فائر کی آوازیں آئیں۔ میں نے سوچا شاید ہمارے کوئی اور ساتھی اس طرف آنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن بہر حال یہ قیاس ہی تھا۔ آگے چلے تو دھان کے کھیت آ گئے، یہاں گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا تھا، ہم یہاں سے گزرتے آگے بڑھے تو

رات گہری ہوگئی۔ایک سکوت سا فضا پر طاری ہوگیا۔ جلتے سورج کی تمازت کے بعد اب ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی تھی۔ سامنے گنے کے کھیت آ گئے۔ایک کنواں بھی ساتھ تھا۔ہم نے چند گنے توڑے اور ایک کھال کے کنارے بیٹھ کر لذت کام ودہن کا سامان کرنے لگے۔ہم کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ''وانسی گنے'' اتنے لذیذ، اتنے میٹھے، اتنے فرحت بخش اور اتنے کیف انگیز بھی ہوتے ہیں! چاند کی چاندنی چٹک رہی تھی، ماحول پر خاموشی طاری تھی اور صرف گنوں کو دانتوں سے کاٹنے اور پھر ''سوں سوں'' کر کے چوسنے کی آوازیں آ رہی تھیں!

9 ستمبر سے 14 ستمبر تک

9 سے 14 ستمبر تک چھ دن بنتے ہیں۔ان دنوں میں بہت سے واقعات پیش آئے۔ ان سب کو قلم بند کرنا چاہوں تو یہ مضمون بہت پھیل جائے گا، اس لئے چند چیدہ چیدہ واقعات کو بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

9 ستمبر کو ہم نے سفر جاری رکھا۔ مشرقی پنجاب کی ساری سڑکیں جنوب سے شمال کی طرف جاتی ہیں اور اچھی حالت میں ہیں۔ دوسرے زمین بہت زرخیز ہے اور تمام کھیتوں کا رقبہ اور شکل تقریباً ایک جیسی رکھی گئی ہے۔ان چیزوں نے ہمیں ڈائریکشن قائم رکھنے میں مدد دی۔اب کھیتوں کی بجائے ہم سرکنڈوں میں چھپ گئے۔مکئی کے کھیتوں سے یہ سرکنڈے تھوڑے سے آرام دہ تھے۔ بہت سی بھینسیں ادھر اُدھر گھاس چر رہی تھیں۔ ایک بھینس ہمیں دیکھ کر بدکی اور بھاگنے لگی۔ ایک سکھ چرواہے نے کہا: ''یہ بھینس کیوں بھاگی ہے۔کہیں کوئی مُسلا (مسلمان) تو آس پاس چھپا ہوا نہیں؟'' ہم سروٹوں میں بیٹھے محظوظ ہو رہے تھے۔ایک بوڑھے سکھ نے لڑکے کی بات سنی تو کہا: ''جنگ تو حکومتوں کی ہے، ہم نے لڑ کر کیا کرنا ہے''............گزشتہ روز ہم نے گاؤں والوں کو جو دھمکیاں دی تھیں، اس کا اثر ہو رہا تھا۔

10 ستمبر کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور حبس تھوڑا سا کم ہوگیا۔اس فضا میں مکئی کے کھیت میں چھپ کر گنڈیریاں چوسنے کا لطف دوبالا ہوگیا! شام کو ہم پناہ گاہ سے باہر نکلے تو ایک کچی سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پانی کے نلکے نصب تھے۔ پتہ نہیں، کس خدا کے بندے نے یہ کام کیا ہوا تھا! اس طرح پہلی بار پینے کا صاف پانی میسر آیا۔اب ہم

نے معمول بنالیا تھا کہ کسی گنے کے کھیت سے گنے توڑ کر پٹھو میں بھر لیتے تھے اور جب بھوک پیاس ستاتی تھی، انہیں نکال کر اپنا کام چلاتے تھے۔اس سڑک پر ہم نے پہلی بار ایک سول کار دیکھی ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس کو روک کر اس میں سوار ہوا جائے اور بارڈر کی طرف ریس لگا دی جائے لیکن یہ کار فراٹے بھرتی گزر گئی۔ چار دنوں سے ہمارا صرف گنڈیریوں پر گزارا تھا۔ اس لئے تھکاوٹ سی ہوگئی تھی ۔ اب تک ہم نے مکئی کے جتنے پودے دیکھے ان میں کوئی چھلی (بھٹہ) نہیں تھی۔ اب یکا یک ہمارے سامنے ایک ایسا کھیت نظر آیا، جس میں چھلیاں لگی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر ہم خوشی کے مارے پاگل ہوگئے۔ آس پاس کا علاقہ زیادہ آباد نہ تھا۔ چھلیاں توڑیں، ماچس نکالی، لکڑیاں جلائیں اور ہر ایک نے دیکھتے ہی دیکھتے چار چار چھلیاں پیٹ میں اتار لیں۔ ایک کھالے سے پانی پیا تو آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی..... پیٹ بھی کیا ظالم چیز ہے!

11 ستمبر کو بھی سرکنڈوں کے ایک جھنڈ میں رات گزاری۔ رات کا پچھلا پہر سرد ہوتا تھا اور نیند نہیں آتی تھی ۔ پہلے اور دوسرے پہر میں مچھروں کی یلغاریں تھیں۔ پھر جب سورج نکلتا تو چرواہے آجاتے۔ پھر گرمی اور حبس۔ ہم بڑی شدت سے سورج غروب ہونے کا انتظار کرتے۔ شام کو ہم آگے بڑھے تو مغرب کی سمت ایک بڑا سا نالہ جا رہا تھا جو ابوہر کینال سے نکلتا تھا۔ میں نے وردی اتار دی اور اسے خوب مل مل کر دھویا اور پھر گیلی گیلی پہن لی۔ کچھ دور آگے گئے تو ابوہر کینال پر چڑھ گئے۔ کوئی پل نہیں تھا۔ ہم نے جنوب کی طرف سفر جاری رکھا۔ ہماری قسمت اچھی تھی۔ تقریباً آدھی رات کے وقت ایک پل نظر آیا جو سنسان تھا۔ سڑک پر ایک سنگ میل نصب تھا، جس پر لکھا تھا: ''بگا پرانا 5 میل'' .... ہم نے سڑک عبور کرلی۔ یہ ہمارے اور بارڈر کے مابین ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اب ہمارے پاکستان پہنچنے کے امکانات زیادہ روشن ہو گئے تھے۔ یہی روڈ تھی جو فاضلکا کو جاتی تھی، لیکن اب ہماری قوت برداشت کم ہونے لگی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی کار یا جیپ قابو کی جائے اور اسکے ذریعے باقی سفر طے کیا جائے۔ ہم بگا پرانا پہنچے تو یہ ایک بڑا گاؤں تھا۔ ہم نے اسے جنوب کی طرف سے بازوکش کیا۔ اب دن نکل آیا تھا۔ ہم پھر مکئی کے ایک کھیت میں جا چھپے۔

12 ستمبر کو چاند کی 15 تاریخ تھی ۔ پہلے ہم چاند کی چاندنی میں راستہ تلاش کرلیا

کرتے تھے لیکن اب چاند دیر سے نکلنے لگا۔ اب چھلیاں بھی ختم ہوگئی تھیں ۔ بھوک پھر ستانے لگی۔ میں نے سپاہی سرور اور فیروز کو گاؤں کے ایک کھوکھے کی طرف بھیجا۔ وہ واپس آئے تو ان کے ہاتھوں میں ڈبل روٹی، بند اور بسکٹ تھے۔ دکاندار نے پیسے لینے سے انکار کر دیا اور کہا: ''فوجی جوانوں سے ہم پیسے نہیں لیتے، آپ تو دیش کے رکھوالے ہیں'' ....ہم شاید مسکرانا بھول گئے تھے۔ جب سپاہی سرور نے سکھ کھوکھے والے کا یہ فقرہ دہرایا تو سب کی باچھیں کھل اٹھیں۔ پہلی بار جب پیٹ میں بسکٹ اور بند اترے تو جو ''اطمینان قلب'' نصیب ہوا، اس کا اندازہ کچھ کم ہی لگا سکے!

13 ستمبر کی پناہ گاہ اب تک کی تمام پناہ گاہوں میں بہترین تھی۔ مکئی کے ایک کھیت میں بیری کا ایک بہت بڑا سا درخت تھا، ہم اس کے نیچے جا چھپے۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ کوٹ کپورا کا قصبہ اب یہاں سے آٹھ نو میل کے فاصلے پر ہوگا۔ یہ ایک بڑا قصبہ تھا، ہم نے اسے بازو کش کیا۔ راستے میں بہت سے سویلین پوچھتے: ''کون ہیں''؟ ہم جواب دیتے ''اپنے ہیں'' کچھ تو اس پنجابی لہجے کو سن کر اور کچھ ہمارے ہتھیار اور وردی دیکھ کر وہ لوگ مزید کچھ نہ پوچھتے۔

14 ستمبر کو ہم نے ایک گاڑی کو روکنے کی کوشش کی ۔لیکن پھر سوچا کہ یہ گاڑی چھ سات بندوں کو کیسے لے کر جائے گی۔ چھ سواریاں ہم خود تھیں اور کار وغیرہ میں بھی ایک دو سواریاں تو ضرور ہوں گی، اس لئے ہم کسی بڑی ویگن کی تلاش میں تھے۔ اتنے میں سامنے دیکھا تو فاضلکا کا سنگ میل نظر آیا۔ اس پر فاصلہ نہیں لکھا تھا۔ لیکن ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔

15 ستمبر

15 ستمبر کا دن نہایت اہم دن تھا۔ ہم سڑک سے صرف 200 گز دور کپاس کے ایک کھیت میں جا کر چھپ گئے۔ گنے نکالے، کمانڈو چاقو نکالے، گنڈیریاں بنائیں اور تھوڑی ہی دیر میں چھلکوں کا ڈھیر لگا دیا۔ ہم نے کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ گنڈیریاں چوسنے میں ایک خاص قسم کی مہارت حاصل کر لی تھی .....روز کا معمول جو تھا! شام کے پانچ بج رہے تھے۔ سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔ معاً ایک گھسیارے نے ہمیں دیکھ لیا، یہ ایک درمیانی عمر کا سکھ تھا۔ وہ گاؤں کی طرف بھاگا اور ہم اس کھیت سے نکل کر ایک اور کھیت کی طرف بھاگے اور اس میں جا کر چھپ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد درجنوں دیہاتی کھیتوں کی تلاشی لینے لگے۔ ایک پارٹی ہماری طرف بڑھی،

ہم تیار تھے۔ تقریباً دس قدم کی دوری پر وہ پارٹی رک گئی۔ ہمیں آواز آئی: ''ہمیں اطلاعات ملی ہیں کہ ''مسلے'' گنڈیریوں پر گزارہ کرتے رہے ہیں۔ وہ اس کپاس کی فصل میں نہیں چھپ سکتے۔ آؤ اس گنے کے کھیت میں جاتے ہیں،، وہ وہیں ہوں گے''۔..... یہ سُن کر ہماری جان میں جان آئی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ گزشتہ دس دنوں میں ہم نے کوئی ساٹھ ستر میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا۔ اتنا ہی فاصلہ ابھی اور تھا۔ شام ہونے میں ابھی وقت تھا۔ یہ ہمارا معمول تھا کہ ہم ہر شام سفر پر نکلنے سے پہلے خدا کے حضور سربسجود ہوتے۔ یہ کوئی باقاعدہ نماز باجماعت نہیں ہوتی تھی۔ مختلف لوگ اپنی اپنی جگہوں پر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ہمارے کپڑے بھی صاف نہیں ہوتے تھے اور ان میں ایک خاص قسم کی باس آتی رہتی تھی، لیکن آج نجانے کیوں میں نے سب کو'' درخواست'' کی کہ باجماعت نماز ادا کریں۔ ہم نے اس کھیت میں صف باندھی اور اللہ کے حضور جھک گئے۔ میں نے گڑگڑا کر دعا مانگی.......... ''اے پروردگار! اب ہماری سکت کم ہو رہی ہے۔ تو ہمیں یہاں تک بحفاظت لے آیا ہے، ہم گنہگاروں پر اپنا کرم فرما اور ہمیں جلد اپنے پیارے وطن پاکستان کی سرزمین تک جانے کی ہمت اور طاقت عطا کر''..... میں آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں یہ دعا مانگ رہا تھا اور آنکھیں تر تھیں۔ باقی سب لوگ'' آمین، آمین'' کہتے جاتے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ ان کی آوازیں بھی بھرائی ہوئی تھیں۔ میں نے دعا ختم کی، کچھ دیر خاموشی رہی، چند آنسو میری وردی کے دامن پر گرے اور پھر مجھے جیسے سکون سا آگیا ہو، جیسے کسی نے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہو!

یہ کٹھن کٹھن سی منزل ، یہ مری شکستہ پائی
میں تو تھک کے بیٹھ جاتا ، تیری یاد کام آئی

ہم نے نماز ادا کی اور سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ سات بج رہے تھے۔ میری ٹارچ کے سیل کمزور ہو چکے تھے اور رات کو لائٹ دکھا کر ہم کسی کار یا جیپ کو روک بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ ہتھیار بھی استعمال نہ کریں اور کوئی گاڑی ہاتھ لگ جائے۔ ہم منتشر ہو کر سڑک کے دونوں جانب چلنے لگے۔ دو گاڑیاں مخالف سمت سے آتی نظر پڑیں۔ کوٹ کپورا کی طرف سے آنے والی گاڑی کو روکنے کے لئے میں سڑک کے عین درمیان میں چلا گیا اور اسے ہاتھ سے رک جانے کا اشارہ کیا۔ دریں اثناء میں نے باقی ساتھیوں کو گھات کے انداز میں سڑک سے تھوڑا سا ہٹ کر ایک نالے میں چُھپ جانے کو کہا۔ یہ ساتھی گویا مجھے کور دے رہے تھے۔ گاڑی رکی تو

مجھے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ ایک فوجی جیپ تھی۔ میں نے جیپ رکتے ہی اپنی ایس ایم جی ڈرائیور کی پسلی میں چبھوتے ہوئے اونچی آواز سے کہا: "ہینڈز اَپ" ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص بھی نیچے اتر آیا۔ دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ اس دوران میرے ساتھی اوٹ سے نکل کر جیپ پر جھپٹے اور اس کی تلاشی لینی شروع کر دی کہ اس میں کوئی ہتھیار تو نہیں۔ سپاہی انور کو میں نے پہلے ہی بریف کر رکھا تھا۔ وہ ایک ٹرینڈ ڈرائیور تھا۔ دونوں جنگی قیدیوں کو میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ فیروز، علی احمد، اور سرور ان کے سینوں پر پستول تان کر بیٹھ گئے۔ مشتاق اور میں دونوں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر جا بیٹھے۔ یہ سی جے۔3(CJ-111) ماڈل کی جیپ تھی...........اگلے ہی لمحے ہم اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے!

اثنائے سفر ہم نے قیدیوں سے پوچھ گچھ جاری رکھی۔ ایک سگنل مین ڈرائیور تھا اور دوسرا کرافٹ مین فٹر۔ دونوں جالندھر سے فاضلکا جا رہے تھے۔ جہاں انہوں نے 26 بریگیڈ میں رپورٹ کرنی تھی۔ ڈرائیور بنگالی تھا، جبکہ دوسرا پنجابی۔ دونوں کے پاس 303 قسم کی رائفلیں تھیں جو جیپ میں رکھی ہوئی تھیں۔ جیپ کا پٹرول ٹینک فل تھا اور ۴ گیلن الگ جیری کینوں میں بھرا ہوا تھا۔ ہم نے دونوں قیدیوں کو بتا دیا تھا کہ انہوں نے کوئی ایسی ویسی حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ ان کی زندگی کا آخری لمحہ ہوگا۔ اب جیپ میں ہم آٹھ آدمی سوار تھے۔ کوئی اور گاڑی ہوتی تو انجن گرم ہو جاتا لیکن یہ جیپ ٹھیک ٹھاک چلتی رہی۔

کوٹ کپورا سے 21 میل دور ایک قصبہ آیا۔ اس کا نام مُکتسر تھا۔ ہم سب نے اسے "مختصر" سمجھا۔ حالانکہ وُہ مختصر نہیں تھا، ایک بڑا قصبہ اور ایک بڑی منڈی تھی۔ اس کے 16 میل بعد جلال آباد آ گیا۔ اب فاضلکا نزدیک آ رہا تھا۔

پشاور میں ہمیں جو بریفنگ دی گئی تھی اس کے مطابق فاضلکا میں کوئی انڈین آرمی نہیں تھی۔ لیکن ہمارے قیدیوں نے بتایا کہ کم از کم ایک انڈی پینڈ ینٹ انفنٹری بریگیڈ فاضلکا میں موجود ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ فاضلکا سے پانچ، چھ میل کی دوری پر دریائے ستلج بہتا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد دریا پر پہنچوں اور اسے عبور کر لوں۔ ہم نے جلال آباد میں رک کر پوچھا تھا کہ فاضلکا کے نزدیک دریا پر پیرا ملٹری فورس کی کونسی پوسٹ ہے۔ انہوں نے ہمیں انڈین آرمی کے سپاہی سمجھ کر بتایا کہ یہ فلاں سڑک کے کنارے فلاں دوری پر ہے...........ہم اب اس طرف جا

رہے تھے۔

تھوڑا آگے گئے تو ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آیا۔ چوکیدار سو رہا تھا۔ اسے میں نے جگایا اور پوچھا، بارڈر پوسٹ کس طرف ہے۔ اس نے کہا "فتو والا پوسٹ صاحب؟" .... میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے تقریباً دو میل کی دوری پر واقع ہے۔ ہم نے جیپ اس طرف موڑی۔ ٹائروں کے نشانات ادھر ہی جا رہے تھے۔ آگے جا کر دھندلی سی روشنی میں ایک قلعہ نما عمارت نظر آنے لگی دو سکھ این سی او ہانپتے کانپتے ہماری طرف بڑھے۔ ہم سب جیپ سے نیچے اتر آئے۔ میں نے پوچھا: "کدھر ہے آپ کی پوسٹ؟" انہوں نے سامنے اشارہ کیا۔ ہم نے جیپ آگے جا کر روک دی اور جیپ سے نیچے اترے۔

"میرا نام حوالدار پرتیم سنگھ ہے" ہمارا استقبال کرنے والے نے اپنا تعارف کروایا۔

"آپ کا کمانڈر کون ہے؟"

"انسپکٹر اوتار سنگھ"

"ہم ایک خفیہ مشن پر پاکستان جا رہے ہیں۔ ہم جالندھر سے آ رہے ہیں۔ بارڈر پار کرنے میں ہماری مدد کرو"

"آپ کتنے لوگ ہیں؟"

"آٹھ"

"ذرا یہاں ٹھہرو۔ میں بندوبست کرتا ہوں"۔

اتنے میں پرتیم سنگھ واپس آیا اور کہا: "میرا کمانڈر آپ سے ملنا چاہتا ہے"۔

میں نے دلیرانہ حامی بھر لی اور سپاہی سرور اور مشتاق کو لے کر کمانڈر کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔ ایک کمرے کے دروازے پر ایک کلین شیو شخص نے تعارف کروایا۔

"انسپکٹر اوتار"

"جے ہند، انسپکٹر صاحب! ہم ایک خفیہ مشن پر پاکستان جا رہے ہیں۔ ہمیں مہربانی کر کے جلد بارڈر پار کرواؤ۔"

"کیا میں آپ کی پے بک دیکھ سکتا ہوں؟" اوتار نے سوال کیا۔

"آفیسرز کی پے بک نہیں ہوتی۔"

"آپ کا شناختی کارڈ تو ہوگا۔"

"سوری! چونکہ ہمارا مشن خفیہ ہے، لہٰذا اس قسم کی کوئی چیز ہمارے پاس نہیں"

"لیکن میرے محکمے کی طرف سے مجھے آپ کے خفیہ مشن کی کوئی اطلاع نہیں۔"

"کیا آپ ایک آفیسر کی بات پر اعتبار نہیں کرتے؟"

اس پر اوتار اذرا معذرت خواہانہ رویئے میں بولا: "سر! مجھے کچھ اطلاع تو ہونی چاہئے تھی۔"

"دیکھیں آپ کے پاس نہ ٹیلی فون ہے اور نہ وائرلیس۔ اطلاع کیسے دیتے؟" میں نے دیکھ لیا تھا کہ ٹیلی فون کا کوئی کھمبا پوسٹ تک موجود نہیں۔ "سر! وائرلیس تو ہے ہمارے پاس"۔............ یہ سُن کر میرے ہوش اڑنے لگے اور میں نے سوچا اب قصہ ختم ہوا۔ اتنے میں سپاہی مشتاق جو سرور کو ساتھ لے کر جیپ کی طرف چل نکلا تھا۔ زور سے بولا: "اگر تم لوگوں نے ہمارے صاحب کو ہاتھ لگایا تو ایک گولی کے بدلے دس گولیاں کھاؤ گے۔"

میں نے مشتاق کو ڈانٹ کر کہا: "مشتاق! یہ پاکستانی سولجر نہیں۔ ہمارے اپنے بھائی ہیں۔ تم کیا بکے جا رہے ہو۔ منہ بند رکھو!" یہ سُن کر اوتار نے سوری کہا اور کمرے کے اندر چلا گیا۔ میں جیپ کی طرف بڑھا۔ گھڑی دیکھی تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ میں نے اپنی ٹیم کو آکر کہا: "جلدی کرو اور یہاں سے نکلو" خوش قسمتی سے ہمارے قیدیوں نے بھی ہم سے تعاون کیا تھا۔ وہ اگر ذرا سا بھی منہ کھولتے تو سارا کھیل بگڑ سکتا تھا۔ پاکستان جا کر ان کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کے وعدے اپنا کام دکھا گئے۔

آٹھ دس لمبے تڑنگے سکھ ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ ان سب کے پاس ہتھیار تھے۔ ہم شمال کی طرف بڑھنے لگے۔ ہمیں کسی نے روکا نہیں۔ آگے سرکنڈوں کے بوٹے تھے۔ ہم ان کی اوٹ میں ہو گئے اور فوراً سمت تبدیل کر کے شمال سے جنوب کی طرف چلنے لگے۔ ادھر بھی "سروٹوں" کا جنگل سا اگا ہوا تھا۔ تھوڑا سا آگے جا کر ہم نے پھر سمت تبدیل کی اور مغرب کی طرف چلنے لگے۔ اتنے میں ہمارے پیچھے زوردار دھماکہ ہوا۔ انڈین بارڈر پوسٹ نے اپنی ہی جیپ راکٹ مار کر اڑا دی تھی۔ پھر اگلے ہی لمحے ان کے سارے ہتھیار ہمارے اوپر فائر کرنے لگے۔

راکٹ، مارٹر اور مشین گنیں۔ لیکن وہ صرف ادھر فائر کئے جا رہے تھے، جہاں ہم پہلی بار سرکنڈوں میں غائب ہوئے تھے۔ میں نے کہا:" جلال آباد والوں نے کنفرم کر دیا ہوگا کہ یہ پاکستانی پیرا ٹروپر ہیں۔ ان کو جانے نہ دو "..........لیکن جسے اللہ رکھے ،اسے کون مارے؟..........ہمارے پیچھے یہ سارے بھارتی ہتھیار چلتے رہے اور ہم آگے ہی آگے چلتے رہے تا آنکہ ایک عجیب سی خوشبو نے ہم سب کے مشام جاں کو معطر کر دیا..........

پاک سرزمین شاد باد

ویسٹ پاکستان سٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ہم اب اپنی سرزمین پر چل رہے ہیں۔ میرے سارے بدن میں ایک سنسناہٹ سی دوڑنے لگی۔ ارد گرد وہی سرکنڈے اور جھاڑیاں تھیں، لیکن ان کی خوشبو مختلف تھی۔ آسمان پر آدھا چاند تھا اور ستارے وہی تھے لیکن ان کی چمک مختلف تھی۔ سب کچھ ہی مختلف تھا۔ یہی اختلاف تھا جو بھارت اور پاکستان کو جدا کرتا ہے، یہی تو دو قومی نظریہ تھا!

ہم آپس میں اونچی اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ دفعتہً سامنے سے کسی نے للکارا "ہالٹ"۔ میں نے کان لگا کر سنا، ان میں سے کوئی کسی کو کہہ رہا تھا": اوھلکا!" (یہ پشتو کا لفظ ہے جس کا معنی ہے اولڑکے! اور جو پاکستان میں عام بولا جاتا ہے۔) میں نے پوچھا: " کیا آپ پاکستانی ہیں؟ جواب ملا "ہاں"..........تو پھر خدا کے لئے ہم پر فائر نہ کرنا۔ ہم بھی پاکستانی ہیں۔"

یہ حوالدار سلیم اللہ کے آدمی تھے۔ سلیم اللہ نے اپنے جوانوں کو کہا: "فائر مت کرنا۔" پھر ہم نے ان سے کہا "ہم پاکستانی پیرا ٹروپر ہیں اور اپنا مشن مکمل کر کے واپس آ رہے ہیں۔ دس روز پہلے ہمیں بھارت کے عقب میں ڈراپ کیا گیا تھا۔"

یہ ایک معجزہ تھا۔ ہم نے شام کی نماز کے بعد دعا مانگی تھی پھر آدھ ہی گھنٹے بعد آٹھ بجے جیپ قبضے میں آگئی، 70 میل کا سفر کیا۔ اگر جیپ نہ ملتی تو دس دن اور واپسی میں لگتے۔ شاید

واپسی ہوتی بھی یا نہ ہوتی۔ لیکن اب دعا مانگنے کے صرف چھ گھنٹوں کے اندر اندر ہم پاک سرزمین پر تھے...........ہم ایک بار پھر سربسجود ہو گئے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

چھبیسواں باب

ضمیمہ جات

1۔ شہدائے ایس ایس جی (آفیسرز)

نمبر شمار	پی اے نمبر	رینک	نام	تاریخ شہادت	مقام شہادت
-1	6311	بریگیڈیئر	طارق محمود	29-5-89	گوجرانوالہ
-2	3923	لیفٹیننٹ کرنل	محمد سلیمان خان	1971ء	مشرقی پاکستان
-3	3940	میجر	محمد سرور	1965ء	جوڑیاں
-4	5045	کیپٹن	نثار احمد	1965ء	کشمیر
-5	5654	کیپٹن	محمد صادق	1965ء	جنڈیالہ
-6	6917	میجر	بلال احمد	1971ء	مشرقی پاکستان
-7	7005	میجر	اسد علی خان	1971ء	-
-8	7443	کیپٹن	محمد سکندر خان	1971ء	مشرقی پاکستان
-9	7677	کیپٹن	احمد ضیاء خان	1971ء	مشرقی پاکستان
-10	9029	کیپٹن	محمد عالم خان	-	-
-11	9101	کیپٹن	محمد سلیم	-	-
-12	13328	کیپٹن	محمد مسعود	1977ء	کوہستان ایریا

-13	13517	کیپٹن	اورنگ زیب	1977ء	منگلا
-14	13978	میجر	شوکت نذیر ہمدانی	1980ء	ڈیران پیک
-15	16586	لیفٹیننٹ	خالد بشیر خان	1979ء	ڈیران پیک
-16	17907	کیپٹن	محمد طارق محمود	1985ء	تربیلا
-17	19902	کیپٹن	سرفراز علی خان	1985ء	دوران ٹریننگ
-18	20756	کیپٹن	محمد اقبال خان	1987ء	سیاچن
-19	21106	کیپٹن	محمد اکمل	1986ء	CMH راولپنڈی
-20	21584	کیپٹن	سالک نواز چیمہ	1987ء	سیاچن
-21	26192	میجر	محمد سہیل عارف	1999ء	کارگل
-22	24832	کیپٹن	شیر رحمان	1992ء	دوران ٹریننگ
-23	26275	کیپٹن	فضل معبود	1994ء	سیاچن
-24	29942	کیپٹن	سعد سعود خٹک	1995ء	ملکہ پربت پیک
-25	33654	کیپٹن	محمد عمار حسین	1999ء	کارگل
-26	34511	کیپٹن	خرم حفیظ	1999ء	مین گیٹ چراٹ

2- شہدائے ایس ایس جی (جے سی اوز/این سی اوز/او آرز)

نمبر شمار	نمبر	رینک	نام	یونٹ	تاریخ شہادت
-1	PJO -170486	نائب صوبیدار	نذیر احمد	1 کمانڈو	7-9-65
-2	6252739	حوالدار	محمد ریاض	گروپ سگنل کمپنی	"
-3	3636389	"	محمد بشیر	1 کمانڈو	"
-4	3040925	"	عباس علی، تمغۂ جرات	"	"

-5	3444907	"	خان محمد	"	"
-6	2239065	نائیک	عدالت حسین	"	"
-7	2239942	"	شبیر حسین	"	"
-8	2339825	لانس نائیک	مختار احمد، تمغۂ جرات	"	"
-9	6363299	"	قمرالدین احمد	گروپ سگنل کمپنی	"
-10	3246841	"	مظفر خان، تمغۂ جرات	1 کمانڈو	"
-11	1243812	"	محمد اصغر	ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	15-11-65
-12	4133192	سپاہی	محمد سلیم	1 کمانڈو	20-8-65
-13	1250670	"	محمد رشید	2 کمانڈو	1-9-65
-14	7018158	"	منصف خان	1 کمانڈو	4-9-65
-15	2213539	"	محمد اسلم	1 کمانڈو	"
-16	2438660	"	محمد ایوب	"	"
-17	1244265	"	احمد شاہ	"	"
-18	1013546	"	محمد حلیم	"	7-9-65
-19	1018086	"	محمد اصغر	"	"
-20	1232089	"	محمد حسین	"	"
-21	1315268	"	محمد صادق	"	"
-22	2216311	سپاہی	محمد بخش	1 کمانڈو	7-9-65
-23	2437890	"	چمن میر شاہ	"	"
-24	2453425	"	حیدر گل	"	"
-25	6293364	"	فیروز علی	"	"
-26	1247479	"	مزمل حسین	"	9-9-65
-27	1250236	"	خان افسر	"	"

-28	PJO-190901	صوبیدار	اللہ دین	2 کمانڈو	28-3-71
-29	2663994	حوالدار	محمد صادق	"	"
-30	6262276	"	زرداد خاں	گروپ سگنل کمپنی	30-3-71
-31	1311562	"	خادم حسین	ڈیپو کمپنی	4-12-71
-32	1245724	"	عبدالغفور	2 کمانڈو	5-12-71
-33	6790374	"	عدالت خان	3 کمانڈو	8-12-71
-34	72129375	لانس حوالدار	محمد رفیق	2 کمانڈو	28-3-71
-35	2662751	نائیک کلرک	عبدالحق	3 کمانڈو	"
-36	6795243	نائیک	محمد اکبر	"	30-3-71
-37	2438641	"	عمر خان	2 کمانڈو	28-3-71
-38	1315454	"	محمود علی	3 کمانڈو	30-3-71
-39	1247463	"	کمال دین	"	4-12-71
-40	1248917	"	محمد نذیر	2 کمانڈو	"
-41	1252812	"	حمید خان	1 کمانڈو	"
-42	1250695	"	منظور الٰہی	"	14-12-71
-43	2657529	"	محبوب حسین	2 کمانڈو	8-7-73
-44	2659919	نائیک	خان اکبر	"	28-3-71
-45	2443513	لانس نائیک	ظفر علی	2 کمانڈو	28-3-73
-46	2227343	"	نثار احمد	"	"
-47	6271307	"	محمد یسین	گروپ سگنل کمپنی	"
-48	1318819	"	محمد دریز	2 کمانڈو	30-3-71
-49	6269835	"	محمد صدیق	"	"
-50	2225701	"	محمد رؤف خان	"	"

-51	2446317	"	مبارک حسین	"	"
-52	1259896	"	نواب علی	"	"
-53	1022618	"	اختر حسین	"	"
-54	2231613	"	انور حسین	3 کمانڈو	"
-55	2660516	"	محمد تاج	2 کمانڈو	16-10-71
-56	1318653	"	نور محمد	"	18-11-71
-57	1258923	"	محمد رفیق	"	4-12-71
-58	2442861	"	صحبت علی	1 کمانڈو	8-12-71
-59	1318442	"	نذر حسین حیدری	"	14-12-71
-60	1278633	"	ارسلا خان	2 کمانڈو	16-9-71
-61	2228249	"	محمد یونس	ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی	22-12-71
-62	2682357	سپاہی	میر ناظم شاہ	2 کمانڈو	28-3-71
-63	2469062	"	محمد امیر خان	"	"
-64	2461450	"	دوست محمد	"	"
-65	2244949	"	کریم اللہ	"	"
-66	2244971	"	منظور احمد	"	"
-67	1315895	"	خدا بخش	"	"
-68	1283929	سپاہی	محمد ظہور اختر	2 کمانڈو	28-3-71
-69	1278156	"	محمد ایوب	"	"
-70	1286937	"	امین زادہ	"	"
-71	1264165	"	امیر افضل	"	"
-72	1027917	"	فضل محمود	"	"
-73	1023648	"	غلام حسین	"	"

-74	1280158	"	محمد امین	"	"
-75	2464270	"	عرب خان	3 کمانڈو	30-3-71
-76	6268936	"	قطب نثار	گروپ سگنل کمپنی	3-11-71
-77	6283104	"	محمد اکبر	2 کمانڈو	3-3-71
-78	2688951	"	عبدالغفار	"	"
-79	2683845	"	سید بہرامند	3 کمانڈو	3-3-71
-80	1263239	"	محمد شاہ	"	"
-81	1319596	"	اصغر علی، تمغۂ جرات	1 کمانڈو	15-4-71
-82	1268888	"	خادم حسین	3 کمانڈو	19-4-71
-83	1330737	"	مہدی خان	"	"
-84	1320565	"	غفور احمد	2 کمانڈو	27-4-71
-85	6272634	"	محمد شفیق	3 کمانڈو	30-4-71
-86	6278457	"	عبدالروف	گروپ سگنل کمپنی	13-3-71
-87	1026185	"	محمد مقبول	2 کمانڈو	13-6-71
-88	1319754`	"	گستاسب خان	3 کمانڈو	9-8-71
-89	1274186	"	محمد یونس	2 کمانڈو	5-1-71
-90	1025130	"	فتح محمد	"	4-12-71
-91	1284428	"	محمد ناصر	"	"
-92	1287070	سپاہی	محمد گلفراز	2 کمانڈو	4-12-71
-93	1283068	"	خان گل ساغری	"	"
-94	1284537	"	راسق علی	"	"
-95	1269265	"	محمد مقبول	ٹی کمپنی	"
-96	1268177	"	نذر حسین	"	"
-97	1289881	"	غلام رسول	"	"

-98	1331218	"	شہادت خان	"	"
-99	6282245	"	نیاز احمد	"	"
-100	2234741	"	اورنگ زیب	"	"
-101	2684495	"	عابد علی	"	"
-102	2661277	"	امیر نواز خان	"	"
-103	2671819	"	نور محمد	2 کمانڈو	8-12-71
-104	2251715	"	بخت زمین	1 کمانڈو	14-12-71
-105	2677386	"	عبدالقیوم	"	"
-106	2445472	"	رحیم اللہ	2 کمانڈو	"
-107	6274486	"	مہر علی	گروپ سگنل کمپنی	4-12-71
-108	1276448	"	محمد خان	3 کمانڈو	15-12-71
-109	2468924	"	نور محمد	2 کمانڈو	28-3-71
-110	PJO-46491	نائب صوبیدار	محمد بشیر	3 کمانڈو	14-8-75
-111	6262068	حوالدار	ممریز خان	"	19-9-73
-112	2434783	"	محمد یعقوب	1 کمانڈو	28-4-76
-112	2227355	نائیک	ولی محمد	2 کمانڈو	18-12-73
-114	2225483	"	امیر افضل	3 کمانڈو	28-8-74
-115	1260626	"	محمد فراز	2 کمانڈو	18-2-77
-116	2678101	لانس نائیک	خان بادشاہ	1 کمانڈو	26-4-76
-117	6288107	سپاہی	محمد افضل	3 کمانڈو	18-12-73
-118	1283775	"	محمد علی	"	31-1-74
-119	2272669	"	عبدالکریم	"	28-8-74
-120	2474109	"	محمد رفیق	"	15-8-75

-121	1038447	"	امانت علی	1 کمانڈو	26-4-74
-122	1041805	"	محمد فریدوں	"	"
-123	2689510	"	عبداللطیف	2 کمانڈو	18-2-77
-124	2277196	"	قیس خان	3 کمانڈو	22-2-76
-125	1241661	حوالدار	خان محمد رازق	2 کمانڈو	23-7-74
-126	2449528	لانس نائیک	محمد اسلم	3 کمانڈو	8-12-72
-127	2513370	سپاہی	عبداللطیف	"	3-5-77
-128	6287710	"	کفایت حسین	"	10-6-77
-129	PJO-173940	نائب صوبیدار	غلام حسین	"	22-2-85
-130	PJO-160946	"	عبدالحمید، ایس بی ٹی	2 کمانڈو	4-3-86
-131	PJO-31408	"	عطا محمد، ستارہ جرات	1 کمانڈو	26-6-87
-132	6282546	حوالدار	مشتاق احمد، ٹی بی ٹی	گروپ سگنل کمپنی	6-7-85
-133	2694352	"	افتخار حسین، ٹی بی ٹی	2 کمانڈو	23-11-86
-134	1292252	"	کرم الٰہی	1 کمانڈو	21-5-87
-135	1037329	"	محمد شریف، تمغۂ جرات	3 کمانڈو	25-9-87
-136	1259520	"	عبدالرشید، ٹی بی ٹی	"	6-7-80
-137	6269883	"	محمد اصغر، ٹی بی ٹی	"	20-12-72
-138	1281924	لانس حوالدار	مظہر حسین شاہ، ٹی بی ٹی	3 کمانڈو	6-7-85
-139	2303212	نائیک	محمد اسمٰعیل	1 کمانڈو	26-6-87
-140	2296486	"	محمد انور، تمغۂ جرات	3 کمانڈو	24-9-87

141-	2519252	"	تضارب حسین، تمغۂ جرات	"	25-9-87
142-	2518792	"	محمد سلیم، تمغۂ جرات	"	"
143-	1366146	"	محمد ممتاز، تمغۂ بسالت	2 کمانڈو	"
144-	2977709	"	محمد اعظم	3 کمانڈو	11-3-91
145-	2443053	"	غلام علی	"	8-12-72
146-	2463823	"	عنایت شاہ	"	6-7-80
147-	2960563	لانس نائیک	محمد سعید، تمغۂ بسالت	"	6-7-85
148-	4150054	"	محمد نواز، تمغۂ بسالت	2 کمانڈو	24-11-86
149-	2974264	"	محمد فیاض، تمغۂ بسالت	1 کمانڈو	20-5-87
150-	2751806	"	محمد یعقوب، تمغۂ بسالت	"	29-5-87
151-	2523007	"	محمد یوسف، تمغۂ بسالت	2 کمانڈو	23-9-87
152-	2976547	"	محمد یونس، تمغۂ جرات	3 کمانڈو	"
153-	2790837	"	محمد رفیع، تمغۂ جرات	"	24-9-87
154-	2316491	"	جمیل احمد، تمغۂ جرات	"	"
155-	7763128	"	محمد افضل	1 کمانڈو	6-7-87
156-	6824733	سپاہی	لیاقت علی، تمغۂ بسالت	"	15-6-84
157-	2727257	"	عنایت اللہ، تمغۂ بسالت	"	17-8-84
158-	2534920	"	عبدالستار	3 کمانڈو	24-12-87
159-	1387188	"	نذر حسین، تمغۂ بسالت	"	22-2-85
160-	1059172	سپاہی	ریاست علی، تمغۂ بسالت	3 کمانڈو	6-7-85
161-	3024193	"	الطاف حسین، تمغۂ بسالت	2 کمانڈو	4-3-86
162-	3005299	"	فضل خان، تمغۂ بسالت	"	21-6-86

163-	3014044	"	محمد سلیم، تمغۂ بسالت	"	9-12-86
164-	3240819	"	محمد جاوید، تمغۂ بسالت	1 کمانڈو	16-12-86
165-	1377504	"	محمد فاروق اللہ	"	21-5-87
166-	2804839	"	محمد اکرم	"	"
167-	7338216	"	عبداللطیف	"	"
168-	2344412	"	اصغر علی	"	"
169-	2538427	"	محمد خلیل	"	29-5-87
170-	7095890	"	شیر علی، تمغۂ بسالت	"	23-6-87
171-	3032785	"	احمد بخش	"	25-6-87
172-	3005622	"	امانت علی	"	"
173-	1388707	"	نصر اللہ خان، تمغۂ بسالت	"	26-6-87
174-	2520950	"	جہان زیب، تمغۂ جرات	"	"
175-	3021195	"	اللہ یار خان، تمغۂ بسالت	"	"
176-	2325944	"	محمد شمشاد، تمغۂ بسالت	2 کمانڈو	23-9-87
177-	2836774	"	شوکت علی، تمغۂ جرات	3 کمانڈو	"
178-	2767537	"	بشیر احمد، تمغۂ جرات	"	24-9-87
179-	3307999	"	حضرت یوسف، تمغۂ جرات	3 کمانڈو	24-9-87
180-	2987728	سپاہی	محمد نواز، تمغۂ جرات	"	25-9-87
181-	2837638	"	حاضر شاہ	"	"
182-	2559935	"	محمد افضل، تمغۂ جرات	"	"

183-	1332981	"	منظور حسین، تمغۂ بسالت	2 کمانڈو	"
184-	3021676	"	عبدالرزاق، تمغۂ جرات	3 کمانڈو	"
185-	2356120	"	بدرالدین	"	11-3-91
186-	3035841	"	محمد منشاء	"	"
187-	2571270	"	محمد اقبال	"	"
188-	1061590	"	زری رحمان	"	"
189-	2814564	"	بشارت حسین	2 کمانڈو	16-7-91
190-	3027079	"	محمد غلام حسین	"	24-4-88
191-	1386852	"	عبدالغفار	"	25-4-88
192-	6265853	حوالدار	محمد اصغر علی	3 کمانڈو	20-12-72
193-	3064447	سپاہی	منیر احمد	"	"
194-	3326517	"	محمد ریاض	"	"
195-	2820311	حوالدار	محمد یونس تبسم	"	8-2-98
196-	3053394	نائیک	مشتاق میاں	1 کمانڈو	19-8-98
197-	306865	لانس نائیک	جاوید اقبال	"	"
198-	1391207	نائیک	محمد حفیظ	3 کمانڈو	12-6-99
199-	3458957	سپاہی	عباس علی	1 کمانڈو	8-7-99
200-	PJO-220031	نائب صوبیدار	شمس القمر	"	5-7-99
201-	3061862	نائیک	محمد شبیر	"	"
202-	2974058	حوالدار	محمد انور	2 کمانڈو	13-4-94
203-	3648494	نائیک	ارشاد حسین	گروپ سگنل کمپنی	8-7-99
204-	2357802	سپاہی	محمد رفیق	3 کمانڈو	23-11-88

205-	3242583	"	محمد حسین	"	"
206-	3635409	"	منظور شاہ	گروپ سگنل کمپنی	12-12-91
207-	2303291	حوالدار	شیر علی خان	1 کمانڈو	20-3-91
208-	3060569	سپاہی	ضمیر احمد	3 کمانڈو	26-7-92
209-	2316796	نائیک	احمد خان	1 کمانڈو	20-6-93
210-	2819820	لانس نائیک	جنت حسین	"	10-5-96
211-	2987842	حوالدار	فضل حسین	3 کمانڈو	13-2-98
212-	2382034	سپاہی	شفیع اللہ	1 کمانڈو	30-4-98
213-	3326477	لانس نائیک	مامون الرحمٰن	2 کمانڈو	15-8-99
214-	PJO-171730	صوبیدار	نذیر خان	1 کمانڈو	20-6-80
215-	PJO-172263	نائب صوبیدار	غلام رسول	3 کمانڈو	8-12-72
216-	PJO-174694	نائب صوبیدار	محمد شفیق	"	18-8-88
217-	2686386	حوالدار	میر بادشاہ	ضرار کمپنی	20-10-85
218-	2481030	لانس حوالدار	عباس خان	1 کمانڈو	23-10-86
219-	7029473	لانس حوالدار	جاوید اختر	گروپ سگنل کمپنی	2-3-73
220-	6295953	نائیک	عابد خان	"	23-10-86
221-	2974877	"	ممتاز حسین شاہ	1 کمانڈو	25-8-89
222-	2306896	"	محمد یونس	3 کمانڈو	9-3-90
223-	6283435	"	محمد اسرائیل	گروپ سگنل کمپنی	18-8-79
224-	6289756	نائیک	محمد الیاس	گروپ سگنل کمپنی	24-4-84
225-	2680862	{{	علی بہادر	1 کمانڈو	17-9-80

-226	1280358	''	محمد افضل	''	24-8-81
-227	2536436	لانس نائیک	اصغر علی	''	30-1-91
-228	1376992	''	امیر سلطان	2 کمانڈو	23-8-88
-229	2484062	''	محمد اسلم	''	26-9-79
-230	1237540	''	محمد ایوب	''	16-3-67
-231	3003732	سپاہی	محمد صدیق	''	23-7-87
-232	2370481	''	ظفر اقبال	1 کمانڈو	7-7-89
-233	3439272	''	عبدالکریم	''	''
-234	2537474	''	محمد لطیف	''	20-8-89
-235	6319766	''	سراج الحق	گروپ سگنل کمپنی	25-8-89
-236	3012762	''	بشیر احمد	1 کمانڈو	13-2-90
-237	3050963	''	نصیر احمد	2 کمانڈو	11-10-90
-238	7329209	''	محمد شبیر	1 کمانڈو	9-7-89
-239	3300185	''	عبدالرزاق	''	15-8-87
-240	2487978	''	بشارت علی	''	16-9-75
-241	2987609	''	عبدالخالق	''	19-7-83
-242	2514708	''	شیر افضل	2 کمانڈو	26-9-79
-243	3010200	''	محمد یوسف	''	21-8-86
-244	3634766	''	امتیاز حسین شاہ	گروپ سگنل کمپنی	7-7-91
-245	1380285	''	محمد الطاف	ضرار کمپنی	2-4-91
-246	2753658	''	یوسف خان	2 کمانڈو	5-5-92
-247	2583289	''	محمد جاوید	''	''
-248	2740418	لانس نائیک	مشل خان	3 کمانڈو	22-10-92

249-	PJO-5203	صوبیدار	عبدالغفار	3 کمانڈو	11-9-79
250-	1038736	لانس نائیک	زرو علی خان	ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	15-7-82
251-	2505797	سپاہی	محمد اسحاق	3 کمانڈو	27-11-80
252-	1036701	"	شکیل احمد	"	28-7-76
253-	2573265	"	رمضان علی	1 کمانڈو	6-7-93
254-	1707294	"	محمد شبیر	ضرار کمپنی	24-12-94
255-	1704817	"	اعجاز احمد	موسیٰ کمپنی	13-2-94
256-	3642069	"	سلطان محمد	2 کمانڈو	27-11-94
257-	6317445	حوالدار	لیاقت علی	پی ٹی ایس	"
258-	1399314	لانس نائیک	شمشاد علی	3 کمانڈو	4-6-95
259-	3072367	سپاہی	محمد مبارک احمد خان	ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	14-6-97
260-	2597510	"	محمد امتیاز	2 کمانڈو	28-1-97
261-	3329303	"	دوست علی شاہ	"	20-4-98
262-	2381174	"	محمد رزاق	پی ٹی ایس	15-8-98
263-	2378477	لانس نائیک	شاہد محمود منہاس	3 کمانڈو	30-5-2001
264-	3096987	سپاہی	محمد وارث	1 کمانڈو	9-7-2001
265-	2591922	نائیک	محمد اعجاز	"	1-1-2002
266-	4313065	سپاہی	سرفراز خان	3 کمانڈو	8-1-2002
267-	2574589	حوالدار کلرک	جمیل احمد خان	ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	10-4-2003
268-	3337887	سپاہی	محمد فروش	2 کمانڈو	9-1-2003
269-	3667986	"	بشارت علی	گروپ سگنل کمپنی	20-4-2003

3۔ ایوارڈ یافتگان (ایس ایس جی)

(ہلال جرأت)

نمبر شمار	آرمی نمبر	رینک	نام	تاریخ ایوارڈ
1-	PA-20756	کیپٹن	محمد اقبال خان، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-1988

(ستارۂ جرأت)

نمبر شمار	آرمی نمبر	رینک	نام	تاریخ ایوارڈ
1-	PA-5045	کیپٹن	نثار احمد انجینئرز 3 کمانڈو بٹالین	21-9-65
2-	PA-5654	,,	محمد صادق، آرٹلری، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	21-9-65
3-	PA-5274	میجر	شمیم عالم خان آرمرڈ کور 3 کمانڈو بٹالین	دسمبر 1965ء
4-	PA-5567	,,	بلال امین بابر، انجینئرز 2 کمانڈو بٹالین	دسمبر 1965ء
5-	PA-5521	کیپٹن	طارق رفیع، سگنلز، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	دسمبر 1965ء
6-	PA-6311	,,	طارق محمود، بلوچ، 2 کمانڈو بٹالین	دسمبر 1965ء
7-	PA-4941	میجر	کے.جی.بٹ، انجینئرز، 1 کمانڈو بٹالین	23-3-66
8-	PA-5953	,,	سید حضور حسنین، بلوچ 1 کمانڈو بٹالین	22-3-66
9-	PJO-5981	صوبیدار	اللہ دتہ انجینئرز، 1 کمانڈو بٹالین	23-3-66
10-	PA-5683	کیپٹن	نصر اللہ خان، ایف ایف، 2 کمانڈو بٹالین	14-8-66
11-	PA-7280	میجر	محمد افضل جنجوعہ، پنجاب، 1 کمانڈو بٹالین	7-12-71
12-	PSS-9028	کیپٹن	اختر قادر، آرمرڈ کور، 2 کمانڈو بٹالین	7-12-71
13-	PJO-17665	نائب صوبیدار	غلام حسین بلوچ، 2 کمانڈو بٹالین	7-12-71
14-	PA-6311	میجر	طارق محمود بلوچ، 2 کمانڈو بٹالین	7-12-71
15-	PA-7868	کیپٹن	ارجمند ملک، بلوچ، 2 کمانڈو بٹالین	18-2-72

-16	PA-9028	کیپٹن	عبدالقادر، آرمرڈ کور، 2 کمانڈو بٹالین	18-2-72
-17	PA-6917	میجر	بلال احمد، ایف ایف، 2 کمانڈو بٹالین	16-12-71
-18	PA-5342	لیفٹیننٹ کرنل	پیرداد خان، بلوچ، 2 کمانڈو بٹالین	27-12-71
-19	PA-3930	"	محمد حنیف ملک، بلوچ، 2 کمانڈو بٹالین	27-12-71
-20	PA-6745	میجر	عبدالقادر، سگنلز، سگنل کمپنی	27-12-71
-21	PA-19051	کیپٹن	راشد احمد ملک، پنجاب، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
-22	PA-21584	کیپٹن	سالک نواز چیمہ، آرٹلری، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
-23	PJO-31408	نائب صوبیدار	عطا محمد، اے ایس سی، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
-24	2969024	نائیک	محمد یعقوب، آرٹلری، 2 کمانڈو بٹالین	14-8-89
-25	PA-16250	میجر	عبدالرحمن بلال، پنجاب، بی ایم 323 بریگیڈ (سابق ایس ایس جی)	23-3-90
-26	PA-17457	لیفٹیننٹ کرنل	خالد نذیر، ایف ایف، 12 این ایل آئی (سابق ایس ایس جی)	14-8-99
-27	PA-33654	کیپٹن	محمد عمار حسین، ایف ایف، 1 کمانڈو بٹالین	14-8-99

(تمغۂ جرات)

-1	3234473	حوالدار	لال خان، 19 بلوچ	1959ء
-2	3534620	"	شہزادہ خان، ایف ایف، 2 کمانڈو بٹالین	21-9-65
-3	6263292	لانس نائیک	عبدالعلی، سگنلز، گروپ سگنل کمپنی	21-9-65
-4	3040925	حوالدار	عباس علی بلوچ، 1 کمانڈو بٹالین	23-2-66
-5	3539119	حوالدار	پیر بادشاہ، ایف ایف، 1 کمانڈو بٹالین	23-3-66

6-	3246841	لانس نائیک	مظفر خان بلوچ،1 کمانڈو بٹالین	23-3-66
7-	2339825	"	مختار احمد، پنجاب،1 کمانڈو بٹالین	23-3-66
8-	1248586	سپاہی	شیر علی، آرٹلری 1 کمانڈو بٹالین	23-3-66
9-	1013546	"	محمد حلیم، آرمرڈ کور 1 کمانڈو بٹالین	23-3-66
10-	2439635	"	شاہنواز خان، بلوچ،1 کمانڈو بٹالین	23-3-66
11-	PJO-30403	صوبیدار	منظور حسین، اے ایس سی،2 کمانڈو بٹالین	14-8-66
12-	4130882	حوالدار	نذیر محمد خان، بلوچ،2 کمانڈو بٹالین	14-8-66
13-	2339234	نائیک	میر اکبر خان، پنجاب،2 کمانڈو بٹالین	14-8-66
14-	2243601	سپاہی	غلام حسین، پنجاب،1 کمانڈو بٹالین	7-12-71
15-	6272256	سپاہی	عبدالحمید، سگنلز،1 کمانڈو بٹالین	7-12-71
16-	1319596	"	اصغر علی، انجینئرز،1 کمانڈو بٹالین	7-12-71
17-	2221972	نائیک	صابر حسین، پنجاب،2 کمانڈو بٹالین	16-12-71
18-	2444495	لانس نائیک	فقیر محمد، بلوچ،2 کمانڈو بٹالین	16-12-71
19-	2469303	سپاہی	جہانگیر خان، بلوچ،2 کمانڈو بٹالین	16-12-71
20-	6267737	لانس نائیک	اسلم خان، بلوچ،2 کمانڈو بٹالین	16-12-71
21-	2429256	حوالدار	بوستان خان، بلوچ،3 کمانڈو بٹالین	3-12-71
22-	1250938	نائیک	عبدالغنی، آرٹلری،3 کمانڈو بٹالین	3-12-71
23-	2221913	"	فضل حسین، پنجاب،3 کمانڈو بٹالین	4-12-71
24-	1320351	سپاہی	نصراللہ خان، انجینئرز،3 کمانڈو بٹالین	4-12-71
25-	2661650	سپاہی	محبوب خان، ایف ایف 3 کمانڈو بٹالین	14-4-72

26-	PTC - 116607	کیپٹن	آفتاب احمد، اے ایم سی، 3 کمانڈو بٹالین	14-4-72
27-	1037329	حوالدار	محمد شریف، آرمرڈ کور، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
28-	2296486	نائیک	محمد انور، پنجاب، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
29-	2518792	"	محمد سلیم، بلوچ، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
30-	2519252	"	تضارب حسین، بلوچ، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
31-	2520950	"	جہاں زیب، بلوچ، 1 کمانڈو بٹالین	23-3-88
32-	2790837	لانس نائیک	محمد رفیع، اے کے، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
33-	2976547	"	محمد یونس، آرٹلری، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
34-	2559935	سپاہی	محمد افضل، بلوچ، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
35-	2316491	لانس نائیک	جمیل احمد، پنجاب، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
36-	2767537	سپاہی	بشیر احمد، ایف ایف، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
37-	2836774	"	شکور علی، بلوچ، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
38-	2837638	"	حاضر شاہ، بلوچ، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
39-	2987728	"	محمد نواز، آرٹلری، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
40-	2021676	"	عبدالرزاق، آرٹلری، 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
41-	3307999	"	حضرت یوسف ایف ایف 3 کمانڈو بٹالین	23-3-88
42-	3061862	نائیک	محمد شبیر حسین، سگنلز، 1 کمانڈو بٹالین	14-8-99
43-	3458957	سپاہی	عباس علی، سندھ، 1 کمانڈو بٹالین	14-8-99
44-	3648494	لانس نائیک	ارشاد حسین، سگنلز، گروپ سگنل کمپنی	23-3-2000

(ستارۂ بسالت)

1- PA-6706 کیپٹن جاوید عزیز، 1 کمانڈو بٹالین 23-3-69

2- PJO-178537 صوبیدار محمد اکبر 1 کمانڈو بٹالین 16-10-65

3- PA-6792 کیپٹن مہدی حسن، 2 کمانڈو بٹالین 23-3-70

4- PSS-9029 " محمد عالم خاں، 2 کمانڈو بٹالین 23-3-76

5- PSS-13978 " شوکت نذیر ہمدانی، 3 کمانڈو بٹالین 23-3-81

6- PA-6311 کرنل طارق محمود، 3 کمانڈو بٹالین 23-3-85

7- PA-19902 کیپٹن سرفراز علی خان، 1 کمانڈو بٹالین 23-3-86

8- PA-17907 " محمد طارق محمود، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی 23-3-85

9- PJO-160946 نائب صوبیدار عبدالحمید، 2 کمانڈو بٹالین 4-3-86

10- 6287926 حوالدار لیاقت حسین، گروپ سگنل کمپنی 23-3-88

11- 2357802 سپاہی محمد رفیق، 3 کمانڈو بٹالین 14-8-89

12- 3442583 سپاہی محمد حسین، 3 کمانڈو بٹالین 14-8-89

13- PSS-23613 کیپٹن طارق محمود خان، ضرار کمپنی 23-3-94

14- PSS-24498 " ارشد عدنان، ضرار کمپنی 23-3-94

15- PA-9025 بریگیڈیئر محمد نذیر، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی 14-8-94

16- PSS-26192 میجر محمد سہیل عارف، 3 کمانڈو بٹالین 14-8-99

(تمغۂ بسالت)

-1	PA-3215	میجر	ای ایچ ڈار، پنجاب، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	23-3-65
-2	PA-5122	"	عبدالرؤف، بلوچ، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	23-3-65
-3	1237540	لانس نائیک	محمد ایوب، آرٹلری، 3 کمانڈو	23-3-69
-4	PA-5807	میجر	ہدایت اللہ جان، بلوچ، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	17-12-71
-5	2225483	نائیک	امیر افضل، پنجاب، 3 کمانڈو	23-3-76
-6	2402570	"	محمد مظفر، بلوچ، 2 کمانڈو	23-3-76
-7	7032003	لانس نائیک	صادق اکبر، ای ایم ای، 3 کمانڈو	15-7-72
-8	1267502	نائیک	مشتاق احمد، آرٹلری، 2 کمانڈو	23-3-77
-9	PA-13350	کیپٹن	منصور منظور، آرٹلری، 3 کمانڈو	14-8-77
-10	2301718	لانس نائیک	جاوید خان، پنجاب، 3 کمانڈو	14-8-77
-11	1038643	"	عمر خاں، آرمرڈ کور، 3 کمانڈو	14-8-77
-12	2966860	سپاہی	ریشم خان، آرٹلری، 3 کمانڈو	14-8-77
-13	PA-13978	کیپٹن	شوکت نذیر ہمدانی، بلوچ، 3 کمانڈو	23-3-79
-14	PA-13145	میجر	اختر سلطان، ایف ایف، پیرا اسکول	23-3-81
-15	1259520	حوالدار	عبدالرشید، آرٹلری، 3 کمانڈو	23-3-81
-16	2463823	نائیک	عنایت شاہ، بلوچ، 3 کمانڈو	23-3-81

17-	PA-9044	لیفٹیننٹ کرنل	غلام اکبر بلوچ، پنجاب 1 کمانڈو	14-8-84
18-	PA-18510	کیپٹن	ظہور احمد، بلوچ، 1 کمانڈو	14-8-84
19-	6824733	سپاہی	لیاقت علی، اے ایم سی، 1 کمانڈو	14-8-84
20-	PJO-173940	نائب صوبیدار	غلام حسین، بلوچ، 3 کمانڈو	23-3-85
21-	2694270	نائیک	محمد ارشد، ایف ایف، 1 کمانڈو	23-3-85
22-	2727257	سپاہی	عنایت اللہ، اے کے، 1 کمانڈو	23-3-85
23-	1387188	"	نذر حسین، انجنیئر ز، 3 کمانڈو	23-3-85
24-	PSS-14322	میجر	گل محمد خان، بلوچ، 2 کمانڈو	14-8-85
25-	2691665	نائیک	محمد شہباز، ایف ایف، 2 کمانڈو	14-8-85
26-	6282546	حوالدار	مشتاق احمد، 3 کمانڈو	14-8-85
27-	1281924	لانس حوالدار	مظہر حسین، آرٹلری، 3 کمانڈو	14-8-85
28-	2960563	لانس نائیک	محمد سعید، آرٹلری، 3 کمانڈو	14-8-85
29-	1059172	سپاہی	ریاست علی، آرمرڈ کور، 3 کمانڈو	14-8-85
30-	PA-18978	کیپٹن	سید اطہر علی نقوی، بلوچ، 2 کمانڈو	23-3-86
31-	3024193	سپاہی	الطاف حسین، آرٹلری، 2 کمانڈو	14-8-86
32-	PA-20020	کیپٹن	عابد علی شاہ، بلوچ، 2 کمانڈو	23-8-87
33-	PSS-116716	"	عبدالجبار بھٹی، اے ایم سی، 1 کمانڈو	23-8-87
34-	PA-21106	"	محمد اکمل خان، اے ایس سی، 2 کمانڈو	23-8-87
35-	1395427	سپاہی	عبدالرحمن، انجینئر ز، 2 کمانڈو	23-8-87

-36	3005299	،،	فضل خان، آرٹلری، 2 کمانڈو	23-8-87
-37	6287776	لانس	نذیر احمد، سگنلز، 2 کمانڈو	14-8-87
		حوالدار		
-38	2694352	حوالدار	افتخار حسین، ایف ایف، 2 کمانڈو	14-8-87
-39	4150054	لانس	محمد نواز، انجینئرز، 2 کمانڈو	14-8-87
		نائیک		
-40	2974264	،،	محمد فیاض، آرٹلری، 1 کمانڈو	14-8-87
-41	3240819	سپاہی	محمد جاوید، اے کے، 1 کمانڈو	14-8-87
-42	3014044	،،	محمد سلیم، آرٹلری، 2 کمانڈو	14-8-87
-43	1366148	نائیک	محمد ممتاز، انجینئرز، 2 کمانڈو	14-8-87
-44	2523007	لانس	محمد یوسف، بلوچ، 2 کمانڈو	14-8-87
		نائیک		
-45	1382981	سپاہی	منظور حسین، انجینئرز، 2 کمانڈو	14-8-87
-46	1388707	،،	نصر اللہ خان، انجینئرز، 1 کمانڈو	14-8-87
-47	2325944	،،	محمد شمشاد، پنجاب، 2 کمانڈو	23-3-88
-48	2321195	،،	اللہ یار خان، آرٹلری، 2 کمانڈو	23-3-88
-49	7095890	،،	شیر علی ای ایم ای، 1 کمانڈو	23-3-88
-50	6322828	لانس	برکت علی، سگنلز، گروپ سگنل کمپنی	23-8-88
		نائیک		
-51	PJO	نائب	عبدالرشید خان، بلوچ، 3 کمانڈو	23-8-88
	-174752	صوبیدار		
-52	PA-13180	میجر	منصور اقبال، سندھ، ضرار کمپنی	14-8-89
-53	3636409	سپاہی	منظور حسین شاہ، سگنلز، گروپ سگنل کمپنی	23-3-93
-54	PA-17998	میجر	لیاقت علی، پنجاب، 3 کمانڈو	23-3-94

-55	PJO-175979	نائب صوبیدار	محمد اختر، بلوچ، ضرار کمپنی	23-3-94
-56	PJO-186528	’’	محمد یعقوب، سگنلز، ضرار کمپنی	23-3-94
-57	1045743	حوالدار	واجد حسین، آرمرڈ کور، ضرار کمپنی	23-3-94
-58	PSS-26275	کیپٹن	فضل معبود، اے کے، 2 کمانڈو	14-8-95
-59	1399314	لانس نائیک	شمشاد احمد، انجینئرز، 3 کمانڈو	14-8-96
-60	PA-24842	میجر	غلام ربانی، بلوچ، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	14-8-97
-61	PA-31561	کیپٹن	کرار حسین، پنجاب، 1 کمانڈو	14-8-97
-62	3042152	لانس نائیک	محمد نذیر، آرٹلری، 1 کمانڈو	14-8-97
-63	3045455	’’	محمد لطیف، آرٹلری، 1 کمانڈو	14-8-97
-64	3044407	’’	محمد احمد، آرٹلری، 2 کمانڈو	23-3-97
-65	1391207	نائیک	محمد حفیظ، انجینئرز، ضرار کمپنی	14-8-99
-66	3231126	حوالدار	ولائت خاں، 1 کمانڈو	23-3-2000
-67	3326477	لانس نائیک	مامون الرحمن، 2 کمانڈو	23-3-2000
-68	3328590	’’	امان اللہ، 2 کمانڈو	23-3-2000

(تمغۂ پاکستان)

-1	PA-649	لیفٹیننٹ کرنل	ابوبکر عثمان مٹھا، بلوچ، ہیڈکوارٹر ایس ایس جی	1959ء

(تمغۂ قائدِ اعظم)

1- PA-4095 میجر عبدالشکور جان، ایف ایف، 19 بلوچ ایس ایس جی 7-10-59

(ہلالِ شجاعت)

1- PA-6311 بریگیڈئیر طارق محمود، بلوچ، ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی 14-8-90

تمغۂ امتیاز (ملٹری)

1- PA-17585 لیفٹیننٹ کرنل محمد عابد نواز، ٹی۔ بی ٹی، ایف ایف، 2 کمانڈو 14-8-2001

2- PA-18978 میجر سید اطہر علی نقوی، ٹی۔ بی ٹی، بلوچ، 2 کمانڈو 23-3-2002

3- PA-17998 لیفٹیننٹ کرنل لیاقت علی، ٹی۔ بی ٹی، پنجاب، 3 کمانڈو

4۔ کمانڈرز ایس ایس جی

نمبر شمار	نام	تاریخ تعیناتی
1۔	لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا (تمغۂ پاکستان)	29-9-55
2۔	لیفٹیننٹ کرنل محمد اسلم (ملٹری کراس)	24-6-61
3۔	کرنل ایس جی مہدی (ملٹری کراس)	6-1-64
4۔	بریگیڈئیر چوہدری نصیر احمد (تمغۂ قائدِ اعظم)	21-9-65
5۔	بریگیڈئیر شیر اللہ بیگ	4-2-68

6-	بریگیڈیئر غلام محمد	12-5-71
7-	بریگیڈیئر محمد سلیم ضیاء	3-8-75
8-	بریگیڈیئر حکیم ارشد قریشی! ستارۂ جرات	1-4-77
9-	بریگیڈیئر وحید ارشد گجیال	21-8-78
10-	بریگیڈیئر رفیع الدین احمد	26-7-79
11-	بریگیڈیئر طارق محمود (ستارۂ جرأت اینڈ بار، ستارۂ بسالت)	3-1-82
12-	بریگیڈیئر محمد اکرم (ٹی بی ٹی)	25-6-89
13-	بریگیڈیئر محمد نذیر (ستارۂ بسالت)	24-6-92
14-	بریگیڈیئر حامد رب نواز	4-9-95
15-	بریگیڈیئر کمال شوکت	2-8-96
16-	بریگیڈیئر امیر فیصل علوی	15-8-99
17-	بریگیڈیئر محمد ہارون اسلم	15-8-01

5-جی او سی ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
1-	میجر جنرل امیر فیصل علوی	14 جون 2003	حال

6- کرنل سٹاف ہیڈکوارٹرز ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
1-	کرنل طلا محمد	15 ستمبر 2003ء	01 جولائی 2004ء

2-	بریگیڈئر طلا محمد	2 جولائی 2004ء	21 اکتوبر 2004ء
3-	کرنل اعجاز احمد	18 نومبر 2004ء	حال

7- جی ایس او-1 (آپریشنز) ہیڈ کوارٹرز ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
1-	لیفٹیننٹ کرنل محمد اکرم	21 اپریل 1982ء	
2-	لیفٹیننٹ کرنل سعید اختر	3 نومبر 1984ء	
3-	لیفٹیننٹ کرنل غلام اکبر بلوچ (ٹی بی ٹی)	15 فروری 1986ء	
4-	لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیم خان	6 جنوری 1990ء	
5-	لیفٹیننٹ کرنل سید قاسم عباس	12 فروری 1991ء	
6-	لیفٹیننٹ کرنل رشید علی بنگش	4 نومبر 1992ء	
7-	لیفٹیننٹ کرنل لیاقت علی طور	یکم اپریل 1994ء	
8-	لیفٹیننٹ کرنل محمد ثناء الحق	30 ستمبر 1995ء	
9-	لیفٹیننٹ کرنل طلا محمد	5 اکتوبر 1997ء	
10-	لیفٹیننٹ کرنل احمد نجیب خان	7 ستمبر 1999ء	
11-	لیفٹیننٹ کرنل وسیم ایوب	اگست 2000ء	
12-	لیفٹیننٹ کرنل رشید احمد ملک (ستارہ جرأت)	01 فروری 2001ء	
13-	لیفٹیننٹ کرنل احمد رضا	8 اکتوبر 2002ء	
14-	لیفٹیننٹ کرنل وسیم ایوب	24 اکتوبر 2003ء	حال

8- اے اے اینڈ کیو ایم جی ہیڈ کوارٹرز ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
1-	لیفٹیننٹ کرنل مظہر الطاف	30 نومبر 2003ء	

9- سینئر ریکارڈ آفیسرز ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	میجر سید امام باقر	اپریل 2001ء	اگست 2003ء
-2	میجر جاوید خان	ستمبر 2003ء	نومبر 2004ء
-3	میجر عبدالرحمٰن	نومبر 2004ء	حال

10- کمانڈر...... ہیڈکوارٹرز سپیشل سروس بریگیڈ

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	بریگیڈیئر چوہدری محمد رفیق	7 ستمبر 2003ء	

11- کمانڈنگ آفیسرز 1 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک و نام	از	تا
1	لیفٹیننٹ کرنل عبدالمتین	جولائی 1965ء	نومبر 1966ء
2	لیفٹیننٹ کرنل ایس اے آر درانی	نومبر 1966ء	دسمبر 1967ء
3	لیفٹیننٹ کرنل محمد رفیق	دسمبر 1967ء	مئی 1970ء
4	لیفٹیننٹ کرنل عبدالشکور جان	مئی 1970ء	جنوری 1972ء
5	لیفٹیننٹ کرنل خالد گلریز بٹ	جنوری 1972ء	جولائی 1973ء
6	لیفٹیننٹ کرنل محمد یعقوب	جولائی 1973ء	ستمبر 1975ء
7	لیفٹیننٹ کرنل غلام رسول	ستمبر 1975ء	جون 1976ء

8	لیفٹیننٹ کرنل محمد ممتاز خان	جون 1976ء	جولائی 1978ء
9	لیفٹیننٹ کرنل محمد صدیق	جولائی 1978ء	ستمبر 1979ء
10	لیفٹیننٹ کرنل محمد داؤد	ستمبر 1979ء	فروری 1981ء
11	لیفٹیننٹ کرنل محمود اقبال	فروری 1981ء	اگست 1981ء
12	لیفٹیننٹ کرنل محمد اقبال	اگست 1981ء	اکتوبر 1982ء
13	لیفٹیننٹ کرنل محمد منیر	اکتوبر 1982ء	جنوری 1984ء
14	لیفٹیننٹ کرنل غلام اکبر بلوچ	جنوری 1984ء	فروری 1986ء
15	لیفٹیننٹ کرنل محمد معراج دین	فروری 1986ء	ستمبر 1987ء
16	لیفٹیننٹ کرنل ظہور احمد	ستمبر 1987ء	نومبر 1989ء
17	لیفٹیننٹ کرنل منصور اقبال	نومبر 1989ء	جون 1992ء
18	لیفٹیننٹ کرنل اختر مجید بٹ	جون 1992ء	جون 1993ء
19	لیفٹیننٹ کرنل محمد رفیق	جون 1993ء	ستمبر 1995ء
20	لیفٹیننٹ کرنل حمید اقبال خٹک	ستمبر 1995ء	اگست 1997ء
21	لیفٹیننٹ کرنل نظارت بشیر	اگست 1997ء	اگست 1998ء
22	لیفٹیننٹ کرنل شکران رفیق	اگست 1998ء	اکتوبر 2000ء
23	لیفٹیننٹ کرنل وسیم ایوب	اکتوبر 2000ء	اکتوبر 2003ء
24	لیفٹیننٹ کرنل شوکت رضوان	اکتوبر 2003ء	حال

12۔ کمانڈنگ آفیسرز 2 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک و نام	از	تا
1	لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب آفریدی	جولائی 1965ء	ستمبر 1965ء
2	لیفٹیننٹ کرنل ایم اے مجید	ستمبر 1965ء	اپریل 1967ء
3	لیفٹیننٹ کرنل محمد حیات (ستارۂ جرأت)	اپریل 1967ء	جولائی 1969ء

4	لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیم ضیاء	جولائی 1969ء	دسمبر 1969ء
5	لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیمان	دسمبر 1969ء	اپریل 1971ء
6	لیفٹیننٹ کرنل محمد حنیف ملک (ایس جے)	اپریل 1971ء	فروری 1974ء
7	لیفٹیننٹ کرنل رفیع الدین احمد	فروری 1974ء	جولائی 1975ء
8	لیفٹیننٹ کرنل سید فخر عالم	جولائی 1975ء	جون 1976ء
9	میجر یعسوب علی ڈوگر	جون 1976ء	نومبر 1976ء
10	لیفٹیننٹ کرنل ڈبلیو ایس کے وردک	نومبر 1976ء	مئی 1978ء
11	لیفٹیننٹ کرنل سلیمان احمد	مئی 1978ء	اگست 1983ء
12	لیفٹیننٹ کرنل محمد اکرم علی	اگست 1983ء	ستمبر 1986ء
13	لیفٹیننٹ کرنل محمد سرفراز خان	ستمبر 1986ء	نومبر 1989ء
14	لیفٹیننٹ کرنل حامد رب نواز	نومبر 1989ء	جون 1992ء
15	لیفٹیننٹ کرنل اختر سلطان (ٹی بی ٹی)	جون 1992ء	اکتوبر 1992ء
16	لیفٹیننٹ کرنل آزاد خان	اکتوبر 1992ء	نومبر 1974ء
17	لیفٹیننٹ کرنل خالد نذیر (ستارہ جرأت)	نومبر 1994ء	ستمبر 1996ء
18	لیفٹیننٹ کرنل فرخ بشیر	ستمبر 1996ء	ستمبر 1998ء
19	لیفٹیننٹ کرنل فخر اقبال	ستمبر 1998ء	اکتوبر 2000ء
20	لیفٹیننٹ کرنل عابد رفیق	اکتوبر 2000ء	ستمبر 2001ء
21	لیفٹیننٹ کرنل امین گل	ستمبر 2001ء	ستمبر 2003ء
22	لیفٹیننٹ کرنل نو بہار احمد	ستمبر 2003ء	حال

13- کمانڈنگ آفیسرز 4 کمانڈو بٹالین ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	لیفٹیننٹ کرنل راجہ طارق محمود		

14- کمانڈر ہیڈ کوارٹر سپیشل سروس بریگیڈ

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	کرنل سید نظارت بشیر	21 جولائی 2003ء	01 جولائی 2004ء
-2	بریگیڈیئر سید نظارت بشیر	2 جولائی 2004ء	حال

15- کمانڈنگ آفیسرز 3 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک و نام	از	تا
1	لیفٹیننٹ کرنل محمد شعیب	جولائی 1965ء	دسمبر 1966ء
2	لیفٹیننٹ کرنل امیر گلستان جنجوعہ	دسمبر 1966ء	جولائی 1967ء
3	لیفٹیننٹ کرنل شمس الحق (ستارہ جرأت)	جولائی 1967ء	جون 1970ء
4	لیفٹیننٹ کرنل زاہد عالم خان	جون 1970ء	جولائی 1971ء
5	لیفٹیننٹ کرنل اقبال نذیر	جولائی 1971ء	جون 1973ء
6	لیفٹیننٹ کرنل محمود شاہ تمغہ بسالت، تمغہ امتیاز (ملٹری)	جون 1973ء	اپریل 1974ء
7	لیفٹیننٹ کرنل طارق محمود ستارہ جرات (دو مرتبہ) ستارہ بسالت	اپریل 1974ء	جنوری 1982ء
8	میجر ظہور احمد ملک (قائم مقام)	جنوری 1982ء	مارچ 1982ء
9	لیفٹیننٹ کرنل سعید اختر	مارچ 1982ء	اکتوبر 1984ء
10	لیفٹیننٹ کرنل ذوالفقار حسین شاہ	اکتوبر 1984ء	ستمبر 1987ء
11	لیفٹیننٹ کرنل صفدر عتیق اعوان	ستمبر 1987ء	نومبر 1990ء

12	لیفٹیننٹ کرنل گل محمد خان (ٹی بی ٹی)	نومبر 1990ء	اکتوبر 1993ء
13	لیفٹیننٹ کرنل شعیب خان	اکتوبر 1993ء	جولائی 1995ء
14	لیفٹیننٹ کرنل کمال شوکت	جولائی 1995ء	اگست 1996ء
15	میجر نوید ریاض (قائم مقام)	اگست 1996ء	نومبر 1996ء
16	لیفٹیننٹ کرنل طلا محمد	نومبر 1996ء	ستمبر 1997ء
17	لیفٹیننٹ کرنل رشید احمد ملک (ستارہ جرأت)	ستمبر 1997ء	نومبر 1999ء
18	لیفٹیننٹ کرنل احمد رضا	دسمبر 1999ء	اکتوبر 2002ء
19	لیفٹیننٹ کرنل کمال امان خان	اکتوبر 2002ء	اکتوبر 2004ء
20	لیفٹیننٹ کرنل محمد ارشد خان	اکتوبر 2004ء	حال

16- فہرست آفیسرز کمانڈنگ کرار کمپنی ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	میجر شاہد اجمل	مارچ 2003ء	اپریل 2004ء
-2	میجر محمد احسن عمر	اپریل 2004ء	حال

17- فہرست آفیسرز کمانڈنگ ضرار کمپنی (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	میجر ایم خورشید آفریدی	جولائی 1981ء	فروری 1983ء
-2	کیپٹن خاور آفتاب	فروری 1983ء	جون 1985ء
-3	میجر ایم اقبال بٹ	جون 1985ء	مارچ 1986ء

-4	کیپٹن خاور آفتاب	مارچ1986ء	نومبر1986ء
-5	میجر منصور اقبال (ستارہ بسالت)	نومبر1986ء	نومبر 1989ء
-6	کیپٹن رشید محمود	نومبر1989ء	مارچ1990ء
-7	میجر ایم امیر خان	مارچ1990ء	جنوری1993ء
-8	میجر ایم اقبال بٹ	جنوری1993ء	جولائی1993ء
-9	میجر سید امام باقر	جولائی1993ء	جنوری1995ء
-10	میجر طارق محمود خان (ستارہ بسالت)	جنوری1995ء	ستمبر1996ء
-11	میجر ارشد عدنان (ستارہ بسالت)	ستمبر1996ء	اگست 1997ء
-12	میجر ہارون اسلام	اگست 1997ء	مئی2000ء
-13	میجر شفقت محمود	جون2000ء	جنوری2002ء
-14	میجر ایم رضوان لاشاری	جنوری2002ء	مارچ2004ء
-15	میجر شجاع اکبر	مارچ2004ء	ستمبر2004ء
-16	میجر طارق علی	دسمبر2004ء	حال

18-فہرست آفیسرز کمانڈنگ موسیٰ کمپنی ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	میجر محمود کمال .	مارچ1956ء	اپریل1962ء
-2	میجر حکیم ارشد قریشی	اپریل1962ء	فروری1964ء
-3	کیپٹن محمد صادق	فروری1964ء	ستمبر1965ء
-4	کیپٹن ڈبلیو ایس کے ورڈگ	ستمبر1965ء	جون1967ء
-5	کیپٹن محمد محسن خان	جون1967ء	مارچ1968ء

6-	کیپٹن بلال احمد	مارچ 1968ء	جون 1970ء
7-	میجر جاوید لطیف کاہلوں	جون 1970ء	اگست 1973ء
8-	میجر اختر قادر ایس جے اینڈ بار	اگست 1973ء	فروری 1974ء
9-	میجر فیض اکبر	فروری 1974ء	دسمبر 1977ء
10-	میجر ایس سجاد علی	دسمبر 1977ء	دسمبر 1978ء
11-	کیپٹن سید قاسم عباس	دسمبر 1978ء	نومبر 1980ء
12-	میجر سید قاسم عباس	نومبر 1980ء	دسمبر 1981ء
13-	میجر تنویر احمد راجہ	فروری 1982ء	جولائی 1987ء
14-	کیپٹن عمران محمد خان	جولائی 1987ء	مارچ 1988ء
15-	میجر ضیاء الحسن بٹ	مارچ 1988ء	اپریل 1991ء
16-	کیپٹن محمد اورنگ زیب	مئی 1991ء	جون 1992ء
17-	میجر راجہ طارق محمود	جون 1992ء	جون 1995ء
18-	کیپٹن محمد اورنگ زیب	جون 1995ء	مارچ 1996ء
19-	میجر محمد احمد خان	مارچ 1996ء	اپریل 1998ء
20-	میجر ودیع بن حنیف	اپریل 1998ء	ستمبر 1998ء
21-	میجر محمد ارشد خان	ستمبر 1998ء	اگست 2001ء
22-	میجر اعجاز احمد کھوکھر	اگست 2001ء	حال

19-فہرست آفیسرز کمانڈنگ گروپ سگنل کمپنی ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
1-	کیپٹن چوہدری اے ایچ سندھو	جنوری 1958ء	مئی 1960ء
2-	میجر جمیل الرحمٰن	مئی 1960ء	جنوری 1963ء

-3	میجر آفریدی زیڈ اے خان	جنوری 1963ء	فروری 1964ء
-4	میجر ناصر محمود	فروری 1964ء	فروری 1967ء
-5	میجر خالد رضا	مارچ 1967ء	دسمبر 1967ء
-6	میجر محمد حفیظ	دسمبر 1968ء	جولائی 1970ء
-7	میجر اعظم علی	اگست 1970ء	جنوری 1971ء
-8	میجر اجمل محمود	جنوری 1971ء	مئی 1972ء
-9	میجر ناصر احمد	مئی 1972ء	جنوری 1974ء
-10	میجر عارف شاہد	جنوری 1974ء	فروری 1975ء
-11	کیپٹن حسن رضا	مارچ 1975ء	اکتوبر 1976ء
-12	میجر عزیز عباس زیدی	اکتوبر 1976ء	دسمبر 1978ء
-13	میجر آغا محمود احمد	دسمبر 1978ء	جون 1981ء
-14	میجر حسن رضا	جون 1981ء	مئی 1983ء
-15	میجر ایم حفیظ مرزا	مئی 1983ء	جون 1993ء
-16	میجر فرخ سعید	جون 1993ء	جنوری 1997ء
-17	میجر صفدر	جنوری 1997ء	اکتوبر 1998ء
-18	میجر ثناء اللہ خان نیازی	اکتوبر 1998ء	اکتوبر 2001ء
-19	کیپٹن ثاقب اقبال	اکتوبر 2001ء	نومبر 2003ء
-20	میجر شاہد اسرار	نومبر 2003ء	حال

20۔ آفیسرز کمانڈنگ پیرا ٹریننگ سکول (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک اور نام	از	تا
-1	میجر خالد لطیف انصاری	مارچ 1964ء	جولائی 1964ء
-2	میجر ایوب آفریدی	اگست 1964ء	مارچ 1965ء

-3	میجر ایس ایم نعیم	اپریل 1965ء	جولائی 1965ء
-4	میجر فضل اکبر	اگست 1965ء	دسمبر 1966ء
-5	میجر ایس اے درانی	جنوری 1967ء	اپریل 1967ء
-6	میجر رفیع الدین	مئی 1967ء	نومبر 1968ء
-7	میجر طارق محمود، ستارہ جرات اینڈ بار	دسمبر 1968ء	اگست 1971ء
-8	میجر خان ادیب احمد	ستمبر 1971ء	جنوری 1973ء
-9	میجر ایم اکرم علی خان	فروری 1973ء	جون 1973ء
-10	میجر عزیز عباس زیدی	جولائی 1973ء	اکتوبر 1973ء
-11	میجر سلطان امیر	نومبر 1973ء	مئی 1976ء
-12	میجر فاروق احمد	جون 1976ء	جون 1979ء
-13	میجر اختر سلطان	جولائی 1979ء	فروری 1985ء
-14	میجر محمد شعیب خان	مارچ 1985ء	نومبر 1987ء
-15	میجر وسیم الرحمن	دسمبر 1987ء	ستمبر 1988ء
-16	میجر معین قادر خان	اکتوبر 1988ء	جولائی 1990ء
-17	کیپٹن شکران رفیق	جولائی 1990ء	جنوری 1991ء
-18	میجر ایم سعد اللہ کھوسہ	فروری 1991ء	جون 1992ء
-19	میجر شکران رفیق	جولائی 1992ء	جولائی 1995ء
-20	میجر امین گل	اگست 1995ء	اکتوبر 1998ء
-21	میجر خالد جمیل	نومبر 1998ء	مارچ 2002ء
-22	میجر سنر خان	اپریل 2002ء	مارچ 2003ء
-23	میجر خالد جمیل	اپریل 2003ء	اگست 2003ء
-24	میجر جاوید اللہ	ستمبر 2003ء	حال

21- کمانڈانٹ، سپیشل آپریشنز سکول (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک و نام	از	تا
-1	لیفٹیننٹ کرنل ظہور احمد	دسمبر 1999ء	نومبر 2000ء
-2	لیفٹیننٹ کرنل نعیم ذکاء	نومبر 2000ء	دسمبر 2001ء
-3	لیفٹیننٹ کرنل محمد ماشاءاللہ خاں	دسمبر 2001ء	جولائی 2002ء
-4	لیفٹیننٹ کرنل ودیع بن حنیف	اکتوبر 2002ء	اکتوبر 2004ء
-5	لیفٹیننٹ کرنل ساجد نوید	دسمبر 2004ء	حال

22- اول آنے والے بہترین سٹوڈنٹ
(آفیسرز ایڈوانس کمانڈو کورس)

کورس سیریل	سال	رینک اور نام	کور / رجمنٹ
OACC-1	1959ء	لیفٹیننٹ اجمل خان	بلوچ
OACC-2	1960ء	کیپٹن سید جعفر حسین	انجینئر
OACC-3	1961ء	لیفٹیننٹ وحید ارشد گجیال	ایف ایف
OACC-4	1962ء	لیفٹیننٹ محمد اشرف	بلوچ
OACC-5	1963ء	کیپٹن چوہدری سردار علی	ایف ایف
OACC-6	1964ء	کیپٹن محمد یٰسین کھوکھر	ایف ایف
OACC-7	1965ء	کیپٹن غلام رضا	انجینئر
OACC-8	1966ء	کیپٹن جاوید اقبال	ایف ایف
OACC-9	1967ء	کیپٹن ممتاز خان	ایف ایف
OACC-10	1968ء	کیپٹن سلیمان احمد	ایف ایف

OACC-11	1969ء	کیپٹن ظفر محمود	پنجاب
OACC-12	1970ء	کیپٹن ممتاز علی	ایف ایف
OACC-13	1971ء	کیپٹن سلطان امیر	ایف ایف
OACC-14	1973ء	کیپٹن پرویز خان	ایف ایف
OACC-15	1974ء	کیپٹن محمد ارشد	بلوچ
OACC-16	1975ء	کیپٹن سید قاسم عباس	بلوچ
OACC-17	1976ء	کیپٹن منصور اقبال	بلوچ
OACC-18	1977ء	کیپٹن شوکت نذیر ہمدانی	بلوچ
OACC-19	1978ء	کیپٹن (اب میجر جنرل اور جی او سی ایس ایس جی) امیر فیصل علوی	آرمرڈ کور
OACC-20	1979ء	کیپٹن پرویز صفدر	سگنلز
OACC-21	1980ء	کیپٹن محمد ہارون اسلم	اے کے
OACC-22	1981ء	لیفٹیننٹ شاہد فاروق	ایف ایف
OACC-23	1982ء	کیپٹن آفتاب احمد	اے ایم سی
OACC-24	1983ء	لیفٹیننٹ سرفراز علی خان	اے ایس سی
OACC-25	1984ء	لیفٹیننٹ ایاز احمد	سندھ
OACC-26	1986ء	لیفٹیننٹ انور پاشا	بلوچ
OACC-27	1987ء	لیفٹیننٹ عابد رفیق	آرٹلری
OACC-28	1988ء	لیفٹیننٹ محمد اورنگزیب	سندھ
OACC-29	1989ء	لیفٹیننٹ سخاوت حسین زاہد	سندھ
OACC-30	1989ء	کیپٹن غلام ربانی	بلوچ
OACC-31	1990ء	لیفٹیننٹ عامر حمید	سندھ
OACC-32	1991ء	کیپٹن محمد سعید ربانی	اے کے
OACC-33	1992ء	لیفٹیننٹ عرفان ظفر	بلوچ

OACC-34	1993ء	کیپٹن ممتاز حسین	پنجاب
OACC-35	1994ء	کیپٹن حامد رضا کیانی	بلوچ
OACC-36	1995ء	کیپٹن سید علمدار حسین	بلوچ
OACC-37	1996ء	کیپٹن شجاع اکبر	ایف ایف
OACC-38	1997ء	کیپٹن اظہر ایوب کیانی	ایف ایف
OACC-39	1998ء	کیپٹن طاہر محمود	اے کے
OACC-40	1999ء	لیفٹیننٹ ظفر اللہ خان	ایف ایف
OACC-41	2000ء	لیفٹیننٹ جہانگیر محمود	آرمرڈ کور
OACC-42	2001ء	لیفٹیننٹ ضمیر عباس	ایف ایف
OACC-43	2001ء	لیفٹیننٹ محمد یٰسین اقبال	ائیر ڈیفنس
OACC-44	-------	------------------------------	منسوخ کر دیا گیا
OACC-45	2003ء	لیفٹیننٹ محمد کاشف نعیم	ایف ایف
OACC-46	2004ء	کیپٹن عاطف آزاد	پنجاب
OACC-47	2004ء	لیفٹیننٹ محمد ادریس	ایف ایف

23۔ اول آنے والے بہترین سٹوڈنٹ
(او آر بیسک کمانڈ کورس)

کورس سیریل نمبر	سال	نمبر، رینک اور نام	کور / رجمنٹ
ORBCC-1 to 7	1981ء تا 1987ء	(جی آر او شائع کیا گیا لیکن پوزیشن نہیں بتائی گئی)	-
ORBCC-8	1987-88ء	PAO/580/CAS/8 شائع کیا گیا لیکن پوزیشن نہیں بتائی گئی	-
ORBCC-9	1988-89ء	1399915 سپاہی شوکت علی	انجینیرز

ORBCC-10 1989-90ء	PAO 774/CAS/90' شائع کیا گیا لیکن پوزیشن ظاہر نہیں کی گئی۔	
ORBCC-11 1990ء	1705183 سپاہی اسرار احمد	انجینئرز
ORBCC-12 1991-92ء	2583953 سپاہی محمد انصار	بلوچ
ORBCC-13 1992ء	PAO/523/CAS/93 شائع کیا گیا لیکن پوزیشن نہیں بتائی گئی	-
ORBCC-14 1993ء	3329723 سپاہی محمد عثمان	ایف ایف
ORBCC-15 1994ء	PAO 428/CAS/95 شائع کیا گیا لیکن پوزیشن نہیں بتائی گئی	-
ORBCC-16 1995ء	3730133 سپاہی ظفر اقبال	بلوچ
ORBCC-17 1996ء	3090517 سپاہی تسارت محمود	آرٹلری
ORBCC-18 1997ء	333552 سپاہی عزیز الرحمن رانا	ایف ایف
ORBCC-19 1998ء	4307814 سپاہی ظفر حسین	اے کے
ORBCC-20 1999/2000ء	3738484 سپاہی محمد امتیاز	بلوچ
ORBCC-21 2000/2001ء	3344806 سپاہی محمد رحمن	ایف ایف
ORBCC-22 2001/2002ء	1735406 سپاہی اکبر علی	انجینئرز
ORBCC-23 2002/2003ء	3740275 سپاہی غلام مصطفیٰ	بلوچ

24۔ حاضر سروس جنرل آفیسرز (ایس ایس جی)

نمبر شمار	پی اے نمبر	رینک اور نام	ایڈریس
1-	6920	جنرل پرویز مشرف نشانِ امتیاز (ملٹری)، ٹی بی ٹی	چیف آف آرمی سٹاف (راولپنڈی)

-2	10836	لیفٹیننٹ جنرل محمد زبیر ستارۂ امتیاز (ملٹری)	انجینئرز انچیف، پاکستان آرمی (راولپنڈی)
-3	13103	لیفٹیننٹ جنرل حامد رب نواز	کمانڈر 12 کور (کوئٹہ)
-4	15079	میجر جنرل طاہر محمود	کمانڈر ایف سی این اے (گلگت)
-5	16006	میجر جنرل امیر فیصل علوی	جی او سی، ایس ایس جی (چراٹ)

25۔ ایس ایس جی کے ریٹائرڈ جنرل آفیسرز

نمبر شمار	رینک	نام	ڈیکوریشن	ایڈریس
-1	جنرل	شمیم عالم خان	نشانِ امتیاز (ملٹری)، ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ جرات، ستارۂ بسالت	راولپنڈی
-2	جنرل	مرزا اسلم بیگ	نشانِ امتیاز (ملٹری)، ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ بسالت	راولپنڈی
-3	لیفٹیننٹ جنرل	محمد اشرف	ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ بسالت	روالپنڈی
-4	"	چوہدری سردار علی	ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ بسالت	لاہور
-5	"	محمد افضل جنجوعہ	ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ جرات، ستارۂ بسالت	جہلم

-6	"	پیرداد خان	ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ جرات، ستارۂ بسالت	لاہور
-7	"	طاہر علی قریشی	ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ بسالت	ڈی آئی خان
-8	"	ملک عبدالمجید	———	اسلام آباد
-9	"	نشاط احمد	ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارۂ بسالت	لاہور
-10	ائر مارشل	اے رشید شیخ	———	راولپنڈی
-11	ایڈمرل	طارق کمال خان	نشانِ امتیاز (ملٹری)	اسلام آباد
-12	میجر جنرل	چوہدری نصیر احمد	تمغۂ قائدِ اعظم	لاہور
-13	"	غلام محمد	ہلال امتیاز (ملٹری)	لاہور
-14	"	حکیم ارشد قریشی	ہلال امتیاز (ملٹری) ستارۂ جرات، ستارۂ بسالت	لاہور
-15	"	ایم امتیاز علی	———	راولپنڈی
-16	"	سجاد حسین	ہلال امتیاز (ملٹری) ستارۂ بسالت	راولپنڈی
-17	"	سید مصطفیٰ انور حسین	———	لاہور
-18	"	سید الحسن زیدی	ہلال امتیاز (ملٹری) ستارۂ بسالت	راولپنڈی
-19	"	وحید ارشد گجیال	ہلال امتیاز (ملٹری)	لاہور
-20	"	ایس ای رانا (مرحوم)	ہلال امتیاز (ملٹری)	راولپنڈی
-21	"	محمد نصیر احمد	———	لاہور

-22	"	ابوبکر عثمان مٹھا (مرحوم)	ہلالِ جرات، ستارۂ پاکستان، ستارۂ قائدِ اعظم	اسلام آباد
-23	"	رفیع الدین احمد (مرحوم)	ستارۂ امتیاز (ملٹری) ستارۂ بسالت	راولپنڈی

26۔ ایس ایس جی کے (ریٹائرڈ) سینئر آفیسرز

نمبر شمار	رینک	نام	اقامت
1	بریگیڈیر	ایس اے آر درانی	کوئٹہ
2	بریگیڈیر	محمد حیات	پشاور
3	بریگیڈیر	محمد سلیم ضیاء	لاہور
4	بریگیڈیر	امیر گلستان جنجوعہ	راولپنڈی
5	بریگیڈیر	مشتاق احمد	کھاریاں
6	بریگیڈیر	محمد سلیم خان	اسلام آباد
7	بریگیڈیر	جاوید حسین	کراچی
8	بریگیڈیر	ظہیر عالم خان	کراچی
9	بریگیڈیر	محمد اعظم مرزا	لاہور
10	بریگیڈیر	عبدالشکور جان	پشاور
11	بریگیڈیر	میاں حفیظ احمد	لاہور
12	بریگیڈیر	محمد یامین کھوکھر	لاہور
13	بریگیڈیر	آفتاب حسن قریشی	راولپنڈی
14	بریگیڈیر	عبدالحمید ڈوگر	لاہور
15	بریگیڈیر	شمیم یٰسین منٹو	کراچی

16	بریگیڈیر	سید رضا علی	راولپنڈی
17	بریگیڈیر	ہمایوں ملک	لاہور
18	بریگیڈیر	سید جعفر حسین	راولپنڈی
19	بریگیڈیر	اقبال نذیر وڑائچ	لاہور
20	بریگیڈیر	امیر محمد خان	لاہور
21	بریگیڈیر	مشیر محمد خان	لاہور
22	بریگیڈیر	محمد سرفراز خاں	خوشاب
23	بریگیڈیر	محمد اجمل خان	لاہور
24	بریگیڈیر	ایس طارق رفیع	لاہور
25	بریگیڈیر	محمد آزاد	راولپنڈی
26	بریگیڈیر	خواجہ نسیم اقبال	لاہور
27	بریگیڈیر	سید سرفراز علی	راولپنڈی
28	بریگیڈیر	خورشید غیاث احمد	لاہور
29	بریگیڈیر	فاروق احمد	راولپنڈی
30	بریگیڈیر	نصر اللہ خاں	لاہور
31	بریگیڈیر	خالد رضا	لاہور
32	بریگیڈیر	نیب الرحمن فاروقی	راولپنڈی
33	بریگیڈیر	خادم حسین	راولپنڈی
34	بریگیڈیر	عبدالرحمن جرال	راولپنڈی
35	بریگیڈیر	محمد اعظم	گجرات
36	بریگیڈیر	طارق محمود	راولپنڈی
37	بریگیڈیر	خالد محمود	راولپنڈی
38	بریگیڈیر	محمد اقبال	راولپنڈی
39	بریگیڈیر	ممتاز علی	راولپنڈی

40	بریگیڈیر	آغا محمد اکرم علی خان	لاہور
41	بریگیڈیر	عزیز عباس زیدی	اسلام آباد
42	بریگیڈیر	محمد عمر	اسلام آباد
43	بریگیڈیر	یعسوب علی ڈوگر	لاہور
44	بریگیڈیر	محمد ہاشم خان	راولپنڈی
45	بریگیڈیر	محمد اکرم	مستونگ
46	بریگیڈیر	محمد نذیر	لاہور
47	بریگیڈیر	محمد اکرم	خوشاب
48	بریگیڈیر	شیر علی خاں	راولپنڈی
49	بریگیڈیر	زیڈاے خان	کراچی
50	کرنل	سلطان امیر	راولپنڈی
51	کرنل	ایس.جی مہدی	اسلام آباد
52	کرنل	عبدالمتین آفریدی	راولپنڈی
53	کرنل	شیخ نصرت اللہ	کراچی
54	کرنل	سید احمد	کراچی
55	کرنل	محمد یعقوب	لاہور
56	کرنل	عبدالرؤف خان	اسلام آباد
57	کرنل	محمد محسن خان	لاہور
58	کرنل	محمد امین ملک	لاہور
59	کرنل	رفیع الدین	راولپنڈی
60	کرنل	ڈبلیو ایس خان وردگ	راولپنڈی
61	کرنل	اختر مجید بٹ	لاہور
62	کرنل	محمد حفیظ	راولپنڈی
63	کرنل	سلمان احمد	کراچی

64	کرنل	محمد صفدر	راولپنڈی
65	کرنل	غلام اکبر بلوچ	اسلام آباد
66	کرنل	محمد حسین	پشاور
67	کرنل	محمد حنیف ملک	راولپنڈی
68	کرنل	سعد اللہ بیگ	اسلام آباد

27۔ صوبیدار میجر صاحبان ہیڈ کوارٹر ایس ایس جی

نمبر شمار	رینک اور نام	تاریخ تعیناتی
-1	صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) لطیف شاہ، ٹی کے-1	اپریل 1970ء
-2	صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) محمد فاضل شاہ، ٹی کے-1	اپریل 1974ء
-3	صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) ممتاز حسین، ٹی کے-1	اگست 1977ء
-4	صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) محمود علی، ٹی کے-1	اگست 1982ء
-5	صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) عیسیٰ خان، ٹی کے-1	اگست 1987ء
-6	صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) اختر زمان	جون 1992ء
-7	صوبیدار میجر ریاض حسین	جون 1997ء
-8	صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) عمر خان، ٹی کے-1، ٹی بی ٹی	دسمبر 2000ء

28۔ صوبیدار میجر صاحبان 1 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک و نام	تاریخ تعیناتی	یونٹ
-1	آنریری کیپٹن سردار خان	جنوری 1942ء	17 بلوچ
-2	صوبیدار میجر رحیم گل	نومبر 1943ء	"
-3	صوبیدار میجر عبدالمجید	نومبر 1944ء	"

-4	صوبیدار میجر مہندر خان	مئی 1947ء	"
-5	آنریری لیفٹیننٹ شیر احمد	اگست 1947ء	"
-6	صوبیدار میجر بوستان خان	مئی 1952ء	"
-7	صوبیدار میجر جہاں داد خان	ستمبر 1952ء	"
-8	آنریری کیپٹن لال حسین	اکتوبر 1956ء	19 بلوچ
-9	صوبیدار میجر شوکت علی	اکتوبر 1962ء	"
-10	صوبیدار میجر شوکت علی	مارچ 1964ء	19 پیرا بٹالین
-11	آنریری لیفٹیننٹ محمد اشرف	جولائی 1965ء	1 (پیرا) رینجر یونٹ ایس ایس جی (بلوچ)
-12	آنریری کیپٹن محمد اشرف	مارچ 1966ء	1 کمانڈو
-13	صوبیدار میجر نعمت خان	مارچ 1968ء	"
-14	صوبیدار میجر فاضل شاہ	اگست 1972ء	"
-15	صوبیدار میجر محمد ایوب	مئی 1975ء	"
-16	آنریری کیپٹن غلام رسول	جون 1980ء	"
-17	آنریری کیپٹن فضل حسین	نومبر 1983ء	"
-18	آنریری لیفٹیننٹ عبدالرشید	دسمبر 1988ء	"
-19	آنریری لیفٹیننٹ غلام احمد	اگست 1992ء	1 کمانڈو
-20	صوبیدار میجر محمد اسلم خان	جون 1997ء	"
-21	آنریری لیفٹیننٹ محمد اسحٰق	نومبر 1999ء	"
-22	صوبیدار میجر رب نواز	نومبر 2003ء	"

29۔ صوبیدار میجر صاحبان 2 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی)

نمبر شمار	رینک اور نام	تاریخ تعیناتی
-1	پی جے او۔14182 صوبیدار میجر شوکت علی	یکم جولائی 1965ء
-2	پی جے او۔5976 صوبیدار میجر زرداد خان	یکم نومبر 1967ء
-3	پی جے او۔3668 صوبیدار میجر محمد اسلم	یکم اپریل 1974ء
-4	پی جے او۔151397 صوبیدار میجر محمد حسین	2 جولائی 1976ء
-5	پی جے او۔171299 صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) غلام رسول، ٹی کے-1	نومبر 1978ء
-6	پی جے او۔4917 صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) محمد رمضان، ٹی کے-1	جون 1980ء
-7	پی جے او۔151791 صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) قاضی اکرام الدین، ٹی کے-1	جون 1985ء
-8	پی جے او۔49684 صوبیدار میجر (آنریری کیپٹن) محمد عارف، ٹی کے-1	جون 1990ء
-9	پی جے او۔194093 صوبیدار میجر (آنریری لیفٹیننٹ) اورنگزیب، ٹی کے۔2	جولائی 1994ء
-10	پی جے او۔116885 صوبیدار میجر ذوالفقار احمد	جولائی 1999ء
-11	پی جے او۔186730 صوبیدار میجر حکیم گل	مارچ 2002ء

30۔ صوبیدار میجر صاحبان 3 کمانڈ بٹالین (ایس ایس جی)

نمبر شمار	پی جے او نمبر	نام	رجمنٹ/کور	عرصہ
1	16315	صوبیدار میجر عبدالسنان	ایف ایف	جون 1965ء تا جون 1970ء
2	35427	صوبیدار میجر گل ضمیر	آرڈننس	جون 1970ء تا جون 1975
3	170832	صوبیدار میجر محمد شریف	بلوچ	جولائی 1975ء تا فروری 1980ء
4	171582	صوبیدار میجر غلام حسین	بلوچ	مارچ 1980ء تا مارچ 1984ء
5	171687	آنریری کیپٹن عبدالحسین خان	بلوچ	مارچ 1984ء تا فروری 1985ء
6	173359	صوبیدار میجر اسلم خان تمغۂ جرأت	بلوچ	دسمبر 1989ء تا اپریل 1992ء
7	114229	صوبیدار میجر نصیر الدین	ایئر ڈیفنس	اپریل 1992ء تا ستمبر 1994ء
8	116310	آنریری کیپٹن احمد خان	آرٹلری	ستمبر 1994ء تا ستمبر 1999ء
9	155578	صوبیدار میجر بشیر احمد	پنجاب	ستمبر 1999ء تا حال
10	176541	صوبیدار میجر فرید خان		دسمبر 2003ء

31۔ صوبیدار میجر صاحبان 4 کمانڈو بٹالین (ایس ایس جی)

نمبر شمار	پی جے او نمبر	نام	عرصہ
1	63497	صوبیدار میجر فضل دین	26 ستمبر 2004ء

32۔ صوبیدار میجر (کلرک) صاحبان

نمبر شمار	نمبر	رینک و نام	تاریخ تعیناتی
1-	پی جے او- 1707.67	صوبیدار میجر کلرک عطا محمد	مئی 1974ء

-2	پی جے او-171675 صوبیدار میجر کلرک محمد انور	مئی 1979ء
-3	پی جے او-172041 صوبیدار میجر کلرک عبدالباسط	جون 1982ء
-4	پی جے او-171856 صوبیدار میجر کلرک عبدالمستقیم	فروری 1984ء
-5	پی جے او-173881 صوبیدار میجر کلرک محمد آزاد	فروری 1989ء
-6	پی جے او-174005 صوبیدار میجر کلرک فضل حسین	فروری 1994ء
-7	پی جے او-175650 آنریری لیفٹیننٹ کلرک شیخ ماسم، ٹی کے-1	فروری 1999ء
-8	176138 صوبیدار میجر محمد اسلم	فروری 2004ء

کرنل مٹھا

1954ء میں جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی نے فیصلہ کیا کہ پاکستان آرمی میں ایک مستقل غیر روایتی فورس قائم کی جائے جس میں 17 بلوچ، 312 گیریشن کمپنی اور ریور (River) ریکی یونٹ شامل کر دی جائیں۔ اس کے علاوہ دو فیصلے اور بھی کیے گئے۔ ایک اس فورس کے اوّلین کمانڈنگ آفیسر کے طور پر لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا کا انتخاب کیا گیا اور دوسرے اس کی لوکیشن کے لیے چراٹ اور اٹک کا چناؤ کیا گیا۔

لیفٹیننٹ کرنل ابوبکر عثمان مٹھا نے 1942ء میں بمبئی گرینیڈیر میں کمیشن حاصل کیا اور دوسری جنگ عظیم میں جو اس وقت جاری تھی اس کی برما وار میں شریک ہوئے۔ 1947ء میں برصغیر کی تقسیم پر وہ 8 پنجاب رجمنٹ میں پوسٹ کیے گئے، وہاں سے سٹاف کالج کیا اور اس کے بعد بریگیڈیر عبدالحمید کے ساتھ بطور بریگیڈ میجر کام کیا۔ بریگیڈیر عبدالحمید بعد میں جنرل اور چیف آف آرمی سٹاف بنے۔ بطور لیفٹیننٹ کرنل مٹھا نے 9/8 پنجاب کھڑی کی اور پھر GHQ میں ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ میں پوسٹ ہوئے۔ 1955ء میں لیفٹیننٹ کرنل مٹھا کو ''سپیشل سروس گروپ'' کی تشکیل کے لیے منتخب کیا گیا۔ ''سپیشل سروس گروپ'' جیسی ایک غیر روایتی عسکری تنظیم کو تشکیل کرنے کے لیے وہ ایک نہایت موزوں شخصیت تھے۔

بعد میں انہیں میجر جنرل کے عہدے پر ترقی ملی اور ''ہلال جرأت''، ''ستارۂ قائداعظم''، ''تمغۂ پاکستان'' کے اعزازت سے نوازا گیا۔ 1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو جب وزیراعظم بنے تو ان کو قبل از وقت ریٹائر کر دیا گیا۔ وہ 1999ء میں فوت ہوئے اور اسلام آباد میں دفن کیے گئے۔

ایس ایس جی کا ترانہ

یہ سنگیں حصاروں کی اونچی فصیلیں
یہ دریا، یہ ساگر، یہ صحرا، یہ جھیلیں
یہی ہیں نشیمن، یہی آشیانے
عقابوں کے مسکن، ہمارے ٹھکانے

مصائب کے طوفاں، حوادث کی موجیں
بلاؤں کے ریلے، بگولوں کی فوجیں
ہمیں زندہ رکھنے کے ہیں سب بہانے
یہی اک حقیقت ہے، باقی فسانے

ہمارے مقابل ہو، ہے کس کی ہستی
ہمارے لیے ہر بلندی ہے پستی
ہمیں کیا چلے آپ ماضی سنانے؟
ستاروں سے آگے ہمارے زمانے!

نڈر، نیک دل، صف شکن، بے ریا ہیں
ہمالہ تو کیا، آسماں زیرِ پا ہیں
دلوں میں بھرے لاالہ کے خزانے
نگاہوں میں بجلی، لبوں پر ترانے

بہت کم سخن اور گمنام ہیں ہم
جو سچ پوچھتے ہو تو ابہام ہیں ہم
کبھی ہوش میں ہیں، کبھی ہیں دوانے
یہی اپنی منزل، یہی آستانے

Rs: 2000/-

ISBN: 978-969-610-032-4
9 789696 100324

ILM-O-IRFAN PUBLISHERS
Al-Hamd Market 40-Urdu Bazar Lahore.
37223584' 37232336' 37352332
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers1@gmail.com
www.facebook.com/ilmoirfanpublishers
95-Y Block Commercial, Basement Phase-3 DHA Lahore
+92 331 41 00 827 | +92 336 4633908
www.lahorebookcity.com
yasirfaraz94@gmail.com